

اُمّتِ مساجد کے لئے ایک بیش بہا تحفہ

# تحفۃ الامت

- ★ ایک ایسی کتاب جس میں اُمّتِ مساجد کی صفات
  - ★ اُمّتِ کرام کے لئے بزرگانِ دین کے نصائح، آداب و عظ
  - ★ اُمّتِ کرام کی مسجد کی ذمہ داریاں، اتفاق کی اہمیت
  - ★ اُمّتِ کرام کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں، مقتدیوں کی تربیت
- غرض ہر مسجد کے امام کو جن خوبیوں اور صفات سے آراستہ ہونا ضروری ہے  
ان تمام امور کا ذکر بڑے دل نشین اور دل چسپ انداز سے کیا گیا ہے

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی و صدر رفاق المدارس العربیہ پاکستان

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

تألیف

محمد حنیف عبد المجید

سابق استاذ جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن



بیت العلم ٹرسٹ





اُمّتِ مساجد کے لئے ایک بیش بہا تحفہ

# تحفۃ الامت

- ★ ایک ایسی کتاب جس میں اُمّتِ مساجد کی صفات
- ★ اُمّتِ کرام کے لئے بزرگانِ دین کے نصائح، آداب و وعظ
- ★ اُمّتِ کرام کی مسجد کی زمرہ داریاں، اتفاق کی اہمیت
- ★ اُمّتِ کرام کی دعوت و تبلیغ کی زمرہ داریاں، مقتدیوں کی تربیت
- غرض ہر مسجد کے امام کو جن خوبیوں اور صفات سے آراستہ ہونا ضروری ہے
- ان تمام امور کا ذکر بڑے دل نشین اور دل چسپ انداز سے کیا گیا ہے

تقریظ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی و صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

مقلوبین

اختر علی، خلیل الرحمن

فاضلان وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تالیف

محمد حنیف عبد المجید

سابق اُساتذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

بیت العلم ورسٹ

G-30، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،

اردو بازار، کراچی۔ فون: 2726509



مجلہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

11030809

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون: 0300-8948974, 0322-2583199

فیکس: +92-213-2726509

کتاب کا نام..... تحفۃ الائمہ

مؤلف..... محمد حنیف عبد المجید

تاریخ اشاعت..... رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ بمطابق اگست ۲۰۰۹ء

ناشر..... مکتبہ بیت العلم

ST-9E بلاک ۸، گلشن اقبال، کراچی

فون نمبر: +92-213-4976073 فیکس: +92-213-4976339

ویب سائٹ: www.mbi.com.pk ای میل: info@mbi.com.pk

ملنے چکی کی لیکچر پتہ

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7224228

☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7228196

☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون: 061-4544965

☆ کتب خانہ رشیدیہ، ریلوے بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 081-662263

☆ کتاب مرکز، فیئر روڈ، سکھر۔ فون: 071-5625850

☆ بیت القرآن، نزد اکٹر ہارون والی گلی، چھوکی گھنی، حیدر آباد۔ فون: 022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ بیت العلم سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

تُحْفَةُ الْاِئِمَّةِ





## ضروری گزارش

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ..... ہم نے اس کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے، تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو، پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو آزر اہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں خط دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ..... کافی محنت ہوئی ہے، اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاكُمُ اللَّهُ خَيْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

## منفرد علمی اور دینی تحفہ

### ”تَحْفَتُ الْأُمَّةِ“

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

○ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفے میں بہترین چیز پیش کرے۔

○ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف

سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

① یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ ”دینی علوم سے

واقفیت ہے“ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو یہ کتاب ہدیے/تحفہ میں پیش کر کے ہم

”نَهَادُوا تَحَاثُّوا“ والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی ہے کہ ”تم ایک

دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔“

② اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر

والوں..... رشتہ داروں..... دفتر کے ساتھیوں..... کاروباری حلقوں..... اور

معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید

ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفے میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی

ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

③ نیکی کے پھیلانے، علم دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر

سکتے ہیں۔

لہذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلے کی مسجد، لائبریری،

کلیںک، محلے کے اسکول اور مدرسے کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرے کی



## فہرست مضامین

- ۱۹ تقریظ: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی
- ۲۰ مقدمہ

## باب اول

### ائمہ کرام کی صفات

- ۲۳ ۱۔ مکرم اخلاق
- ۳۶ ۲۔ اطاعت
- ۳۸ ۳۔ قناعت
- ۳۹ زندگی کا معیار کیسا رکھنا چاہیے
- ۴۳ منبر محراب بن گئے
- ۴۳ ۴۔ دعاؤں کا اہتمام
- ۵۳ ۵۔ اتباع سنت
- ۵۴ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کی پیروی
- ۵۵ علماء کو بہت سے جائز کام بھی چھوڑنے پڑتے ہیں
- ۵۷ ۶۔ استغناء
- ۵۸ صِبَاۃُ الْخُلَمَاءِ عَنِ الذَّلٰی عِنْدَ الْأَغْنِیَاءِ
- ۵۹ چندہ مانگنے کا صحیح طریقہ
- ۶۷ دل کی خوشی کے ساتھ چندہ لینا چاہیے
- ۶۹ دنیا کی طرف میلان قلبی سے بچنا چاہیے
- ۷۱ بادشاہوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے
- ۷۴ اپنی ضرورت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے
- ۷۷ علماء کی زندگی عوام سے ممتاز ہونی چاہیے

اصلاح میں معاون و مددگار بنے۔

۴ کتاب کو ہدیہ/تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں، اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور جب لوگ دینی، معاشرتی اور اخلاقی احکام و ہدایات سے باخبر ہوں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ باعمل بھی ہوں گے۔

۵ اگر اللہ تعالیٰ نے محجانش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنائیے۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درج ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

## ہدیہ مبارکہ

From

مِنْ

To

إِلَى



۸۰	اہل ثروت سے استغناء کا نسخہ
۸۷	استغناء اکابر کے (۱۱) قصے
۹۸	حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کا درس پر معاوضہ نہ لینا
۹۸	دنیا کو دین پر ترجیح نہ دینا
۹۹	ائمہ کرام احتیاط کریں
۱۰۳	سزِ محبوب
۱۰۶	تکبر انسان کو فہم سلیم اور علوم الہیہ سے محروم کر دیتا ہے
۱۱۸	غیبت، کینہ اور بدگمانی
۱۲۳	"حسد" ایک باطنی بیماری ہے
۱۲۳	حسد کی آگ سُلّتی رہتی ہے
۱۲۵	حسد سے بچنا فرض ہے
۱۲۶	حسد کے اسباب
۱۲۸	حسد سے بچنے کا نسخہ
۱۳۰	محمودین کے حق میں دعا کرنا
۱۳۱	حسد سے بچنے پر انصار کی تعریف
۱۳۲	امام مقتدیوں کو کینہ (حقد) کے نقصانات بتلائے
۱۳۲	امام مقتدیوں کو سمجھائے کہ کافر کو بھی دھوکہ دینا گناہ ہے
۱۳۶	ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے
۱۳۹	امام کی لوگوں کے ساتھ بے تکلفی نقصان دہ ہے
۱۴۱	ائمہ کرام کسی بھی عالم اور مسلک کی تحقیر نہ فرمائیں
۱۴۶	کافر کو بھی کافر کہنا مکروہ ہے
۱۵۱	اکابرین کا معاندین سے سلوک
۱۵۰	گستاخی جہالت کی علامت ہے
۱۷۱	ہماری زبان سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے
۱۷۳	ائمہ کرام کو ہجری تاریخ کا اہتمام کرنا چاہیے

۱۷۵	اسلامی تاریخ کی اہمیت
۱۸۲	ہجرت مدینہ کی حقیقت
۱۸۳	مدینہ کی فتح
۱۸۵	واقعہ ہجرت اور فتح و نصرت الہی

## باب دوم

### ائمہ کرام کے لیے نصیحتیں

۱۹۰	مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب کی نصیحتیں
۱۹۵	رزق کو حلال طیب کیا جائے
۱۹۶	ماتحتوں کے ساتھ شفقت
۱۹۹	مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی نصیحتیں
۲۰۲	مفتی اعظم پاکستان رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی نصیحتیں
۲۱۵	مولانا محمد یوسف لدھیانوی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی نصیحتیں
۲۲۰	مفتی عبدالرشید تونسوی صاحب کی نصیحتیں
۲۲۰	امامت ایک نعمت ہے
۲۲۳	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی نصیحتیں
۲۲۳	رمضان المبارک میں عبادت کا خوب اہتمام ہو
۲۲۳	رمضان میں دعا کی کثرت کریں
۲۲۵	رمضان میں سالانہ پیمائشیں کیوں؟
۲۲۶	حضور ﷺ کو عبادات مقصودہ کا حکم
۲۲۸	چالیس "مقاماتِ قرب" حاصل کر لیں
۲۳۰	تلاوت قرآن کریم کی کثرت کریں
۲۳۱	گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں
۲۳۲	تلاوت قرآن کے وقت رونا چاہیے
۲۳۵	کثرت ذکر سے قوتِ قلبیہ حاصل ہوتی ہے



## باب سوم

## آداب وعظ

- ۱ وعظ و نصیحت سے پہلے صلوٰۃ الحاجت یا دعا کا اہتمام ..... ۲۳۶
- ۲ حکومت کو برا بھلا کہنے کے بجائے لوگوں کو گناہوں سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے .. ۲۳۷
- ۳ عوام میں اخوت کا جذبہ پیدا کرنا ..... ۲۳۹
- عصبيت ایک مہلک مرض ..... ۲۵۱
- نبی اکرم ﷺ کے تعدد و ازدواج کا ایک سبب عصبيت کا عملاً خاتمہ تھا ..... ۲۵۳
- ۱۲ مثالوں کے ذریعے سمجھانا ..... ۲۵۶
- ۵ وعظ میں انبیاء اور صحابہ کے قصے بیان کرنا ..... ۲۶۱
- ائمہ کرام کو درس دینے اور تقریر کرنے میں آسان اور عام فہم انداز اختیار کرنا چاہیے ..... ۲۶۵
- بات مثبت انداز سے سمجھائی جائے ..... ۲۶۸
- امام اپنے بڑوں کو کس طرح نصیحت کرے ..... ۲۷۱

## باب چہارم

## ائمہ کرام کی مسجد کی ذمہ داریاں

- ۱ مسجد کو تعلیم و تعلم کے حلقوں کے ذریعے آباد کرنا ..... ۲۷۶
- عہد نبوی میں مسجد نبوی کے اندر علمی حلقے ..... ۲۹۲
- صحابہ کرام کے ہاں مسجد میں حلقوں کی اہمیت ..... ۲۹۵
- مسجد کی آبادی کے فضائل ..... ۲۹۷
- مسجد کے آباد ہونے سے گھروں اور عسری اداروں میں بھی دین آئے گا ..... ۲۹۹
- ۲ مسجد و مدرسہ کا دعوت و تربیت میں باہمی ارتباط ..... ۳۰۶
- ۳ مقتدیوں کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب ..... ۳۰۷
- گھر میں مسجد بنانے کے فائدے ..... ۳۰۹
- ضروری وضاحت ..... ۳۰۹

- ۱ مسجد کی تعمیر ..... ۳۱۰
- ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہیے ..... ۳۱۱
- اصل مقصود دین ہے ..... ۳۱۲
- مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا ..... ۳۱۳
- مسجد نبوی کے لیے زمین مفت قبول نہ کی ..... ۳۱۵
- تعمیر مسجد کے لیے دباؤ ڈالنا ..... ۳۱۶
- مسجد میں نقش و نگار اور بے ضرورت چیزیں بنانا ..... ۳۱۹
- مسجد کی صفائی کی اہمیت ..... ۳۲۰
- مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا ..... ۳۲۳
- مقتدیوں کو مسجد میں آنے اور جانے کی دعائیں یاد کروائیں ..... ۳۲۵
- مسجد میں داخل ہونے کی دعا ..... ۳۲۶
- تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی اہمیت ..... ۳۲۸
- مسجد سے نکلنے کی دعا ..... ۳۳۰
- امامت کی تختہ اور اس کا معیار ..... ۳۳۱
- مسجد کی امامت کے لائق کون؟ ..... ۳۳۷
- روزی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ..... ۳۴۰

## باب پنجم

## مقتدیوں کی تعلیم و تربیت

- اصلاح کرنے کا ایک بہترین طریقہ ..... ۳۳۸
- مختبرانہ دعوت کا ایک اہم اصول ..... ۳۵۰
- ائمہ حضرات تہائی میں بعض غلطیوں کو سمجھائیں ..... ۳۵۲
- غلطی پر تنبیہ میں حکمت کی رعایت ..... ۳۵۸
- امام لوگوں کو استخارہ کا طریقہ مسنونہ اور اس کی اہمیت بتلائے ..... ۳۵۸



۳۵۹	استحارہ کے خود ساختہ طریقے اور ان کے مفاسد
۳۶۰	پہلی خرابی اللہ تعالیٰ کا مقابلہ
۳۶۰	دوسری خرابی ترک سنت
۳۶۱	تیسری خرابی نماز کی برہادی
۳۶۱	چوتھی خرابی نماز سے مذاق
۳۶۳	استحارہ کا طریقہ مسنونہ
۳۶۵	استحارہ میں بیوند کاری
۳۶۶	کسی دوسرے سے استحارہ کروانا
۳۶۶	رشتوں کے لیے استحارہ
۳۶۷	گناہ گار استحارہ کیسے کریں
۳۶۷	استحارہ کروانے کی خرابیاں
۳۶۷	پہلی خرابی شریعت کی مخالفت
۳۶۸	دوسری خرابی بزرگی کی بدنامی
۳۶۸	تیسری خرابی من گھڑت استحارے
۳۷۰	امام ہر ایک کو سکھانے والا بنائیں
۳۷۳	نہ سکھانے والے عالم اور نہ سیکھنے والے جاہل کے لیے وعیدیں
۳۷۶	مقتدیوں اور عوام الناس کے غلط سوالات
۳۹۷	مقتدیوں کو دعائیں سکھانا
۴۰۱	امام کا اپنے نائب کو لوگوں کے سکھانے کے لیے چھوڑ کر جانا
۴۰۲	مقتدیوں کے وضو کو درست کرنے کی فکر کرنا
۴۰۲	مقتدیوں کو مسجد کی جماعت کی اہمیت بتلانا
۴۰۷	حضرت عمر <small>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</small> کا خط
۴۰۷	مقتدیوں کو نماز سکھانا
۴۱۰	خواب کے بجائے بیداری کی فکر کروائیں

۴۱۳	"خواب حجت نہیں"
۴۱۴	مقتدیوں کو فراغت کے نقصان بتلائیں
۴۱۵	ایمان پرندہ
۴۱۸	مقتدیوں کو والدین سے دعا لینے کی ترغیب دیں
۴۱۸	دعا کی برکت
۴۲۰	ائمہ حضرات مقتدیوں کو ہر پریشانی کے حل کے لیے نماز حاجت پڑھ کر دعا مانگنا سکھائیں
۴۲۶	واقعات بنی اسرائیل مسلمانوں کے لیے عبرت ہیں
۴۲۶	پریشان حال مقتدیوں کی آمد اور جنات و جادو سے بچنے کی تدبیریں
۴۲۹	اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا چھوڑ دیں
۴۳۰	اللہ رب العزت کی مہربانیاں عام ہیں
۴۳۲	بے خوابی اور برے خواب سے بچنے کے لیے مسنون اعمال
۴۳۵	جادو سے بچنے کے لیے مسنون اعمال

## باب ششم

### ائمہ کرام کی امامت کی ذمہ داریاں

۴۵۲	امامت سے متعلق کچھ اہم ہدایات
۴۵۷	صفوں کی نگرانی اور اس سے متعلق احادیث
۴۵۹	حضرت فاروق اعظم <small>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</small> کا اہتمام مصفوف
۴۵۹	نماز سنت کے مطابق پڑھائیں
۴۶۰	تجوید قرآن کی ضرورت
۴۶۲	قرأت میں ترتیل
۴۶۳	قرأت اور تکبیرات میں جہر کی مقدار
۴۶۵	امام کو تکبیرات کس طرح کہنی چاہئیں
۴۶۸	تکبیر تحریر اور قیام کی اصلاح



۳۶۹	.....	رکوع کی اصلاح
۳۷۰	.....	سجدہ کی اصلاح
۳۷۲	.....	امام رکوع و سجدہ میں کتنی بار تسبیح پڑھے
۳۷۳	.....	قومہ اور جلسہ اطمینان سے کریں
۳۷۸	.....	قومہ اور جلسہ میں عدم اطمینان ایک بڑی کوتاہی
۳۸۸	.....	تعدیل ارکان کو چھوڑنے کی آفتوں پر تنبیہ
۳۹۰	.....	تنبیہ عظیم
۳۹۳	.....	تعدیل کی کوتاہی کا علاج
۳۹۳	.....	قومہ اور جلسہ میں اذکار کا ثبوت
۳۹۸	.....	قومہ کی دعا
۳۹۹	.....	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۰۰	.....	امام طحاوی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی تحقیق
۵۰۱	.....	جلسہ کی دعا
۵۰۲	.....	ایک سنت گونہہ کیجیے
۵۰۳	.....	علامہ ابن عابدین شامی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی تحقیق
۵۰۶	.....	علامہ انور شاہ کشمیری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی تحقیق
۵۰۹	.....	خلاصہ کلام از مولانا فضل الرحمن اعظمی صاحب
۵۱۱	.....	دونوں سجدوں کے درمیان اور قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ
۵۱۳	.....	سلام و دعا کی اصلاح
۵۱۴	.....	نماز کے بعد انحراف امام کی ہیئت
۵۱۵	.....	نماز کے بعد دعا
۵۱۷	.....	خشوع و خضوع
۵۲۰	.....	خشوع و خضوع پیدا کرنے کا طریقہ
۵۲۵	.....	لباس کی اصلاح
۵۲۸	.....	تصویر اور نقش و نگار والے کپڑوں میں نماز پڑھنا
۵۲۹	.....	عورتوں کی نماز

## باب ہفتم

### اتفاق کی اہمیت

۵۳۳	.....	تفرق کے نقصانات
۵۳۵	.....	امت کی پریشانی کا علاج
۵۵۰	.....	افتراق امت کے اسباب
۵۵۲	.....	لہر و تکریر
۵۵۳	.....	اصول اسلام کی حفاظت کی فکر کریں
۵۵۵	.....	ہر دینی کام کرنے والے کو اپنا شریک کار سمجھیں
۵۵۷	.....	ذمہ دار علماء سے حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی درومندانہ گزارش
۵۵۹	.....	راہِ عمل
۵۶۰	.....	اختلافات امت اور ان کا حل
۵۶۲	.....	اختلاف رائے کی حدود
۵۶۳	.....	صلح اور جنگ کس سے
۵۶۵	.....	اصلاح حال کی ایک غلط کوشش
۵۶۶	.....	اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق
۵۶۷	.....	صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل
۵۶۸	.....	جدال اور اصلاح
۵۶۹	.....	اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج
۵۷۰	.....	صحیح اور غلط طرزِ عمل
۵۷۲	.....	باہمی جنگ و جدال کے دور کن
۵۷۳	.....	عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج
۵۷۴	.....	قوم مختلف پادشہوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جائے
۵۷۹	.....	دوئلہوں کے درمیان مناظرہ و مناقشہ کی کثرت
۵۸۰	.....	مرد و عورتوں کی دینی اور دنیوی مسرتیں



۵۸۳	ائمہ کرام کا سنت پر عمل میں کوتاہی کے وقت طرز عمل
۵۸۳	اختلافی معاملات میں فضول بحثوں سے اجتناب کیا جائے
۵۸۵	نزاع سے بچنے کے لیے مہر ضروری ہے
۵۸۸	مسلمانوں کی جماعت میں اتحاد کی اہمیت
۵۸۹	معاصب اور آفات کا سب سے بڑا سبب
۵۹۲	اختلافات سے گریز کریں
۵۹۳	ایمان اور اتحاد کی طاقت
۵۹۶	انڈس میں کیا ہوا
۵۹۶	غیر ضروری مسائل عوام کے سامنے لانے کے نقصانات
۵۹۹	بغداد میں کیا ہوا؟
۶۰۲	لاحاصل اختلاف
۶۰۷	سنت و بدعت کی کش مکش میں صحیح طرز عمل
۶۰۸	اکابر کے مہر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ
۶۱۱	مسلمانوں کی خون ریزی اور فتنہ
۶۱۲	جھگڑوں کے نقصانات
۶۱۲	جھگڑوں کے نتائج
۶۲۱	جھگڑے کس طرح ختم ہوں
۶۲۳	بدلہ لینے کی نیت نہیں کرنی چاہیے
۶۲۵	جھگڑے سے بچنے میں اکابر کا طرز عمل
۶۲۷	جھگڑوں سے بچنے کے لیے شیطان سے پناہ مانگنا
۶۳۰	ائمہ حضرات کے لیے چند ضروری کتابیں
۶۳۳	مقتدیوں کے لیے کتب
۶۳۷	مقتدیوں کے گھروالوں کے لیے کتب
۶۳۷	مقتدیوں کے بچوں کے لیے کتب
۶۳۸	اردو ادب سے دل چسپی رکھنے والے مقتدیوں کے لیے
۶۳۹	انگریزی جاننے والے مقتدیوں کے لیے
۶۳۹	

ائمہ حضرات کے لیے چند عربی کتب

## باب ہشتم

ائمہ کرام کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں

۶۳۰	علماء و ارباب انبیاء ہیں
۶۳۳	بچوں کے لیے دینی و اخلاقی تربیتی کورس
۶۳۷	تربیتی کورس کے فوائد
۶۵۰	سکھڑی کے بچوں کے لیے
۶۵۱	مردوں کے لیے چار ماہ کا کورس
۶۵۳	دین کی بات سمجھانے میں مخاطب کو شرمندگی سے بچانا چاہیے
۶۵۳	جس کو دین کی طرف بلایا جائے اس کا جائز اکرام مسنون ہے
۶۵۶	داعی حق کو کوئی ایذا پہنچائے تو بدلہ جائز، مہر بہتر ہے
۶۶۳	منصب امامت اور مہر
۶۶۵	مہر کا فائدہ
۶۷۷	وعظ و درس میں حکمت اور شفقت کی رعایت
۶۷۹	وعظ کا اٹھنا انداز
۶۸۱	ائمہ کرام لوگوں کو بتائیں کہ گناہ پر تنقید کریں
۶۸۳	ایک سوال اور اس کا جواب
۶۸۵	ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے
۶۸۹	سخت کلامی اور سب و شتم سنت انبیاء کے خلاف ہے
۶۹۲	ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے، مجرم کی سزا میں بھی انصاف کی رعایت
۶۹۳	پیغمبرانہ دعوت کی روح
۶۹۹	پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص
۶۹۹	۱۔ امت کی فکر
۷۰۲	۲۔ دعوت کی فکر



۴۰۳	۱۲) قاضی کی شہادت
۴۰۴	۱۳) حکمت
۴۰۵	۱۴) موعظ حسنہ
۴۰۶	دوسرے فرقوں کی تردید
۴۰۷	تردید میں یقین و تشبیہ کا انداز
۴۰۸	تسلب اور غنا کا فرق
۴۱۰	احتیاط و تکلیف
۴۱۱	ائمہ کرام مقتدیوں میں دعوت کا جذبہ پیدا کریں
۴۱۶	کیا لوگوں کے گناہوں میں ہم شریک نہیں ہیں؟
۴۲۳	اصلاح امت کا طریقہ
۴۲۴	کتابوں پر اظہارِ نفرت نہ کرنے پر وعید
۴۲۸	کَنْزُ الْإِيمَةِ يَحْمِلُ هَمَّ الْأُمَّةِ
۴۲۹	حرکتِ الذاعیہ
۴۳۲	الْحَرَكَةُ قِيَامُهُ وَبُعْدُ الْمُرُوحِ
۴۳۳	تَسْلُوجٌ مِنْ حَرَكَةِ السَّلَفِ فِي الدَّعْوَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَجَزْئِهِمْ عَلَى هِدَايَةِ الْخَلْقِ
۴۳۱	وَمِنْ تَسْلُوجِ جَزْئِهِمْ عَلَى تَعْلِيمِ النَّاسِ الْعِلْمَ الشَّرِيفَ
۴۳۲	طریقِ نبوت اور ہم
۴۳۳	دین کی بات کا بیچانے میں حکمت سے کام لینا سنتِ انبیاء ہے
۴۳۵	ائمہ کرام کے لیے چند ہدایات
۴۳۸	تغییرِ اندیشہ کی عجیب مثال
۴۵۳	احکام و مسائل
۴۵۶	ائمہ کرام خود دین کی دعوت دینے کا اہتمام فرمائیں
۴۶۳	ائمہ لوگوں میں سنیہ کا جذبہ پیدا کرے
۴۷۱	ائمہ کرام ہر آنے والے کو دین کی دعوت دیں
۴۷۲	گھر والوں کو نماز پر حوصلے کی فکر
۴۷۵	بیانِ اربعہ ائمہ

JAMIA FAROOQIA



الجامعة الفاروقية

جامعہ فاروقیہ دارالعلوم اسلامیہ پاکستان

## تقریظ

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی

بانی و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

وصدر و فاق المدارس العربیہ پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى وَتَعَدُّ

حضرت مولانا مفتی محمد عتیق صاحب زید معالیہ علمی تدریسی، ترقی اور تالیفی ذوق کے حامل  
قابل رشک اور نائق تھیں جو ان عالم ہیں، ان کی خدمات کا مشاہدہ ان کی زیر نگرانی قائم اداروں میں کئی  
مرتبہ حاضری سے ہوا۔

بیتِ العلم نرسٹ نے خاص تعداد میں مفید علمی و اصلاحی کتب شائع کی ہیں، اب مفتی صاحب  
نے "تحفۃ الائمہ" کے نام سے ۷۸۲ صفحات کی ایک بیش قیمت کتاب تالیف فرمائی ہے، یہ کتاب باقاعدہ  
حوالوں کے ساتھ اکابر و اسلاف کی تحریروں پر مشتمل ہے، یہ تحفہ صرف ائمہ مساجد ہی کے لیے مفید نہیں،  
ان شاء اللہ دوسرے علماء و طلبہ اور عام مسلمان بھی اس کے مطالعے سے مستفید ہوں گے، الاثر کی دعا ہے  
کہ حق تعالیٰ اس خدمت کو حسن قبول سے سرفراز فرمائیں اور اس کے نفع کو عام و تمام اور حضرت مؤلف  
کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین ثم آمین۔

مسلم شاہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء



## مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

"نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ" اَمَّا بَعْدُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ..... راقم السطور کو حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کے ساتھ دو تین اسفار میں ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، حضرت کا جب بھی کراچی سے گزر ہوتا تو کچھ لحاظ سعیدہ حضرت کے ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوتی۔

ان اسفار میں حضرت ائمہ کرام سے کئی مرتبہ والہانہ محبت کا اظہار فرماتے تھے، حضرت والا کے قلب مبارک میں ائمہ کی عقیدت و عظمت بھری ہوئی تھی اور آدمی کو جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس کو نصیحتیں بھی زیادہ ہی کرتا ہے، اس لیے حضرات ائمہ کرام کو کبھی انفرادی اور کبھی اجتماعی طور پر محبت و شفقت بھری نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔

بہت دنوں سے خواہش تھی کہ حضرت مولانا رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی اور دوسرے اپنے اکابر سے جو نصائح سنی ہیں یا جو اکابر علماء نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں وہ اپنے دوسرے دوستوں تک بھی پہنچادی جائیں تو کئی لوگوں کو فائدہ ہو جائے گا اور بندہ اور بندہ کے ساتھیوں کے لیے صدقہ جاریہ ہو جائے گا۔

کام تو تقریباً شوال ۱۴۱۸ھ میں شروع کر دیا تھا، لیکن پھر دوسرے عوارض کی بناء پر اس کو دیکھنے کی نوبت نہ آ سکی۔

اس کے بعد بندہ کے استاذ مولانا مولیٰ بخش صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(مہتمم مدرسہ صدیقیہ مستونگ بلوچستان) ایک مرتبہ مدرسہ تشریف لائے تو انہوں نے "تدریب الاثمة و العلماء" پر زور دیا کہ یہ کام بھی ہونا چاہیے اور مولانا کے دلائل من کر مزید دل میں کام مکمل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

۲ محرم ۱۴۲۳ھ کو مدرسہ عائشہ صدیقہ ایٹ آباد میں اپنے دوست مولانا نذیر احمد صاحب کے پاس جانا ہوا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ وہاں فرصت کے ایام میں کچھ مواد کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا موقع ملا۔

بندے نے جن بزرگوں اور اسلاف کی کتابوں سے جو بات لی ہے اس کا حوالہ ذکر کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے اور حتی الامکان اصل مراجع سے حوالہ لینے کی کوشش کی ہے، تاکہ بات مستند اور مدلل ہو اور اخیر میں ان کتابوں کے نام بھی ذکر کر دیے جن سے استفادہ کر کے یہ کتاب تیار کی گئی ہے، البتہ بعض مضامین کا ترجمہ عربی سے اردو میں کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، تاکہ اہل علم اصل مصدر و مأخذ سے ہی استفادہ کر سکیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولوی خلیل الرحمن صاحب (فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ناؤن کراچی) اور مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) کو جنہوں نے تصحیح و تخریج کے کاموں میں میرا ساتھ دیا اور ہر اس بھائی اور دوست کو جنہوں نے اس مبارک کام میں تعاون فرمایا۔

قارئین کرام سے نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش کی جاتی ہے کہ کتاب کا مطالعہ عمل کرنے اور ہدایت کی نیت سے کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس حسن نیت سے اللہ تعالیٰ عمل کی اور اس کو پھیلائے کی توفیق بھی نصیب فرمائیں گے۔

اسی طرح قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں اور اسلاف رَحْمَتِ اللهِ تَعَالٰی کو یاد رکھیں جن کی کتابوں سے یا جن کے مواظبن کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے، بندہ کے جمیع اساتذہ کرام اور خاص کر جامعۃ العلوم الاسلامیہ



علامہ بخاری ناؤں گراچی کے اساتذہ کرام کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ بفضل الہی بندہ ان ہی اساتذہ کرام کی دعاؤں اور محنتوں سے پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا اور اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکا، دوسروں کے لیے دعا سے فرشتے ہمیں دعا دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُوا لِأَخِيهِ يَظْهَرُ الْغَيْبُ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ“<sup>۱</sup> ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے (غائبانہ) اس کے لیے دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔“

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

اصلاح و دعا کا طالب

محمد رفیع جباری

عفا اللہ عنہ ولوالدہ

شعبان ۱۴۲۶ھ ستمبر ۲۰۰۵ء



## باب اول

### ائمہ کرام کی صفات

#### ۱۱ مکارم اخلاق:

انبیاء کرام علیہم السلام کے تابعین کو چاہیے کہ وہ معاف کرنے والے بنیں، لوگوں کی باتوں کو دل پر نہ لیں۔

اگر کوئی عام مقتدی یا کمیٹی کا کوئی رکن کسی غلطی پر معذرت کرے تو اس کی معذرت کو قبول کرنا چاہیے، چنانچہ اسی بات کی تاکید حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

”إِقْبَلْ مَعَاذِيرَ مَنْ بَأْتِيكَ مُعْتَذِرًا

إِنْ بَرَّ - عِنْدَكَ فِيمَا قَالَ أَوْ فَعَلَا

لَقَدْ أَطَاعَكَ مَنْ يُرْضِيكَ ظَاهِرُهُ

وَقَدْ أَجَلَّكَ مَنْ يَعْصِيكَ مُسْتَعْتِرًا

ترجمہ: ”معذرت کرنے والے کی معذرت کو قبول کر لے، چاہے

تمہارے خیال میں وہ بھلا ہو یا برا ہو۔ ظاہر میں تجھے راضی رکھنے والا

تیرا مطیع ہے اور جرم کرتے وقت تجھ سے گھبرانے والے کے دل میں تیرا

احترام ہے۔“

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ عذر خواہ کے اعذار کو قبول کر لینا چاہیے، اس نے صحیح غلط جو



بھی بات پیش کی ہو، مگر وہ جب تمہارے سامنے آیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہیں راضی کرنا چاہتا ہے اور جو آدمی تمہارے حکموں کی نلی الاعلان حکم عدولی نہیں کرتا، چھپ کر نافرمانی کرتا ہے، گویا تمہارا خیال اس کے دل میں ہے اور وہ تمہارا اکرام کر رہا ہے، ورنہ بے ادب انسان تو سامنے ہی اختلاف کرتا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

قِيلَ لِيْ قَدْ اَسَىٰ عَلَيْكَ فَلَاقَ  
وَمُقَامُ الْفَتَىٰ عَلَى الدَّلِّ عَارُ  
قُلْتُ قَدْ بَجَاءَ بَنِي وَاُخِذْتُ عُذْرًا  
وَبِئْسَ الذَّنْبُ عِنْدَنَا الْاِعْتِذَارُ

تَرْجَمَہ: ”مجھ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی نے آپ کی طرف عیب منسوب کیا اور شریف آدمی کا رسوائی برداشت کر لینا عار کی بات ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ انہوں نے آکر معذرت پیش کر دی اور ایسے گناہ کی دیت ہمارے نزدیک اعتذار ہی ہے۔“

تَفْسِیْرُ ح: امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے پاس آکر کسی نے کہا: ”فلاں شخص آپ کی بدگوئی کرتا ہے اور آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اور آپ خاموش رہتے ہیں؟ اس طرح ذلت پر خاموش رہنا باہمت آدمی کا کام نہیں۔“ اس کے جواب میں امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”اس شخص نے میرے پاس آکر اپنے قصور پر معذرت چاہی ہے اور ہمارے نزدیک گناہ کا کفارہ ”معافی مانگنا“ ہے۔“ اسی طرح اپنے مقتدیوں، شاگردوں، ماتحتوں اور گھروالوں کو معاف کر دیا کریں، تاکہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کی مکمل اتباع نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُورَةُ الْاٰحْقَافِ: ۱۵۲

سُورَةُ الْاٰحْقَافِ: ۱۴۵

بَيِّنَاتٌ لِّعِلْمٍ رَبِّهِ

اَلْخُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ  
تَرْجَمَہ: ”آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ دوسرے معنی ”عفو“ کے، ”معافی اور درگزر کرنے“ کے بھی آتے ہیں۔ علماء تفسیر کی ایک جماعت نے اس جگہ یہی معنی مراد لے کر اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ آپ گناہ گاروں، خطاکاروں کے گناہ و قصور کو معاف کر دیا کریں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام سے آیت کا مطلب پوچھا، حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے:

”اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكَ اَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَقْصِلَ مَنْ قَطَعَكَ“

تَرْجَمَہ: ”جو شخص آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کر دیں اور جو آپ کو کچھ نہ دے آپ اس پر بخشش کریں اور جو آپ سے تعلق قطع کرے آپ اس سے بھی ملا کریں۔“

حضرت عبداللہ بن سلیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

”مَنْ يَّعْمَلْ بِالْعَفْوِ فِلَمَّا يَظْهَرُ بِهِ تَابَتْهُ الْعَافِيَةُ. وَمَنْ يُّنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ يُعْطَى الظُّفْرُ فِيْ اَمْرِہٖ. وَالدَّلُّ فِيْ

سُورَةُ الْاٰحْقَافِ: ۱۶۹

سُورَةُ الْاٰحْقَافِ: ۱۶۶

بَيِّنَاتٌ لِّعِلْمٍ رَبِّهِ



الطَّاعَةِ أَقْرَبُ إِلَى الْبَرِّ مِنَ التَّعَوُّزِ بِالْمَعْصِيَةِ. "اے اپنے ساتھ پیش آنے والے معاملات میں جو آدمی غفرو درگزر سے کام لے گا اسے عافیت ملے گی اور جو اپنی ذات کے بارے میں لوگوں سے انصاف کرے گا اسے اپنے کام میں کامیابی ملے گی اور اطاعت میں ذلت برداشت کرنا گناہوں میں ظاہری عزت ملنے سے نیکی کے زیادہ قریب ہے۔"

غزوہ احد میں جب حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا اور بڑی بے دردی سے ان کے اعضاء کاٹ کر لاش کی بے حرمتی کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے لاش کو اس ہیئت میں دیکھ کر فرمایا کہ جن لوگوں نے حمزہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے میں ان کے ستر آدمیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کر کے چھوڑوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ آپ کا یہ مقام نہیں، آپ کے شایان شان یہ ہے کہ غفرو درگزر سے کام لیں۔

اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے جو مکارم اخلاق کی تعلیم دی وہ وہی تھی کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو، جو تم سے قطع تعلق کر دے تم اس سے ملا کرو، جو تمہیں محروم کر دے تم اس کو عطا کیا کرو۔

لفظ (اعفو) کے پہلے اور دوسرے معنی میں اگرچہ فرق ہے، لیکن حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ لوگوں کے اعمال و اخلاق میں سرسری اطاعت و فرماں برداری کو قبول فرمایا کریں، زیادہ تجسس اور تفتیش میں نہ پڑیں اور ان سے اعلیٰ معیار کی اطاعت کا مطالبہ نہ کریں اور ان کی خطاؤں اور قصور سے درگزر فرمائیں، ظلم کا

ملہ الزهد، کتاب الزهد، باب العلم والعفو: ۶۰۲/۶، رقم: ۱۲۷۹

ملہ مسند احمد: ۱۶۸۸/۴، رقم: ۱۶۸۸۳

بیان (وہم لہم)

انتقام نہ لیں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے اعمال و اخلاق ہمیشہ اسی سانچے میں ڈھلے رہے، جس کا پورا مظاہرہ اس وقت ہوا جب مکہ فتح ہو کر آپ کے جانی دشمن آپ کے قبضہ میں آئے تو آپ نے سب کو آزاد کر کے فرما دیا کہ تمہارے مقابلہ کا بدلہ لینا تو کیا ہم تمہیں پچھلے معاملات پر ملامت بھی نہیں کرتے۔

دوسرا جملہ اس ہدایت نامہ کا (وَأْمُرُ بِالْعُفْوِ) ہے، "عُفْو" بمعنی معروف ہر اچھے اور مستحسن کام کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ ان سے انتقام نہ لیں بل کہ معاف کر دیں، مگر ساتھ ہی ان کو نیک کام کی ہدایت بھی کرتے رہیں، گویا برائی کا بدلہ نیکی سے، ظلم کا بدلہ صرف انصاف (غفو و درگزر) ہی سے نہیں بل کہ احسان سے دیں۔

تیسرا جملہ (وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ) ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جاہلوں سے آپ کنارہ کش ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ ظلم کا انتقام چھوڑ کر آپ ان کے ساتھ خیر خواہی اور ہم دردی کا معاملہ کریں اور نرمی کے ساتھ ان کو حق بات بتلائیں، مگر بہت سے جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس شریفانہ معاملہ سے متاثر نہیں ہوتے، اس کے باوجود جہالت اور سختی سے پیش آتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ ان کے دل خراش اور جاہلانہ کلام سے متاثر ہو کر ان ہی جیسی سخت گفتگو نہ کریں بل کہ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔

امام تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کنارہ کش ہونے کا بھی مطلب یہ ہے کہ ان کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں، یہ معنی نہیں کہ "ان کو ہدایت کرنا چھوڑ دیں" اس لیے کہ یہ وظیفہ رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں۔

صحیح بخاری میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں

ملہ تفسیر ابن کثیر: ۵۶۲، الاعراف: ۱۹۹



عیینہ بن حصن مدینہ میں آیا اور اپنے بھتیجے حر بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مہمان ہوا، حضرت حر بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان اہل علم حضرات میں سے تھے، جو حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مجلس مشاورت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا: تم امیر المؤمنین کے مقرب ہو، میرے لیے ان سے ملاقات کا کوئی وقت لے لو۔ حر بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے درخواست کی کہ میرا چچا عیینہ آپ سے ملنا چاہتا ہے، آپ نے اجازت دے دی۔

مگر عیینہ نے حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مجلس میں پہنچ کر نہایت غیر مہذب اور غلط گفتگو کی کہ نہ آپ ہمیں ہمارا حق دیتے ہیں نہ ہمارے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس پر غصہ آیا، تو حر بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

اور یہ شخص بھی جاہلین میں سے ہے۔ یہ آیت سنتے ہی حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سارا غصہ ختم ہو گیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی یہ عادت معروف و مشہور تھی کہ ”كَانَ وَقَافًا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ“ یعنی کتاب اللہ کے احکام کے آگے گردن ڈالتے تھے۔

یہ آیت مکارم اخلاق کی جامع آیت ہے۔ بعض علماء نے اس کا خلاصہ یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں:

- ① محسن یعنی اچھے کام کرنے والے۔
- ② بدکار ظالم۔

اس آیت نے دونوں طبقوں کے ساتھ اخلاق کریمانہ برتنے کی یہ ہدایت دی

لہ الاعراف: ۱۹۹ مآہ بخاری، التفسیر، باب خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ، رقم ۴۶۴۲

بیّنہ وعلیم ٹرسٹ

ہے کہ نیک کام کرنے والوں سے ان کی ظاہری نیکی کو قبول کر لو، زیادہ تفتیش و تجسس میں نہ پڑو اور نیکی کے اعلیٰ معیار کا ان سے مطالبہ نہ کرو بل کہ جتنا وہ آسانی سے کر سکیں اس کو کافی سمجھو اور بدکاروں کے معاملے میں یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو نیک کام سکھادو اور نیکی کا راستہ بتاؤ، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں اور اپنی گمراہی اور غلطی پر جبر رہیں اور جاہلانہ گفتگو سے پیش آئیں تو ان سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کی جاہلانہ گفتگو کا جواب نہ دیں، اس طرز سے یہ امید ہے کہ ان کو کسی وقت ہوش آئے اور اپنی غلطی سے باز آجائیں۔

غلو کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ مخالف موافق بن جایا کرتا ہے۔ اشتعال انگیز گفتگو، ازام، بہتان، غلط بیانی اور اپنی جھوٹ کر انسان اشتعال میں نہ آئے اور معاف کرے یقیناً اس سے شیطان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ نزاع، جدال اور جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور اب وہ مخالف جو بددوق، تلوار اور ڈنڈوں سے حملہ کرنا چاہتا ہے سامنے والے کا معاف کرنا اس کو موم کر دیتا ہے اور اس کا خادم بنا دیتا ہے۔

عبداللہ اپنے بھائی المند زخلف محمد کے بعد ۸۸۸ء میں اندلس کا امیر بنا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اکثر لوگوں کو رہا کر دیا، خصوصاً سیاسی قیدیوں پر بہت مہربانی کی، ان کی جائدادیں انہیں واپس کر دیں۔

شیخ سلیمان بن البانہ نے ایک مرتبہ امیر عبداللہ سے بغاوت کی تھی لیکن سلطان نے اپنی فطری فیاضی کے تقاضے سے اس کا تصور معاف کر دیا۔ ۹۰۰ء میں سلیمان نے امیر عبداللہ کی ایک جھوٹکھی جو سارے ملک میں پھیل گئی۔ اس جھوٹکھی کو خنجر اور دھڑا کو ٹھجریان بتایا گیا تھا۔

اب دیکھئے ایک راست باز، عادل اور شفیق حاکم نے اپنی جھوٹکھنے والے کے خلاف کیا فیصلہ سنایا۔ حکمران وقت نے سلیمان کو بلوایا اور اس سے کہا:

لہ معارف القرآن: ۱۰۵/۱ تا ۱۰۸، الاعراف: ۱۹۹



”سلیمان امیری عنایات خراب زمین پر پڑیں اس لیے ضائع ہو گئیں۔ میں نہ خواست گا تعریف ہوں نہ بھوکے قابل، کیوں کہ یہ دونوں باتیں میرے نزدیک یکساں ہیں۔ بغاوت بہت بڑا جرم ہے، لیکن میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ گو اس معافی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، لیکن میں انتقام پر درگزر کو ترجیح دیتا ہوں۔ میری بھوکے اشعار میرے سامنے پڑھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایک شعر کے صلے میں ایک ایک ہزار روپیہ دوں گا۔ پھر تو پھر بھی ایک کار آمد جانور ہے۔ تو مجھ پر جس قدر بڑا الزام لگاتا میں اس قدر زیادہ اپنی عنایات کا بوجھ تم پر ڈالتا۔“

سلیمان امیر کے قدموں پر گر پڑا اور زار و قطار رو رو کر معافی مانگنے لگا۔ امیر نے اسے معاف کر دیا اور پھر وہ تادم مرگ وفا داز رہا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ نوافل اور اذکار و اوراد سے قلب میں جو انوار پیدا ہوتے ہیں اس سے ایک روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے، لیکن اس طاقت کا استعمال بارگاہ خلوت حق میں نہیں ہے بل کہ ① اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا ② بے جا غصہ کو ضبط کرنا ③ بد نظری سے آنکھوں کو محفوظ رکھنا ④ مخلوق کی خطاؤں کو معاف کرنا ⑤ شہوت اور غضب سے مغلوب نہ ہونا ⑥ کسی کو حقیر نہ سمجھنا ⑦ انتقام نہ لینا ⑧ اپنے کو مخلوق خدا کا خادم سمجھنا ⑨ مؤمن کا اکرام کرنا ⑩ اپنے کو بڑا نہ سمجھنا وغیرہ وغیرہ میں ہے، اگر خلوت میں ذکر و شغل ہے اور مخلوق خدا پر ظالم اور مغلوب الغضب ہے تو اس شخص نے روحانی طاقت کا صحیح استعمال نہیں کیا۔

امام کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر مندرجہ ذیل تین صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرے اور ان کو اپنی میز پر لکھ کر رکھے، تاکہ ہر وقت نظر پڑتی رہے اور دعا کرتا رہے کہ اے اللہ! مجھ میں اور تمام ائمہ کرام میں یہ صفات پیدا فرما دیں:

- ① تَأْخِذُ الْعُقُوبَةِ عِنْدَ الْغَضَبِ.
- ② وَتَعْجِيلُ مُكَافَاةِ الْمُحْسِنِ بِإِحْسَانِهِ.
- ③ وَالْعَمَلُ بِالْأَنَاءَةِ فِيمَا يَحْذَرُ لَهُ، فَإِنَّ لَهُ فِي تَأْخِيرِ الْعُقُوبَةِ إِمْكَانَ الْعَفْوِ، وَفِي تَعْجِيلِ الْمُكَافَاةِ بِالْإِحْسَانِ: الْمُسَارَعَةُ إِلَى الطَّاعَةِ، وَفِي الْأَنَاءَةِ: إِنْفَسَاخُ الرَّأْيِ وَابْضَاحُ الصَّوَابِ.

① غصے کے وقت سزا دینے میں تاخیر کرنا۔

② اپنے محسن کے احسان کا بدلہ چکانے میں جلدی کرنا۔

③ جو بھی حادثہ اور ناگواری کی صورت پیش آئے اس میں بردباری کا مظاہرہ کرنا۔

اس لیے کہ سزا کو مؤخر کرنے میں اس کے لیے معافی کا امکان ہوتا ہے اور اپنے محسن کے ساتھ جلد احسان کرنے میں اطاعت اور فرمان برداری کی طرف دوڑنا ہے اور بردباری میں حسن رائے اور ٹھیک بات کہنے کی وضاحت ہے۔“

امام عبد الوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاؤں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خاطر سے جن کے وہ بندے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر سے جن کی وہ امت ہیں معاف کر دیا کریں اور (مواخذہ و انتقام کے خیال سے) درگزر کریں اور کسی سے اپنے کسی حق کا مطالبہ دونوں جہاں میں نہ کریں خواہ مالی حق ہو یا آبرو کا کیوں کہ مثل مشہور ہے۔

ع لِيَعْنِي تَجَاوِزِي أَلْفَ عَيْنٍ وَتُكْرِمُ تَرْجَمَةً: ”ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔“



(تو ہم کو بھی اللہ سبحانہ اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے امت محمدیہ کی خطاؤں کو معاف کر دینا چاہیے)۔

پس جس شخص نے اس امت کے کسی آدمی سے بھی مؤاخذہ کیا اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا جن کے یہ بندے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو جانا جن کی یہ امت ہیں۔

اور عزیز من! یہ سمجھ لو کہ اس عہد پر عمل کرنا تم کو اس وقت تک آسان نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے سامنے اپنے عیوب محض گمان اور انکسار سے نہیں بل کہ یقین کے ساتھ منکشف اور ظاہر نہ ہو جائیں۔ اس وقت بے شک تم دل کھول کر اس کے لیے آمادہ ہو گے اور اس کی ضرورت سمجھو گے کہ ان گناہوں کے مٹانے اور پاک و صاف کرنے کی کوئی صورت ہونی چاہیے (اور وہ یہی ہے کہ تم دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو اور ان کو اپنے حقوق معاف کر دو۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر کریں گے اور اہل حقوق سے تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے)۔

اگر تمہارے کپڑے میں کوئی خاہری ناپاکی لگی ہو اور کوئی شخص آکر اسے دھو دے تو تم لا محالہ اس کی طرف جھکو گے (اسی طرح اگر تم کو گناہوں کی ناپاکی محسوس ہو جاوے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو اپنے حقوق معاف کر دینے سے یہ ناپاکی دھل جائے گی تو تم ضرور اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ گے) پس اس عہد پر عمل کرنے والے کو سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے نفس کی برائیاں اس نجاست ظاہری کی طرح محسوس ہونے لگیں ورنہ وہ ضرور (دوسروں سے) مؤاخذہ کا طالب ہوگا اور درگزر کرنے پر آمادہ نہ ہوگا اور میں نے اپنے نفس کے ساتھ تقریباً تیس برس تک مجاہدہ کیا تب وہ کسی قدر اس پر آمادہ ہوا اور اس کے ساتھ یہ بھی مناسب ہے کہ جو شخص ہم سے کراہت رکھتا ہو اس کے ساتھ اپنے مرنے سے پہلے جلد ہی صلح کر لیں کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ ہماری نسبت ہمارے مرنے کے بعد کچھ

کہے ... سنے اور اس وقت اس بات کا معاف کرنے والا کوئی ہوگا نہیں (تو یہ مسلمان ہماری ذات کی وجہ سے گناہ میں گرفتار ہوگا) تو اپنے مسلمان بھائیوں کے حال پر شفقت کر کے ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ اور (یاد رکھو کہ) لوگ زیادہ تر دوسروں کی آبرو ریزی میں کسی ایسی بات یا ایسے فعل کے بہانہ سے مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی خبر (انہی طور پر) بلا تحقیق کے ان تک پہنچتی ہے تو اگر ہم ان سے مل کر بات صاف کر لیں گے اور اپنا عذر واقعی بیان کر دیں گے تو امید ہے کہ وہ اس سے باز آجائیں گے چنانچہ خود مجھے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا (کہ وہ محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے مجھ سے بدگمانی اور بغض رکھتا تھا) اور اس نے مجھ سے خود کہا کہ واللہ! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم محض زندیق (اور بد دین) ہو پھر میں نے اپنی حالت ظاہری کی اور بتلایا کہ میں اسلام اور اہل اسلام کا (دل سے) چاہنے والا (اور ان کا جان نثار) ہوں تب اس نے (اپنے خیال سے) توبہ کی اور بہت اچھی توبہ کی۔

والحمد لله على ذلك۔

اگر کوئی تم کو ایذا دے تو تم اس کو کسی طرح کی کچھ ایذا مت دینا اگرچہ بدگمانی ہی کا درجہ ہو کیوں کہ کسی سے بدگمانی رکھنا بھی ایک درجہ کی ایذا ہے کہ اس شخص کے ساتھ دل کھلا ہوا نہیں رہتا اور اس کا اثر ملاقات کے وقت ضرور ظاہر ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کو ایذا ہوتی ہے تو اس سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور یہ مت کہنا کہ بدی کا بدلہ بدی ہے (تو میں بھی اس کو ایذا دے سکتا ہوں کیوں کہ) ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور تم اس کے بعد کا حصہ بھی تو چھو اور دیکھو حق تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ کہ جو معاف کر دے اور بات کو سنوار دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بدی کے انتقام کو بھی بدی سے تعبیر فرمایا ہے جس میں بندہ کو عفو و مسامحت (کی خوبی) پر متنبہ



اس کو چاہیے کہ وہ کسی سے صورت بدی کے ساتھ بھی پیش نہ آئے (کیوں کہ انتقام صورت بدی سے خالی نہیں گو حقیقتہ بدی نہ ہو)

اور عزیز من! جو شخص اس عہد پر پوری طرح عامل رہے گا اس کے لیے ہمیں حق تعالیٰ سے امید ہے کہ قیامت کے دن سب اہل حقوق کو اس سے راضی کر دیں گے اور جیسا برتاؤ اس نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بندوں سے کیا ہے (کہ سب کو اپنے حقوق معاف کر دیں) اس کے عوض میں (یہی برتاؤ اس کے ساتھ بھی ہوگا) کوئی شخص اپنے کسی حق کا اس سے مطالبہ نہ کرے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ میں اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہو گئی۔ طلبہ مظلوم تھے، اس لیے ان کو انتقام کی فکر تھی۔ جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی صدارت میں اساتذہ اور طلبہ کا ایک اجتماع ہوا۔ اس موقع پر حضرت (مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) نے تقریر فرمائی۔ واقعیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زور خطابت سے مجمع پر قابو پا لیتے، لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی اس موقع پر اس کا ظہور ہوا۔ حضرت نے ایسے مؤثر انداز میں تقریر فرمائی کہ آج پندرہ سال کے بعد بھی اس کی آواز میرے سامعہ میں گونج رہی ہے۔

موضوعاً تقریر تھا "مظلوم بننا کتنا مفید ہے" اور انتقام اگرچہ حق ہو، لیکن اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن کن رمتوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ میں نے دسیوں تقریریں حضرت کی سنی تھیں، لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں کہ لوگوں کے جو صلاختم ہو چکے تھے ایسی مؤثر تقریر فرمائی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آسمان

لہ "ہم سے عہد کیا گیا" ترجمہ "الدر المنضود" ص ۱۴۵، ۱۴۶

سے آگ پر پانی برس رہا ہے۔ ایک گمنام کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا، فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا، ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔

امر تھم گئے جس کوچہ میں مسجد نور واقع تھی اس کوچہ میں مکانوں کی پشت لگتی تھی، ان تمام مکانوں کے پرنا لے اسی کوچہ میں گرتے تھے۔ پرنا لے بھی اتنے بڑے بڑے اور کھلے تھے کہ اوپر سے کوئی خوردسالہ بچہ اس میں گر پڑے تو آسانی کے ساتھ نیچے آ جاوے۔ یہ مکانات سب کے سب تاجران حرم کے تھے جو بڑے امیر آدمی تھے، ان کی خادما میں گھر کا تمام کوا کرکٹ اور خلافت ان پر نالوں کے ذریعے بیچے پھینک دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حسب معمول حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی درس کے لیے مسجد نور آ رہے تھے کہ ایک پرنا لے سے گندا پانی گرا اور سب کا سب آپ کے اوپر گرا۔ تمام کپڑے خراب ہو گئے۔ مبارک شاہ حضرت والا کا خادم چوں کہ پھٹان تھا، اس لیے بہت تنگ پا ہوا۔ کہنے لگا: میں انہی اوپر جا کر اس خادمہ کے جوتے لگواتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا: خاموش رہو بالکل کچھ نہ کہنا۔ پھر حضرت والا نے اسی وقت غسل کیا، کپڑے بدلے، اپنے مشاغل پورے کیے اور معمول کے مطابق درس دیا۔ جب دھوبی کو گندے کپڑے دھونے کے لیے دیے تو دیگر خدام کو پتہ چلا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔

ایک صاحب نے ان مکان والوں کو سارا واقعہ سن کر متنبہ کیا اور ان پر نالوں کا ایسا بندوبست کیا کہ کسی نمازی پر گندری چھیٹ تک نہ پڑے۔

پھر ایک خادم نے پوچھا کہ آپ نے مبارک شاہ کو تنبیہ کرنے کی اجازت کیوں نہ دی تھی؟ فرمایا: یہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی سنت ہے کہ آپ ﷺ پر بار بار

لہ مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ص ۱۱۲، ۱۱۳







أَخْرَجَ مِنْ هَذِهِ الْجَارِيَةِ وَلَا أَطِيعُكَ وَلَا أَقْبِلُ مِنْكَ ..... أَخْضَدُ بَيْنَ  
حَبْلٍ أَطَاعَ اللَّهَ فَأَمَرْنَا بِطَاعَتِهِ<sup>۱</sup>۔ ”نہ میں تیری بات مانوں گا اور نہ میں اٹکوں  
گا۔ جہاں تک احمد بن حنبل کی بات ماننے کا تعلق ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی  
اطاعت کی تو ہمیں بھی ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا۔“

اسی طرح امام ابن القیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”وَشَاهَدْتُ شَيْخَنَا. اِبْنَ تَيْمِيَّةَ. يُرْسِلُ اِلَى الْمَضْرُوعِ مَنْ  
يُخَاطَبُ الرُّوحَ الَّذِي فِيهِ وَيَقُولُ: قَالَ لَكَ الشَّيْخُ: اُخْرِجْهُ،  
فَاِنَّ هَذَا لَا يَحِلُّ لَكَ، فَيَفِيْقُ الْمَضْرُوعُ. وَكَانَ يَقْرَأُ فِي اُذُنِ  
الْمَضْرُوعِ: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَدًا وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا  
تُرْجَعُونَ﴾۔“<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”میں نے اپنے شیخ امام ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا یہ معمول  
دیکھا تھا کہ جس آدمی پر جنات کا اثر ہوتا تو شیخ اس کے پاس ایک آدمی  
کو بھیجتے جو اس بدروح کو مخاطب کر کے کہتا کہ تجھے شیخ کہتے ہیں نکل جاؤ  
یہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے تو جنات سے متاثرہ آدمی ٹھیک ہو جاتا اور  
وہ جنات سے متاثرہ آدمی کے کان میں یہ آیت پڑھتا جس کا ترجمہ  
ہے: ”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم کو ہم نے فضول پیدا کیا ہے اور  
تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے۔“

### ۱۳ قناعت:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ  
سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بہت ہی بڑے عارف گزرے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

لے طبقات الحنابلہ: ۱/ ۲۳۳، رقم: ۳۲۴

لے المؤلفون: ۱۱۰، زاد المعاد ۳/ ۸۱

بیت (العلم نرسٹ)

”وہ درویشے درگھیے می حسہند و دو پادشاہ در اقلیم نمی گنجد۔“

ترجمہ: ”دس درویش ایک کھل میں سما سکتے ہیں، مگر دو بادشاہ پورے ملک  
میں نہیں سما سکتے۔“

درویش سے پوچھیں تو کہے گا کہ یہ کھل بہت بڑا ہے دس اور بھی آجائیں تو بھی  
اس میں سما جائیں گے، اور بادشاہ سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ یہ ملک تو بہت ہی چھوٹا  
ہے ایسی ہزاروں دنیا اور بھی پیدا ہو جائیں تو وہ بھی میرے لیے کم ہیں، معلوم ہوا کہ  
اصل بات لوگوں کی ہوس اور قناعت کی ہے۔ کسی میں ہوس ہو تو ہزاروں دنیا بھی اس  
کے لیے کم ہیں اور کسی میں قناعت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: ”وَأَرْضُ  
بَيْنَا قِسْمَ اللَّهِ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ“ کے مطابق وہ خود کو پوری دنیا سے زیادہ  
مل دار سمجھے گا بات تو اپنے اپنے طرف کی ہے کہ کسے ضرورت سمجھتے ہیں کسے نہیں۔

### زندگی کا معیار کیسا رکھنا چاہیے

حضرت مفتی رشید احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی یہ بھی فرماتے ہیں:

”ضرورت پوری ہو جانے کے بعد اپنی زندگی کا معیار کیسے رکھے، اس کا  
قانون یہ ہے کہ اپنے مصارف (خرچہ جات) آمدن کے تحت رکھے، اس لیے کہ  
آمدن (یعنی تنخواہ وغیرہ) تو غیر اختیاری ہے اور مصارف پر ضابطہ رکھنا اپنے اختیار  
میں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آمدن ہے نہیں اور خرچ زیادہ کرنے لگے پھر کسی سے بھیک مانگنا  
پڑے یا قرض لینا پڑے۔ لہذا جتنی آمدن ہو اپنے مصارف کو اس کے نیچے رکھے،  
زندگی کا معیار اونچا کرنے کے لیے آمدن کی ہوس بڑھا کر کوئی ناجائز طریقہ اختیار نہ  
کرے۔“<sup>۳</sup>

لے نور مذی الزہد باب من اتقى المحارم لہو اعد الناس، رقم: ۲۳۰۵

لے ماہ کا مقام: ۱۱۰

بیت (العلم نرسٹ)



اتفاق فی سبیل اللہ سے الگ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے اور زندگی گزارنے میں اس کا لحاظ رکھے کہ کہیں دنیا کی ہوس پیدا نہ ہو جائے، آمدن بڑھانے سے ہوس ختم نہیں ہوتی بل کہ اور زیادہ بڑھتی ہے۔

عۛ إِنَّ الطَّعَامَ يُقْوِي شَهْوَةَ النَّفْسِ

مشہور عرب شاعر متنی نے کیا خوب کہا ہے:

مَا قَضَى أَحَدٌ مِنْهَا بُنَاتَهُ  
وَلَنْ أَنْتَهَى أَرْبٌ إِلَّا إِلَى أَرْبٍ

ترجمہ: ”نہ کسی نے اس دنیا کی ساری خواہشوں کو حاصل کیا اور نہ ایسا ہے کہ اس کی ایک ضرورت پوری ہونے کے بعد دوسری ضرورت سامنے نہ آجائے۔“

یہ ہوس تو کہیں پوری ہوتی ہی نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التَّرَاتِبُ وَيَتَوَبُّ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ“

ترجمہ: ”ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی اس کی خواہشیں کبھی دم نہیں توڑتیں سوائے قبر میں جانے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو توبہ کرتا ہے۔“

الغرض آمدن ضرورت سے زیادہ ہو تو اس کے خرچ کرنے میں اس کا خیال رہے کہ ہوس بڑھتی نہ جائے ہوس پر لگام لگی رہے۔

پوری دنیا سے بڑا غنی بننے کا نسخہ عطا فرما دیا کہ:

”جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا اسی پر قناعت کرو تو دنیا میں سب سے بڑے

ملہ دیوان المعین: ۲۸

ملہ مسلم، الزکوٰۃ، باب مكرهة الحرص على الدنيا: ۳۳۵/۱

بیّن (وہ علم نرسٹ)

غنی بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائیں۔

چوں کہ قناعت کے باب میں مال داروں سے استفناء انتہائی ضروری ہے اس لیے اس بارے میں ایک وصیت اور اس سے متعلق کچھ واقعات بتا دوں۔

کوئی بھی ایسا دینی کام جس میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو، خواہ وہ مدرسہ ہو یا کوئی دوسرا دینی کام، اس کے کرنے والوں کو یہ بنیادی بات یاد رکھنا چاہیے کہ مال داروں میں سے کسی کو بھی رائے دینے کی اجازت نہ دی جائے۔ علماء و صلحاء کی رائے سے کام کریں، مال داروں میں سے جو تعاون کرنا چاہیں انہیں صاف صاف بتا دیں کہ اس کام میں آپ کی رائے نہیں چلے گی، اس لیے کہ کسی کام میں اسی شخص کی رائے معتبر ہوتی ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ جیسے دنیا دار جن طریقوں سے مال کماتے ہیں اولاً تو کوئی مولوی اس سلسلے میں انہیں کوئی مشورہ دے گا نہیں کہ مال غلام طریقے سے کماد اور کارخانہ غلام طریقے سے چلاؤ، مولوی کو اس فن سے کیا تعلق، وہ اس فن کا ماہر نہیں، اس کے لیے اس فن میں مداخلت جائز ہی نہیں، بالفرض اگر کسی مولوی نے رائے دے دی تو دنیا دار اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے، بل کہ مولوی کو پاگل اور بے وقوف سمجھیں گے اور کہیں گے کہ چلو مسجد یا مدرسے میں بیٹھو تمہیں کیا معلوم کہ پیسہ کیسے کمایا جاتا ہے؟

اسی طرح اگر کچھ مال دار مفت علاج کرنے کے لیے کوئی رفاہی ہسپتال بنانا چاہیں تو انہیں پیسے خرچ کرنے کا حق تو ہوگا لیکن یہ بات کہ اس ہسپتال میں کیا کیا چیزیں بنائی جائیں، کتنے اور کیسے کمرے تعمیر کیے جائیں، کہاں کہاں کیسی کیسی مشینیں لگائی جائیں؟

ان سب باتوں میں ذاکٹروں کی رائے کا اعتبار ہوگا۔ اگر پیسہ لگانے والے یہ کہیں کہ ذاکٹر کو تو بس بعد میں پیسہ کرکام کرنا ہے پیسہ تو ہم خرچ کر رہے ہیں ذاکٹر کو

ملہ ترمذی، الزہد، باب من اتقى المحارم فهو عبد الناس، رقم: ۲۳۰۵

بیّن (وہ علم نرسٹ)



رائے دینے کا کیا حق، ہم جیسے چاہیں ہسپتال بنائیں تو سوچیں کہ وہ کوئی ہسپتال بنائیں کے یا مرغی خانہ؟

کچھ کا کچھ بنا دیں گے۔ مالداروں کا کام تو تجارتی مراکز بنانا ہے ہسپتال کے کمرے کتنے اور کس طریقے سے بنیں گے اس میں ڈاکٹروں کی رائے کا اعتبار ہے، مالداروں کو تو بس پیسہ خرچ کرنا چاہیے۔

یہ اصول شرعاً و عقلاً ہر اعتبار سے پوری دنیا میں مسلم ہے کہ کسی کام میں اسی کی رائے معتبر ہوتی ہے جو اس کا جائز والا ہو، تو جس طرح مال کمانے میں صرف مالداروں کی رائے کا اعتبار ہوگا دوسروں کو اس میں دخل دینا جائز نہیں، اسی طرح دینی امور میں ان ہی کی رائے معتبر ہوگی جن سے اللہ تعالیٰ دین کے کام لے رہے ہیں، کسی دوسرے کو اس میں دخل دینا جائز نہیں۔

جو لوگ جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ مال دار بھی ہوتے ہیں، نہیں دین داروں اور دینی کاموں پر اشکالات و اعتراضات بہت ہوتے ہیں۔ ان کا ایک جواب پہلے کنی بار بتا چکا ہوں اب پھر لوٹا تا ہوں اسے خوب یاد رکھیں۔

ایک شخص نے کہا کہ آپ کے ہاں جو پہرہ لگا ہوا ہے اس سے لوگوں کو استفادہ میں بہت خلل ہو رہا ہے، یہ پہرہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم یہاں جو کام بھی کرتے ہیں وہ اپنے اس علم، عقل، تجربے اور استطاعت کے مطابق کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے۔ ان چاروں چیزوں میں سے جتنی مقدار اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے ہم اسی کے مطابق کام کر رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ آپ کا علم آپ کی عقل اور تجربہ و استطاعت ہمیں دے دیتے تو پھر ہم ویسے ہی کرتے جیسے آپ کہہ رہے ہیں۔

یہ جواب خوب اچھی طرح یاد رکھیں اور جب بھی کوئی سیٹھ یا کوئی جاہل کسی قسم کا اشکال کرے کہ یہ کام تو ایسے نہیں ویسے ہونا چاہیے تو اس کو یہی جواب دیا کریں یہ

بہت ہی عجیب کمروں سے زیادہ قیمتی جوہر ہے اس کو خوب یاد رکھیں خوب قدر کریں، انتہائی جامع جواب ہے۔ جب میں نے (یعنی مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے) اس شخص کو یہ کہا تو اس کی زبان پر ایسی مہر سکوت لگی اور وہ ایسا خاموش ہوا کہ اس کے بعد کچھ بولا نہیں ورنہ یہ بات عام مشہور ہے اور دستور ہے کہ جو بحث کرنے لگتا ہے وہ خاموش تو کبھی ہوتا ہی نہیں۔

اب دینی امور میں دخل اندازی کرنے والے دنیا داروں کو روکنے کی چند مثالیں سنئے۔

### منبر محراب بن گئے

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مال دار لوگوں کو دارالعلوم کورنگی کی شوری کا رکن بنالیا تھا۔ ایک بار خود ہی مجھے (مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) قصہ بتاتے ہوئے فرمانے لگے کہ ایک بار وہ لوگ کچھ اعتراضات کرنے لگے تو میں نے کہا کہ میں نے تو آپ لوگوں کو منبر (یعنی منبر) بنایا تھا کہ آپ کے سروں پر چڑھ کر بیٹھیں گے لیکن آپ تو محراب بننا چاہتے ہیں، آگے بڑھ کر امام بننا چاہتے ہیں اور مجھے پیچھے رکھنا چاہتے ہیں۔

اس قصے سے بھی پتہ چلا کہ مال داروں کو رکن بنانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر وہ مولوی کو پوچھتے بھی نہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ سب کچھ ہماری مرضی سے ہو، ذرا سا کوئی مالی تعاون کر دے پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس اب تو جو کچھ بھی ہو میری مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔ تو جن لوگوں میں عقل ہو ہی نہیں انہیں رکن کیوں بنایا جائے؟

### دعاؤں کا اہتمام:

حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم (مترجم حیات الصالحہ) نے

ایک مرتبہ فرمایا: ”میں منت گھڑی میں دیکھ کر دعا مانگو، شروع شروع میں مجاہدہ ہوگا، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ آسان ہو جائے گا۔“

سوچنے کی بات ہے کہ ہم دوستوں اور گھر والوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کئی کئی گھنٹے باتوں میں گزار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھوڑی سی دعا مانگتے ہی تھک جاتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں مناجات کی لذت نہیں حاصل، اللہ تعالیٰ ہمیں مناجات کی لذت نصیب فرمائے۔ آمین“

ذیل میں ہم علامہ ابن الجوزی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی مناجات میں سے ایک دعا نقل کرتے ہیں ائمہ کرام کو چاہیے کہ اس دعا کو بھی اپنی انفرادی دعاؤں میں شامل فرمائیں:

”إِلٰهِي لَا تُعَذِّبْ لِسَانًا يُخْبِرُ عَنْكَ وَلَا عَيْنًا تَنْظُرُ إِلَى عُلُومِ قَدْلَ عَلَيْكَ وَلَا قَدَمًا تَسْبِي فِي خِدْمَتِكَ وَلَا يَدًا تَكْتُبُ حَدِيثَ رَسُولِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِعِزَّتِكَ لَا تُدْخِلْنِي النَّارَ فَقَدْ عَلِمَ أَهْلُهَا أَنِّي كُنْتُ أَذُوبُ عَنْ دِينِكَ. اللَّهُمَّ بَلِّغْنِي آمَالِي مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَأَطِلْ عُمْرِي لِأَبْلُغَ (مَا) أَحِبُّ مِنْ ذَلِكَ.“

مَرْجَعًا: ”اے معبود برحق! ایسی زبان کو عذاب نہ دے جو تیرے احکامات (لوگوں کو) بتاتی ہے، اور نہ ایسی آنکھ کو عذاب دے جو ایسے علوم کو دیکھتی ہے جو تیرے وجود پر دلالت کرتے ہیں، اور نہ ایسے ہیر کو عذاب دے جو تیرے دین کی خدمت میں چلتا ہے، اور نہ ایسے ہاتھ کو عذاب دے جو تیرے رسول ﷺ کی حدیث لکھتا ہے، تجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے جہنم میں داخل نہ فرما، کیوں کہ جہنمی جانتے ہیں کہ میں

تیرے دین کا دفاع اور اس کی حمایت کرتا تھا۔ اے اللہ! میرے علم اور عمل کی آرزوؤں کو پورا فرما اور میری عمر کو دراز فرما، تاکہ میں اس چیز کو حاصل کر سکوں جس پر میں راضی ہوتا ہوں۔“

لہذا ائمہ کرام اس کے لیے ① الحزب الاعظم ② مستند مجموعہ وظائف ③ مناجات مقبول، یا ④ مناجات الصالحین کسی بھی قریبی دینی کتب خانے سے براہ راست منوائیں یہ کتابیں اپنے پاس رکھیں، اور نفس پر مجاہدہ کر کے زیر دہی نفس کو بخائیں اور ان کتابوں سے پڑھ کر دعا مانگیں، فجر کے بعد اشراق تک بیٹھیں اور مسنون اذکار جو فجر کے بعد وارد ہیں اس کا اہتمام فرمائیں۔

مذکورہ بالا کتابوں میں مسنون دعائیں شامل ہیں ان کو مانگنے سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہوگا، معرفت الہیہ حاصل ہوگی، کئی فتنوں اور پریشانیوں سے حفاظت ہوگی، اہل و عیال کی اصلاح بھی ہوگی اور ان کے اندر دین کی محبت بھی پیدا ہوگی۔ لیکن ان دعاؤں کو جب مانگیں تو پورے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر مانگیں کہ اس میں عاجزی و انکساری بھی ہو اور آہستگی بھی، کیوں کہ.....

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ سب کو دعا والے بنا کر گئے، یہ بھی نہیں کہ بزرگوں کے ہوتے ہوئے ہم کیا دعا مانگیں، سارے صحابہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے ہوتے ہوئے ایک تابعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی دعا مانگتا ہے اور اس کی دعا پر سواری زندہ ہوتی ہے۔ یہ راستہ یوں نہیں دیا گیا، کہ بعض دعا والے بن جائیں، بعض شیطان بن جائیں، جب ان پر مصیبت آ جائے تو وہ دعا والوں کے پاس چلے جائیں۔

حضور ﷺ یہ راستہ دے کر نہیں گئے۔ نہ عالموں کو عوام پر چھوڑا، نہ حاکم کو محکوم پر، نہ محکوم کو حاکم پر چھوڑا ہے۔ تم ذرا تصور کرو اس زندگی کا کہ کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کی چیز پر نگاہ نہیں رکھتا، کوئی کسی سے کسی چیز کا لالچ نہیں



رکھتا، ہر ایک کی زندگی مستقل بن رہی ہے۔ چیزوں پر موقوف نہیں، ۲۴ گھنٹے کی زندگی کو حضرت محمد ﷺ کے طریقوں پر گزار لو، ان کے طریقے اپنانے سے پیسہ گھٹے تو گھٹے دو، کیوں کہ پیسے کے راستے سے دعا قبول نہیں ہوگی، آپ ﷺ کے راستے سے دعا قبول ہوگی تو صالح بن، توفی بن، تودعا والا بن۔

قرآن وحدیث پر عمل کر دلی بنو گے، اگر آج یہ قرآن وحدیث پر عمل کر لیں دلی ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ چشمہ میں ساری دلاہیتیں اسی سمندر سے پھوٹ رہی ہیں، کوئی آدمی ایسا نہیں جو حضور ﷺ سے کٹ کر دلی بن گیا ہو۔ جو دلی بنا ہے تو حضور ﷺ کے ساتھ بندھ کر دلی بنا ہے۔ تم خوشبو دار پھول بن کر چمک دار سورج بن کر، سخاوت کے ساتھ بیٹے والا سمندر بن کر ان کے سامنے آؤ، (یہ ساری دنیا والے) ہر چیز کو چھوڑ کر تمہاری طرف آجائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو خود دین کے پھیلائے کی محنت کر کے دعا والا بن جا، دعا جتنی فکر سے تو اپنے لیے مانگتا ہے، اتنی فکر سے دوسرا نہیں مانگ سکتا۔ دیکھو:

”أَمَّنْ يُجِيبُ الْعَالِمَ“ نہیں کہا۔

”أَمَّنْ يُجِيبُ الدَّاكِرَ“ نہیں کہا۔

(بل کہ) ”أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ“ کہا کہ وہ بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے۔

تیرا ایک عمل تو یہی ہوگا کہ سیکھ دعائیں۔ دعا والا بن، خود اپنے لیے بھی دعا کر، اور دوسروں کے لیے بھی دعا کر۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُجِيبُ الْمُعْتَدِينَ“  
”تو جھک کر، اپکارو اپنے رب کو گڑا کر اور چپکے چپکے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں

کو ناپسند کرتے ہیں، جو حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، تَضَرُّع کے معنی ”بخروا انکساری“ اور ”اظہار تذلل“ کے ہیں اور خُفْيَةً کے معنی پوشیدہ، چھپا ہوا جیسا کہ اردو زبان میں یہ لفظ اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں دعا و ذکر کے لیے دو اہم آداب کا بیان ہے:

اول یہ کہ قبولیت دعا کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے بخروا انکساری اور تذلل کا اظہار کر کے دعا کرے، اس کے بعد الفاظ بھی بخروا انکساری کے مناسب ہوں، لب ولہجہ بھی تواضع وانکساری کا ہو، ہیئت دعا مانگنے کی بھی ایسی ہی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل عوام جس انداز سے دعا مانگتی ہے اول تو اس کو ”دعا مانگنا“ ہی نہیں کہا جاسکتا، بل کہ ”پڑھنا“ کہنا چاہیے، کیوں کہ اکثر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جو کلمات زبان سے بول رہے ہیں، ان کا مطلب کیا ہے۔

جیسا کہ آج کل عام مساجد میں اماموں کا معمول ہو گیا ہے کہ کچھ عربی زبان کے کلمات دعا یہ انہیں یاد ہوتے ہیں، ختم نماز پر انہیں پڑھ دیتے ہیں۔ اکثر تو خود ان اماموں کو بھی ان کلمات کا مطلب ومفہوم معلوم نہیں ہوتا اور اگر ان کو معلوم ہو تو کم از کم ان پڑھ مقتدی تو اس سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں، وہ بے سمجھہ و بے تہمتہ امام کے پڑھے ہوئے کلمات کے پیچھے ”آمین آمین“ کہتے ہیں۔

اس سارے تماشے کا حاصل چند کلمات کا پڑھنا ہوتا ہے، دعا مانگنے کی جو حقیقت ہے یہاں پائی ہی نہیں جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ان بے جان کلمات ہی کو قبول فرما کر قبولیت دعا کے آثار پیدا فرمادیں، مگر اپنی طرف سے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دعا پڑھی نہیں جاتی بل کہ مانگی جاتی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ مانگنے کے ڈھنگ سے مانگی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے کلمات کے معنی بھی معلوم ہوں اور سمجھ

کر ہی کہہ رہا ہو تو اگر اس کے ساتھ عنوان اور لب و لہجہ اور ہیئت ظاہری تواضع و انکساری کی نہ ہو تو یہ دعا نرا ایک مطالبہ رہ جاتا ہے، جس کا کسی بندے کو کوئی حق نہیں۔

غرض پہلے لفظ میں ”روح دعا“ بتلا دی گئی کہ وہ عاجزی و انکساری اور اپنی ذلت و پستی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگتا ہے، دوسرے لفظ میں ایک دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ دعا کا خفیہ اور آہستہ مانگنا افضل اور قرین قبول ہے، کیوں کہ باواز بلند دعا مانگنے میں اوّل تو تواضع و انکساری باقی رہنا مشکل ہے، ثانیاً اس میں ریاء و شہرت کا بھی خطرہ ہے۔

ثالثاً اس کی صورت عمل ایسی ہے کہ گویا یہ شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ”سمیع علیم“ ہیں، ہمارے ظاہر و باطن کو یکساں جانتے ہیں، ہر بات خفیہ ہو یا جبر اس کو سنتے ہیں، اسی لیے غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آواز دعا میں بلند ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو جو اتنی بلند آواز سے کہتے ہو، بل کہ ایک سمج و قریب تمہارا مخاطب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، (اس لیے آواز بلند کرنا فضول ہے) خود اللہ جل شانہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا ہے:

﴿إِذْ نَادَى رَبَّهُ يَدَّءٌ خَفِيفًا ۝﴾

تترجمہ: ”جب انہوں نے رب کو پکارا آہستہ آواز سے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دعا کی یہ کیفیت پسند ہے کہ پست اور آہستہ آواز سے دعا مانگی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”علائیہ اور جہاد دعا کرنے

۱۔ بخاری، المغازی، باب غزوہ خیبر: ۶۰۵/۲

۲۔ مرہم: ۳ ۳۔ تفسیر ابن کثیر: ۸۲۸

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ نَزِيحٌ

میں اور آہستہ پست آواز سے دعا کرنے میں ستر درجہ فضیلت کا فرق ہے، سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ ذکر و دعا میں بڑا مجاہدہ کرتے اور اکثر اوقات مشغول رہتے تھے مگر کوئی ان کی آواز نہ سنتا تھا، بل کہ ان کی دعائیں صرف ان کے اور ان کے رب کے درمیان رہتی تھیں، ان میں بہت سے حضرات پورا قرآن حفظ کرتے اور تلاوت کرتے رہتے تھے، مگر کسی دوسرے کو خبر نہ ہوتی تھی، اور بہت سے حضرات بڑا علم دین حاصل کرتے، مگر لوگوں پر جلتا نہ پھرتے تھے، بہت سے حضرات راتوں کو اپنے گھروں میں طویل طویل نمازیں ادا کرتے، مگر آنے والوں کو کچھ خبر نہ ہوتی تھی، اور فرمایا: ”ہم نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ تمام عبادات جن کو وہ پوشیدہ کر کے ادا کر سکتے تھے، کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اس کو ظاہر کر کے ادا کرتے ہوں، ان کی آوازیں دعاؤں میں نہایت پست ہوتی تھیں۔“ ۱

ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دعا میں آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے۔

امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ مانگنا بہ نسبت اظہار کے افضل ہے۔

حضرت حسن بصری اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے، اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ختم پر جو آمین کہی جاتی ہے اس کو بھی آہستہ کہنا افضل ہے، کیوں کہ آمین بھی ایک دعا ہے۔ ۲

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارے زمانے کے ائمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادیں کہ قرآن و سنت کی اس تلقین اور بزرگان سلف کی ہدایت کو یکسر چھوڑ بیٹھے، ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کارروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں، جو آداب دعا کے خلاف ہونے کے علاوہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۵۲۲، الاعراف: ۵۵ ۲۔ احکام القرآن ۳/۲۶۶: مرہم: ۳

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ نَزِيحٌ



ان نمازیوں کی نماز میں بھی خلل انداز ہوتے ہیں، جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہیں۔ غلبہ رسوم نے اس کی برائی اور مناسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔

کسی خاص موقع پر خاص دعا پوری جماعت سے کرنا مقصود ہو ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعا کے الفاظ کہے اور دوسرے آمین کہیں، اس کا مضائقہ نہیں، شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز و عبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں، اور ایسا کرنے کی عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے ہو رہا ہے۔

یہ بیان اپنی حاجات کے لیے دعا مانگنے کا تھا۔ اگر دعا کے معنی اس جگہ ذکر و عبادت کے لیے جائیں تو اس میں بھی علماء سلف کی تحقیق یہی ہے کہ ذکر سر ذکر جہر سے افضل ہے۔ اور صوفیاء کرام میں مشائخ چشتیہ جو مبتدی کو ذکر جہر کی تلقین فرماتے ہیں، وہ اس شخص کے حال کی مناسبت سے بطور علاج کے ہے، تاکہ جہر کے ذریعہ کسل اور غفلت دور ہو جائے اور قلب میں ذکر اللہ کے ساتھ ایک لگاؤ پیدا ہو جائے، ورنہ فی نفسہ ذکر میں جہر کرنا، ان کے یہاں بھی مطلوب نہیں، گو جائز ہے، اور جواز اس کا بھی حدیث سے ثابت ہے، بشرط یہ کہ اس میں ریاء و نمود نہ ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ، وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي."

ترجمہ: "یعنی بہترین ذکر خفی ہے، اور بہترین رزق وہ ہے جو انسان کے لیے کافی ہو جائے۔"

ہاں خاص خاص حالات اور اوقات میں جہر ہی مطلوب اور افضل ہے۔ ان

اوقات و حالات کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے واضح فرمادی ہے، مثلاً اذان و تکبیرات تشریق، حج میں تلبیہ بلند آواز سے کہنا وغیرہ، اسی لیے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فیصلہ اس باب میں یہ فرمایا ہے کہ جن خاص حالات اور مقامات میں رسول کریم ﷺ نے قولا یا عملا جہر کرنے کی تلقین فرمائی ہے وہاں تو جہر ہی کرنا چاہیے، اس کے علاوہ دوسرے حالات و مقامات میں ذکر خفی اولیٰ و انفع ہے۔ چوں کہ ائمہ حضرات کو اجتماعی دعا تو مانگنے کا موقع ملتا ہی رہتا ہے، اس لیے گزارش ہے انفرادی دعا مانگنے کا بھی خوب اہتمام ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ دعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ کا تعلق ملے گا، اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی۔

ہر امام کو چاہیے کہ اپنے پاس دعاؤں کی کتابوں کا ذخیرہ رکھے اور ان کتابوں سے خود بھی مانگتا رہے اور مقتدیوں کو بھی سکھاتا رہے۔ ہم یہاں چند کتابوں کے نام لکھتے ہیں، وہ اپنے پاس رکھیں۔

① سلاح المؤمن فی الدعاء والذکر۔ لأبي الفتح محمد بن محمد بن علی بن ہمام۔ ۷۴۵ھ مطبع..... دار ابن کثیر بیروت۔

② فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وآله وسلم..... للامام اسماعيل بن اسحاق القاضي ۲۸۲ھ مطبع..... رمادی..... السعودیہ۔

③ عمل اليوم واللیلة..... للحافظ ابی بکر احمد بن محمد الدینوری المعروف بابن السنی المتوفی سنة ۳۶۴ھ مطبع مکتبہ دارالبیان دمشق۔

اسی کتاب پر حضرت مفتی عاشق الہی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحقیق و تخریج احادیث کا کام کیا ہے اب وہ اس نام سے مل جاتی ہے۔

عمل اليوم واللیلة..... سلوك النبي صلى الله عليه وسلم مع

ربہ عزوجل و معاشرہ مع العباد۔

۴ حصن حصین..... شرح مولانا عاشق الہی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی

۵ پروردعائیں..... مولانا مشتاق محمد قاضی عثمانی..... مطبع..... ادارۃ المعارف۔

۶ ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول..... مولانا محمد یوسف لدھیانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی..... مکتبہ لدھیانوی کراچی۔

۷ مستند مجموعہ وظائف..... اساتذہ مدرسہ بیت العلم..... بیت العلم ٹرسٹ۔

۸ صبح و شام کی مسنون دعائیں..... ابو محمد زمزمی..... بیت العلم ٹرسٹ۔

۹ کتاب الدعاء..... صاحبزادہ عبدالباسط..... عالمی حلقہ دروس قرآن و حدیث کراچی۔

۱۰ استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف..... مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ کراچی۔

ائمہ کرام ان کتابوں کا خوب مطالعہ فرمائیں اور اپنے رب سے خلوت میں مناجات کریں۔

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک مرتبہ اپنے حواریوں سے فرمایا:

”يَا مَعْشَرَ الْخَوَارِجِ يَا كَلِمُوا اللَّهَ كَثِيرًا، وَكَلِمُوا النَّاسَ قَلِيلًا“  
قَالُوا: ”كَيْفَ نَكَلِمُ اللَّهَ كَثِيرًا؟“ قَالَ: ”اِخْتَلَوْا بِمُنَاجَاتِهِ، اِخْتَلَوْا بِدُعَائِهِ.“  
قِيلَ لِمُحَمَّدٍ بْنِ النَّضْرِ: ”أَمَا تَسْتَوْحِشُ وَحَدِّكَ؟“ قَالَ: ”كَيْفَ أَسْتَوْحِشُ وَهُوَ يَقُولُ أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي“

إِذَا قَوَّيَ حَالُ الْمُحِبِّ وَمَعْرِفَتُهُ لَمْ يَشْغَلْهُ عَنِ الذِّكْرِ بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ شَاغِلٌ فَهُوَ بَيْنَ الْخَلْقِ بِجِسْمِهِ وَقَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْجَلِّ الْأَعْلَى كَمَا قَالَ عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فِي وَصْفِهِمْ: ”صَحَبُوا الدُّنْيَا بِأَجْسَادٍ وَأَرْوَاحُهَا مُعَلَّقَةٌ بِالْمَلَا الْأَعْلَى“ وَفِي هَذَا الْمَعْنَى قِيلَ:

بَيِّنَاتُ دَعْوَةِ رَبِّكَ

جَسْمِي مَعِي غَيْرَ أَنَّ الرُّوحَ عِنْدَكُمْ  
فَالْجِسْمُ فِي غُرْبَةٍ وَالرُّوحُ فِي وَطَنٍ

ترجمہ: ”حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ بات کیا کرو اور لوگوں سے بہت کم بات کرو۔ تو حواریوں نے کہا کہ ہم کیسے اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات کریں؟

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”خلوت میں مناجات کرو اور اسی سے مانگو۔“  
محمد بن نصر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اکیسے میں وحشت نہیں ہوتی؟ انہوں نے فرمایا: ”مجھے کیسے وحشت ہو سکتی ہے کہ میں اس کے ساتھ ہم نشین ہوں جو مجھے ہر وقت یاد رکھتا ہے۔“

جب مالک حقیقی سے محبت کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو قلب اور لسان کو اس کے ذکر کے سوا کسی اور کا ذکر بھاتا نہیں، پھر وہ انسان جسم کے اعتبار سے تو مخلوق کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور ول اس شخص کا اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کے ساتھ مشغول رہتا ہے، جیسا کہ سیدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ”ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اجسام دنیا والوں کے ساتھ ہیں اور ان کی روحوں اوپر والے سے ٹپی ہوئی ہیں۔“  
ای ہمارے میں کسی شاعر نے کہا ہے۔

”میرا جسم تو میرے ساتھ ہے، ہاں میری روح آپ کے پاس ہے، جسم تو سفر میں ہے اور روح وطن حقیقی (آخرت) کی فکر میں مشغول ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے ذکر و دعا کے ذریعے اتنا تعلق پیدا ہو جائے کہ ہر کام کے آخر میں اور ہر کام کے شروع میں مقصود و مطلوب محض رضاء الہی بن جائے۔

### ۵ اتباع سنت:

ائمہ کرام کو چاہیے کہ ان کا ہر کام سنت کے مطابق ہو، کوئی کام خلاف شرع یا



خلاف سنت نہ ہو، ورنہ مقتدی اس کو دلیل و حجت بنا کر پیش کریں گے کہ ہم جو کام کرتے ہیں، یہ تو ہمارے امام صاحب یا فلاں مولوی صاحب بھی کرتے ہیں لہذا ائمہ کرام کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت ابن عطاء اللہ اسکندری کا ایک ملفوظ ہے۔ فرمایا: ”جب تم رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اتباع کرو گے تو اتنا ہی بھلائی کی طرف چلو گے اور جتنا اتباع سے دوری ہوگی، اتنی ہی ہلاکت ہوگی۔“

فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک آج قبولیت کے دروازے بند ہیں، ہجرا اتباع نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے۔ اور آج کوئی نجات نہیں پاسکتا بغیر کامل اتباع کے۔“

فرمایا: ”اللہ نے ساری نیکیاں ایک مکان میں جمع کر دیں اور اس کی کبھی اتباع رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے۔“

فرمایا: ”یقین کیجیے کہ عبادت کا جو طریقہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اختیار نہیں کیا وہ دیکھنے میں کتنا ہی دل کش اور بہتر نظر آئے، وہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک اچھا نہیں۔“

فرمایا: ”سنت کے موافق نکاح میں نورانیت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی بات ہے کہ جتنی سہولت ہوتی ہے اتنی ہی نورانیت قلب میں ہوتی ہے؛ کیوں کہ جھگڑا بکھیرا ہوتا نہیں۔ اس لیے انشراح رہتا ہے اور جہاں طوالت اور جھگڑے ہوتے ہیں وہاں ضرور قلب میں کدورت اور ظلمت ہوتی ہے۔“

حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سنت کی پیروی

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آں حضرت

۱۸۷، ۶۹، ۸۲، ۸۰، ۸۶، ۸۹، ۸۷

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ لَرَبِّہِ

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اپنی کی حیثیت سے مکہ مکرمہ پہنچے اور مکہ مکرمہ کے سرداروں سے ملنے کے لیے جانے لگے تو ان کا ازار طریق سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر تھا۔ مکہ مکرمہ کے سرداروں کے عام رواج کے مطابق یہ طریقہ کسی سردار کے شایان شان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کے بیچا زاد بھائی نے ٹوکا کہ آپ مکہ کے سرداروں کے پاس جا رہے ہیں، وہ آپ کی اس وضع کو نہ جانے کیا سمجھیں گے، اس لیے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے کر لیجیے۔ لیکن حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ:

”هَكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا۔“

”ترجمہ: ”ہمارے آقا (رَضِیَ اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا ازار اسی طرح ہوتا ہے۔“

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے اس طرح کے واقعات سے بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اہل علم کے سامنے اس قسم کے واقعات زیادہ سنانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن توجہ دراصل اس طرف دلائی ہے کہ اسلام نے دنیا کی تاریخ میں جو انقلاب برپا کیا وہ صرف اور صرف اللہ کے احکام کی پاس داری اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات ہی سے کیا۔

علماء کو بہت سے جائز کام بھی چھوڑنے پڑتے ہیں

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں اپنے دوستوں سے اور علماء و طلبہ سے یہی بات کہا کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو عوام کی طرح سمجھ کر یہ مت کہو کہ یہ کام جائز تھا، اس لیے ہم نے کر لیا۔ بل کہ علماء کو بہت سے جائز کاموں سے بھی اس لیے رکنا پڑتا ہے، تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں، علماء کو بہت سے ایسے جائز کام چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ یہ ہو کہ عوام کو کوئی مغالطہ لگ جائے گا۔ ایسے

۱۵ مصنف ابن ابی شیبہ، المغازی، غرۃ الحدیث: ۵۱۲/۸

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ لَرَبِّہِ

کاموں سے بھی علماء کو بچنا چاہیے، اس واسطے کہ تم اپنی ظاہری وضع قطع سے دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ والے ہیں اور اللہ والوں کا جو طرز عمل ہے اہل علم کو اس کے خلاف نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے وہ حقیقت میں جائز ہی ہو۔

امام ابو شامہ نے اپنی کتاب "الباعث" میں لکھا ہے کہ:

عالم کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے عوام کسی مخالف شریعت امر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک کام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، جس کی ظاہری شکل سے جاہل عوام کے دعوے میں پڑنے کا اندیشہ تھا، چنانچہ "موطا امام مالک" میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احرام کی حالت میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا، تو پوچھا کہ طلحہ یہ کیا ہے؟

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "امیر المؤمنین ایہ مٹی سے رنگا ہوا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "لوگوں کے تم امام ہو، لوگ تمہاری اقتداء کریں گے، اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو ضرور یہ کہے گا کہ طلحہ احرام کی حالت میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ اس لیے تم یہ رنگین کپڑے مت پہنو۔" <sup>۱</sup>

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک ہی کام کا شرعی دلیلوں کی رو سے کرنا اور چھوڑنا دونوں بمقتضائے مصلحت مستحب ہوتا ہے۔ مسلمان کبھی مستحب کام کو اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کے کرنے میں فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے بناء ابراہیم علیہ السلام پر بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی اور حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ بِالنَّبِيتِ فَهَيْدَمَ فَأَذْخَلْتُ فِيهِ مَا أُخْرِجُ مِنْهُ وَالزَّقْنَةَ بِالْأَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهُ بَائِنِينَ بَابًا شَرْقِيًّا وَبَابًا غَرْبِيًّا" <sup>۱</sup>

ترجمہ: "اگر تمہاری قوم نبی نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی، تو میں کعبہ کے گرانے کا حکم دیتا اور اس میں وہ حصہ داخل کرتا جو اس میں سے نکال دیا گیا ہے اور اس کے دو دروازے بنا کر زمین کے ساتھ برابر کرتا ایک

دروازہ مشرق کی طرف ہوتا اور دوسرا دروازہ مغرب کی طرف۔" <sup>۲</sup>

یہاں پر نبی کریم ﷺ نے مصلحہ لوگوں کو متفق نہیں کیا اور افضل کام کو ترک کر دیا۔

﴿استغناء﴾

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "ملفوظات مولانا الیاس" میں لکھتے ہیں کہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر فرمایا:

"بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقصد یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے مکمل پرہیز کیا جائے، حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ و مال کے لیے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لیے اور دینی مقاصد کے لیے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بل کہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے، ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اس اختلاط سے



ہمارے اندر حسب مال و حسب جاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

لہذا ہم سب کو چاہیے کہ ہم نیت کر لیں کہ حتی الامکان اپنی ذاتی ضروریات یا مسجد، مدرسہ کی اجتماعی ضرورت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے غیر سے نہیں کریں گے؛ بل کہ ہر حال میں ہر ضرورت کو اللہ ہی کے سامنے پیش کریں گے، اساتذہ اور طلبہ سے کہیں گے، روزہ رکھ کر، اعتکاف کر کے، صلاۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگو۔

اس بارے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحْمَتُہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک استفتاء "چندہ مانگنے کا مروجہ طریقہ" کے جواب میں جو ارشاد فرمایا ہے ہم سب کو چاہیے کہ خوب توجہ اور زیادہ دھیان سے ان کے الفاظ پڑھ کر دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس فقیر العسروں کی کامل اور جید عالم باعمل کے قلم مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہمارا حقیقی حال بنا دے آمین۔

## صِيَانَةُ الْعُلَمَاءِ عَنِ الذَّلِّ عِنْدَ الْأَغْنِيَاءِ

حضرت مفتی صاحب رَحْمَتُہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں بالخصوص دینی مدارس کے لیے چندہ کرنے کا عام دستور یوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر اہل ثروت کی دکانوں اور مکانوں پر جا جا کر خوشامد، تہنیتی اور الحاج و اصرار کے ساتھ دست سوال دراز کرتے ہیں، اہل ثروت ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، بل کہ بسا اوقات ان کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کر کے ان کی تذلیل کرتے ہیں، جو درحقیقت دین اسلام کی تذلیل ہے۔

یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے تصور سے بھی شرم سے آنکھیں جھمک جاتی ہیں اور دل پر آ رہے چلنے لگتے ہیں، دین اور علماء دین کی اس تذلیل و توہین میں اہل مدارس

ملہ ملفوظات مولانا الیاس: ۱۴

بیت العلم و النور

اور اہل ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں۔

اس رسالے میں ان دونوں طبقوں کے لیے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے، اللہ کرے کہ ایک عاجز (حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحْمَتُہُ اللہُ تَعَالٰی) کی درود میں ذوقی ہوئی آواز کسی دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت عطا فرمائیں آمین۔

## چندہ مانگنے کا صحیح طریقہ

سُئِلَ: آج کل عام طور پر دینی مدارس میں یہ دستور ہو گیا ہے کہ چندہ کرنے کے لیے مستقل سفیر رکھے جاتے ہیں، جو مختلف لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں لوگوں کے مکالوں اور دکانوں پر پہنچتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر کچھ نہ کچھ وصول کرنے کے لیے بے حد اصرار کرتے ہیں، بالخصوص ماہر رمضان میں دینی مدارس کے سفیروں کی ٹولیاں نظر آتی ہیں، جن کے خوف سے اکثر دکان دار پردہ میں چھپ کر بیٹھتے ہیں، کیا چندہ کرنے کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، حالاں کہ یہ ایک قسم کا جبر ہے؟

## الْجَوَابُ بِاسْمِ مُلْهِمِ الصَّوَابِ

مدارس دینیہ کے لیے آج کل چندہ کرنے کا جو طریقہ مروج ہے جس کی قدرے تفصیل سوال میں لکھی گئی ہیں یہ قطعاً ناجائز ہے، دینی کام کرنے والوں کو مستغنی رہنا چاہیے، استغناء اور دین کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے از خود جتنی رقم کا انتظام ہو جائے اسی قدر کام پر اکتفاء کریں اور اگر چندہ کرنا ہی ہے تو عام خطاب کی گنجائش ہے۔ خاص خطاب ہرگز جائز نہیں، بعض دفعہ عام خطاب بھی بحکم خطاب خاص ہوتا ہے، وہ اس صورت میں کہ عام مجلس میں کچھ خواص موجود ہوں، جو اس عام خطاب کے بعد کچھ رقم نہ دینے میں عار محسوس کرتے ہوں، تو یہ صورت بھی بحکم خطاب خاص ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خطاب عام میں بھی زیادہ الحاج و اظہار

احتیاج درست نہیں، بل کہ استغناء کے ساتھ انہماک پر اکتفاء کرنا چاہیے۔  
 آج کل ایک عام دستور یہ ہو گیا ہے کہ اہل خیر کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے  
 ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یہ طریقہ انفرادی طور پر کسی سے کچھ سوال کرنے کی  
 بہ نسبت بھی زیادہ فحش ہے۔ اس صورت میں جمع میں رسوائی سے بچنے کے لیے بادل  
 ناخواستہ چندہ دینا پڑتا ہے، جو بلاشبہ جبر ہے، اس لیے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام  
 ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی سے چندہ مانگتا ہے تو ان کے آپس میں تعلق کی  
 تین قسمیں ہیں: ① وجاہت ② محبت ③ اجنبیت۔

اگر ایسے شخص کے پاس چندہ کرنے کے لیے گیا کہ جس پر اس کی وجاہت کا اثر  
 ہے، خواہ وہ دینی مرتبہ کی وجہ سے ہو یا دنیوی مال و دولت یا منصب کی بنا پر، یہ صورت  
 ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں چندہ دہندہ جانے والے کی وجاہت سے متاثر ہو کر  
 بادل ناخواستہ رقم دیتا ہے جو حلال نہیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطَلَبِ نَفْسٍ مِّنْهُ“

”کسی بھی شخص کا مال حلال نہیں، مگر اس کے دل کی خوشی کے ساتھ۔“

اور اگر بغیر کسی خاص تعلق اور رابطہ کے چندہ کرنے جاتا ہے تو اس میں اپنی  
 توہین ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی توہین ہے، اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔  
 باقی صرف محبت کا تعلق رہ گیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپس میں اس قدر بے تکلفی ہو  
 کہ جس سے چندہ طلب کیا گیا وہ اپنی کسی مصلحت کی بنا پر چندہ نہ دینا چاہے تو اسے  
 انکار کرنے میں ذرا بھی تکلف اور ندامت نہ ہو اور اس کے انکار کرنے پر طلب  
 کرنے والے کو ذرا بھی ناگواری نہ ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور  
 اکرم ﷺ کے ساتھ اسی قسم کا تعلق محبت تھا، احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں

موجود ہیں۔ مثلاً:

”حضور اکرم ﷺ نے کسی صحابی کو کوئی مشورہ دیا انہوں نے قبول نہیں کیا“  
 نہ ان صحابی کو انکار کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہوئی اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ  
 کے لیے ان کا انکار ناگواری کا باعث بنا۔ غرض یہ کہ اس قسم کی بے تکلفی کا تعلق ہو تو  
 چندہ کے لیے خطاب خاص بھی جائز ہے۔ مگر آج کل ایسا تعلق عنقاء ہے۔ خلاصہ یہ  
 نکلا کہ آج کل خطاب خاص بہر حال ناجائز ہے۔

اہل مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین  
 چیزوں پر ہے:

① کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے  
 طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے، اتنی درس گاہیں  
 ہوں گی، اتنے اساتذہ ہوں گے، اتنا بڑا کتب خانہ ہوگا، حتیٰ کہ سنگ بنیاد رکھنے سے  
 قبل ہی دارالعلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں، اب اتنے بڑے کام کے لیے  
 سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دین  
 کو ذلیل کرتے ہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداً مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے، اس کے بعد جیسے  
 جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں، یعنی جتنی  
 رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل  
 ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپ  
 کے اس چھوٹے سے کام کو دارالعلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے، ورنہ ان کی مرضی کے  
 مطابق جتنا کام بھی ہو سکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اس کا ظاہر اچھوٹا سا وجود بھی  
 عند اللہ بہت بڑا ہوگا۔

② مدرسہ کو ایسا مقصود بنالیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت و بقا پر دین کو قربان کر دیا



جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظت دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر مقصود کو قربان کر دینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی نا عاقبت اندیشی ہے۔ حدود شرع کے اندر اگر مدرسہ نہ چل سکے تو اسے بند کر دیا جائے، ہم اس کے مکلف نہیں۔ دیوبند کے ایک با اثر رئیس نے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بننے کا مطالبہ کیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ اسے اس لائق نہ سمجھتے تھے۔ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مشورۃً لکھا: ”اس شخص کو رکن نہ بنانے میں اس سے فساد کا خطرہ ہے ورنہ رکن بنانے میں کوئی خطرہ نہیں، کیوں کہ اکثریت ہماری ہے۔“

حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب تحریر فرمایا: ”اگر عند اللہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ نالائق کو رکن کیوں بنایا؟ تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور رکن نہ بنانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ضرر ہو سکتا ہے کہ مدرسہ بند ہو جائے گا، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا یہ جواب دے سکوں گا کہ میں نے تو آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اس پر اگر مدرسہ بند ہو گیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں“ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس تقویٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رئیس صاحب مدرسے کے خلاف چبھتے رہ گئے، مگر دارالعلوم مسلسل حیرت انگیز ترقی پر گامزن رہا۔

۱۳ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان، اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور ”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي يَوْمِي“ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دنیا داروں کے دروازوں پر دھکے نہ کھاتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہل ثروت ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں کی نظریں:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

سہ بخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسه، رقم: ۷۶:۵  
سہ محمد: ۷

تَرْجَمَہ: ”اگر تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ (کے دین) کی، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جمادے گا۔“

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۖ ..... ۚ﴾ ..... ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۚ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ تعالیٰ پر تو وہ اس کو کافی ہے۔“ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، کر دے وہ اس کے کام میں آسانی۔“

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِی سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ لِی الْأَرْضِ مُرَاعًا ۚ كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں، پائے گا اس کے مقابلے میں جگہ بہت اور کشاکش۔“

﴿وَمَنْ يَسْتَعِظْ بِعَفْوِ اللَّهِ وَمَنْ يَسْتَغْفِرْ يَغْفِرِ اللَّهُ ۚ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جو شخص پاک دامنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن بنا دیتے ہیں اور جو شخص استغناء اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں۔“

جیسی نصوص پر کیوں نہیں پڑتیں اور اللہ و رسول ﷺ کے یہ ارشادات ان

سہ الطلاق: ۴۳ سہ الطلاق: ۵، ۴ سہ النساء: ۱۰۰  
سہ بخاری، الزکاة، باب لا صدقة الا عن ظہر یس، ۱۹۲/۱، رقم: ۱۴۲۷

کے دلوں میں کیوں نہیں اترتے اور ان قطعی وعدوں پر ان کو یقین کیوں نہیں آتا اور اس دعا کی توفیق کیوں نہیں ہوتی:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ تُوَكَّلَ عَلَيْكَ فَكَفَيْتَهُ وَاسْتَهْدَاكَ فَهَدَيْتَهُ وَاسْتَصْرَكَ فَتَصَرَّقَهُ“ ۱

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے، جنہوں نے تجھ پر بھروسہ کیا تو تو نے ان کو بے نیاز کر دیا اور جنہوں نے تجھ سے ہدایت مانگی تو تو نے ان کو ہدایت دے دی اور جنہوں نے تجھ سے مدد مانگی تو تو نے ان کی مدد کر دی۔“

مروجہ طور پر چندہ کرنے کے فسادات و قبائح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور ان پر توکل و اعتماد کی تعلیم پر حضرت تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ ”تَأْسِيسُ الْبُيَّانِ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ“ ہے۔ نیز حضرت قدس سرہ کا ایک رسالہ ”التَّوَدُّيعُ عَنْ فَسَادِ التَّوَدُّيعِ“ بھی ہے جس میں چندہ کرنے کے مفاسد کے علاوہ رقوم چندہ کے مصارف کے مفاسد بھی بیان فرمائے ہیں، اہل مدارس (علماء و ائمہ) پر لازم ہے کہ ان دونوں رسالوں کو حریج جان بنالیں اور ان کے مطالعے کا معمول ہمیشہ کے لیے جاری رکھیں۔

اپنے قول و عمل اور استغناء و خودداری سے اہل ثروت پر یہ حقیقت واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین تمہاری اعانت کا محتاج نہیں، بل کہ تم محتاج ہو اور تمہاری اپنی ضرورت ہے کہ تمہاری رقوم کسی دینی کام میں لگ جائیں، اس لیے اہل مدارس پر تمہارا کوئی احسان نہیں، بل کہ اہل مدارس کا تم پر احسان ہے کہ تمہاری رقوم کو صحیح مصرف پر لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ۲

علم دین کا تمام تو بہت بلند ہے کسی عامی مسکین کو صدقہ دینے والے کے

بارے میں ”احیاء علوم الدین“ میں مشہور محدث امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قول نقل فرمایا ہے کہ ”جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقے کا محتاج سمجھتا ہے اس نے اپنے صدقے کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے“ ۱ لہذا اہل ثروت کو اہل مدرسہ کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ ان کی رقوم قبول کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیح مصرف پر لگاتے ہیں۔

اہل ثروت کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے لیے ان کے خزانوں کی ضرورت نہیں۔

”إِنَّهُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تَنْفِقُوا عَلَيَّ مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَقُوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ“ ۲

ترجمہ: ”یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں اور آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں۔“

اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ستر اوگے تو اللہ تعالیٰ خدمت دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔

”وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لَا تُمْ لَّا يَكُونُوا أَمْنًا لَكُمْ“ ۳

ترجمہ: ”اور اگر تم روگردان ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔“

ان شاء اللہ تعالیٰ دین کا کام بند نہیں ہوگا اگر بظاہر کوئی مدرسہ بند بھی ہو گیا تو



در حقیقت وہ بند نہیں ہوا بل کہ اہل ثروت کی بے قدری اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چشمہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کو کسی دوسری جگہ کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے، جیسے کوئی نادان بچہ یا کوئی دیوانہ پھونکوں سے چراغ بجھانا چاہے تو چراغ کو اٹھا کر کہیں دور رکھ دیا جاتا ہے، اب کسی کو روشنی کی ضرورت ہو تو چل کر چراغ کے پاس جائے حکومت نے کسی علاقہ سے انتظامیہ کا دفتر یا ہسپتال اٹھا دیا تو یہ کام ختم نہیں کر دیا گیا، بل کہ وہاں کے باشندوں کی بالائینی کی وجہ سے ان سے قرب کی سہولت اٹھا کر ان کا انتظام یا علاج دور کسی مقام سے وابستہ کر دیا ہے۔

علماء کا اہل ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلا نا اور زبان کھولنا تو درکنار کسی گوشہ قلب میں بھی ان کی طرف میلان نہ پایا جائے، قلبی جھکاؤ کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی اہل ثروت کے قلوب میں عظمت باقی نہیں رہتی۔

دارالعلوم سے ایک منتہی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے میرے (یعنی حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کے) پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمد رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین فوجان عورت جو سنگار کر کے مزین لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام محمد رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کی بیوی ظاہر کر رہی ہے اور خوشامد کر رہی ہے کہ امام محمد رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی ایک نظر اس کی طرف دیکھیں مگر امام محمد رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں۔

میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا:

”سپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر ہو رہی ہے؟“

انہوں نے کہا: ”اس فکر میں بعض وقفہ نہیں آتی۔“

میں نے کہا: ”بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے، امام محمد رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمام تر زیب و زینت کے ساتھ تمہاری

ایک نظر کی خواہش مند ہوگی اور تم کہو گے کہ مجھے ضرورت نہیں، علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کر کے ”اَللّٰهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاحَةُ“ اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے کا مشاہدہ کریں۔

عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کے زیر نگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مر گیا، اس کا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ اس نوکے میں حکومت کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اس وقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاح لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لڑکا کر فرمایا، چھوڑ دوں؟ لڑکے نے کہا کہ ”جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خوف؟“

ایک بچے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد کا ش! کہ آج کے مسلمان کو مالک ارض و سماء پر اس جیسا اعتماد حاصل ہو جائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کیا، مگر اس نے صرف اہل اللہ کی نقل اتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرا دیا، کاش! کہ اہل ثروت کے دروازوں پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ سے اہل اللہ کی نقل اتارنے ہی کا سبق حاصل کر لیں۔

## دل کی خوشی کے ساتھ چندہ لینا چاہیے

حکیم الامت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی مدرسوں کے چندے اور انجمنوں کے چندے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ”یہ چندے اس طرح وصول کرنا کہ دوسرا شخص دباؤ کے تحت چندہ دے دے، ایسا چندہ حلال نہیں۔ مثلاً آپ نے مجمع عام میں چندہ لینا شروع کر دیا، اس مجمع میں ایک آدمی شرما شرمی میں یہ سوچ کر چندہ

دے رہا ہے کہ اتنے سارے لوگ چندہ دے رہے ہیں اور میں چندہ نہ دوں تو میری ناک کٹ جائے گی اور دل کے اندر چندہ دینے کی خواہش نہیں تھی تو یہ چندہ خوش دلی کے بغیر دیا گیا۔ یہ "چندہ" لینے والے کے لیے حلال نہیں۔ اس موضوع پر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں یہ احکام لکھے ہیں کہ کس حالت میں چندہ لینا جائز ہے اور کس حالت میں چندہ لینا جائز نہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک شخص کے محض دینی مانگنے کو ظلم قرار دیا، حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قوی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جاتا رہا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی ہو گئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض، لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہر یہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے۔

لہذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کر سکتا ہو، تو وہاں صورت چاہے ہر یہ طلب کرنے کی ہو، لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتی ہے اور مانگنے والے کے لیے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے بہت توجہ کرنے کا ہے، جو مدارس، مکاتب، مسجد، یا انجمنوں اور جماعتوں کے لیے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال ٹیب ہے جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو۔ اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے وصول کر لیا تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔ حدیث میں آں

حضرت عَلَیُّہِ السَّلَام کا واضح ارشاد ہے:

"لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔"

ترجمہ: "کسی بھی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔"

## دنیا کی طرف میلانِ قلبی سے بچنا چاہیے

دنیا میں کفار و فاجر کی بیش و عشرت اور دولت و حشمت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لیے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغضوب اور ذلیل ہیں تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں ہیں، اور اطاعت شعار مؤمنین کی غربت و افلاس کیوں؟

یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا، جس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے، جس میں آپ ﷺ خلوت گزریں تھے اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ ایک موٹی موٹی تیلیوں کے بورے پر لیٹے ہوئے ہیں، ان تیلیوں کے نشانات آپ ﷺ کے بدن مبارک پر پڑ گئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کسرلی و قیصر اور ان کے امراء کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے منتخب رسول اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن خطاب! کیا تم اب تک شک و شبہ میں مبتلا ہو؟"

یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات و محبوبات اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں ان کو دے دی ہیں، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، وہاں عذاب ہی عذاب ہے (اور مؤمنین



کا معاملہ برعکس ہے) ۱۷

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے ہیں۔ باوجود یہ کہ آپ ﷺ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اپنے لیے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کر لیں۔

اور جب کبھی دنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت مشقت اور سعی و طلب کے آ بھی جاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی راہ میں غرباء، فقراء، پر اس کو خرچ کر ڈالتے تھے اور اپنے واسطے کل کے لیے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ ابن حاتم نے بروایت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَنْ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا“ ۱۸

ترجمہ: ”مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دولت و زینتِ دنیا ہے جو تم پر کھول دی جائے گی۔“  
اور حضرت علامہ قشیری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

”مَنْ تَبَاعَدَ مِنَ الدُّنْيَا فَتَقَارَبَ إِلَى اللَّهِ وَفِي بَعْضِ الْكُتُبِ أَنَّ أَهْلَ مَا أَصْنَعُ بِالْعَالَمِ إِذَا مَالَ إِلَى الدُّنْيَا فَاسْلُبَهُ حَلَاوَةٌ مُنَاجَانِي“ ۱۹

ترجمہ: ”جس شخص نے دنیا سے دوری اور علیحدگی اختیار کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب سے بلیکے مصیبت کسی عالم کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہو تو پھر میں اس سے دعاؤں کی لذت چھین لیتا ہوں۔“

۱۷ بخاری، المظالم، باب الغرفة والعقبة المشرفة ..... رقم: ۲۶۶۷

۱۸ درمنثور ۳۱۳/۴ ۱۹ اسماء الحسنی للقسیری: ۲۱۴

بادشاہوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے

سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی سلطوت اور خون ریزی میں بہت مشہور ہے، ایک مرتبہ وہ شیخ قطب الدین منور رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رہائش گاہ کے قریب سے گزرا، حضرت قطب صاحب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس کے استقبال کے لیے باہر نہیں نکلے، سلطان کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے باز پرس کے لیے حضرت قطب صاحب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔

حضرت دربار میں داخل ہوئے تو ملک کے تمام بڑے امراء، وزراء اور فوجی افسر بادشاہ کے سامنے مسلح ہو کر دو روہ (یعنی دونوں جانب قطار میں) کھڑے تھے۔ دربار کے رعب و اب کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کے کلیجے پھٹنے لگے جارہے تھے۔ حضرت قطب صاحب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ ان کے نو عمر صاحب زاوے نور الدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی تھے، انہوں نے اس سے قبل کبھی بادشاہ کا دربار نہیں دیکھا تھا۔ ان پر یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر رعب طاری ہو گیا۔ حضرت قطب صاحب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بیٹے کو مرعوب ہوتے دیکھا تو زور سے پکار کر کہا:

”الْعَظْمَةُ لِلَّهِ“ ”عظمت تمام تر اللہ کے لیے ہے۔“

حضرت نور الدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جوں ہی اپنے والد کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی میں نے اپنے اندر ایک عجیب و غریب قوت محسوس کی، میرے دل سے دربار کی ساری ہیبت زائل ہو کر رہ گئی اور تمام حاضرین مجھے ایسے معلوم ہونے لگے جیسے وہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ ہو۔

سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنے دارالسلطنت نیشاپور میں مقیم تھا۔ اس نے اپنی

سلطنت کے مختلف شہروں کے دورے کا پروگرام بنایا۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آخری عشرہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جیسے ہی رمضان ختم ہوگا وہ عید کے فوراً بعد دورے پر نکل جائے گا۔ رمضان المبارک کی ۲۹ ویں شب تھی۔ اس نے اپنے وزرا اور مصاحبوں کے ساتھ چاند دیکھنا شروع کیا۔ خوشامدی مصاحب موجود تھے، انہوں نے شور مچا دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود چاند نہیں دیکھا اور نہ کسی اور مددگار نے دیکھا، لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رویت ہلال کا یقین دلادیا اور حکم ہو گیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین ابوالمعالی جو مفتی اور رئیس القضاۃ تھے، ان کو خبر ہوئی تو انہوں نے منادی کو بلوایا اور کہا کہ ان الفاظ کے ساتھ منادی کراؤ: ”ابوالمعالی کہتا ہے: کل تک ماہ رمضان ہے۔ جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ کل بھی روزہ رکھے۔“

رئیس القضاۃ کی اس منادی کو مغتریوں نے نہایت برے الفاظ میں سلطان تک پہنچایا؛ بل کہ یہاں تک کہا کہ ابوالمعالی کے خیالات سلطنت کے بارے میں اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں۔ اگر سلطان کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی۔ سلطان طبیعت کا برا نہیں تھا، اس لیے امام الحرمین کی منادی ناگوار گزرنے کے باوجود اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ قند پر دانوں نے پھر کہا کہ جو شخص سلطان کے حکم کی عزت نہ کرے، وہ قابل احترام نہیں ہے۔ سلطان نے کہا: جب تک میں براہ راست ان سے گفتگو اور حقائق معلوم نہ کر لوں ایسے رفیع القدر شخص کی عزت میں فرق نہیں آتا چاہیے۔ قاضی صاحب کو جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہو جائے اور حاسدین اللہ جانے دربار میں کس پیرایے میں میری تاخیر بیان کریں، جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ محل کے

دروازے پر دربان نے روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے۔ ادھر حاسدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ امام الحرمین نے پہلے ہی حکم عدولی کی ہے، اب دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آ گئے ہیں۔ سلطان کی طبیعت کچھ اور مکرر ہو گئی، مگر اندر آنے کا حکم دیا۔ رئیس القضاۃ جیسے ہی دربار میں آئے سلطان نے پوچھا: اس بیت کدائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری لباس کیوں نہیں پہنا؟

قاضی صاحب نے کہا: ”اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جب اللہ کے سامنے میں اسی طرح پیش ہوتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت؟ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور اس کی وجہ گستاخی نہیں؛ بل کہ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں اور مجھ سے بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے، اس لیے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔“

سلطان نے کہا: ”جب اسلام میں حاکم کی اطاعت اس قدر واجب ہے تو پھر تمہارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟“ قاضی صاحب نے فرمایا: ”جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں، ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور، اسے مجھ سے پوچھنا چاہیے کیوں کہ بحکم شریعت علما کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔“

جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا اور ان کی جرأت و صداقت سے بہت خوش ہوا اور احکام کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین و رئیس القضاۃ کا فیصلہ صحیح ہے۔

آج بھی اگر علمائے کرام بادشاہوں سے مرعوب نہ ہوں اور حق گوئی کو اپنا شعار





تَزَجَّهَكَ: "میں اپنا شکوہ غم اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہوں۔"  
اور یہ بھی فرمایا کہ:

"فَاجْعَلِ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مَشْكَاكَ، وَمَحْزَنَكَ عِنْدَ كُلِّ نَائِبَةٍ  
تَقُوبُكَ، فَإِنَّهُ أَكْرَمُ مَسْئُولٍ وَأَقْرَبُ مَذْعُورٍ"

تَزَجَّهَكَ: "ہر مصیبت کے وقت اپنے حزن و ملال اور غم و اندوہ کا شکوہ  
اللہ تعالیٰ ہی کے دربار میں پیش کیا کرو۔"

وہی سوالیوں کی عزت رکھنے والا ہے اور بے کسوں کی التجائیں سننے والا ہے اور  
دعائیں مانگنے والوں کے قریب تر ہے۔

قاضی شریح رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک دن کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مانگتے  
ہوئے دیکھا تو بڑے پیار سے نصیحت کی اور فرمایا:

"يَا بَنَ أَخِي مَنْ سَأَلَ إِنْسَانًا حَاجَةً فَقَدْ عَرَضَ نَفْسَهُ عَلَى  
الرِّقَى"

تَزَجَّهَكَ: "اے میرے بھتیجا جو کسی انسان سے اپنی ضرورت پوری  
کرنے کے لیے مانگے گویا اس نے اپنے آپ کو اس انسان کی غلامی  
کے سپرد کر دیا۔"

"فَإِنْ قَضَاهَا لَهُ الْمَسْئُولُ فَقَدْ اسْتَعْبَدَهُ بِهَا....."

تَزَجَّهَكَ: "اگر اس شخص نے جس سے مانگا تھا سوا کی ضرورت کو پورا  
کر دیا تو اس نے گویا اسے اپنا (ذہنی) غلام بنالیا۔"

"وَإِنْ رَدَّ عَنْهَا رَجَعَ كِلَاهُمَا ذَلِيلًا....."

"اور اگر اسے جواب دے دیا تو دونوں ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے۔"

"هَذَا بِذِلِّ الْبُخْلِ وَذَلِكَ بِذِلِّ الرَّدِّ....."

تَزَجَّهَكَ: "ایک بخل کی ذلت کے ساتھ دوسرا ناکامی کی ذلت و رسوائی  
کے ساتھ۔۔۔"

اور فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ. وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ." ۱۷

تَزَجَّهَكَ: "جب بھی تجھے کچھ مانگنا ہو اپنے اللہ سے مانگو اور جب بھی مدد  
طلب کرو تو اپنے اللہ سے مدد طلب کرو۔۔۔"

"وَأَعْلَمُ أَنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وَلَا عَوْنَ إِلَّا بِاللَّهِ." ۱۸

تَزَجَّهَكَ: "خوب اچھی طرح یہ بات جان لو کہ برائی سے بچنے اور نیکی  
کرنے کی توفیق اور مدد دینے کا حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے  
پاس نہیں۔"

## علماء کی زندگی عوام سے ممتاز ہونی چاہیے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ یہ

دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے کام

زیادہ تر حسبہ اللہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، جب تک ہمارے

طبقت علماء میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت مؤثر اور قابل

احترام نہیں ہوگی، دل و دماغ میں دین کا گہرا اثر و وقار نہیں ہوگا۔ علماء کا وقار اس سے

نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالب علم

پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سے علماء کا وقار نہیں

۱۷ ترمذی، ابواب صفة الفیاض، باب حدیث حذیقلہ، رقم: ۲۵۱۶

۱۸ صور من حیات التابعین: ۲/۲۸ تا ۵۰



قائم ہوگا۔ علماء کا وقار قائم ہوتا ہے ذاتی نمونے سے، عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے لیکن علماء اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بڑی چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نواب صاحب ڈھا کہ کو جواب دیا تھا۔ نواب صاحب نے کہلوا یا: ”آپ مجھ سے مل لیں“ حضرت نے کہلوا یا: ”نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز ”دولت“ ہے وہ میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو آنا چاہیے۔ مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔“

شیخ سعید حلّی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک بزرگ عالم تھے، ایک دن دمشق کی ایک مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے، اس دن ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی (یہ واقعہ اگرچہ میرا منہ اس قابل نہیں کہ سنائے، لیکن واقعات کے بغیر کام نہیں چلتا، چھوٹا آدمی بھی اگر یہ واقعہ سنائے تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے) ہاں تو شیخ سعید درس دے رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسجد میں جب درس دیا جاتا ہے تو پشت قبلہ کی طرف ہوتی ہے اور سامنے طالب علم ہوتے ہیں، تو سامنے سے جو آتا ہے، استاذ تو دیکھتا ہے طالب علم نہیں دیکھتے، ابراہیم پاشا جو محمد علی خدیو، بانی سلطنت خدیوہ کا فرزند تھا اور بڑا باجبروت حاکم وہ سپہ سالار تھا، جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور جس سے لوگ کانپتے تھے۔

وہ دروازہ کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت کے پاؤں میں تکلیف تھی اس لیے دروازہ کی طرف پاؤں پھیلائے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو طالب علموں نے دیکھا کہ وہ ہے اور اس کے ساتھ حفاظتی دستہ بھی ہے، جلاوادر پہرہ دار بھی ہیں۔ طالب علم سمجھے کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو، پاؤں سمیٹ لیں گے، حاکم کا بھی

ادب ہوتا ہے، شیخ نے بالکل جنبش نہیں کی، پاؤں پھیلائے رہے۔ وہ سامنے آیا اور کھڑا ہو گیا۔ مورخ نے لکھا ہے کہ طالب علموں نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ اب جلاو کو حکم ہوگا استاذ کا قبل احترام خون ہمارے کپڑوں پر نہ پڑے، وہ دیر تک کھڑا رہا۔

اس پر ایسا جلال جاری ہوا کہ کچھ بولا نہیں، سبق سنتا رہا اور پھر چلا گیا، بعد میں شیخ سعید حلّی کے لیے اشرفیوں کا ایک توڑا بھیجا۔ اہل اللہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ سلام کہلوا یا اور کہا یہ قبول فرمائیے، جو جملہ انہوں نے جواب میں کہا وہ جملہ سننے کے قابل ہے، میں تو کہتا ہوں کہ ایسے ایک جملے پر غزلوں کے دس دیوان قربان کیے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

”اپنے ولی نعمت سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا“ ”الَّذِي يَمُدُّ رِجْلَهُ لَا يَمُدُّ يَدَهُ“ یہ جملہ اسی طرح نقل ہوا ہے اگر مجھے ہاتھ پھیلاتے ہوتے تو میں اس وقت پاؤں نہ پھیلاتا پاؤں سمیٹ لیتا، لیکن یہ عامت ہے کہ میں ہاتھ پھیلاتے والا نہیں تھا، جو پاؤں پھیلاتا ہے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے۔“

یہ جو ہر علماء میں، دین کے خادموں میں دسویں درجے میں، پچاسویں درجے میں کہی، ہونا چاہیے۔ اگر یہ جو ہر نہیں ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کی ساری علمی قابلیت اور آپ کی ساری خطابت جس میں آپ ممتاز ہیں (سیاسی جماعتوں میں بھی ایسے خطیب ہوں گے) سب بے اثر ہے۔ جب تک کہ آپ کا عملی نمونہ نہ ہو، اہل اقتدار یہ نہ سمجھیں کہ علماء خریدے جا سکتے ہیں، علماء، پیسے کے غلام اور دولت کے بندست نہیں ہیں، علماء، خمیر کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے، علماء کی زندگی ہم سے زیادہ سادہ ہے، علماء ہم سے کم درجے کے مکالموں میں رہتے، کم درجے کا کھانا کھاتے ہیں، اس کا اظہار ہونا چاہیے، ہمارے اسلاف نے اس کا اظہار کیا ہے۔

میں اپنے اساتذہ ہی کے واقعات سناتا ہوں کہ میں مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں پڑھتا تھا اور وہاں ہم لوگوں کے لیے کبھی کبھی پر تکلف کھانے پکیتے تھے اور چوں کہ میرا قریبی تعلق تھا، مدرسے کے پیچھے حضرت مولانا احمد علی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قیام تھا، ان کے صاحب زادے مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم سے میرا قریبی تعلق تھا، وہ ہمارے دوست تھے، مجھے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ آج وہاں فاقہ ہے اور یہاں پلاؤ پکا ہے، کیا محال کہ چاول کی ایک کھیل وہاں پہنچ جائے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت سے دین کی خدمت کا جو کام لیا ہے، وہ ان ہی صفات کا نتیجہ ہے، زہد، ایثار، قربانی کا جذبہ، تواضع اور اپنے خلاف بات سن کر ضبط کر لینا، دوسرے کو اپنے سے بہتر اور فاضل سمجھنا۔ ہماری جماعت کا یہ شعار کبھی نہیں رہا ہے کہ ”ہم چوں من دیگر نیست“ بل کہ ہم نے بڑے سے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بیچ بکھتے تھے۔ مولانا مدنیؒ سے جب کوئی بیعت کے لیے کہتا تو میں نے حضرت کو بعض اوقات یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

نہ کلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم

در حیرتم کہ دہقاں بچہ کارکشت مارا

نہ پھول ہوں، نہ گھاس نہ میں سبزہ ہوں، مجھے حیرت ہے کہ دہقان نے مجھے کس کام کے لیے پیدا کیا، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اپنے سے شرمندہ ہیں، یہی بڑے سے بڑے اولیاء اللہ کا شعار رہا ہے۔

### اہل ثروت سے استغناء کا نسخہ

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: علماء دنیا داروں کو رکن نہ بنائیں اور ان کی کوئی رائے قبول نہ کریں، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ

سہ شیخ العرب والجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مراد ہے۔

سہ خطبات علی میاں ۱/۸۳/۸۶

اپنے اندر قناعت پیدا کریں اور حسب دنیا کا علاج کریں، جس میں قناعت نہیں ہوتی، مالی قناعت بھی نہیں اور جاہ کی قناعت بھی نہیں وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہے کہ عام لوگ تو کجا بڑے بڑے لوگ بھی اس کا بہت اعزاز و اکرام کریں اور اس کے پاس پیسہ بھی بہت رہے، ایسا شخص تو دنیا داروں سے کبھی بھی استغناء نہیں کر سکتا اسی لیے میں نے بیان کے شروع میں یہ شعر پڑھا تھا

لَنَقُولُ الصَّخْرَ مِنْ قُلُلِ الْجِبَالِ

أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ مَنَنِ الرِّجَالِ

تَرْجَمَہ: ”پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر ڈھونڈ کر گزراوقات کروں یہ

میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کی منت سماجت کروں۔“

اہل ثروت سے استغناء اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اپنے مصارف کم سے کم رکھیں، کم سے کم مصارف رکھنے پر اپنے نفس کی تضمیر (یعنی قلیل پر اکتفاء کرنے کی مشق) کریں جیسے گھوڑوں کی تضمیر کرتے تھے تاکہ وہ تیز تیز بھاگیں اسی طرح اپنے نفس کی تضمیر کریں تاکہ اس کو قلیل پر اکتفاء کرنے کی عادت پڑے۔

حضرت نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے اشعار ہیں

آفریں تجھ پہ ہمت کوناہ

طالب جاہ ہوں نہ طالب مال

مال اتنا کہ جس سے ہو خورد نوش

جاہ یہ کہ خلق کا نہ ہوں پامال

مال تو اتنا بھی کافی ہے جس سے دو وقت چنے چبا کر گزارہ ہو جائے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کسی کو زیادہ دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ ”اپنی احتیاج دنیا داروں کے سامنے پیش کرنے سے بہتر تو یہی ہے کہ انسان چنے چبانے پر گزارہ کر لے۔“

کتنی بڑی مشقت برداشت کرنی پڑے مگر کسی کے سامنے زبان اور ہاتھ نہ



کھلیں حتیٰ کہ زاویہ قلب بھی غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہو جو تعلق رہے اللہ تعالیٰ سے رہے، جو مانگیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں، رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات ہر وقت سامنے رہیں۔

”وَإِذَا سَأَلْتَ فَسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ“

ترجمہ: ”مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد طلب کرو تو اللہ سے کرو۔“

”وَمَنْ يَسْتَغْفِرْ لِنَفْسِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْفِرْ لِنَفْسِهِ اللَّهُ“

ترجمہ: ”اور جو غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے سے چٹنا چاہے گا اللہ

اسے بچائے گا اور جو غیر اللہ سے مستغنی رہنا چاہے گا اللہ اسے مستغنی

رکھے گا۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھیں، جتنا زیادہ

مہر کریں گے اور نفس کو قلیل پر اکتفا کرنے کی عادت ڈالیں گے اسی قدر یہ عادت

تمیز اور یہ مشق غیر اللہ سے مستغنی رہنے میں معین ثابت ہوگی۔

غیر اللہ سے استغناء کے بغیر کام میں اخلاص اور پورے طور پر اللہیت پیدا نہیں

ہوگی۔ مشقتیں اٹھانا پڑیں تو اس پر پریشان ہونے کے بجائے اور زیادہ خوش ہونا

چاہیے کہ اللہ کی خاطر، اپنی آخرت بنانے کی خاطر یہ مشقتیں برداشت کر رہے ہیں،

جب تک ایسی ایسی قناعت اور مشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا غیر اللہ

سے استغناء تو ہو ہی نہیں سکتا۔

یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ اگر کوئی عالم درس و تدریس یا دین کا کوئی کام اس

لیے کرتا ہے کہ اگرچہ دنیوی دھندوں میں پیسہ زیادہ ملتا ہے، مگر وہ دھند ہے اسے مشکل

۱۔ ترمذی، ابواب صغۃ القیامہ، باب حدیث حطالة، رقم ۲۵۱۶

۲۔ بخاری، الزکوۃ باب لا صدقة الا عن ملہو یعنی ۱۹۲/۱

۳۔ علماء کا مقام ص ۳۰ تا ۳۲

آتے ہیں کہ کون گدھے پر بوجھ اٹھائے، کون تغاری اٹھائے، کون مزدوری کرے،

کری بھی اور بوجھ بھی کون یہ سب چیزیں برداشت کرے۔

لہذا آسان سی صورت یہ ہے کہ کسی مدرسے میں داخلہ لے لیں، آرام سے

بیٹھے رہیں گے، اچھا کھانا، پتھروں کی ٹھنڈی ہوا، کولر کا ٹھنڈا پانی سب کچھ ملتا رہے

مگر مزے ہی مزے ہوں گے، محنت و مشقت سے بھی بچ جائیں گے۔

تو ایسا مولوی اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں، بل کہ وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اسے

”مواوی“ کہا جائے، وہ تو پکا دنیا دار ہے۔ میں (یعنی مفتی رشید احمد لدھیانوی

رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی) جن علماء کے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ وہ متروک الدنیا نہیں

تارک الدنیا ہوتے ہیں اس سے مراد وہ علماء ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ دنیا

کے دوسرے کام کرنے میں منافع زیادہ ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کام کے لیے

پیدا فرمایا ہے، روکھی سوکھی کھا کر، آدھا پیٹ کھا کر گزارہ کر لیں گے، مگر صرف اور

صرف اللہ تعالیٰ کا کام کریں گے دنیا کا کوئی کام نہیں کریں گے۔ ایسے علماء کے بارے

میں کہہ رہا ہوں کہ وہ متروک الدنیا نہیں ہوتے، تارک الدنیا ہوتے ہیں۔

دنیوی کام کرنے والوں کی تنخواہیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ مثلاً بھنگی جتنا

کماتا ہے بڑے بڑے علماء کی تنخواہیں اتنی زیادہ نہیں ہو سکتیں۔

جب میں دارالعلوم کورنگی میں تھا تو ایک بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے علماء و طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”دارالعلوم میں کام کرنے والے نیل کی اجرت یہاں کے سب سے اونچے درجہ کے

استاذ کے وظیفہ سے بھی زیادہ ہے۔“ (اس زمانے میں دارالعلوم میں جو زمین خالی

پڑی ہوئی تھی اس میں سبزیاں وغیرہ کاشت کرنے کے لیے ایک کاشت کار رکھا ہوا

تھا جو اس میں بل چلاتا تھا) نیل چلانے والے کی بات تو الگ رہی نیل کی تنخواہ سب

سے بڑے استاذ کے وظیفہ سے بھی زیادہ تھی۔ اس ارشاد کے ذریعہ آپ اس طرف

متوجہ فرما رہے تھے کہ ”اگر مولوی اپنی نیت صحیح نہیں کرتے اور اخلاص پیدا نہیں کرتے تو انہیں چاہیے کہ ہل چلانا شروع کر دیں یا تیل اور گدھے بن جائیں تو زیادہ کمائیں گے۔“ علماء پر لازم ہے کہ یہ جو دنیوی دھندوں کو چھوڑ کر کم پر قناعت کر رہے ہیں، اس میں اپنی نیت درست کریں، صبر سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اپنے کام میں لگا رکھا ہے۔

شکرِ خدایِ کن کہ موفقِ شدی بخیر

ز انعام و فضل او نہ معطلِ گزاشت

منتِ منہ کہ خدمتِ سلطانِ ہی کنی

منتِ شناسِ ازو کہ بخدمتِ بداشت

دارالعلوم دیوبند کتنا بڑا ادارہ ہے، مگر اس میں صرف دارالحدیث میں پچھلے تھے اس کے سوا کسی بھی درس گاہ میں پچھلے نہیں تھے۔ بڑے بڑے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے۔ جب درس گاہوں میں پچھلے نہیں تھے تو اساتذہ کے گھروں میں کہاں ہوں گے۔

حضرت مولانا محمد اعجاز علی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو دارالعلوم کے احاطے میں دارالعلوم کی طرف سے جو کرا ملا ہوا تھا اس میں بجلی کا پنکھا نہیں تھا۔ میں وہاں حاضر ہوا کرتا تو ان کے پاس دستی پنکھا ہوتا اسی کو جھلٹے رہتے اور ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف اور کتب بینی فرماتے رہتے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ جب وہ دارالعلوم دیوبند میں استاذ تھے، استاذ بھی حدیث کے۔ میں نے طحاوی آپ سے پڑھی ہے، استاذ حدیث بھی اور ساتھ ہی ساتھ مفتی اعظم، اتنا بڑا مقام، اس زمانے کی بات بتاتے ہیں کہ ”جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ اتنا تنگ اتنا چھوٹا تھا کہ کھانا پکانے کے لیے سوختے کی جو کڑیاں استعمال ہوتی تھیں انہیں رکھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، وہ

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ رُشِدُ

کڑیاں اپنی چار پائی کے نیچے رکھتے تھے۔“

خاتما تھانہ بھون میں بجلی نہیں تھی، نہ بلب تھے نہ پچھلے۔ حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی روشنی کے لیے لائین جلا کر اور ہوا کے لیے ہاتھ میں پنکھا لے کر کام کرتے رہتے۔ جب زیادہ گرمی ہوتی تو کرتا اتار کر کام کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کتنا بڑا کام لیا۔

جب تک غیر اللہ سے استغناء پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک دین کے کام میں اخلاص و امانیت پیدا نہیں ہوگی۔

امام ابو حازم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بہت بڑے عالم، فقیہ اور مدینہ کے قاضی تھے، ان سے ایک مرتبہ وقت کے امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک نے کہا:

”ارْزُفْ اِلَيْنَا حَاجَتَكَ يَا اَبَا حَازِمٍ نَقْضُهَا لَكَ مِنْهُمَا كَانَتْ.“

ترجمہ: ”ابو حازم! اپنی کوئی ضرورت ہمیں بتاؤ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔“

حضرت ابو حازم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جواب میں فرمایا:

”حَاجَتِي اَنْ تَنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ، وَتُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ.“

ترجمہ: ”میری ضرورت یہ ہے کہ آپ مجھے جہنم سے بچالیں اور جنت میں داخل کر دیں۔“

ایک مرتبہ امیر المؤمنین نے حضرت ابو حازم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے لیے دیاروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی اور ساتھ ہی یہ لکھ کر بھیجا:

”ابو حازم! یہ رقم آپ کے خرچہ کے لیے ہے آپ اس کو خرچ کیجیے میرے پاس آپ کے لیے اور بھی بہت سارا مال ہے بعد میں بھیجوں گا۔“

حضرت ابو حازم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے وہ تھیلی واپس بھیج دی اور ساتھ ہی یہ تحریر

لے علماء کا مقام: ص ۱۱ تا ۱۶

۳۷ صور من حياة التابعين ۱۹۰۲

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ رُشِدُ



لکھ کر بھیجی، ہمیں چاہیے کہ اس کو بار بار پڑھیں اور اس پر غور کریں، فرمایا:

”يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ يَكُونَ سُؤْلُكَ إِيَّائِي هَذَا، وَرَدِّي عَلَيْكَ بِاطِّلًا، فَوَاللَّهِ مَا أَرْضَى ذَلِكَ - يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ - لَكَ ..... فَكَيْفَ أَرْضَاهُ لِنَفْسِي؟“

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنْ كَانَتْ هَذِهِ الدُّنْيَا بَيْتَ لِقَاءِ حَدِيثِي الَّذِي حَدَّثْتُكَ بِهِ، فَالْمَيْتَةُ وَلَحْمُ الْخَيْزِيرِ فِي حَالِ الْإِضْطِرَارِ أَحَلُّ مِنْهَا .....

وَإِنْ كَانَتْ حَقًّا لِي فِي بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ فَهَلْ سَوَّيْتُ بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ جَمِيعًا فِي هَذَا الْحَقِّ؟“

ترجمہ: ”امیر المؤمنین! میں اللہ کے حضور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آپ کے سوالات جو آپ نے مجھ سے کیے وہ مذاق بن جائیں اور میرا جواب دینا باطل اور بے کار ہو جائے، اے امیر المؤمنین! مجھ میں یہ مال تو آپ کے لیے پسند نہیں کرتا اپنے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں۔

امیر المؤمنین! اگر یہ دینار میری اس دینی گفتگو کے عوض دیے گئے ہیں جو میں نے آج آپ سے کی ہے، تو میں اضطراری حالت میں مروار اور خنزیر کا گوشت اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اور اگر آپ نے ویسے ہی بیت المال سے مجھے یہ دیا ہے تو جتنا مجھے دیا ہے اتنا دوسرے مسلمانوں کو بھی برابر برابر دیا جائے۔“

اب غیر اللہ سے استغناء کے بارے میں اکابر کے مزید قصے سنئے:

## استغناء اکابر کے (۱۱) قصے

۱ امیر عز الدین موسیٰ وہ امیر ہیں جن کی درباری کی وجہ سے علامہ ابن حاجب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے والد کا لقب (حاجب) مشہور ہوا۔ ایک مرتبہ انہوں نے قراءت کے مشہور امام علامہ شاطبی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کو اپنے پاس بلوانے کے لیے پیغام بھیجا۔ علامہ شاطبی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اس وقت اپنے شاگردوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، آپ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ امیر کے نام میری طرف سے جواب میں لکھ دو کہ

”قُلْ لِلْأَمِيرِ مَقَالَةٌ مِنْ نَاصِحِ فُطَيْنٍ نَبِيٍّ“

إِنَّ الْفَقِيهَ إِذَا أَتَى أَبَوَا بَكُم، لَا خَيْرَ فِيهِ“

ترجمہ: ”امیر سے جا کر ایک بیدار مغز، ہوش مند اور خیر خواہ انسان کا یہ پیغام پہنچا دو کہ جب کوئی فقیہ تمہارے دروازوں پر جانے لگے تو اس میں کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔“

۲ حضرت امام ابو حنیفہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا:

”لِمَ لَا تَغْشَانَا يَا أَبَا حَنِيفَةَ فَيَمْنَنَ يَغْشَانَا؟“

ترجمہ: ”توگ ہمارے پاس آتے ہیں آپ کیوں تشریف نہیں لاتے؟“

حضرت امام صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب میں ارشاد فرمایا:

”لَا نَكَ إِنْ قَرَّبْتَنِي فَتَنَّتَنِي، وَإِنْ أَبْعَدْتَنِي أَحْزَنَّتَنِي، وَلَيْسَ عِنْدَكَ مَا أَرْجُوكَ لَهُ، وَلَيْسَ عِنْدِي مَا أَخَافُكَ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَغْشَاكَ مَنْ يَغْشَاكَ لِيَسْتَغْنِيَ بِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ، وَأَنَا غَنِيٌّ“

بِمَنْ أَغْنَاكَ فَلِمَ أَغْنَاكَ فَمَنْ يُغْنَاكَ؟“

تَرْجَمَہ: ”اس لیے کہ اگر تو مجھے قریب کرے گا تو مجھے فقیر میں مبتلا کرے گا (یعنی میرے دین کو نقصان پہنچائے گا) اور جب مجھے خود سے دور کرے گا تو مجھے صدمہ ہوگا اور تیرے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس کی میں تجھ سے کوئی امید رکھوں اور میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تجھ سے ڈروں یا خوف کھاؤں، جو لوگ تیرے پاس آتے ہیں تو وہ تجھ سے غنا حاصل کرنے آتے ہیں کہ انہیں کسی اور سے مانگنا نہ پڑے اور مجھے اس اللہ تعالیٰ نے غنی کیا ہے جس نے تجھے غنی کیا، تو میں تیرے پاس کیوں آؤں۔“

اور اسی طرح امام محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور آخر میں یہ اضافہ ہے:

”كَسْرُهُ خَيْرٌ وَقَعْبُ مَاءٍ، وَقَرْدُ قُورٍ مَعَ السَّلَامَةِ خَيْرٌ مِنَ الْعَيْنِ فِي نَعِيمٍ، يَكُونُ فِي آخِرِهِ نَذَامَةٌ تَرْجَمَہ: ”ایمان کی سلامتی کے ساتھ روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا پیالہ اور بوسیدہ کپڑا اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت ہو۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئے اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دکان دار نے قیمت بتا دی۔ جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاسنے والے تھے، وہ دکان دار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں۔ چنانچہ ان صاحب نے دکان دار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہذا

سَلَامٌ عَلَى الْبُحَارِ الْمُسْتَعِينَةِ لَامِنْ أَبِي الْوَفَا: ۶۴۳

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَبِيَّةٌ

ان کے ساتھ رعایت کریں۔ حضرت مولانا نے فرمایا:

”میں اپنے مولوی ہونے کی قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو، اس لیے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی، اس قیمت پر تم خوش دلی سے یہ چیز دینے کے لیے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے سے تم نے رعایت کر دی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں وہ خوش دلی سے دینا نہیں ہوگا اور پھر میرے لیے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا لینا بھی میرے لیے حلال نہیں ہوگا، لہذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی قیمت لے لو۔“

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ”یہ مولویت بیچنے کی چیز نہیں“ کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کر دیں۔

۱۲ آپ کے والد صاحب نے ایک کارخانے میں کچھ حصہ آپ کے نام کر دیا، آپ نے پوچھا: ”وَقَعْبُ مَاءٍ“ کیا تو مصلحت ہی سے تھا، مگر اب آپ کو بہہ کر دیا۔“ آپ نے انہوں نے فرمایا: ”کیا تو مصلحت ہی سے تھا، مگر اب آپ کو بہہ کر دیا۔“ آپ نے کہا: ”اس سے مجھ پر حج فرض ہو گیا، اسے بیچ کر حج کروں گا۔“ والد صاحب نے فرمایا کہ: ”... ابھی آپ کی بہنوں کی شادی وغیرہ کے مصارف سامنے ہیں، اس لیے حج کے لیے آئندہ سال جائیں۔“ حضرت والد صاحب سے عرض کیا کہ: ”کیا آپ آئندہ سال تک میری حیات کی ضمانت لے سکتے ہیں؟“

انہوں نے فرمایا: ”یہ تو نہیں ہو سکتا۔“ تو حضرت نے فیصلہ سنا دیا کہ ابھی حج کر حج کے لیے چار ہا ہوں، بیچا اور تشریف لے گئے۔

”آپ کی تصانیف ہزاروں کی تعداد میں ہیں، لیکن آپ نے اپنی کسی تصنیف کا حق طبع محفوظ نہیں کیا، اگر صرف ”ہشتی زیور“ ہی کا حق طبع محفوظ کر لیتے تو کروڑوں کما۔“

۵ ایک بار ایک شخص بلا اجازت ریل گاڑی کا پورا ڈبہ آموں سے بھر کر لے آیا۔

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَبِيَّةٌ



حضرت نے فرمایا کہ پہلے اجازت کیوں نہیں لی؟

ہمارے ہاں اصول ہے کہ پہلے اجازت لی جائے تو ہم قبول کرتے ہیں ورنہ قبول نہیں کرتے، خلاف قانون کیوں لائے، جاؤ لے جاؤ یہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہ بہت پریشان ہوا کہ واپس لے جاتے ہیں تو پورا بھرا ہوا ڈبہ خراب ہو جائے گا۔

جب اس نے یہ بات عرض کی تو حضرت نے فرمایا کہ: ”اگر خراب ہوتا ہے تو ہو جائے، اس میں میرا کیا قصور ہے، ان کو خراب ہونے سے بچانا میرے ذمہ تو نہیں، تم نے ایسی حماقت کیوں کی؟“

پھر فرمایا: ”اگرچہ اس کا تذکرہ اور اس کو خراب ہونے سے بچانے کی تدبیر بتانا میرے ذمہ نہیں پھر بھی تبرعاً آپ پر احسان کر کے بتا دیتا ہوں کہ اسے منڈی میں لے جائیں، بیچ کر پیسے ملے باندھیں اور جائیں۔“

بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ جو ہدایا اور پیسے قبول کرنے سے اتنا انکار کرتے ہیں یہ پیسہ لانے کا ذریعہ ہے، جو ہدایا لانے والوں کو ڈانٹتا ہے اور قبول کرنے سے انکار کرتا ہے لوگ اسے اور زیادہ دیتے ہیں، تو یہ زیادہ لانے کا طریقہ ہے۔ حکیم الامت تو واقعہ حکیم الامت تھے فوراً جواب دیتے تھے۔

حضرت حکیم الامت کا سب سے بڑا کمال ”علم کلام“ میں مہارت تھی۔ آپ جیسا حاضر جواب صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ جب ان لوگوں نے کہا:

”یہ جو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں یہ پیسے زیادہ لانے کی ایک تدبیر ہے۔“

تو آپ نے فوراً جواب دیا: ”جب انہیں خبر بھی ہے کہ یہ پیسہ لانے کی تدبیر ہے تو اس کو خود اختیار کیوں نہیں کرتے؟ کیوں اہل ثروت کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں؟ ان کے دروازوں کی خاک کیوں چھانتے ہیں؟“ کیسا جواب دیا۔

آپ نے حضرت پھولپوری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کو دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے منتخب فرما کر آپ سے تنخواہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت

پھولپوری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے عرض کیا کہ میں بلا معاوضہ پڑھاؤں گا، اور معاش کے لیے چنے کھانے کی ضرورت پیش آئی تو بھی اسی پر اکتفا کروں گا۔

حضرت مفتی محمد حسن رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے اپنا قصہ خود مجھے (یعنی مفتی رشید احمد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی) سے یوں بیان فرمایا کہ وہ ایک مدرسہ میں پڑھاتے تھے، تنخواہ بہت کم تھی اور اولاد بہت زیادہ۔

اس زمانے میں ایک مدرسہ سے دوسو (۲۰۰) روپے ماہانہ کی پیش کش آئی، آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی خدمت میں اپنی مشکلات لکھ کر دوسرے ادارہ میں جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے جواب میں یوں تنبیہ فرمائی:

”دوسو روپے مولوی کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں، جو کچھ مل رہا ہے اسی پر قناعت کر کے بیٹھے رہیں، اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمائیں گے۔“

حضرت مفتی محمد حسن رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے شیخ کی ہدایت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیے۔ آخر میں نوابوں جیسی ٹل کہ نوابوں سے بھی بڑھ کر زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت مفتی محمود حسن رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے۔ کسی مدرسہ سے بڑے منصب اور بڑی تنخواہ کی پیش کش آئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے اپنا قصہ خود مجھے (یعنی مفتی رشید احمد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی) کو بتایا کہ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی خدمت میں لکھا کہ ”مدن بہت کم ہے اور عیال زیادہ، بہت پریشان ہوں، اعصاب جواب دے رہے ہیں۔“

ایسے خط کے جواب کے بارے میں یہ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں:

① حالات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔

② دلی سے دعا کرتا ہوں۔

③ وسعت رزق کا کوئی وظیفہ۔

④ خود مالی تعاون۔

⑤ کسی سے مالی تعاون کی سفارش۔

⑥ کہیں کوئی ملازمت وغیرہ دلوانا۔

شیخ نے جواب میں ان توقعات میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی ایک لفظ بھی نہ لکھا، صرف یہ تنبیہ تحریر فرمائی:

”افسوس کہ آپ نے پورا خط شکایت سے بھر دیا، شکر کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔“

ڈاکٹر صاحب نے شیخ سے قناعت اور صبر و شکر کا سبق لیا تو اللہ تعالیٰ نے رزق کی بارشیں برسا دیں۔

برکت کے لیے یہ چند مثالیں بتا دی ہیں ورنہ اکابر کے مقام استغناء کو پوری دنیا جانتی ہے اور ان کے واقعات بے شمار ہیں۔

۱۔ نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھٹکاریں

ترے دست توکل میں تھیں استغناء کی تلواریں

یہ ہیں ہمارے اکابر تارکین دنیا۔

① جب عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کی تخت نشینی ہوئی تو اس موقع پر ایک بہروپیا بھی

وہاں انعام لینے پہنچ گیا۔ عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی بہت متوجہ تھے، سمجھتے تھے کہ یہ مصروف نہیں اس لیے اسے ٹالنے کے لیے فرمایا کہ اپنا کوئی کمال دکھاؤ تو انعام ملے گا، بہروپیا چلا گیا۔

عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کا یہ معمول تھا کہ جب کسی جگہ جاتے تو وہاں کے علماء و مشائخ کی زیارت کے لیے ان کی خدمت میں حاضری دیتے، یہ خود بہت بڑے عالم تھے اور ان کے وزراء بھی عالم تھے۔

عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کا جس طرف زیادہ سفر ہوتا تھا، اس بہروپے نے اس علاقے میں جھونپڑی ڈالی اور بزرگ بن کر بیٹھ گیا۔ لوگوں میں اس کی بزرگی کی خوب شہرت ہو گئی۔ جب عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی اس طرف تشریف لے گئے تو انہوں نے معلوم کر دیا کہ اگر یہاں کوئی بزرگ ہیں تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ عالمگیر رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے اپنے وزیر کو بھیجا۔ جب وزیر نے جا کر ملاقات کی اور کچھ سلوک کی باتیں پوچھیں تو اس نے ایسے جواب دیئے کہ وزیر صاحب بہت معتمد ہو گئے۔ یہ بہروپے جب کوئی روپ دھارتے ہیں تو اس کے بارے میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ اس شخص نے علم سلوک میں مہارت حاصل کی تھی، لیکن یہ مہارت اور کمال محض ظاہری ہوتا ہے باطن میں کچھ نہیں ہوتا۔

وزیر نے بادشاہ کو آکر بتایا کہ وہ تو بہت بڑے ولی اللہ ہیں، بہت تعریف کی۔ بادشاہ بھی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے بہت زبردست جواب دیئے، بادشاہ بھی بہت معتمد ہو گئے اور ایک ہزار اشرفیاں نذرانہ پیش کیں بہروپے نے ڈانٹ کر کہا کہ دنیا کے کتے اتونے مجھے اپنے جیسا دنیا کا کتا سمجھا ہے، لے جاؤ یہ اشرفیاں اور بیھاگو یہاں سے۔

اب تو بادشاہ اور زیادہ معتمد ہو گئے کہ یہ تو بہت بڑے زاہد معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ واپس اپنی قیام گاہ میں آ گئے پیچھے پیچھے یہ بہروپیا بھی پہنچ گیا، بادشاہ کو سلام کیا اور کہا کہ میں وہی بہروپیا ہوں جو آپ کی تخت نشینی کے موقع پر انعام مانگنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ پہلے اپنا کمال دکھاؤ پھر انعام ملے گا۔ بادشاہ نے بہت تعجب



سے پوچھا کہ یہ بتاؤ میں نے تمہیں نذرانہ کے طور پر اتنی بڑی رقم دی تھی اور تمہاری حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی میں وہ نذرانہ تم سے واپس نہ لیتا اتنا مال تم نے واپس کیوں کر دیا جب کہ اب تو میں تمہیں انعام میں بہت ہی تھوڑی سی رقم دوں گا جو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس بہروپے کا جواب سنئے!

کہنے لگا کہ "میں اس وقت اہل اللہ کے روپ میں تھا، اگر اس وقت میں وہ نذرانہ رکھ لیتا تو اہل اللہ کی نقل صحیح نہ ہوتی میں نے ان کی نقل پوری طرح اتارنے کے لیے ایسا کیا۔" ۱۰

اس قصے میں بہت بڑی عبرت ہے کہ دنیا کے بندے نے اللہ والوں کی صرف نقل اتارنے کے لیے دنیا کو لات مار دی۔

یہ تمام قصے بتانے سے مقصد یہی ہے کہ آج کے علماء و طلبہ اکابر کے حالات کی روشنی میں کچھ اپنا جائزہ لیں، اپنی اصلاح کی فکر کریں اور اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ آخرت کے لیے کی جانے والی کوشش بھی رائیگاں نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی دست گیری فرماتے ہیں۔ اس کے برعکس دنیائے مردار کی فکر میں جو لوگ لگ گئے انہیں سوائے خسارے کے کچھ حاصل نہ ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا فَدَرَهُ." ۱۱

ترجمہ: "جس نے آخرت کو مقصود بنا لیا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا

۱۰ الاغاضات اليومية: ۳/۷۰

۱۱ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب احادیث ابتدئنا بالضراء ..... رقم: ۲۸۶۵

بیتِ اولیٰم تریت

عطا فرما دیتے ہیں اور اس کی متفرق حاجات پوری فرما دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اللہ تعالیٰ اس کو فقر وفاقہ سے خوف زدہ رکھتے ہیں اور اس کو متفرق حاجات میں مبتلا رکھتے ہیں پھر بھی اس کو دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہے۔"

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں، اس میں برکت عطا فرمائیں، ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ ۱۲

۱۲ قاضی بکار بن قتیبہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی مصر کے مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں، امام ابو نعیم طحاوی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے استاذ ہیں اور انہوں نے شرح معانی الآثار میں متعدد حدیثیں آپ کی سند سے روایت کی ہیں۔ ان کے زمانے میں احمد بن طوایف مصر کے حکمران تھے۔ اور وہ قاضی بکار رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے درس حدیث لینے کے لیے خود ان کی مجلس میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کا دربان پہلے مجلس کے قریب پہنچ کر لوگوں سے کہہ دیتا کہ: "کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھے" اس کے بعد ابن طوایف چپکے سے آکر بیٹھ جاتے اور عام طلباء کی صف میں بیٹھ کر حدیث کا درس لیتے تھے۔ ایک زمانہ تک ابن طوایف اور قاضی بکار رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے تعلقات بہت خوش گوار رہے اور اس عرصہ میں احمد بن طوایف قاضی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کی تنخواہ کے علاوہ ان کی خدمت میں سالانہ ایک ہزار دینار بطور ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔

اتفاق سے ایک سیاسی مسئلہ میں قاضی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اور احمد بن طوایف کا اختلاف ہو گیا، ابن طوایف چاہتے تھے کہ وہ اپنے ولی عہد کو معزول کر کے کسی اور کو ولی عہد بنائیں اور قاضی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے اس کی تصدیق کرائیں۔ قاضی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اسے درست نہ سمجھتے تھے، اس لیے انہوں

۱۲ علماء کا مقام ص ۷۵ تا ۸۲

نے انکار کر دیا، اس کی وجہ سے تعلقات کشیدہ ہو گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن طولون نے قاضی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو قید کر دیا، اور یہ پیغام ان کے پاس بھیجا کہ جتنے دینار آپ کو بطور ہدیہ دیے گئے ہیں، وہ سب واپس کیجیے۔

سالانہ ایک ہزار دینار دینے کا سلسلہ اٹھارہ سال سے جاری تھا، اس لیے مطالبہ یہ تھا کہ ۱۸ ہزار دینار فوراً واپس کیے جائیں۔ ابن طولون سمجھتے تھے کہ یہ مطالبہ قاضی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو رنج کر دے گا۔

لیکن جب پیغام ان کے پاس پہنچا تو قاضی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کسی تردد کے بغیر اندر تشریف لے گئے اور گھر سے اٹھارہ تھیلیاں نکال لائے جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک ہزار دینار تھے، یہ تھیلیاں ابن طولون کے پاس پہنچیں تو اس نے دیکھا کہ یہ بعینہ وہی تھیلیاں تھیں جو قاضی صاحب کے پاس بھیجی گئی تھیں اور ان کی مہریں تک نہیں ٹوٹی تھیں۔ ابن طولون یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قاضی بکار رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ان میں سے ایک تھیلی بھی کھولی نہیں تھی، بل کہ اسے جوں کا توں محفوظ رکھ لیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ قاضی بکار رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اسی خیال سے انہیں استعمال نہیں کیا تھا کہ امیر سے بلاشبہ اس وقت تعلقات اچھے ہیں، لیکن کبھی اختلاف پیدا ہوا تو انہیں جوں کا توں لوٹایا جاسکے گا۔ ابن طولون قاضی بکار رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی یہ بلندی کردار ذہانت و حکمت اور استغناء کی نرالی شان دیکھ کر شرم سے عرق عرق (پسینہ پسینہ) ہو گیا۔

① علامہ ابن اثیر جذری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایرانی آتش پرستوں سے جہاد کرنے کے لیے قادیہ پہنچے تو انہوں نے اپنے لشکر کے ایک افسر حضرت عاصم بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کسی کام سے ”میان“ کے مقام پر بھیجا، یہ دشمن کے ملک میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔

حضرت عاصم رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی یہاں پہنچے تو رسد کا سارا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اور ساتھیوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ انہوں نے آس پاس تلاش شروع کی کہ شاید کوئی گائے بکری مل جائے مگر کافی جستجو کے باوجود کوئی جانور ہاتھ نہ آیا۔ اچانک انہیں بانس کے ایک چھپر کے پاس ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ انہوں نے اس سے جا کر پوچھا کہ ”کیا یہاں آس پاس کوئی گائے بکری مل جائے گی؟“

اس شخص نے کہا: ”مجھے معلوم نہیں۔“ حضرت عاصم رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی ابھی واپس نہیں لوٹے تھے کہ چھپر کے اندر سے ایک آواز سنائی دی۔

”یہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں موجود ہیں۔“

حضرت عاصم رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی چھپر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کئی گائے بیل کھڑے ہیں۔ مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ آواز ایک بیل کی تھی۔ حضرت عاصم رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی وہاں سے گائے بیل لے کر آئے اور انہیں لشکر میں تقسیم کیا۔

یہ واقعہ کسی نے حجاج بن یوسف کو سنایا تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے جنگ قادیہ کے شرکاء کے پاس پیغام بھیج کر اس کی تصدیق کرنی چاہی تو بہت سے حضرات نے گواہی دی کہ اس واقعے کے وقت ہم موجود تھے، حجاج نے ان سے پوچھا:

”اس زمانے میں اس واقعے کے بارے میں لوگوں کا تاثر کیا تھا؟“

انہوں نے کہا: ”اس واقعے کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے اور وہ ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔“

”یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب لوگوں کی اکثریت متقی و پرہیزگار ہو“ حجاج نے کہا۔

”اول کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے“ انہوں نے کہا۔ ”لیکن اتنا ہم بھی



جانتے ہیں کہ دنیا سے اس قدر بے نیاز قوم ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی۔

## حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا درس

### پر معاوضہ نہ لینا

① مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک ریڈیو پاکستان پر درس قرآن دیتا رہا اور میرے نزدیک اس پر معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں تھا بہت سے اللہ کے بندے لیتے ہیں ویسے قرآن پر معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں۔ چار ہے، مگر میں نے قصداً ضرورت مند ہونے کے باوجود نہیں لیا اور اگر لیتا تو میں تیس ہزار روپیہ مجھے ملتا، لیکن میں نے صرف اس لیے نہیں لیا کہ اس لباس کا تقاضا نہیں تھا۔ ہم کوئی درس دیں اور اس پر معاوضہ لیں یا کوئی وعظ کریں اس پر نذرانہ وصول کریں یہ اس وضع کے خلاف بات ہے۔ چاہے اپنی ذات میں وہ گناہ نہ ہو۔ مگر ہم نے چوں کہ یہ وضع اختیار کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم اللہ والے ہیں ہم دنیا کے طالب نہیں اس لیے لینا مناسب نہ تھا۔

### دنیا کو دین پر ترجیح نہ دینا

مفتی اعظم پاکستان رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

آج کے اہل علم اور علماء بھی اسی میں داخل ہیں، اگرچہ وہ اس درجے کے نہ سہی، مگر کم از کم جو لوگ اس علم میں لگے ہوئے ہوں اور جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کیا ہو۔ ان کی زندگی میں کم از کم یہ تو ہونا چاہیے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں زیادہ نہ پڑیں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو دے دیں تو اس کو نعمت سمجھ کر استعمال کرنا گناہ نہیں، لیکن دنیا کی فکر میں لگے رہنا اور

سہ الکامل لابن اثیر، ذکر ابتداء امر القادسیۃ، السنة الرابعة عشر للهجرة: ۶/۲، ۶۶۲، ۶۶۱

سہ مجالس مفتی اعظم: ۶۰۰

بیّنات (علمی نمبر)

اسی فکر میں لگے رہنا کہ پیسے بڑھائیں۔ یہ کام علماء کی شان کے خلاف ہے، علماء کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اور علمی کام میں لگایا ہے ان کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے کام میں لگیں۔

پھر اللہ تعالیٰ غیب سے ان کو ایسا دیتا بھی ہے کہ دنیا ان کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے لیکن خود ان کو اس فکر میں لگے رہنا یہ ان کے اس دعوے کے خلاف ہے کہ یہ جو ہم نے اپنا لباس بنایا ہے۔ کرتا، پانچاما، ٹوپی جو علماء کا لباس ہے یہ پہننے کے بعد ہمارے دل میں یہ طمع ہو کہ یہاں سے کچھ پیسے وصول کر لیں، وہاں سے کچھ پیسے وصول کر لیں، یہ کئی یہاں سے کر لیں۔ یہ ہماری اس وضع کے خلاف ہے اس دعویٰ کے خلاف ہے درحقیقت اس بات کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ والے ہیں اللہ کے طالب ہیں دینا سکے طالب نہیں۔

دنیا ہونا کوئی مستز نہیں، بشرط یہ کہ غیر معمولی کوششوں کے بغیر مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور غیر معمولی کوششوں میں لگنا یہ علماء کی شان کے خلاف ہے یہ

### ائمہ کرام احتیاط کریں

سوال: ہماری مسجد میں امام صاحب آٹھ سال سے امامت کر رہے ہیں مقتدی ان سے خوش تھے، مگر ابھی ایک دو باتیں پیش آگئیں، جس کی وجہ سے بعض مقتدی ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے کراہت کرتے ہیں۔

① مسجد کا ایک اصول یہ ہے کہ مسجد کی دکان مسجد کے خدام کو کرایہ پر نہیں دی جاتی۔ امام صاحب نے ایک دکان دو یا تین سال ایک شخص کے نام سے لی اور مسجد کے ذمہ داروں کو نہیں بتایا۔ اس کے بعد مسجد والوں کو معلوم ہوا تو تحقیق کی۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا، جب اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے جو بات سچ تھی وہ بتلا

سہ مجالس مفتی اعظم: ۶۰۰، ۶۶۹

بیّنات (علمی نمبر)

دی کہ دکان امام صاحب کی ہے، انہوں نے میرے نام سے لی ہے۔

۲۔ انہوں نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اور مسجد میں مدرسہ کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ ایک جگہ خریدنے کا بھی پروگرام تھا، مگر برائے مدرسہ جگہ خرید سکے جو چندہ ہوا وہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کی۔ ایک موقع پر مسجد کی کمیٹی کے سیکرٹری نے ان سے حساب طلب کیا تو چار پانچ ماہ تک ٹالتے رہے۔ سیکرٹری نے دوبارہ مطالبہ کیا تو ایک خط کے ذریعہ جواب دیا "یہ مدرسہ میرا ذاتی ہے، آپ کو اس کا حساب مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" جس کی وجہ سے مسجد میں بڑا انتشار ہوا اور بعض مقتدی ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں تو ان کی اقتداء میں نماز کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مفتی عبدالرحیم راج پوری رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

الجواب: حدیث میں ہے "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَواتُهُمْ إِذَاتِهِمُ الْعَبْدُ الْأَبْقَى حَتَّى يَرْجِعَ، وَامْرَأَةٌ بَاثَتْ وَرَوَّجَهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَإِمَامٌ قَوْمٌ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ"۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کی نماز ان کے کان سے بھی آگے تجاوز نہیں کرتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) ① بھاگ بھاگ ہو غلام یہاں تک کہ واپس آجائے ② عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو ③ اور وہ امام کہ لوگ اس سے (کسی معقول وجہ سے) ناراض ہوں۔"

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔ "وَلَوْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ إِنَّ

لہ نہ مذی، ابواب الصلاة، باب ما جاء في من أم قوماً وهم له كارهون، رقم: ۳۶۰

الْكِرَاهَةِ (لِفَسَادٍ فِيهِ أَوْلَانَهُمْ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ مِنْهُ كُفْرًا) لَهُ ذَلِكَ تَحْرِيمًا لِخِدْيَتِ أَبِي دَاوُدَ "لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَوةَ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ" (وَإِنْ هُوَ أَحَقُّ لَا) وَالْكِرَاهَةُ عَلَيْهِمْ"۔

ترجمہ: "اگر کوئی شخص امامت کرتا ہے اور نمازی اس سے کراہت کرتے ہیں (اسے پسند نہیں کرتے) تو اگر اس کراہیت اور ناگواری کا سبب یہ ہے کہ امام میں کوئی خرابی ہے یا یہ لوگ امامت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وہ ان سے کم درجہ رکھتا ہے تو اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو امامت کرے اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہوں" اور اگر واقعہ یہ ہے کہ امام ہی سب سے زیادہ امامت کا حق دار ہے، (عالم و فاضل اور متقی ہے) اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہیں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا۔

صورت مسئلہ میں بعض مقتدی امام سے ناراض ہیں۔ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے کراہیت کرتے ہیں۔ سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی ناراضگی بلا وجہ نہیں ہے۔ انہوں نے جھوٹ بولا اور غلط معاملہ کیا اور عرصہ تک اس غلط چیز کو چلاتے رہے۔ اور مسجد میں مدرسہ کے نام سے چندہ کیا اور بعد میں اس چندہ کا حساب نہیں دیا اور یہ کہنا کہ یہ "میرا ذاتی معاملہ ہے" آپ کو حساب مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ قابل قبول نہیں ہے۔ چندہ مدرسہ کے نام سے کیا گیا ہے اس لیے امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا حساب بالکل صاف رکھنا چاہیے تھا۔ حساب نہ رکھنا اس سے لوگوں کو یقیناً چندہ کرنے والے کے متعلق خیانت کا خیال پیدا ہوگا، اور مصلیوں (یعنی

لہ درمختار مع شامی باب الامامة: ۵۹/۱

لہ ابوداؤد، الصلوة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، رقم: ۹۳

لہ فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۶۵



نمازیوں میں انتشار ہوگا۔

لہذا ایسے شخص کو امامت جیسے اہم منصب پر قائم رکھنا موجب فتنہ ہو سکتا ہے۔ امامت بہت عظیم منصب ہے۔ ایسا شخص اس اہم منصب کے قابل نہیں۔ امامت کرنا ان کے لیے مکروہ تحریمی ہے، لہذا ان کو از خود مستعفی ہو جانا چاہیے۔

امامت کتنا عظیم منصب ہے اور امام کو کتنا محتاط ہونا چاہیے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

”إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْنِ فَرْعَ: (لَا يُصَلِّي لَكُمْ) فَأَرَادَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنْعُوهُ وَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ”نَعَمْ“ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: ”إِنَّكَ أَذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ.“

ترجمہ: ”ایک شخص نے کچھ لوگوں کی امامت کی۔ اسے تھوک آیا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا۔ آں حضرت ﷺ دیکھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو گیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے آں حضرت ﷺ نے فرمادیا: ”یہ شخص آئندہ تمہاری امامت نہ کرے۔“ اس کے بعد اس شخص نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اسے روک دیا اور بتادیا کہ حضور ﷺ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں میں نے کہا تھا۔“ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں

لے ابوداؤد، الصلوۃ، باب کراہیۃ البراق فی المسجد: ۶۸/۱

آپ نے یہ بھی فرمایا: ”تم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔“

### ستر عیوب

امام کو اس صفت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالے، جس طرح اسلاف مسلمانوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے قربانیاں دیتے تھے اور خود اپنے اوپر سہہ لیتے تھے، تاکہ مسلمان بھائی کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، ہمیں بھی چاہیے کہ اس صفت سے بھی وافر حصہ اپنائیں اور اس حدیث مبارکہ میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس کو حاصل کرنے والے بنیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ وَسَّعَ عَلَى مَكْرُوبٍ كُرْبَةً فِي الدُّنْيَا وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ كُرْبَةً فِي الْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ فِي الْآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْمَرْءِ مَا كَانَ الْمَرْءُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.“

ترجمہ: ”جو شخص دنیا میں کسی پریشان حال کی پریشانی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی پریشانی دور فرمائیں گے اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے عیب پر پردہ ڈالیں گے۔ جب تک آدمی اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔“

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”يُبْسِرُ أَحَدَكُمْ الْقَدَاةَ فِي عَيْنِ أَخِيهِ وَيَنْسَى الْجِدْعَ فِي عَيْنِهِ.“

عینیہ۔

لے ترمذی و رحمیہ: ۱/۱۶۸ تا ۱۶۵

لے حلیۃ اولیاء: ۱/۱۰۴، الرقم: ۶۶۹

تَرْجَمَهُ: ”آدی کو اپنے بھائی کی آنکھ کا ایک تکا بھی نظر آ جاتا ہے، لیکن اپنی آنکھ کا شہیر تک بھی اسے نظر نہیں آتا۔“

قَالَ لَا: مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے معمولی سے معمولی عیوب نظر آ جاتے ہیں اور اپنے بڑے بڑے عیوب پر نظر نہیں جاتی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

”مَنْ غَسَلَ مِيتًا فَكَتَمَ عَلَيْهِ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ أَرْبَعِينَ كَبِيرَةً، وَمَنْ حَفَرَ لِأَخِيهِ قَبْرًا حَتَّى يُجِنَّهُ فَكَأَنَّمَا أَسْكَنَهُ مَسْكِنًا حَتَّى يَتَغَيَّرَ“۔

تَرْجَمَهُ: ”جو شخص میت کو غسل دیتا ہے اور (اگر کوئی عیب پائے تو) اس کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور جو اپنے بھائی (کی میت) کے لیے قبر کھودتا ہے اور اس کو اس میں دفن کرتا ہے تو گویا اس نے (قیامت کے دن) دوبارہ زندہ اٹھانے جانے تک اس کو ایک مکان میں ٹھہرا دیا یعنی اس کو اس قدر اجر ملتا ہے جتنا کہ اس شخص کے لیے قیامت تک مکان دینے کا اجر ملتا۔“

امام ذہبی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالَى نقل کرتے ہیں کہ امام کسائی اور امام یزیدی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالَى ایک مرتبہ ہارون رشید کے یہاں جمع ہو گئے، دونوں علم قراءت کے امام ہیں، نماز کا وقت آیا تو امام کسائی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالَى نے نماز پڑھائی۔ سورہ ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ پڑھنی شروع کی، تو بھول گئے، نماز کے بعد امام یزیدی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالَى نے کہا: ”مقام عبرت ہے کہ کوفہ کے قاری کو ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ ہی میں بند لگ گیا۔“

بات آئی گئی ہوگی، پھر اتفاق سے ایک دن امام یزیدی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالَى نماز

پڑھانے کھڑے ہوئے تو سورہ فاتحہ ہی بھول گئے، سلام پھیرنے کے بعد انہیں اپنی فطرتی پر خراب ہو تو یہ شعر پڑھا۔

إِنْ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْمُنْطِقِ  
إِنْ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْمُنْطِقِ

تَرْجَمَهُ: ”اپنی زبان کو روکے رکھو دوسرے کے عیوب سے ورنہ خود ان

میں ہتلاہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ بلاء اور مصیبت بولنے پر آتی ہے۔“

یعنی دوسروں کے عیوب دیکھنے سے بچتے رہو، کسی کی کمی کوتاہی نظر آنے پر اس کو ٹپکس میں رسوا کرنے سے بچتے رہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم بھی اس طرح کے عیوب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

ذیل میں ہم ”مناجات الصالحین“ میں سے ایک دعا نقل کرتے ہیں جس میں عیب جوئی سے حفاظت بھی مانگی گئی ہے ائمہ حضرات اس کو تہجد، اشراق و چاشت اور اوقائین کے نوافل کے بعد مانگیں۔

اللَّهُمَّ! يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ اجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الصَّدَقِ وَالْيَقِينِ وَالْإِخْلَاصِ وَالْخُشُوعِ وَالْهَيِّبَةِ وَالْحَيَاءِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَالنُّورِ وَالْبَقِيَّةِ وَالْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ وَالْحِفْظِ وَالْعِصْمَةَ وَالنَّشَاطِ وَالْقُوَّةَ وَالْبَسْطَ وَالْمَغْفِرَةَ وَالْفَصَاحَةَ وَالْبَيَانَ وَالْفَهْمَ عَنِ الْقُرْآنِ، وَخُصَّنَا مِنْكَ بِالصَّحْبَةِ وَالْإِصْطِفَاءِ بِئِنَّهُ وَالْتَّخْصِصَ وَالْتَّوَلِيَّةَ، وَكُنْ لَنَا سَمْعًا وَبَصَرًا وَلِسَانًا وَقَلْبًا وَيَدًا وَمَوْئِدًا، وَأَتِنَا الْعِلْمَ الدُّنْيِيَّ وَالْعَمَلَ الصَّالِحَ، وَالرِّزْقَ الْهَيِّبَ الَّذِي لَا حِجَابَ بِهِ، فِي الدُّنْيَا وَلَا حِسَابَ وَلَا سُؤَالَ، وَلَا عِقَابَ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ، عَلَى بَسَاطِ عِلْمِ التَّوْحِيدِ وَالشَّرْعِ، سَالِمِينَ مِنَ الْهَوَى، وَالشَّهْوَةِ وَالطَّمَعِ، وَأَدْخِلْنَا مُدْخَلَ صِدْقِ





حالاں کہ علم اپنے عیوب کو تلاش کرنے کے لیے، اپنے ذنوب کو دیکھنے کے لیے، اپنی اصلاح کے لیے دیا گیا ہے، آدمی کو اپنا عیب معلوم نہ ہو تو کیا علم ہے۔  
حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں اہل علم حضرات کو خاص طور سے تکبر سے بچنے کی ضرورت ہے، ورنہ ان کی جتنی محنت ہے پڑھنے کی پڑھانے کی وہ ساری کی ساری برباد ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنا علم عطا فرماتے ہیں اگر اس علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرمادیں، جو کہ اس علم کی حفاظت کرے کہ وہ شیطان کے آلہ کار نہ بن جائیں تو ان کا حال دوسرا ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو کسی نے خواب میں انتقال کے بعد دیکھا، پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟

فرمایا کہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چپ کے سے میرے کان میں کہا گیا کہ اے محمد! اگر تم کو عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم تمہارے سینے میں محفوظ نہ کرتا۔ بس کچھ پوچھ کچھ نہیں ہوئی۔ کہنے لگے کہ آپ کا انتقال کس حال میں ہوا؟

فرمایا کہ کیا کہوں "بَابُ الْمَكَايِبِ" کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا مجھے پتہ بھی نہیں چلا اور جان نکل گئی۔

کسی نے حضرت امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟

فرمایا کہ عرش کی داہنی جانب مجھے سونے کی کرسی پر بٹھا کر چھ موتی مجھ پر نثار کیے گئے۔ امام محمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے پوچھا کہ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہاں ہیں؟ فرمایا کہ اس کے اوپر ہیں۔ امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہاں ہیں؟ فرمایا کہ وہ فوق الفوق ہیں۔

جن حضرات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرمایا ہے۔ اس فضل نے احاطہ کر لیا ایسی چیزوں پر کہ شیطان کو رخصت اندازی کا موقع نہ ملے تو وہ "نُورٌ عَلٰی نُورٍ" ہیں۔ ان کی زندگی کا کیا کہنا! اور جہاں یہ چیز ہوتی ہے نہ وہاں بہت پریشانی ہوتی ہے اور فضل ملتا تو ہے خدا کی طرف سے، لیکن کب ملتا ہے یہ اس وقت ملتا ہے جب آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے..... اپنے آپ کو حقیر سمجھے... ذلیل سمجھے۔

اپنے مہدا پر غور کرے کہ میں کس چیز سے پیدا ہوا، کتنی ناپاکی نجاست میرے اندر رکھی ہوئی ہے، کتنی خرابیوں میں مبتلا ہوں اور پھر بیمار ہوں۔ مرنے کے بعد قبر میں کیڑے مکوڑے کھائیں گے، بدن پھٹے گا، پیپ نکلے گی، خون نکلے گا۔ تمام اعتناء نکلے مکوڑے ہو جائیں گے، اور حسین چہرہ نہ جانے کیسا بن جائے گا، بدن کی طاقت نہیں ہو جائے گی۔ ان چیزوں پر آدمی غور کرے تو تکبر پیدا نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہتا ہے، علم صحیح سمجھ میں آتا ہے اور اس علم میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ ایک ایک آدمی لاکھوں کا استاذ، لاکھوں کے دلوں کو روشن کرنے والا بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا الرَّاعِبُ فِي الْآخِرَةِ، الْبَصِيرُ فِي أَمْرِ دِينِهِ، الْمُدَاوِمُ عَلَى عِبَادَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ"

ترجمہ: "فقید وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی طرف راغب ہو، اپنے دین کے معاملے میں بصیرت رکھنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت کرنے والا ہو۔"



حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اہل علم میں استغناء ہونا چاہیے، ”عرض حاجت“ میں ذلت ہے، پچھتے پرانے کپڑوں میں مونا جھوننا کھانے میں ذلت نہیں۔ اور استغناء میں دین کا اعزاز ہے اگر یہ نیت ہو تو ثواب بھی ہوگا۔ دنیا داروں کے پاس نہ جائے۔ غریب کے پاس جانے میں ذلت نہیں۔“

مشہور و معروف تابعی حضرت ابو حازم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ الَّذِينَ مَضَوْا قَبْلَنَا مِنَ الْأُمَمِ الْخَالِيَةِ ظَلُّوا فِي خَيْرٍ وَعَافِيَةٍ مَا دَامَ أُمَرَاؤُهُمْ يَأْتُونَ عُلَمَاءَهُمْ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدَهُمْ.“

”تَرْجَمَہ:“ ”امیر المؤمنین! وہ لوگ جو ہم سے پہلے گزرے ہیں، وہ اُس وقت صحیح راستے پر بھلائی اور عافیت کے ساتھ تھے جب تک اُن کے حکمران علماء کے پاس علم، عمل اور تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ولی شوق و رغبت کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔“

پھر ایسے بے وقوف اور لاپٹی لوگ آئے جنہوں نے علم حاصل کیا اور حکمرانوں کے درباروں میں دُوری فوائد حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچے کہ ان سے اس گئی دنیا میں سے کچھ علم کے بدلہ حاصل کر لیں۔

”فَاسْتَعْتَبَ الْأُمَرَاءُ عَنِ الْعُلَمَاءِ.....“

فَتَعَسَوْا، وَنَكِسُوا، وَسَقَطُوا مِنْ عَيْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.  
وَكُرَّ أَنَّ الْعُلَمَاءَ زَهَدُوا فِيمَا عِنْدَ الْأُمَرَاءِ؛ لَرَغْبِ الْأُمَرَاءِ فِيهِ عَلَيْهِمْ..... وَلَكِنَّهُمْ رَغِبُوا فِيمَا عِنْدَ الْأُمَرَاءِ؛ فَوَهَّدُوا فِيهِمْ

..... وَهَانُوا عَلَيْهِمْ“

”تَرْجَمَہ:“ ”اس طرح حکمران علماء سے بے زار ہو گئے ایسے بعض علماء ذلیل و خوار ہوئے اور وہ بیک وقت حکمرانوں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر گئے۔“

اگر علماء حکمرانوں سے بے نیاز رہتے تو یقیناً حکمران ان کے علم و تقویٰ کی طرف مائل ہوتے۔ لیکن بعض علماء نے حکمرانوں کی طرف لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھا، جس سے وہ ان کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں رزین رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے۔

”نہایت اچھا ہے وہ فقیر آدمی کہ جب اس کی طرف احتیاج ظاہر کی جائے تو نفع پہنچائے اور اگر بے پروائی برتی جائے تو اپنے آپ کو یکسو کر لے۔“

ہمیں بھی چاہیے کہ لوگ ہمیں اہل علم، ائمہ اور مقتدی سمجھتے ہیں ہم اس گمان کی رعایت رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی ظاہری نقل کامل کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ہمارا باطن بھی معرفت کے انوار سے منور فرما دے گا اور حقیقی معنوں میں ہمیں اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز کر دے گا۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا حُجُودَ مِنْ حَيَاةِ النَّبِيِّينَ: ۱۹۹، ۱۹۰ احوال سلیمہ بن دینار

”تَرْجَمَہ:“ ”اللہ جل جلالہ! (مردم حیاتِ انبیاء) کا ترجمہ پہلی امداد میں ”نابینوں کے واقعات“ کے نام سے کیا ہے جو ظاہر و باہرات کے لیے بہت ہی مفید ہے، ہر قاری سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا خود بھی مطالعہ کرے اور تعالواصل البراءات تقویٰ کے تحت اپنے حلقہ احباب اور رشتہ داروں میں بھی تعارف کروانے کی کوشش فرماتے۔“

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”جلد ہی میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اور تکبر کرنے والوں یعنی بڑے بننے والوں کو اپنی آیتوں سے پھیر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے آیات الہیہ کے سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اور آیات الہیہ بھی اس جگہ عام مراد ہو سکتی ہیں جن میں آیات منزلاً تو رات و انجیل کی یا قرآن کریم کی بھی داخل ہیں، اور آیات تکوینیہ جو تمام زمین و آسمان اور ان کی مخلوقات میں پھیلی ہوئی ہیں۔“

اس لیے خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہوا کہ تکبر یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھنا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور اپنی غلط بات یا غلط مسئلے پر ڈٹے رہنا باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہو کہ میرا بتایا ہوا مسئلہ غلط ہے، لیکن اس کو شرم کے مارے نہ چھوڑنا ایسی مذموم اور منحوس خصلت ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے اس کی عقل و فہم سلیم نہیں، اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے سمجھنے سے محروم ہو جاتا ہے نہ اس کو قرآنی آیات صحیح سمجھنے کی توفیق باقی رہتی ہے اور نہ آیات قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں اس کا ذہن چلتا ہے۔“<sup>۲</sup>

عبد اللہ بن حسن عسکری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دوسری صدی ہجری کے اکابر علماء میں سے ہیں، وہ بصرہ کے قاضی بھی رہے، یہ اور ان کے شاگرد عبدالرحمن بن مہدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک جنازہ میں شریک ہوئے، اس دوران لوگوں نے حضرت عبد اللہ

رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب درست نہیں دیا، شاگرد نے کہا:

”حضرت! شاید آپ سے غلطی ہوگئی، صحیح جواب یہ ہونا چاہیے۔“

بڑے علماء اپنی غلطی کی اصلاح سے نہیں شرماتے اور وہ بڑے ہوتے بھی اسی لیے ہیں، بڑا ہونا یہ نہیں کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد بھی اسی پر ڈٹا رہا جائے، یہ بڑائی نہیں، ہٹ دھرمی کہلاتی ہے، حضرت عبد اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: صحیح مسئلہ کیا ہے؟ شاگرد نے بتا دیا اپنے شاگرد کے صحیح جواب سننے کے بعد بہت ہی کار آمد جملہ ارشاد فرمایا:

فرمایا ”آپ چھوٹے ہیں لیکن بات آپ ہی کی درست ہے، میں بھی آپ ہی کے جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں اس لیے کہ باطل میں ”سر“ اور ”رئیس“ بننے سے مجھے حق میں ”دم“ اور ”تالغ“ بننا زیادہ محبوب ہے۔“<sup>۳</sup>

تفسیر روح البیان میں ہے کہ ”تکبر اور نخوت ایک ایسی بری خصلت ہے جو علوم ربانیہ کے لیے حجاب بن جاتی ہے کیوں کہ علوم ربانیہ صرف اس کی رحمت سے حاصل ہوتے ہیں اور رحمت خداوندی تو انفع سے متوجہ ہوتی ہے یہی تو انفع ہمارے اکابر میں موجود تھی جب ہی تو اللہ نے ان کو فہم سلیم اور علوم الہیہ سے نوازا تھا۔“

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرفیاریات کے لیے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحب زادہ محمد عارف ضلع جمنٹک ”دیوبند“ تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹل مین بھی تھا، جس کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی، وہ دفع حاجت کے لیے گیا اور اگلے پاؤں باول ناخواستہ واپس ہوا۔



حضرت مولانا مدنی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سمجھ گئے۔ فوراً چند سکرین کی ذیلیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں، مولانا نے کریت الخلاء میں گئے اور اچھی طرح صاف کر کے ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ ”جائے بیت الخلاء بالکل صاف ہے“ نوجوان نے کہا ”مولانا، میں نے دیکھا ہے، بیت الخلاء بالکل بھرا ہوا ہے“ قصہ مختصر، دواٹھا اور جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بالکل صاف تھا، بہت متاثر ہوا اور پھر پورے عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا ”یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو مجھ سے باہر ہے۔“

اس واقعہ کو دیکھ کر خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ ”یہ کھدر پوش کون ہے؟“ جواب ملا کہ ”یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں“ تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہولر حضرت مدنی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے، حضرت نے جلدی سے پاؤں چھڑائے اور پوچھا، کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا ”سیاسی اختلاف کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیے اور برا بھلا کہا۔ آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا“ حضرت مدنی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ”میرے بھائی! میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا، صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا جب اپنی چوٹی ہوئی تلووار لینے آیا تو دیکھا حضور ﷺ اپنے نفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔“

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے روایت ہے کہ یوپی میں ایک جگہ میری تقریر تھی، رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا، ابھی میں نیم غنودگی کی حالت میں تھا کہ مجھ کو محسوس ہوا کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے، میں نے کہا کہ لوگ اس طرح دبا تے رہتے ہیں، کوئی غلط ہوگا، مگر اس کے ساتھ معلوم ہو رہا تھا

کہ یہ منی تو عجیب قسم کی ہے، باوجود راحت کے فیندر خست ہوتی جا رہی تھی، سر اٹھایا تو دیکھا حضرت شیخ الاسلام مدنی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی میں، فوراً پھڑک کر چار پائی سے اتر پڑا اور دامت سے عرض کیا:

”حضرت! کیا ہم نے اپنے لیے جہنم کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دکھا دے رہے ہیں؟“ شیخ نے جواب فرمایا:

”آپ نے دیر تک تقریر کی تھی، آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا، میں نے خیال کیا آپ کی نماز نہ چلی جائے تو بتائیے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے۔“

مولانا مدنی نے کیا خوب فرمایا۔

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ہر کجا پستی است آب آنجا رود

تَوَجَّهْنَا: ”جواب ہر مشکل سوال ہی کا طلب کیا جاتا ہے اور پالی ہمیشہ

نشیب ہی کی طرف ہوتا ہے۔“

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تکبر سے بچنے کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ اپنی تعریف لوگوں سے برتر نہ بنے اگر کوئی شاگرد، متقدمی، عقیدت مند تعریف کریں کہ امام صاحب .. آپ تو ماشاء اللہ .. آپ کا بیان تو ماشاء اللہ .. آپ کے درس کا تو کیا نیا آجنا .. تو فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔ اور سمجھائیں کہ خُلوُق کی تعریف کے بجائے خالق جَلَّ جَلالہ کی تعریف کریں، درس کا مقصد ہی یہی تھا کہ خُلوُق کا تاثر دلوں سے نکل جائے، دل اللہ تعالیٰ سے متاثر ہوں۔ اور دوسرا تعریف کرنے کا نقصان یہ ہے کہ نظر لگ جاتی ہے، حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہر جگہ خالق رب العزت کی تعریف کی جائے کہ اسی کا نام ”الْحَمْدُ“ ہے۔

اور دل میں اپنے آپ کو خطاب کر کے کہے یہ بے چارہ دھوکہ میں آگیا ہے

..... اللہ کریم جَنَّ جَلَّالًا کا کرم ہے کہ اس نے مجھ پر ستاری والا معاملہ کیا ہوا ہے..... اگر وہ میرے محبوب، گناہ کھول دیں تو کوئی میرے پاس نہ بیٹھے..... شیخ عبد اللہ بن حسین الموہبان اپنی کتاب "تحاسن العلماء" میں فرماتے ہیں:

"علماء راحین شیطان کی ادنیٰ مشابہت و پیروی سے بھی جان چھڑاتے ہیں۔ شیطان انہیں اس طرح بہکا تا ہے۔ صدقے جاؤں آپ پر میں نے تو آپ جیسا پاک طینت عالم نہیں دیکھا۔ (حضرت کی تعریف میں قلابے ملائے جاتا ہے ان میں ایسے مرید بھی ملتے ہیں جو دراصل شیطان کی مدد کرتے ہیں) اس سے اگر دل میں بے ادبی پیدا ہوگئی تو ہلاک ہو گیا اور اگر اس سے خود کو بچا لیا تو مامون ہو گیا۔" ۱

حضرت ہلال بن اساف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں حضرت رقیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت! کچھ نصیحت فرما دیجیے۔

انہوں نے فرمایا:

"لَا تَعْرِضْكَ يَا هَلَالُ أَكْثَرُهُ نِثَامِ النَّاسِ عَلَيْكَ، فَإِنَّ النَّاسَ لَا يَعْلَمُونَ مِنْكَ إِلَّا ظَاهِرَكَ."

ترجمہ: "اے ہلال! تمہیں لوگوں کی تعریف اپنے بارے میں دھوکہ نہ دے کہ (لوگ تمہاری خوب تعریف کریں اور تم اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھنے لگ جاؤ) اس لیے کہ لوگ تو صرف تمہارے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔" ۲

حضرت سری سقطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بارگاہ میں داخل ہو جائے جہاں پر بہت سارے درخت ہوں اور ان درختوں میں بہت سارے پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور ہر پرندہ اپنی اپنی زبان میں اس شخص سے مخاطب ہو کر

۱۔ تحاسن العلماء، تلبیس علی التلبیس علی الدعاء وطلاب العلم، ص ۱۶۴

۲۔ تابعین کے والعات، ۱/۱۰۵

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ نَوَافِلُ

کے "اَلْاِسْلَامُ عَلَیْكَ يَا وَلِیُّ اللّٰہِ" اور یہ سن کر وہ مطمئن ہو جائے (تو اس کی بلاکت شروع ہوگئی) اور وہ اس مخلوق کے ہاتھ میں قیدی بن گیا۔" ۱

عالم عارف کو دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ میں تو اب پہنچ گیا یا میرا مقام اونچا ہو گیا، بلکہ ہمیشہ حسن خاتمہ کی فکر کرتے رہنا چاہیے اور نفس کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اگر اعمال کی پابندی ہے، گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہے تو چاہے کوئی کرامت بھی نظر نہ آئے لیکن شکر کرے۔

اور اللہ نہ کرے اگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں اور بہت سی کرامات بھی نظر آتی ہیں تو وہ شیطان کا دھوکہ ہے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ لوگوں کی نظریں علماء پر ہوتی ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اتنی بزرگ ہستیاں ہیں کہ نہ وہ غلطیاں کرتے ہیں نہ ہی کوئی لغزش حلاں کہ یہ علماء، ائمہ کرام بھی انسان ہیں ان سے بھی غلطیاں اور لغزشیں ہو سکتی ہیں اور وہ بھی رہتی ہیں اور انہیں بھی اپنی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، خاص کر اگر انہیں ایسے چیلے یا جاہلوں کی مجلس میسر آ جائے اور خود ان کا کسی شیخ صالح سے اصلاحی تعلق بھی نہ ہو تو وہ ایک عالم اور ایک امام کو دوسرے امام سے لڑواتے ہیں وہ اس طرح کہ ایک امام کے پاس آکر کہتے ہیں کہ۔

فلاں حضرت آں جناب کے متعلق اس طرح گستاخی کر رہے تھے، اور وہاں دوسرے امام کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ اس امام نے اپنی مجلس میں آپ کے متعلق یہ باتیں کہی ہیں۔

لہذا اگر یہ دونوں عالم فیثت اور بدگمانی سے بچنے والے نہیں ہوتے تو انہیں کے اس جال میں پھنس جاتے اور آپس میں حسد و عجب، اور دوسری روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۱۔ حلیۃ الاولیاء، طبقات اہل المشرق، ۱۰/۱۲۱، رقم: ۱۴۷۰۵

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ نَوَافِلُ



ماہرین علماء نے تلبیسات ابلیس کو مختصر اس طرح بتلایا ہے کہ ابلیس ثقیطی طوی ہے۔ علماء کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ جیسا ذی علم تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں میں اپنے سب جاننے والوں میں آپ کو سب سے زیادہ صاحب علم سمجھتا ہوں۔ شیطان کی یہ بات اگر اس عالم کے دل میں گھر کر جاتی ہے تو وہ تکبر و عجب کی وجہ سے ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے۔

یا پھر شیطان دو اماموں کو اس طرح لڑواتا ہے کہ

”ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو پہاڑ بنا کر دکھاتا ہے۔ اور اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف ذرہ برابر کوئی بات صادر ہوتی ہے تو آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا فرقہ الگ ہے یہ صوفی ہے، یا سلفی ہے یا تبلیغی ہے وغیرہ وغیرہ، اللہ ہم ان چیزوں سے محفوظ رکھے اور معاف فرمائے۔“

### غیبت، کینہ اور بدگمانی

اگر ہم ائمہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد اور ہمارے شاگردوں سے دین کا کام لیا جائے تو ہمیں بدگمانی اور غیبت سے بہت ہی زیادہ بچنا ہوگا۔

خصوصاً اپنے ساتھیوں کی جو کہ علماء ہوں یا ائمہ مساجد یا مدرسین ہوں۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی غیبت کے بارے میں فرماتے ہیں:

الْغَيْبَةُ إِذَا كَانَتْ فِي أَهْلِ الْعِلْمِ وَحَمَلَةِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ قَبِيحٌ كَبِيرٌ

تَرْجُمہ: ”یعنی غیبت کرنے کی صفت جب اہل علم اور حاملین قرآن میں موجود ہو (ویسے تو یہ ہر آدمی کے حق میں گناہ کبیرہ ہے لیکن) ان کے حق میں بہت ہی بڑا گناہ ہے۔“

ملہ تحاشد العلماء، تلبیس ابلیس علی الدعاة وطلاب العلم، ص ۱۶۴

ملہ معنی المحتاج: ۱۲۷/۴

سفیان بن حسین کہتے ہیں کہ میں ایسا بن معاویہ کے پاس تھا ان کے پاس ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے اب میں اٹھنا چاہ رہا تھا مگر ڈر لگتا تھا میں چلا جاؤں تو یہ شخص میرے خلاف ایسا کے کان نہ بھرے۔ جب وہ اٹھ گیا تو میں نے اس کے خلاف کچھ باتیں ایسا سے کہیں۔ ایسا نے مجھے کہا: خاموش ہو جاؤ اور پھر مجھ سے پوچھا:

”اَعَزَّوْتَ الدِّیْلَمَ قُلْتُ: ”لَا“ قَالَ: ”فَعَزَّوْتَ الرُّومَ۔“

قُلْتُ: ”لَا“ قَالَ: ”فَعَزَّوْتَ الْهِنْدَ“ قُلْتُ: ”لَا“ قَالَ: ”فَسَلِمَ

مِنْكَ الدِّیْلَمُ، اَلْهِنْدُ، وَالرُّومُ، وَلَيْسَ يَسْلِمُ مِنْكَ

أَخُوكَ هَذَا“ قَالَ: ”فَمَا عُدْتُ إِلَيَّ ذَلِكَ بَعْدُ“

تَرْجُمہ: ”آپ نے رومیوں کے ساتھ جہاد کیا؟“ کہنے لگا ”نہیں“

پوچھا ”سندھ اور ہند کے جہاد میں شریک ہوئے؟“ کہا ”نہیں“

فرماتے لگے ”روم، سندھ اور ہند کے کفار تو آپ سے محفوظ رہے لیکن

بے چارہ اپنا ایک مسلمان بھائی آپ سے نہ بچ سکا، اور زبان کی تلمار اس

پر چلا دی، سفیان کہتے ہیں مجھ پر ان کے اس حملے کا اس قدر اثر ہوا کہ

زندگی بھر پھر کسی کی غیبت نہیں کی۔“

غیبت چاہے کسی کی بھی ہو بہت ہی بری اور گندی بات ہے، لیکن علماء کی

غیبت، اور پھر دوسرے کتب فکر کے سارے علماء کی جی بھر کر غیبت، اور پھر مسجد میں

بیٹھ کر، یہ ”ظَلَمْتُ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ“ ہیں۔

حضرت مفتی زین العابدین رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے ایک موقع پر فرمایا: ”ایک

سے فرد واحد کی غیبت اور ایک ہے بہت سارے لوگوں کی غیبت، مثلاً کراچی کے

فلان طبقہ کے لوگ ایسے ہیں ..... افریقی لوگوں میں یہ عیب ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اب

ملہ ماخذہ تنبیہ الغافلین: ص ۸۸، الغیبة رقم: ۲۰۰

پورے کراچی پورے افریقہ کے لوگوں کی اجتماعی غیبت کر کے اجتماعی گناہ حاصل کر لیے۔“

ہم ائمہ کی دوستی علماء ہی سے ہوتی ہے اور ان کی کسی بات سے دل نہ کھٹے پر ان حضرات کی دانستہ و نادانستہ غیبت ہو جاتی ہے، لہذا اس سے خوب بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آخرت کے خوف سے تو بچنا ہی چاہیے، دنیا کے لیے بھی یہ مراقبہ کرنا چاہیے کہ جو علماء پر اعتراض کرتا ہے علماء کی غیبت کرتا ہے علماء کی بے ادبی کرتا ہے۔ عموماً اس کی اولاد سے آگے دین کا کام نہیں لیا جاتا۔ یہ بہت خوف اور ڈر کی بات ہے۔ اپنی اولاد ہی کی حفاظت کی خاطر تکلفاً کوشش فرمائیں کہ کسی بھی مکتب فکر کے علماء کی غیبت نہ ہو۔

وَقَدْ نَقَلَ الْإِمَامُ النَّوَوِيُّ عَنِ الْحَافِظِ ابْنِ عَسَاكَرٍ أَنَّهُ قَالَ: إِذْ لَمْ يَأْخُذْ بِأَخِي. وَفَقْنَا اللَّهَ وَإِيَّاكَ لِمَرْضَاتِهِ، وَجَعَلْنَا مِنْ يَخْشَاهُ وَيَتَّقِيهِ حَقُّ تَقَاتِهِ. أَنَّ لُحُومَ الْعُلَمَاءِ مَسْمُومَةٌ، وَعَادَةُ اللَّهِ فِي هَتِكِ أَسْأَرِ مُنْتَفِصِيهِمْ مَعْلُومَةٌ، وَأَنَّ مَنْ أَطْلَقَ لِسَانَهُ فِي الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ أَوْ بِالْعَيْبِ وَالْإِنْتِقَاصِ ابْتَلَاهُ اللَّهُ تَعَالَى قَلْبَ مَوْتِهِ بِمَوْتِ الْقَلْبِ.

ترجمہ: ”امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے:

”اے میرے بھائی! جان لو اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرتے ہیں جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، کہ علماء کا گوشت زہر آلود ہے اللہ کی عادت (عذاب دینے کی) ان کی پردہ دری اور عیب نمائی میں معلوم ہے، تو جس نے اپنی

زبان کو علماء کی عیب جوئی اور عیب نمائی میں استعمال کیا اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے دل کی موت (یعنی ذلت کی موت) مارے گا۔“

جس طرح غیبت بڑا گناہ ہے اسی طرح کینہ رکھنا بھی بہت سخت گناہ ہے اور بسا اوقات یہ کینہ (بغض) بھی غیبت کا سبب بنتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”يُطْلَعُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى خَلْفِهِ لَيْلَةً يَنْصِفُ مِنْ شَعْبَانٍ،

فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا لَاشْنَيْنِ: مُشَاحِنٍ أَوْ قَاتِلِ نَفْسٍ.“

ترجمہ: ”شعبان کی پندرہویں میں اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے بارے

میں اطلاع دی جاتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ہر ایک مومن کی مغفرت

فرما دیتے ہیں سوائے کینہ رکھنے والے اور کسی کو (ناحق) قتل کرنے

والے کے۔“

علماء سے کینہ رکھنا، علماء کی غیبت کرنا، علماء سے بدگمانی کرنا، علماء کی بے ادبی

کرنا، یہ بہت گندے اور برے افعال ہیں، اہل علم سے بدگمانی کی نحوست کا ایک

واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی باری رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی ہمارے

اس دور کے جلیل القدر علماء اور بزرگ و قد آور شخصیات میں سے تھے، ان کے

صاحبِ زادت نے ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ:

”ایک مرتبہ حضرت شیخ رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی بمع اہل و عیال حج کے لیے حرمین

شریفین تشریف لے گئے۔ حج کے بعد چند روز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، مولانا سعید

احمد خان رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی (جو کہ تبلیغی جماعت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے) کو

جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ کی بمع اہل خانہ اپنی مدینہ منورہ والی رہائش گاہ



میں دعوت کی، دعوت کے دوران والد محترم رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی، مولانا سعید احمد خان رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص (جو کہ مدینہ منورہ میں کاربائش تھا) آیا، اس نے جب مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازاری رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کو اس مجلس میں تشریف فرما دیکھا تو انہیں سلام کر کے خود بانہ انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور عرض کیا:

”حضرت میں آپ سے معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں“

والد ماجد رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

”بھائی کیا ہوا، میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں، نہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی ہے تو کس بات پر معاف کروں؟“

وہ شخص پھر کہنے لگا: ”بس حضرت آپ مجھے معاف کر دیں۔“

حضرت شیخ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”کوئی وجہ بتلاؤ تو سہی؟“

وہ شخص کہنے لگا: ”جب تک آپ معاف نہیں فرمائیں گے، میں بتلا نہیں سکتا۔“

تو والد صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں فرمایا:

”اچھا، ابھی معاف کیا، اب بتلاؤ کیا بات ہے؟“

وہ کہنے لگا: ”حضرت میری رہائش مدینہ منورہ میں ہی ہے، میں اپنے رفقاء اور

ساتھیوں سے اکثر آپ کا نام اور آپ کے علم و فضل کے واقعات سنتا رہتا تھا، چنانچہ میرے دل میں آپ کی زیارت و ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تمنا بڑھتی گئی، مگر کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔“

اتفاق سے چند دن قبل آپ مسجد نبوی میں نوافل میں مشغول تھے کہ میرے ایک ساتھی نے مجھے اشارے سے بتلایا کہ ”یہ ہیں مولانا محمد موسیٰ خان صاحب، جن کے بارے میں تم اکثر پوچھتے رہتے ہو“ میں نے چوں کہ اس سے پہلے آپ کو دیکھا تک

نہیں تھا، اس لیے میرے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک تصویر قائم تھا کہ پہنا ہوا لباس ہوگا، دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہوگا، لیکن جب میں نے نوافل پڑھتے ہوئے آپ کا حلیہ اور وجاہت دیکھی تو میرے ذہن میں جو پھٹے پرانے لباس کا تصور تھا، وہ ٹوٹ گیا اور دل میں آپ کے بارے میں کچھ بدگمانی پیدا ہو گئی۔

چنانچہ میں آپ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا۔ اسی رات کو خواب میں مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ انتہائی غصے میں ہیں، میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے ایسی کیا غلطی ہو گئی کہ آپ ناراض دکھائی دے رہے ہیں؟“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میرے موسیٰ کے بارے میں بدگمانی کرتے ہو، فوراً میرے مدینے سے نکل جاؤ۔“ میں خوف سے کانپ گیا، فوراً معافی چاہی، فرمایا: ”جب تک ہمارا موسیٰ معاف نہیں کرے گا میں بھی معاف نہیں کروں گا۔“

یہ خواب دیکھنے کے بعد میں بیدار ہو گیا اور اس دن سے میں مسلسل آپ کو تلاش کر رہا ہوں مگر آپ کی جائے قیام کا پتہ نہیں لگا سکا۔ آج آپ سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی تو معافی مانگنے کے لیے حاضر ہو گیا ہوں۔ حضرت شیخ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے جب یہ واقعہ سنا تو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔“

## ”حسد“ ایک باطنی بیماری ہے

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہری اعمال میں بعض چیزیں فرض و واجب قرار دی ہیں، اور بعض چیزیں گناہ و مکرار دی ہیں، اسی طریقے سے ہمارے باطنی اعمال میں بہت سے اعمال فرض ہیں اور بہت سے اعمال گناہ اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا اور اجتناب کرنا بھی اتنا ہی

ضروری ہے جتنا ظاہر کے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

حسد کی لازمی خاصیت یہ ہے کہ یہ حسد انسان کو غیبت، عیب جوئی، چغل خوری اور بے شمار گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اس لیے کہ جب تم اس کی غیبت کرو گے اور اس کے لیے بددعا کرو گے تو تمہاری نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں چلی جائیں گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جتنا حسد کر رہے ہو، اپنی نیکیوں کے پیکٹ تیار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو تو اس کا تو فائدہ ہو رہا ہے، اب اگر ساری عمر حسد کرنے والا حسد کرے گا تو وہ اپنی ساری نیکیاں گنوا دے گا اور اس کے نامہ اعمال میں ڈال دے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، أَوْ قَالَ: الْعُشْبَ.“

ترجمہ: ”حسد سے بچو، اس لیے کہ یہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے۔“

راوی کو شک ہے کہ آپ نے ”لکڑی“ کا لفظ بیان فرمایا تھا یا ”سوکھی گھاس“ کا لفظ فرمایا تھا یعنی جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو جھسم کر ڈالتی ہے، ختم کر دیتی ہے، اس طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

## حسد کی آگ سلگتی رہتی ہے

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ جو منوں میں سب کچھ جلا کر

ختم کر دیتی ہے۔ اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے۔ اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بل کہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی۔ حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی۔ اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

## حسد سے بچنا فرض ہے

لیکن اگر ہم اپنے معاشرے اور ماحول پر نظر دوڑا کر دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ حسد کی بیماری معاشرے کے اندر چھائی ہوئی ہے، اور بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس بیماری سے بچے ہوئے ہیں، اور اس سے پاک ہیں۔ ورنہ کسی نہ کسی درجے میں حسد کا دل میں گزر رہا جاتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔ اس سے بچے بغیر گزار نہیں، لیکن ہمارا اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم اس بیماری کے اندر مبتلا ہیں، اس لیے اس سے بچنے کے لیے بہت اہتمام کی ضرورت ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تَبَاغُضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَتَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَجِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ،

ترجمہ: ”آپس میں بغض مت رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ ہی ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو۔ اور آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ اور کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر لے۔“



## حسد کے اسباب

شیخ عبد اللہ بن حسین الموحان اپنی کتاب "تَحَاذُّ الْعُلَمَاءِ" میں حسد کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

جب بیماری کا پتہ چلتا ہے تو اس کا علاج آسان ہوتا ہے جب سبب کا پتہ چلتا ہے تو تریاق سے اس کا مداوا ممکن ہوتا ہے۔ علماء کے باہم حسد کے کئی اسباب ہیں جن میں اہم یہ ہیں:

۱) تَنَافُسُ الْأَقْرَانِ ..... ہم عصروں میں فخر و مسابقت،

۲) وَالْهَوَايَ وَالْغَرَضُ وَحُبُّ الدُّنْيَا. نفسانی خواہش، خود غرضی اور دنیا کی محبت،

۳) وَالْإِخْتِلَافُ الْمَذْهَبِي الْفِقْهِي. مسلک و مشرب کا اختلاف،

۴) وَالْإِخْتِلَافُ فِي الْعَقِيدَةِ .... عقیدے کا اختلاف۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

حسد کی بنیاد ہے حب دنیا اور حب جاہ، یعنی دنیا کی محبت، اور جاہ کی محبت، اس لیے حسد کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور جاہ کی محبت نکالنے کی فکر کرے، اس لیے کہ تمام بیماریوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ دنیا کتنے دن کی ہے، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی۔ انسان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

دنیا کی لذتیں، دنیا کی نعمتیں، اس کی دولتیں، اس کی شہرت، اس کی عزت، اور اس کی ناپائیداری پر انسان غور کرے، اور یہ سوچے کہ کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر انسان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

شیخ عبد اللہ بن حسین الموحان وَحُبُّ الدُّنْيَا فرماتے ہیں:

”جب لوگ کسی جگہ، بازار، مدرسہ یا کسی مسجد کے پڑوس میں ایک ساتھ رہتے ہوں، اور مختلف اغراض لیے ایک ساتھ کام کرتے ہوں تو پھر یہ لوگ آپس میں ضد، نفرت اور بغض کرنے لگتے ہیں اور پھر اس سے حسد کے باقی اسباب بھی جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ دیکھتے ہیں کہ عالم، عالم کے ساتھ حسد کرتا ہے نہ کہ عابد کے ساتھ، اور عابد عابد کے ساتھ حسد کرتا ہے نہ کہ عالم کے ساتھ، اور تاجر تاجر کے ساتھ حسد کرتا ہے۔ بل کہ موچی موچی کے ساتھ حسد کرتا ہے اور کپڑا فروش کے ساتھ حسد نہیں کرتا۔“

(مصوب ہوا کہ) ان کے باہم حسد کرنے کی وجہ ایک جیسے پیشہ اختیار کرنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے اسی لیے (ہر) آدمی دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اپنے سنگے بھائی اور چچا زاد بھائی سے زیادہ حسد کرتا ہے، اور عورت اپنی ساس، منڈ اور جیٹھانی کے بہ نسبت اپنی سون سے زیادہ حسد کرتی ہے۔ موچی کے کپڑا فروش کے ساتھ حسد نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا کام اور رخ الگ الگ ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کر کے نہیں لڑتے۔

جب کہ اس کے برخلاف ایک صاحب دولت کپڑا فروش کے کام میں دوسرا کپڑا فروش مداخلت کر کے رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اسی وجہ سے غیر تربیت یافتہ علماء بھی باہم حسد کرتے ہیں کہ عالم چاہتا ہے اس کا ایک علمی مقام ہو جس میں اس کے ساتھ کوئی بحث نہ کر سکے، اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی بات نقل نہ کی جائے اور نہ اس کے سوا کسی اور سے فتویٰ لیا جائے، لوگوں کا رجوع اسی کی طرف ہو۔ جب (یہ دیکھتا ہے کہ) لوگ کسی اور عالم کے ساتھ بیٹھتے ہیں، اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے فتویٰ لیتے ہیں، تو یہ اس کے لیے جھگڑا اور حسد کا سبب بنتا ہے (کہ اس سے فتوے کیوں پوچھتے جا رہے ہیں) اور پھر یہیں سے علماء آپس میں حسد کرنے لگتے

### حد سے بچنے کا نسخہ

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر بڑھتی جائے گی اسی قدر دل حسد، کین اور بغض سے پاک ہوگا چنانچہ شیخ عبد اللہ بن حسین الموحان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ کی عظمت اور آسمان وزمین اس کی شہنشاہیت میں غور و فکر ہی تمام لذتوں کا خلاصہ ہے۔ جب یہ بات دل میں بیٹھ جائے گی تو اس کی قدرت و جہال سے دل بھر جائے گا تو دل میں حسد کے لیے جگہ نہیں بچے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر حسد کر رہا ہے، وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہی ہے یہ خیال دل میں آئے ہی بجائے اس کے کہ وہ اس بندہ خدا سے حسد کرے، اس سے اور موافقت پیدا ہو جائے گی۔

مزید برآں یہ کہ قدرت الہی میں غور و فکر میں جو شہدہ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ بندہ پنجم خود جنت کے باغات اور اس کی نہروں کا مشاہدہ کرے۔ کیوں کہ عارف کی جنت و نعمت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول ہے (جب معرفت حاصل ہو جائے گی پھر اسے کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ کیوں کہ معرفت ہمیشہ رہتی ہے)۔ وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنے علم کی ترقی کے ساتھ اسے ترقی دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا پھل ہے جس کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین باہم حاسد نہیں ہوتے۔ بل کہ وہ تو ایسے ہوتے ہیں جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ عَنَّا مَا فِیْ حُصُوْدِهِمْ مِنْ غَلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُوْرِ مُتَقَبِّلِیْنَ﴾

تَوَجَّہْ: اور نکال دی ہم نے ان کے سینوں سے خشکی، بھائی ہو گئے تھتھو

پر بیٹھے آمنے سامنے۔“

شیخ موحان صاحب آگے فرماتے ہیں:

”یہ تو ان کی دنیاوی زندگی کی حالت ہے۔ پس کیا گمان کیا جائے گا ان پر آخرت میں کہ جب ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل پردہ ہٹ جائے گا اور وہ لوگ اپنے محبوب کا دیدار کر لیں۔“

اس وقت تو نہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ جنت میں لوگ ایک دوسرے سے کسی غنی بات پر حسد کریں گے اور نہ یہ کہ جو دنیا میں ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے تو وہ جنت میں آکر یہاں بھی حسد کریں گے، اس لیے کہ جنت میں نہ تو کوئی تنگ نظری اور کم ظرفی ہوگی اور نہ کوئی مزاحمت۔

اور یہاں تک تو وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہو اور دنیا میں ایک دوسرے سے مزاحمت نہ کی ہو۔ معلوم ہوا کہ جنت (عِلِّیِّیْنَ) میں جانے والے لوگ نہ تو دنیا میں باہم حسد کرتے ہیں اور نہ جنت میں حسد کریں گے، بل کہ حسد کرنا تو ”عِلِّیِّیْنَ“ (جنت) کی وسعت سے دور اور ”سِجِّیْنَ“ (دوزخ) کی تنگی کی طرف جانے والے لوگوں کی صفات میں سے ہے اسی لیے تو شیطان مردود کو اس صفت سے متصف کیا گیا اور حسد کو اس کی صفات میں سے قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ اس نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے حسد کیا اس مرتبہ کے دیئے جانے پر جو آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ خاص کیا گیا (یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننا) جب شیطان سے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرنے کا کہا گیا تو اس نے تکبر و انکار کیا اور سرکش و نافرمان ہوا۔“

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حسد اس مقصود کے حاصل کرنے میں کیا جاتا ہے جو سب لوگوں کو نہ دیا گیا ہو (بل کہ بعض کو دیا گیا ہو) یہی وجہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو آسمان کی خوب صورتی کی طرف نظر دوڑانے میں باہم حسد کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا



(اس لیے کہ آسمان کی خوبصورتی سب کے لیے ہے)۔<sup>۱۷</sup>

## محسودین کے حق میں دعا کرنا

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

”بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب دل میں دوسرے کی نعمت دیکھ کر حسد اور جلن پیدا ہو تو اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ! یہ نعمت جو آپ نے اس کو عطا فرمائی ہے، اور زیادہ عطا فرما اور جس وقت وہ یہ دعا کرے گا۔ اس وقت دل پر آرسے چلیں گے اور یہ دعا کرنا دل پر بہت شاق اور گراں گزرے گا لیکن زبردستی یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما، اس کی نعمت میں اور برکت عطا فرما اور ساتھ ساتھ اپنے حق میں بھی دعا کرے کہ یا اللہ! میرے دل میں اس کی نعمت کی وجہ سے جو کڑھن اور جلن پیدا ہو رہی ہے اپنے فضل اور رحمت سے اس کو ختم فرما، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین کام کرے:

① اپنے دل میں جو کڑھن پیدا ہو رہی ہے، اور اس کی نعمت کے زوال کا جو خیال آ رہا ہے، اس کو دل سے برا سمجھے۔

② اس کے حق میں دعائے خیر کرے۔

③ اپنے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ! میرے دل سے اس کو ختم فرما، ان تین کاموں کے کرنے کے بعد بھی اگر دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیال آ رہا ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا ان شاء اللہ، اگر دل میں خیال تو آ رہا ہے، لیکن اس خیال کو برا نہیں سمجھتا ہے، اور نہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے، نہ اس کی تلافی کرتا ہے تو اس صورت میں وہ گناہ سے خالی نہیں۔<sup>۱۸</sup>

۱۷ نحاسد العلماء، المبحث الأول، ”تألف الاقران“، ص ۱۹۹ تا ۲۰۰

۱۸ اصلاحی خطبات: ۸۲/۵، ۸۳

اسی طرح بزرگوں نے لکھا ہے کہ حامدین کے حق میں بھی دعا کی جائے چنان

چنان سے یہ دعا منقول ہے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَامِدِينَ فَإِنَّهُمْ لِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الصِّبْغِ لَا يَحْمِلُونَ رُوِيَةَ النِّعَمِ الَّتِي عَلَيْنَا دُونَهُمْ وَلَوْ أَنَّمَا نَفَرَسُهُمْ لَمْ يَقْعُوا فِي حَسَدِنَا“۔<sup>۱۹</sup>

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمارے حامدین کی مغفرت فرما جو تنگ نظری کی بناء پر ہمیں نعمتوں میں نہیں دیکھ سکتے اگر ان کے دل وسیع ہوتے تو وہ ہم سے حسد نہ کرتے۔“

## حسد سے بچنے پر انصار کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے انصار کی تعریف یوں فرمائی ہے:

﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾<sup>۲۰</sup>

”اُنّی حَسَدًا وَعَظِيمًا مِمَّا أُوتِيَ الْمُهَاجِرُونَ، وَفِيمَا أُوتُوا: قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا: مَالُ الْفَيْءِ، وَالثَّانِي: الْفَضْلُ وَالْتَقَدُّمُ“۔<sup>۲۱</sup>

ترجمہ: ”وہ اپنے سینوں میں کوئی غرض (حسد) نہیں رکھتے جو کچھ ان (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے، بل کہ اپنے اوپر (انہیں) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ اس کے زیادہ محتاج ہیں۔“ (یعنی اپنے مہاجر بھائیوں کو جو کچھ دیتے ہیں)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے فرمایا ہے:

”(اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا کہ) وہ اپنے سینوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے یعنی جو کچھ مہاجرین کو دیا جاتا ہے۔ اس پر دلوں میں حسد اور غصہ نہیں رکھتے۔“

۱۹ مناجات الصالحین: ۲۲۹

۲۰ زاد المسیر: ۷۲/۸، البحر: ۹

﴿يَمَّا أَوْتُوا﴾ میں دو قول ہیں: حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا قول ہے: ”مال فنی میں جو زائد مقدار انہیں دیا جاتا تھا اس میں حسد نہیں کرتے تھے“ اور امام ماوردی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”فضیلت اور تقدم میں جو مال اور مرتبہ ان کو دیا جاتا تو اس پر حسد نہیں کرتے تھے۔“ اور حسد تو ان چیزوں میں ہوتا ہی ہے۔“  
یہود کی اللہ تعالیٰ نے اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ مسلمانوں سے حسد کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ایک جگہ مسلمانوں سے حسد کرنے کی بناء پر یہود کی (مذموم) صفت بیان کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾<sup>۱</sup>

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾<sup>۲</sup>

تَرْجُمَہ: ”ان اہل کتاب (یہود) کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد (و بغض) کی بناء پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔“

”یا یہ (یہود) لوگوں سے حسد کرتے ہیں، اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے۔“

امام مقتدیوں کو کینہ (حقد) کے نقصانات بتلائے

جب شعبان کی تیرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی مغفرت فرماتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رو کو چھوڑ دیتا ہے ان کے کینہ روی میں، یہاں تک کہ وہ خود ہی کینہ کو چھوڑ دے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”(بندے کے) اعمال ہر ہفتے کے پیر اور جمعرات والے

دن اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ (اس دن) ہر مومن بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے مگر جب دو شخصوں کے درمیان کینہ ہو (ان کے لیے) کہا جاتا ہے انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ ٹھیک ہو جائیں۔“ طبرانی کی روایت میں ہے کہ بندے کے اعمال پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں مگر کینہ رو اور رشت توڑنے والے کی مغفرت نہیں فرماتے۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ”پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان سب کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے مگر کینہ رو کی مغفرت نہیں کی جاتی۔ اور کہا جاتا ہے انہیں رہنے دو یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔“<sup>۳</sup>

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ”اعمال جمعہ اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں ان دنوں ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں کی جاتی اور کہہ دیا جاتا ہے۔ انہیں پیچھے کرو یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔“<sup>۴</sup>

امام طبرانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی روایت کرتے ہیں کہ ”(بنی آدم کے) اعمال ہر پیر اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ رحم طلب کرنے والے پر رحم کیا جاتا ہے اور مغفرت طلب کرنے والے کی مغفرت کر دی جاتی ہے مگر کینہ رو کو اس کے کینے میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔“<sup>۵</sup>

۱۔ مسلم، البر والصلۃ، باب النہی عن الشحۃ: ۳۱۷/۲

۲۔ مجمع الزوائد، الأدب، باب ما جاء فی الشحۃ: ۷۸/۸، رقم: ۱۲۹۶۵

۳۔ مسلم، البر والصلۃ، باب النہی عن الشحۃ: ۳۱۷/۲

۴۔ مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی المهاجرة: ۷۰۷

۵۔ الترغیب والترہیب، الأدب، باب الترہیب من التہاجر: ۳۰۷/۳



اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت پندرہویں شعبان کی رات کو دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ مگر مشرک اور جس کے دل میں کینہ ہو اس کی مغفرت نہیں فرماتے۔“

**امام مقتدیوں کو سمجھائے کہ کافر کو بھی دھوکہ دینا گناہ ہے**

کوفہ کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس کے امیر کو یہ خط لکھا:

”مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے کچھ ساتھی کبھی موٹے تازے کافر کا پیچھا کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کافر دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور خود کو محفوظ کر لیتا ہے تو پھر اس سے تمہارا ساتھی (فارسی میں) کہتا ہے ”مطرس“ یعنی مت ڈرو (یہ کہہ کر اسے امان دے دیتا ہے وہ کافر خود کو اس مسلمان کے حوالے کر دیتا ہے) پھر یہ مسلمان اس کافر کو پکڑ کر قتل کر دیتا ہے (یہ قتل دھوکہ دے کر کیا ہے) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! آئندہ اگر مجھے کسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے ایسا کیا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کسی نے انکی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کسی مشرک کو امان دے دی اور وہ مشرک اس وجہ سے اس مسلمان کے پاس آگیا اور پھر مسلمان نے اسے قتل کر دیا تو (یوں دھوکہ دے قتل کرنے پر) میں اس مسلمان کو ضرور قتل کروں گا۔“

سہ الترغیب والترہیب، الأدب، باب الترہیب من النہاج: ۳۰۷/۳

سہ مطا للإمام مالک، باب ما جاء فی الوقایہ بالأمان، ۴۶۶

سہ کنز العمال، الثانی، الجہاد الامان: ۲۰۶/۴، رقم: ۱۱۴۵

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے ”تستر“ (شہر) کا محاصرہ کیا (آخر محاصرہ اور جنگ سے تنگ آ کر تستر کے حاکم) ہرمزان نے اپنے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ پر اترنا قبول کیا۔ میں اس کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے اس سے فرمایا: ”کہو کیا کہتے ہو؟“

اس نے کہا: ”زندہ رہنے والے کی طرح بات کروں“ یا ”مر جانے والے کی طرح؟“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”لا بئس“ یعنی تم اپنے بارے میں مت ڈرو۔ ہرمزان نے کہا اے قوم عرب! جب تک اللہ تعالیٰ خود تمہارے ساتھ نہ تھے بل کہ اللہ نے معاملہ ہمارے اور تمہارے درمیان چھوڑ رکھا تھا اس وقت تک تو ہم تمہیں اپنا غلام بناتے تھے، تمہیں قتل کرتے تھے اور تم سے سارا مال چھین لیا کرتے تھے لیکن جب سے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں اس وقت سے ہم میں تم سے مقابلہ کی بھی طاقت باقی نہیں رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (مجھ سے) پوچھا: ”(اے انس!) تم کیا کہتے ہو؟“

میں نے کہا: ”اے امیر المؤمنین! میں اپنے پیچھے بڑی تعداد میں دشمن اور ان کا بڑا دبدبہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اگر آپ اسے قتل کر دیں گے تو پھر اس کی قوم اپنی زندگی سے ناامید ہو کر مسلمانوں سے لڑنے میں اور زیادہ زور لگائے گی (اس لیے آپ اس کو قتل نہ کریں)“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میں براء بن مالک اور حذافہ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جیسے بہادر صحابہ) کے قاتل کو کیسے زندہ چھوڑ دوں؟“

میں نے کہا: ”آپ اسے قتل نہیں کر سکتے کیوں کہ آپ اس سے ”لا بئس“ تم مت ڈرو اور بات کرو کہہ چکے ہیں (اور لا بئس کہنے سے جان کی امان مل جاتی

ہے۔ لہذا آپ تو اسے امان دے چکے ہیں)۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”معلوم ہوتا ہے تم نے اس سے کوئی رعوت لی ہے اور اس سے کوئی مفاد حاصل کیا ہے؟“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”اللہ کی قسم! میں نے اس سے نہ رشوت لی ہے اور نہ کوئی مفاد (میں تو ایک حق بات کہہ رہا ہوں)“ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”تم اپنے اس دعویٰ (”لَا بَأْسَ“ کہنے سے کافر کو امان ملی جاتی ہے) کی تصدیق کرنے والا کوئی اور گواہ اپنے علاوہ لاؤ ورنہ میں تم سے ہی سزا

کی ابتداء کروں گا۔“ چنانچہ میں گیا، مجھے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے، میں ان کو لے کر آیا انہوں نے میری بات کی تصدیق کی، جس پر حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے بیت المال میں سے وظیفہ مقرر کیا۔<sup>۱</sup>

لہذا اہم ائمہ کو چاہیے کہ اپنے مقتدیوں کو سمجھائیں کہ جب دھوکہ کافر اور مشرک کو دینا گناہ ہے تو کسی مسلمان کو دھوکہ دینا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔

### ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے اور ان کی ادائیگی کی فکر کرنے لگے،

لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے تو پھر یہ علمی کبر و غرور ہے جو اہل علم کے لیے بڑا

مہلک ہے۔

کار خود کن کار بیگانہ کن

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ”مولانا الیاس

رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آخری وقت تک (تبلیغی جماعت کے بارے میں) اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے محاسبہ اور نگرانی سے غافل نہیں ہوئے، بل کہ جس

قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اور احتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے۔ بعض اوقات اہل حق اور اہل بصیرت کو بڑی

بیاحت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اور اگر کہیں عجب و کبر کا شائبہ نظر آئے تو متنبہ کریں۔“<sup>۱</sup>

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو وفات کے بعد حضرت جعفر غلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟

انہوں نے جو جواب دیا، اس میں ہم ائمہ کرام کی جماعت کے لیے بڑی فکر کی بات ہے، درود کر اللہ تعالیٰ سے یہ نعمت مانگنے کی ضرورت ہے اور اپنے کمرہ میں یہ نصیحت..... لکھ کر رکھنے کی ضرورت ہے فرمایا:

”طَاحَتْ بِكَ الْإِشَارَاتُ، وَغَابَتْ بِكَ الْعِبَارَاتُ، وَفَنِيَتْ

بِكَ الْعُلُومُ، وَفَنَدَتْ بِكَ الرُّسُومُ، وَمَا نَفَعْنَا إِلَّا رَكَعَاتُ

كُنَّا نَرَكُّعُهَا فِي الْأَسْحَارِ“

ترجمہ: ”وہ اشارے مٹ گئے، وہ عبارتیں غائب ہو گئیں، وہ علوم فنا

ہو گئے اور وہ نقوش ختم ہو گئے، ہمیں تو صرف ان چند رکعتوں نے فائدہ

دیا جو ہم سحری کے وقت پڑھا کرتے تھے۔“<sup>۲</sup>

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر کسی کو اپنے علم پر تازہ و توش ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا حق تعالیٰ

آپ کو ارشاد فرماتے ہیں

﴿وَلَيْنُ شِئْنَا لَنُدْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ  
عِلْمَيْنَا وَكَيْلًا﴾ ۱

یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو دیئے ہوئے علوم و فقہ سلب کر لیں پھر آپ کا کوئی  
کار ساز بھی نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے کتنا ہول ناک خطاب ہے۔ آپ ڈر گئے ہوں گے اس لیے آگے فرمایا  
﴿إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ﴾ ۲ بس رحمتِ خداوندی ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی  
ساتھ نہیں دے سکتا۔

اگلے کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو بڑی خشیت ہو گئی تھی اس لیے آگے  
جملہ بڑھایا۔

﴿إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا﴾ ۳ چوں کہ حق تعالیٰ کا فضل آپ کے  
شامل حال ہے، اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دستی گیر ہے۔ آپ کسی طرح کا  
اضطراب نہ کریں۔ ایسا ہوگا نہیں۔ محض اظہارِ قدرت اور صحیح عقیدہ امت کے لیے  
ایسا فرمایا ہے جب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو ”تا بدیگراں چہ رسد“ ۴  
پر تاز کرنا حماقت ہے عرفاں یہ کیا ناز ہو ان میں سے کوئی جز مکتب نہیں سب عطاء  
حق ہے۔ ان کو اپنی چیز سمجھنا کبر ہے اور کبر بہت سی گندگیوں کی جڑ ہے۔ غمہ اسی سے  
پیدا ہوتا ہے۔

مہلب وزیر کے بیٹے کو حضرت مالک بن دینار رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے تکبر سے  
چلتا ہوا دیکھ کر ٹوکا تو مہلب کے بیٹے نے کہا:

”هَلْ عَرَفْتُ مَنْ أَنَا؟“

حضرت مالک بن دینار رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”نَعَمْ أَوْلَكَ قَطْرَةٌ“

﴿وَأَخْرَجَكَ جِبْفَةً قَدِرَةً ۖ وَأَنْتَ بَيْنَ ذَلِكَ تَحْمِلُ الْعَذْرَةَ﴾ ۱

جو ہر وقت ہر مجلس میں غلاظت اٹھائے پھرتا ہوا اگر کسی طرح اس کا اظہار ہوتا  
رہتا تو ساری شنی کر کری ہو جاتی کبھی گندہ دہنی اور کوڑھ کے ذریعہ مشاہدہ کرا دیتے  
تھا تاکہ ان کو دیکھ کر رحمتِ خداوندی یاد آ جائے۔ ۲  
اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ نَدْرِي مَا  
الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ  
مِّنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ۳  
تَرْجُمہ: ”اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا  
ہے۔ آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے۔  
لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم  
ہدایت کرتے ہیں بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی  
شک نہیں کہ آپ راہِ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں۔“

حضرت تھانوی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موهوب  
(عطا کردہ) ہیں۔ جس کو بہہ کمالات پر قدرت ہے۔ اس کو سب کمالات پر بھی  
قدرت ہے۔ تو کسی کو بھی اپنے اعمال پر ناز نہ (ہونا) چاہیے۔ ۴

امام کی لوگوں کے ساتھ بے تکلفی نقصان دہ ہے

ہر طبقہ کے اندر جب بھی حد سے زیادہ تعلقات ہو جاتے ہیں تو اکثر ایسے  
تعلقات حقارت و منافرت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں اس لیے ہر ایک کو



چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس قدر بے تکلف نہ ہو جائے کہ طرفین کو اس کا نقصان اٹھانا پڑے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک حکیمانہ قول ہے:

”الْاِتِّبَاضُ عَنِ النَّاسِ مَكْسَبَةٌ لِلْعِزَّادَةِ، وَالْاِنْسَاطُ اِلَيْهِمْ مَجْلِبَةٌ لِقُرْنَاءِ الشُّوْءِ، فَكُنْ بَيْنَ الْمُنْقَبِضِ وَالْمُنْسَبِطِ“<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا لوگوں کو دشمن بنا لیتا ہے، اور بہت زیادہ خندہ پیشانی برے ہم نشینوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، لہذا ترش روئی اور بہت زیادہ خندہ پیشانی کے درمیان معتدل راہ

اختیار کرو۔“

ہر امام کو چاہیے کہ وہ اس قول کو ہمیشہ یاد رکھے اور اپنے مقتدیوں اور دوستوں اور شاگردوں کو اس کی نصیحت کرتا رہے، اس قول پر عمل ہم سب کے لیے بہت ہی مفید رہے گا اور ہم کو حد اعتدال کے اندر قائم رکھے گا۔

حضرت اخف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھ سے فرمایا۔

”اے اخف! جو آدمی زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے جو مذاق زیادہ کرتا ہے لوگ اسے ہلکا اور بے حیثیت سمجھتے ہیں، جو باتیں زیادہ کرتا ہے اس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں، جس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں اس کی حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اور جس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اس کا دل مُردہ ہو جاتا ہے۔“<sup>۲</sup>

۱۔ حلیۃ الاولیاء: ۱۳۰/۹، رقم: ۱۳۳۶۱

۲۔ حیا الصحابة (عربی) مواضع عمر بن الخطاب: ۴/۲۶۸

## ائمہ کرام کسی بھی عالم اور مسلک کی تحقیر نہ فرمائیں

ائمہ کرام کو چاہیے کہ کسی بھی عالم اور مسلک کی تحقیر نہ فرمائیں، کیوں کہ عالم اور مسلک کی تحقیر میں نفع کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی اہل علم پر اشکال ہو، تو وہ اشکال بصورت سوال ہو، یا اگر کسی تحقیق طلب مسئلے میں اختلاف ہو تو بھی وہ اہل علم کے درمیان ہی رہے۔

عوام کو ہرگز ہرگز اس کا علم نہ ہونے پائے کہ ہمارے امام صاحب کو فلاں عالم سے اختلاف ہے۔

ائمہ کرام علماء کی مجالس میں عموماً اور عوام الناس کی مجالس میں خصوصاً علماء کی لغزشوں کے ذکر کرنے سے بہت ہی زیادہ اجتناب اور پرہیز کریں، کسی طرح زبان پر کوئی ایسا حرف نہ لائیں، جس سے سننے والے کو کسی عالم کے درجہ میں کمی کا شعور ہو۔ اور جب ایک عالم دوسرے عالم کی برائی، عیب جوئی یا غیبت کر رہا ہے تو وہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے، کیوں کہ یہ بھی تو اسی لباس میں ملبوس ہے جس میں وہ ملبوس ہے اور پھر اس میں سب سے بڑی جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ عوام الناس کو علماء کی غیبت اور عیب جوئی کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اسی طرح ہر قسم کے تعصب سے چاہے وہ اقوال کے اعتبار سے ہو یا کہنے والوں کے اعتبار سے ہو بہت ہی زیادہ ڈرنا چاہیے اور بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے، کیوں کہ تعصب آدمی کو اوپر سے نیچے گرا دیا کرتا ہے یعنی پھر آدمی دین کی مدد، یا املاء کلمۃ اللہ کی فکر کرنے کے بجائے مناظرہ و مباحثہ سے اپنی بات کو اونچا کر رہا ہوتا ہے یا جس امام اور بزرگ کی بات وہ صحیح سمجھتا ہے بس اسی کو حرف آخر سمجھ کر دوسروں کو ذلیل کرتا ہے، اس طرح دوسروں کی غیبتیں اور جذبہ انتقام اس کو کبیرہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اخلاص (اصلاح خلق) اور رضی اللہ عنہما کی جاذبہ ختم ہو کر اس کی جگہ

اس میں نفس پرستی آ جاتی ہے، اور اپنی بات چاہے کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو اس کو درست کرنے کی فکر میں اس کے علم کا اصل نور بھی زائل ہو جاتا ہے اور حقد و کید و دروازہ کھل جاتا اور آخر میں دوفریتوں میں ایسا جھگڑا کر دیتا ہے جو دین و دنیا دونوں کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔

لہذا عمومی مجمع میں یا منبر رسول پر کسی طرح بھی یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی عالم کی شان میں نازیبا الفاظ ذکر کیے جائیں یا کسی بھی مسلک کے خلاف بات کی جائے چہ جائے کہ وہ مسلک اہل حق لوگوں کا ہو یا اہل حق کی تائید اس میں شامل ہو، پھر تو ہرگز عوام کے مجمع میں یہ بات نہ ہو۔

اسی طرح کسی بھی عالم کا عیب عوام کے مجمع میں ذکر نہ کیا جائے، اگر آپ اس عالم میں کوئی کمی پاتے ہیں تو اس کو تنہائی میں بتائیں، اگر بالمشافہ بات کرنے میں کسی قسم کی عار ہو تو تحریر ان کو مطلع فرمادیں کہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ آں جناب اس میں غور فرمائیں۔ اگر اس کے باوجود بھی وہ اپنی رائے پر مصر ہوں تو چھوڑ دیجیے۔

ہاں عوام کے سامنے آپ اپنی رائے لانا چاہتے ہیں یا آپ کو خطرہ ہے کہ یہ دین کا ایسا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے جس میں اگر لوگوں نے ان کی اتباع کر لی تو ان کے دین کے لیے خطرہ ہے اور آپ اس مقام پر ہیں کہ لوگ آپ کی بات مانتے ہیں تو آپ رد بھی کرنا چاہیں تو اپنے اہل علم ساتھیوں سے مشورہ کر لیں کہ بندہ نے یوں رد لکھنے کا ارادہ کیا ہے یا بیان میں کہنے کا ارادہ ہے۔

کہیں یہ کہنا اور لکھنا، حسد، حقد، تعصب، اور عجب کی بنا پر تو نہیں ہے؟

اس تحریر کے انداز سے یا بیان میں کبر و عجب تو محسوس نہیں ہو رہا؟

اس لکھنے سے دو سامنے والے شخص ہدایت پر آ جائیں گے، یا اللہ نہ کرے ضد پر

آکر فتنہ مزید تو نہیں پھیلے گا؟

مشورہ و استخارہ کے بعد اس پر قلم و زبان چلائیں، اکابر علماء نے اس میں بڑی

احتیاط فرمائی ہے اور جن علماء کرام سے احتیاط نہیں ہوتی تو اس کے نتائج تاریخ اسلام میں بہت برے اور انفس ناک واقع ہوئے ہیں۔

یہاں مثال کے طور پر کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں ان علماء کرام و ائمہ عظام رحمہم اللہ کے جنہوں نے علماء کے آپس کے اختلافات کو اہل علم کے درمیان ہی محدود رکھا، اور اگر اہل علم کو ادب، محبت کی زبان سے خطاب فرما کر اپنی رائے ان پر واضح فرمادی اور پھر بھی مخاطب نے رجوع نہ کیا اور مسئلہ مستحب و غیر مستحب کا بھی نہیں تھا بل کہ اصول و عقائد یا حلال و حرام کا تھا تو بھی اپنی رائے عوام پر واضح فرما دی۔

شیخ عبداللہ بن حسین الموجان کتاب "محاسن العلماء" میں لکھتے ہیں: "جن لوگوں نے اہل علم کی تحقیر کی، اور عوام کے درمیان اپنے اختلافات کو کھل کر سامنے لانے اور جس کا منشاء حقد و حسد، و تعصب مع بغض تھا یہ حقیقت میں علماء نہیں تھے جس طرح بعض اہل علم پر بعض لوگوں نے برے القابات سے رو لکھا ہے" چنانچہ شیخ نے اس کی افسوس ناک تفصیل لکھ کر فرمایا:

"اگر یہ حضرات علماء کے منہج پر کام کرتے تو جن اہل علم سے ان کو اختلاف تھا ان کو اپنا موقف بتانے کے بعد اس پر دلائل پیش کرتے، ان کے نظریہ کے خلاف دلائل سے سمجھاتے، اور نرم و میٹھی زبان استعمال فرماتے تو وہ ضرور سوچنے پر مجبور ہو جاتے، جیسے کہ تجارہ مقدس اور بلاد عربیہ کے عالم اور مفتی مملکت نے کیسے پیارے اور شائستہ انداز سے اپنے نظریہ کے مخالف شیخ ابانی پر رد لکھا ہے، فرمایا:

"أَخَوْنَا الْعُلَمَاءُ الْأَلْبَانِيُّ أَخْطَأَ بِنِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ بِدَلِيلٍ كَذَّابٍ وَكَذَّابٌ"

ترجمہ: "اے میرے بھائی علامہ البانی سے اس مسئلہ میں فلاں فلاں دلیل کی وجہ سے غلطی واقع ہوئی۔"





مذکور ہے۔

واقعہ یہ وہ لوگ تھے جو انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے وارث تھے، ہر چیز میں ان کو وراثت ملی اور ﴿حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ دُءٌ وَفٌ رَّحِیْمٌ﴾<sup>۱</sup> (جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں) سے بھی وراثت ملی۔

### کافر کو بھی کافر کہنا مکروہ ہے

حضرت محمد پالنِ حقانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی کتاب ”شریعت یا جہالت“ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَا نُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾<sup>۲</sup>  
 تَرْجُمہ: ”جو کافر اپنے کفر میں ہی مرجائیں ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔“

جو لوگ کفر کریں اور توبہ نصیب نہ ہو اور کفر ہی کی حالت میں مرجائیں ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہتی ہے اور پھر دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہے گی، نہ تو عذاب میں کمی ہوگی اور نہ اس سے پناہ ملے گی، بل کہ ہمیشہ کے لیے سخت عذاب ہوتے رہیں گے۔

حضرت قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے

۱۲۸: التوبة

۱۔ یہ کتاب ایک پرائمر مراد کا مجموعہ ہے جو افادۂ عام کے لیے اب بیت العلم زمست نے خوب صورت انداز میں تحقیق کے ساتھ شائع کی ہے۔

۱۶۱: البقرة

گا۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر تمام لوگ لعنت کریں گے۔<sup>۳</sup> کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، مگر کسی متعین (زندہ) کافر کا نام لے کر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں، اس لیے کہ اس کے مرنے کی خبر کسی کو نہیں (کہ مسلمان ہو کر مرے گا یا کافر ہو کر مرے گا)۔<sup>۴</sup>

اگر کسی کافر، یا فاسق کو گمراہ ہو تو اس کو مشرک کہنا مکروہ ہے۔<sup>۵</sup> مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

ہمارے حنفی مسلک میں کافر کو بھی ”اے کافر“ کہنا منع ہے تو پھر ایک مسلمان کو کافر کہنا اور لوگوں سے کہلوانا کیسے جائز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فِیْسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا یَغْیِرُ عَلَیْہِمْ﴾<sup>۶</sup>

تَرْجُمہ: ”جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں (یا پوجتے ہیں) ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ تعالیٰ کو بے سمجھے ہو جیسے برا نہ کہہ بیٹھیں۔“

سُبْحَانَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے خود خداوند کریم ان کو برا کہنے سے منع فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مد مقابل پوجے جا رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ بتائی کہ تم لوگ ان کو برا نہ کہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی تعصب میں

۱۶۲: البقرة

۱۶۱: البقرة

۳۱۲/۴: اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے خود خداوند کریم ان کو برا کہنے سے منع فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مد مقابل پوجے جا رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ بتائی کہ تم لوگ ان کو برا نہ کہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی تعصب میں

۱۰۹: الانعام

اَکْر (مَعَاذَ اللَّهِ) کہیں اللہ تعالیٰ کو برا نہ کہہ بیٹھیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر تم انہیں برا نہ کہو گے تو ممکن ہے کہ وہ تمہاری بات سنیں اور ان کی ہدایت کا کوئی ذریعہ بن جائے اور جب بات نہیں سنیں گے تو ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم رہ جائیں گے تو گویا ان کی گمراہی کی دلیل خود ہم بن گئے، جب بتوں کو برا کہنا منع ہے تو کسی مسلمان کو ”کافر کہنا“ اور کہلوانا کہاں کی ایمان داری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”احد“ کے دن فرمایا: ”الہی! ابوسفیان پر لعنت بھیج۔ الہی! حارث بن ہشام پر لعنت بھیج۔ الہی! صفوان بن امیہ پر لعنت بھیج۔“

یہ بات جنگ احد کے دن کی ہے۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چوٹ بھی لگ گئی تھی، دانت مبارک بھی شہید ہو گیا تھا۔ اس وقت ان تین آدمیوں کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

ترجمہ: ”اے پیغمبر! تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے، چاہے تو عذاب دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے لعنت کرنے سے روک دیا۔

قرآن شریف کے سترہویں (۱۷) پارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سارے عالم کے

لے ترمذی، ابواب التفسیر: ۱۲۹/۲، آل عمران: ۱۲۸

لے آل عمران: ۱۲۸، آل انبیاء: ۱۷۷

لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

یعنی اے میرے حبیب آپ تو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ کو زبیا نہیں کہ کسی پر لعنت بھیجیں، کیوں کہ اگر میں چاہوں تو ان کی توبہ قبول کر لوں اور چاہوں تو عذاب دوں، کیوں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، ظلم کر رہے ہیں، بچوں کا سامنا کرتے ہیں، لڑتے ہیں اور آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

ترمذی میں ہے کہ جن جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر لعنت فرمائی تھی، وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے، ورنہ ان کا اسلام اچھا ہوا یعنی بچے مسلمان اور مومن ہو کر دنیا سے رحلت فرمائی۔

یہ تینوں شخص مشرک تھے اور مشرکین مکہ کے سردار تھے، دین کے دشمن تھے، حق پرستوں سے لڑ رہے تھے، باطل پرستوں کا ساتھ دے رہے تھے، جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہو گیا تھا، اس کے علاوہ اور بھی زخم لگے ہوئے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیتیں نازل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لعنت کرنے سے روک دیا تو پھر ہماری اور آپ کی کیا ہستی ہے کہ ایک دوسرے کو دنیاوی جھگڑوں کی وجہ سے مذہب کو آڑ بنا کر کافر کہتے پھریں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ایسی باتوں سے رک جائیں اور توبہ کر لیں۔

قرآن کریم کے چھیسیویں (۲۶) پارہ، سورۃ الحجرات کے دوسرے رکوع، آیت الہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿تَرْجَمُوا: اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخر اپن

نہ کرے، ممکن ہے کہ (جس پر ہتے ہیں) وہ ان (بننے والوں) سے اللہ

تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا خبر

لے ترمذی، التفسیر: ۱۲۹/۲، آل عمران: ۱۲۸

کہ وہ ان سے بہتر ہوں، نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کرنا بری بات ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔“

حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ لعنت کرنے سے روک دینے کے بعد اب ایمان والوں کی طرف مخاطب ہو کر تاکید فرما رہا ہے کہ مردوں کو مردوں پر نہیں ہنسا چاہیے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ جن پر ہنسا جا رہا ہے وہ ہنسنے والوں سے اللہ کے نزدیک اچھے ہوں اور عورتیں دوسری عورتوں پر بھی نہ ہنسیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہنسنے والی عورتوں سے وہ عورتیں اچھی ہوں، جن پر ہنسا جا رہا ہے۔ اور نہ کسی کے اوپر کسی ہ ناسل لگاؤ اور نہ کسی کو برے نام سے بلاؤ۔ کیوں کہ ایمان لانے کے بعد یہ باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ اپنے محبوب ﷺ کو بھی ہم نے لعنت کرنے سے روک دیا اور آپ حضرات ہمارے محبوب ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں، اس لیے آپ کو بھی زیب نہیں دیتا کہ کسی دوسرے پر لعن طعن کریں یا برے القاب سے پکاریں اور اگر اس ہدایت کو نہیں مانو گے تو پھر تمہاری گنتی ظالموں میں ہوگی ایمان داروں میں نہیں۔ ایمان داری تو اس وقت مانی جائے گی، جب ہماری ہدایت کو مان لو۔

ایک دوسرے کو طعنہ دینے سے اور ناسل لگانے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جن کو غلط سمجھ رہے ہیں، وہ صحیح طریقے پر ہوتے ہیں اور غلط سمجھنے والے خود ہی غلطی پر ہوتے ہیں اور ان کو پتہ تک نہیں ہوتا۔

اے میرے عزیز دوست! اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دے جس کو چاہے گمراہ کرے، ہم کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ اگر ہم خود حق پر ہیں تو ہمارا کام ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ بے چارے غریب ان پڑھ اور بھولے بھالے مسلمان کو آپس میں لڑانا، گالیاں دینا اور دوسروں سے دلوانا یہ ہمارا کام نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے

فرمایا: ”تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ نفرت اور عداوت اللہ تعالیٰ کو اس آدمی سے ہے جو بڑا جھگڑالو ہو۔“

شیخ محمد یحییٰ حقانی صاحب فرماتے ہیں: میرے دوستو! جھگڑنا بند کر دو۔ یہ ہندوستان میں بعض لوگوں کی طرف سے کفر بازی کے فتوؤں کے مشین گن چل رہے ہیں وہ تو سمجھ بھی نہیں ہے، بل کہ اصل بات ان لوگوں کی نفسانیت ہے اور پیٹ بھرائی کے دھندے ہیں۔

”اگر کسی یہودی یا مجوسی سے کہا کہ ”اے کافر“ تو گناہ گار ہوگا اگر اس پر (اس کا کہنا) گراں گزرے۔“

میرے عزیز دوست! ”کافر“ کا لفظ ایسا برا ہے کہ اگر ”کافر“ کو بھی ”اے کافر“ کہہ کر بلایا جائے تو یقیناً اسے بھی برا معلوم ہوگا۔ اس لیے کسی ”کافر“ کو بھی ”کافر“ کہنا مکروہ ہے کیوں کہ کسی بھی انسان کے مرتے دم کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ وہ ایمان پر مرا ہے یا کفر پر مرا ہے۔

یہ ساری آیات شریفہ، احادیث مبارکہ اور معتبر کتابوں کے فتوے آپ کے سامنے ہیں، اب آپ خود ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا اور لوگوں سے جبراً کسی کو کافر کہلوانا اور جو کافر نہ کہے اس کو بھی کافر سمجھنا کس قدر جہالت ہے۔

### اکابرین کا معاندین سے سلوک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو یہودیوں نے ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے، انہیں گالیاں دیں اور برا

سہ ترمذی، التلمیذ: ۱۳۷/۲، البقرہ: ۱۶۷

کے فتاویٰ عالمگیری: ۳۶۴/۴، گرامریت کا بیان

عقہ شریعت یا بہالت: ۱۳۱۲



بھلا کہا، لیکن حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کے بارے میں کلمہ خیر کہا اور انہیں دعائیں دیں۔

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے کسی نے کہا: حضرت! عجیب بات ہے، آپ ان کو دعائیں دے رہے ہیں اور ان کے بارے میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں، حالانکہ وہ آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں؟

فرمایا: "كُلُّ وَاحِدٍ يُنْفِقُ مِمَّا عِنْدَهُ"

تترجمہ: "ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے اور منہ سے وہی نکالتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔" ۱

حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی بردباری اور حوصلے میں نہایت مشہور تھے، ان کو کبھی غصہ نہیں آیا، عربوں میں ان کی یہ صفت مشہور و معروف تھی۔ ایک دن ان کے کچھ دوست اکٹھے ہوئے اور ان میں شرط لگ گئی کہ حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی کو لازماً غصہ دلایا جائے۔ انہوں نے ایک نوجوان بویار کیا، وہ حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی کے گھر گیا۔

حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی نے پوچھا: کیسے آئے ہو؟

نوجوان کہنے لگا: میں ایک کام سے آیا ہوں۔

حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی: بتاؤ کیا کام ہے؟

نوجوان: دراصل میں تمہاری ماں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا میں شادی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

حضرت اخف بن قیس رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنا مراٹھایا اور نہایت اطمینان سے فرمایا: "تمہارا حسب و نسب نہایت معزز اور بہترین ہے اور ہمیں تمہارے ساتھ سسرالی رشتہ جوڑنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ میری والدہ کی عمر

بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ وہ اب کم و بیش ستر سال کی ہے اور تم ایک خوب صورت نوجوان ہو۔ تمہیں تو ایک ایسی عورت چاہیے جو تمہاری ہم عمر ہو، محبت کرنے اور کروانے والی جو تمہارے بچوں کی ماں بن سکے اور تمہاری نسل بڑھا سکے۔

پھر نوجوان سے کہا: جن لوگوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے ان کو بتا دو کہ تم مجھے مشتعل نہیں کر سکتے۔" ۱

حضرت امام ابوحنیفہ رَضِیَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ بالا خانے پر آپ کا گھر تھا۔ جا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ (آپ اندازہ کیجیے جو شخص ساری رات کا جاگا ہو اور سارا دن مصروف رہا ہو اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ ایسے میں کوئی آجائے تو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا لیکن) امام صاحب اٹھے، زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ امام صاحب نے اس سے پوچھا: "کیسے آئے ہو؟" اس نے کہا: "ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔" دیکھئے! اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کے لیے بیٹھے تھے وہاں آ کر تو مسئلہ پوچھا نہیں، اب بے وقت پریشان کرنے کے لیے آ گئے، لیکن امام صاحب نے اس کو کچھ نہیں کہا، بل کہ فرمایا: "اچھا بھائی! کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟" اس نے کہا: "میں کیا بتاؤں جب میں آ رہا تھا تو اس وقت مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے، لیکن اب میں بھول گیا، یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا؟" امام صاحب نے فرمایا: "اچھا جب یاد آ جائے تو پوچھ لینا۔" آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا نہ بچا، بل کہ خاموشی سے واپس اوپر چلے گئے۔

ابھی جا کر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی، آپ پھر اٹھ کر نیچے اتر بیٹھے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا:

”کیا بات ہے؟“ اس نے کہا: ”ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدمی سڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔“ اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت اس کے اشتغال کا یہ عالم ہوتا؟ مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا: ”اگر بھائی! جب یاد آ جائے تو پوچھ لینا۔“ یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے اور جا کر ہسٹری لیٹ گئے۔

ابھی لیٹے ہی تھے کہ تیسری مرتبہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ نے تشریف لائے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ اس نے کہا: ”حضرت! وہ مسئلہ یاد آ گیا۔“ امام صاحب نے پوچھا: ”کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخاند) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟“ (العیاذ باللہ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے) اگر دوسرا کوئی آدمی ہوتا اور وہ اب تک ضبط بھی کر رہا ہوتا تو اب اس سوال کے بعد تو اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا، لیکن امام صاحب نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ: ”اگر انسان کی نجاست تازہ ہو تو اس میں کچھ شمس ہوتی ہے اور اگر سوکھ جائے تو کڑواہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔“ پھر وہ شخص کہنے لگا: ”کیا آپ نے کچھ کر دیکھا ہے؟“ (العیاذ باللہ) حضرت امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”ہر چیز کا علم کچھ کر حاصل نہیں کیا جاتا، بل کہ بعض چیزوں کا علم عقل سے بھی حاصل کیا جاتا ہے اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھتی، اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔“

جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا: ”امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھے معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو بہت سزا لیکن آج آپ نے مجھے ہرادیاد۔“ امام صاحب نے فرمایا: ”میں نے کیسے ہرادیاد؟“ اس شخص نے کہا: ”ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی، میرا کہنا تھا کہ حضرت

سفیان ثوری علماء میں سب سے زیادہ بردبار ہیں اور وہ غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے دوست کا یہ کہنا تھا کہ سب سے بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابوحنیفہ ہیں اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی اور اب ہم نے جانچنے کے لیے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر پر آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے اور اس طرح دو تین مرتبہ آپ کو اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا سوال کروں اور یہ دیکھوں کہ آپ غصہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اگر غصہ ہو گئے تو میں جیت جاؤں گا اور اگر غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے، لیکن آج آپ نے مجھے ہرادیاد اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس رویے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھو کر بھی نہ گزرا ہو آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔“

اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ کا کیا مقام تھا..... اس پر ملائکہ کو رشک نہ آئے تو کس پر آئے..... انہوں نے اپنے نفس کو بالکل ہی مٹا دیا تھا۔

کسی بد نصیب نے غیض و غضب اور شدت بغض و عداوت میں آ کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو طمانچہ مارا تو حضرت امام اعظم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حد درجہ تلطف و انکساری سے فرمایا: ”بھائی!..... میں بھی تمہیں طمانچہ مار سکتا ہوں لیکن مارتا نہیں..... میں خلیفہ سے تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا..... عمر گائی کے وقت تیرے ظلم سے اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کر سکتا ہوں..... لیکن نہیں کرتا..... اور قیامت کے روز تمہارے ساتھ خصوصیت اور مقدمہ کر کے انصاف حاصل کر سکتا ہوں مگر یہ بھی نہیں کرتا بل کہ اگر مجھے قیامت کے روز رستگاری (نجات) حاصل ہوگی اور میری سفارش قبول ہوگی تو حیرے بغیر جنت میں قدم بھی نہ رکھوں گا۔“

حضرت مولانا محمد اسلم شیخ پوری صاحب مدظلہ "ندائے منیر و محراب" میں تحریر الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قول ذکر فرماتے ہیں "میں نے مولانا تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا صاحب مرحوم سے بہت چیزوں میں اختلاف رکھتے ہیں، قیام، عرس، میاں و غیرہ مسائل میں اختلاف رہا، مگر جب مجلس میں ذکر آیا تو فرماتے: "مولانا احمد رضا صاحب" (یعنی ادب سے نام لیتے)۔

ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر "مولانا" کے ادا کیا کہہ دیا، حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ عالم تو ہیں، اگرچہ اختلاف رہا ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، یہ کس طرح جائز ہے۔ رائے کا اختلاف اور جج ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے، مگر ان کی توہین اے ادبی کرنے کا کیا مطلب؟"

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے "مولانا" نہ کہنے پر برا مانا، حالاں کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مقابل جو "مولانا" تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے، مگر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اہل علم میں سے تھے، تو نام بھی کسی کا آتا تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو، مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے۔

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا واقفہ دہلی کا قیام تھا، حضرت کے خدام میں سے چند خصوصاً تلامذہ ساتھ تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، حاجی امیر شاہ خاں صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، بھی وہاں موجود تھے، مولانا احمد حسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے بھائیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ "بھئی" لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں، ان کی قرأت بہت

اچھی ہے، کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں تو شیخ الہند صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اچھی نے غصے میں آکر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، بے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت نانوتوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے کان میں پہنچے، اگلے دن حضرت نانوتوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا،..... تو پوچھا کون ہیں؟

معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہیں اور وہ ان کے شاگرد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی محدث امروہی ان کے تلمیذ ہیں۔

امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لیے میرے پیچھے آگئے، امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا: حضرت! میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج شرمندہ ہوں، آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالاں کہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے، کیوں؟

اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں تو بین رسول کرتا ہوں، تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہیے تھی، مگر بہر حال تکفیر کی بنیاد تو بین رسول ہے، اور تو بین رسول جو مسلمان کرے گا تکفیر واجب ہوگی، دائرۃ اسلام سے خارج ہوگا، تو فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرت ایمانی کی قدر ہے۔

ہاں شکایت اس لیے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط، تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرۃ اسلام سے خارج



سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی ﷺ کی توہین کرے۔ اور اگر آپ کو تعین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں۔

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“

اب امام ان کے قدموں پر گر پڑا۔

تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں ”تواضع للہ“ اور ”ادب للہ“ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزاء اور تمسخر تو بجائے خود ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بل کہ صحیح محل پر اتار کر یہ کہتے ہیں کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے۔ البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہیے کہ واقع میں ہم تو جن رسول کرتے ہیں؟

ہم مَعَاذَ اللَّهِ دشمنان رسول ہیں یا دوستان رسول ہیں؟ اس کی تحقیق ان کو واجب تھی، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہیے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تادب دین کی بنیاد ہے جس کو عارفِ رومی رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی نے کہا ہے

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از فضل رب

حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں، جو گستاخ اور بے ادب ہے۔

مولانا حاجی محمد شریف ”اصلاح دل“ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں لاہور میں حضرت مفتی (محمد حسن) صاحب رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، عصر کی اذان ہوئی اور تمام حضرات اٹھ گئے، مجھے عصر کے بعد فیصل آباد جانا تھا، مصافحہ کے لیے آگے بڑھا، سلام کیا اور عرض کیا نماز کے بعد مجھے جانا ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور دیر تک

دہاتے رہے اور فرمایا:

دیکھو! میرے ایک سوال کا جواب دو، تم حضرت (یعنی حکیم الامت

رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی) کی خدمت میں بہت رہے ہو۔ یہ لوگ جو حضرت والا کی مخالفت

کرتے ہیں، کیا حضرت کی زبان مبارک سے بھی تم نے ان کے متعلق کوئی بات سنی؟

میں نے عرض کیا کہ میں نے حضرت کی زبان مبارک سے ان کی کبھی بھی برائی

نہیں سنی، بل کہ ایک مرتبہ کسی صاحب کے سوال پر حضرت رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی نے

فرمایا تھا: دیکھنا یہ چاہیے کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں اس مخالفت سے ان کا

نفع کیا ہے؟ اگر منشاء حب رسول ہے تو میں ان کو معذور نہیں بل کہ ماجور سمجھتا ہوں۔

یہ میری مخالفت کی وجہ سے ان کو اجر ملے گا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

اور میں تو حضرت کی خدمت میں بہت زیادہ رہا ہوں مجھے ایک واقعہ بھی یاد نہیں کہ

حضرت نے ان کو برائی سے یاد کیا ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

”اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے

بھی بد اخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ نہ ان کی تردید میں دل آزار اسلوب کو پسند

کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے، بل کہ جہاں تک ہو

سکتا بد اخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی و خیر خواہی کو

چشم نظر رکھتے تھے۔“

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالٰی کے خادم خاص حضرت امیر

شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی صاحب خورجہ تشریف

لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چوں کہ وہ

مخالف مسلک کے تھے اس لیے) میری زبان سے (ظن کے طور پر) بجائے فضل

رسول ”فصل رسول“ نکل گیا، مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ”لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟“

میں نے کہا: ”فصل رسول“ آپ نے فرمایا: ”تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟“  
حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:  
”یہ حضرات تھے جو ﴿لَا تَلْمِزُوا انْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾  
کے پورے عامل تھے، حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔“

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جب درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو شرک و بدعات کے خلاف خاص طور پر لوگوں کو خبردار فرماتے۔ ان دنوں بعض رسائل میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

ان ہی دنوں ایک مولوی صاحب بدعات کو درواج دے رہے تھے۔ انہوں نے حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کر کے شروع کیے۔ اشتہارات اور رسائل میں انتہائی بدزبانی اختیار کی۔ یہ رسائل حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تک بھی آتے تھے۔ آپ مولانا محمد یحییٰ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے ان کو مکمل سنتے، اس لیے کہ آخر عمر میں بیٹائی جاتی رہی تھی۔ خط و کتابت کا تمام کام بھی آپ کے خاص مرید مولانا محمد یحییٰ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہی انجام دیتے تھے۔

ان رسائل میں انتہائی بدزبانی ہوتی تھی۔ ان کا سنا آسان کام نہیں تھا۔ کچھ دن تک تو سناتے رہے، پھر ہمت جواب دے گئی اور سنانے سے پرہیز شروع کر دیا۔ چند دن جب اس حالت میں گزرے تو حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان سے پوچھا:

”یحییٰ! کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا، بہت دنوں سے کوئی

رسالہ میرے خلاف نہیں آیا؟“

اس پر مولانا نے بتایا: ”حضرت ارسائل تو کئی آئے، لیکن ان میں گالیوں اور بیہتانوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا، میں نے سوچا، سن کر بلاوجہ آپ کی طبیعت پریشان ہوگی اس لیے نہیں سنائے۔“  
اللہ کے اس ولی نے جواب میں فرمایا:

”نہیں! ایسا نہ کرو، ضرور ستایا کرو، میں ان سب کو اس نظر سے سنتا ہوں کہ جو باتیں میرے حب کی وہ کہتے ہیں، ان میں کوئی بات اگر سچی ہو تو میں اپنی اصلاح کروں۔“

اللہ اکبر! یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین مل کہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دہم طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔

مولانا محمود رام پوری صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: ”ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے، میں حضرت شیخ الہند کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چار پائی دے دی گئی۔ جب ہم سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا (حضرت شیخ الہند) اٹھے، میں لیٹا رہا اور دیکھتا رہا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے بیٹنا پریشان کروں۔“

میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چار پائی پر بیٹھ کر اس کے سر دبانے شروع کیے۔ وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا: ”حضرت! آپ تکلیف نہ کریں

میں دبا دوں گا۔“ مولانا نے فرمایا: ”تم جا کر سو یہ میرا مہمان ہے، میں حق اس پر خدمت انجام دوں گا۔“ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دہستہ رہے۔“

مولانا احمد حسن صاحب مدرس کانپور نے ”ابطال امکان کذب“ میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شریف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقہ خالہ عزواریہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابرین کی نسبت زبان و رازی کی انتہاء کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا، لیکن علم و تقویٰ کا مقام بلند ملا حظہ فرمائیے کہ کون سا غضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

”ان گستاخ لوگوں کو برا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جاسکتا اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور بے قصور ہیں۔“

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنی کتاب ”اکابر دین دہلی“ میں لکھتے ہیں کہ مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحب (حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) کو شدہ اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ بر ملا فرماتے رہے، لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی کے ساتھ متنبہ فرماتے۔ اختلاف بھی، ”اِخْتِلَافٌ اُمْنِیٌّ رَحْمَۃٌ“ کی تشریح پر تھا۔ اختلاف کی حدود سے سرمو تجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

ان ہی مختلف خیال بزرگ نے ایک مرتبہ اساک باران کی شدت دیکھ کر فرمایا:

استقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے فرمایا: ”میاں! بارش تو ہونی نہیں، البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضروری ہے۔“

چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استقاء ادا کی۔ بارش کو نہ ہونا تجھ نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لیے بھی نماز کا اعلان فرما دیا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کے لیے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کے لیے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا: ”اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں۔“

ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تو کبھی بیچ وقت نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے، آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہر کیف نماز استقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی، لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام و نشان نہیں تھا۔ مجبور ہو کر پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلافِ عادت عمل پر استفسار کیا: ”آپ تو کبھی نماز بیچ کا نہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟“

تو فرمایا: ”میرے مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھ رہے ہیں ان لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو، میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں؛ کیوں



کہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر میں نہیں۔ کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے۔ اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے مراد جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بشر ضروریات پر حادی ہیں اور اصلاح و تربیت کے لیے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا۔ وہاں بریلوی حضرات کا مجمع جمع تھا، آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں دو چار باتیں کہی گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ ”تم جولاہے ہو“، دوسرے یہ کہ ”جاہل ہو“، تیسرے یہ کہ ”کافر ہو“ اور چوتھے یہ کہ ”سنبھل کر بیان کرنا“۔

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے، پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ ”یہ جو لکھا ہے کہ ”تم جولاہے ہو“ تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے میں یہاں کوئی رشتہ نانا کرنے تو نہیں آیا احکام الہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟

دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں پیدا فرمادیا، سب قومیں اللہ ہی کی بنی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی، لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے علماء کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجیے معلوم ہو جائے گا میں ”جولاہا ہوں یا کس قوم کا؟“ اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں

منہج کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں۔ رہا ”جاہل ہونا“ اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ”جاہل ہوں“ لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں، اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے اور ”کافر ہونے“ کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں، میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں:

”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“  
اگر میں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ کافر تھا تو لیجیے اب نہیں رہا۔ آخر میں ”سنبھل کر بیان کرنے“ کی جھمکی دی گئی ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے، جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں، اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چیخ چھاڑ کی نہیں ہے۔ تصدا کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا، جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو، لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کی ذکر کی ضرورت ہی پیش آ جاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکنا بھی نہیں، اس لیے کہ یہ دین میں صریح خیانت ہے۔

سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجیے! اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کروں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے، اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔ یہ سن کر ایک معقول مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا، کڑک

کر بولے ”یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے، آپ وعظ کیسے! آپ کیسے فاروقی ہیں؟“

حضرت نے فرمایا:

میں ایسی جگہ کا ”فاروقی ہوں“ جہاں کے ”فاروقیوں“ کو یہاں کے لوگ ”جولائے“ سمجھتے ہیں۔

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا، خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجیے، مسجد کا تو احترام کیجیے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا، اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف و لومۃ لائق خوب ہی رد کیا، لوگوں کو یہ اختیار دے چکا تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ روک دیں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سُبْحَانَ اللَّهِ ..... سُبْحَانَ اللَّهِ ..... کے نعرے بلند کرتے رہے، کیوں کہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا، لیکن جب رد بدعات پر بیان ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے، مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا، کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں پکڑ کر منبر سے اتار دیا، لیکن اس وقت انہوں نے ذم نہیں مارا، چپکے بیٹھے سنتے رہے، لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا، لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں، پھر حضرت والا نے ان معقولی

مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی، ورنہ میں احتیاط کرتا، میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا، مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے، ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ انہی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجیے کہ صاحبو! اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی، پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات انہی بات رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے، جب بہت شور و غل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

”صاحب ایک پردہ کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو برگز نہ چھوڑیں؛ میں آج پچھلی شہر جا رہا ہوں، اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ جنہوں نے خط بھیجا ہے، وہ میرے بیان کا رد کرادیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے، فساد کی ہرگز ضرورت نہیں۔“

پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لیے آگے بڑھے تھے، کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

”صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ میں مولود یہ بھی ہوں، قیامیہ بھی ہوں، مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے، صحیح وہی ہے۔“

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا۔ اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اَلْبَعَاثُ بِاللّٰہِ۔ حضرت والا کے ایک مخلص

معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار انہی اعتبار سے آج کل کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کے اشعار تھے وہ اشعار یہ تھے۔

۔ مرا کافر اگر گفتی غی نیست  
چراغ کذب را نبود فروغی  
مسلمات بخوانم در جوابش  
دروغی را جزا باشد دروغی

ترجمہ: ”اگر تم نے مجھے کافر کہا تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیوں کہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لیے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم نے مجھے کافر کہا تو میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔“

اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب دلاہ دے گا۔ اور اس کو پسند کرے گا۔ اس لیے کہ چبھتا ہوا جواب ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں؛ لیکن دوسرے مصرعے نے اس بات کو بالکل الٹ دیا۔ یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے، تم نے مجھے کافر کہا کہ جھوٹ بولا میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں۔

بہر حال یہ اشعار لکھ کر حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے، حضرت شیخ الہند (رحمۃ اللہ علیہ) نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا؛ لیکن میاں! تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہا تو دیا جب کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں۔ چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی اور ایک شعر کا اضافہ اس طرح فرمایا:

۔ مرا کافر اگر گفتی غی نیست  
چراغ کذب را نبود فروغی  
مسلمات بخوانم در جوابش  
وہم شکر بجائے تلخ دوغی  
اگر تو مؤمنی فبہا والا  
دروغی را جزا باشد دروغی

ترجمہ: ”اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے، اس لیے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھانا ہوں۔ اگر تم مؤمن ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر تم نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے۔“

اب دیکھئے: وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے، چنبھی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لیے کہ یہ طنز تو یہاں دنیا میں رہ جائے گا، لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

اکابرین کے یہ چند واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں، لیکن مذکورہ چند واقعات اکابرین کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لیے امید ہے کافی ہوں گے۔



۸ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”مسلم حق کے دین کے پیشواؤں، اماموں پر اعتراض یا ان کی گستاخی کرنے بہت ہی بری چیز ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے، دین کے کام سے غور کرنے والی چیز دوسروں پر اعتراض کرنا ہے۔ اور علماء کرام، بزرگ اور مسکین حق کے اکابرین کی تذلیل اور گستاخی کرنی ہے۔

اختلاف رائے اگر اہل اللہ و علماء میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں لیکن سب اہل یا تذلیل کسی حالت میں جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ بہر حال عالم دین ہے جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں، مگر اس کا مقام و منصب بطور نائب رسول کے ہے اس کی عظمت واجب ہوگی۔

ہم امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی پچاسیوں مسلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، مگر ادنیٰ درجہ بے ادبی قلب میں امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی نہیں آتی اور جیسا کہ امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی واجب التعظیم ہیں ویسے ہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بھی، دونوں ماہ تاب و آفتاب ہیں، دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے، کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجہ کی گستاخی دل میں آ جائے۔

### گستاخی جہالت کی علامت ہے

گستاخی و استہزاء کرنا جہالت کی بھی علامت ہے، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر بقرہ (گاے) کو ذبح کر کے اس کا گوشت میت سے ملا دیا جائے تو بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ﴿اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ کیا آپ مذاق کرتے ہیں، اس بات میں کیا تعلق ہے کہ

گوشت کو مردے سے ملا دیا جائے؟

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا ﴿اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ﴾ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں، یعنی دل نکلی، تمسخر جاہلوں کا کام ہے، علماء کو مناسب نہیں کہ تمسخر کریں، اس لیے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، تو ایک ہے رائے کا اختلاف اور کسی عالم سے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی، بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں، اختلاف جائز ہے۔

لہذا ہم حال میں نرم خوئی اور خوش اخلاقی اختیار کرنی چاہیے کہ اس سے مخالفین کی عداوت محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادٰیْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً﴾

تَرْجُمہ: ”کیا عجب کہ میں ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے۔“

بہر حال دعوت الی اللہ کے منصب اور درجہ امامت پر فائز ہونے والوں کو محبت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔

### ہماری زبان سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے

ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری زبان سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

نسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہاڑوں سے اس کے اہٹائے جنس کا سب سے زیادہ رابطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے

اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ یہ بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی ہر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھانے "السَّلَامُ عَلَیْکَ" کے "السَّلَامُ عَلَیْکَ" کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے، حضرت عائشہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فرماتی ہیں کہ میں نے (اس کے جواب میں) کہا: "قَبْلِ غَلْبِکَ السَّلَامُ وَاللَّعْنَةُ" کہ تم ہی کو موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (جب میرا یہ جواب سنا تو) ارشاد فرمایا: "يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ" اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں اور تمام امور میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں میں نے کہا: آپ نے نہیں سنا جو کچھ انہوں نے کہا؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میں نے کہا ہے: "وَعَلَيْكُمْ" (یعنی میں نے ان پر ان کا جملہ لوٹایا ہے)۔

گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

"لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاجِسِ وَلَا الْبُذِّي"۔

۱۔ بخاری۔ استنباط العربی، باب إذا عرض الذم أو غیرہ بسبب الذم ولم یضرب ۶۹۲۷۔

۲۔ ترمذی، البر والصلة، باب ما جاء فی اللعنة، رقم: ۱۹۷۷۔

تَرْجَمًا: "مؤمن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ بدگو، اور نہ گالی بکنے والا۔"

مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، اور ایک روایت میں اختلاف و نزاع کے وقت کامیاب بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! اعمال میں کون سا عمل زیادہ بہتر ہے؟" فرمایا: "الصَّلَاةُ عَلَى مِيقَاتِہَا" "نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا" میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اس کے بعد؟" فرمایا: (اس کے بعد) "أَنْ يُسَلِّمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِکَ" "تمہاری زبان کے شر سے لوگ محفوظ رہے۔"۔

ظہرائی نے صحیح سند کے ساتھ ثوبان سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "طَوْبَى لِمَنْ مَلَكَ لِسَانُهُ وَوَسِعَتْ بَيْتُهُ، وَبَكَى عَلَى خَطِيئَتِهِ" سادات مند ہے وہ شخص جس نے اپنی زبان پر قابو پالیا اور اس کا گھر اس کے لیے دُش ہو گیا (یعنی وہ شخص بلا ضرورت اپنے گھر سے نہیں نکلتا) اور اپنے گناہوں پر روتا رہا۔

ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن مریم عَلَیْہِ السَّلَام کا گزر راستے میں بیٹھے ہوئے خنزیر پر ہوا، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے خنزیر سے فرمایا: "إِنْفَذْ بِسَلَامٍ" سلامتی کے ساتھ نکلتے کا راستہ دے، تو آپ سے کہا گیا کہ خنزیر سے اس طرح بات کرتے

۱۔ ماخذہ معارف الحديث: ۶/۲۳۷۔

۲۔ الترغیب والترہیب، البر والصلة، الترغیب فی الصلوة: ۳۳۵/۳۔

۳۔ الترغیب والترہیب، البر والصلة، الترغیب فی العزلة لمن لا یأمن علی نفسه: ۳/۱۹۷۔

ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَعُوذَ لِمَا فِي الْمَنْطِقِ بِالسُّوءِ" میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری بات کی مادیوں سے لوں۔

مسلم بطین کہتے ہیں کہ ربیع بن خثیم کے پاس ان کی بیٹی آئی اور کہنے لگی۔

"يَا أَبَتَاهُ أَذْهَبَ الْعَبُّ؟" ابا جان! وہ مسخرہ، مذاقی چلا گیا؟

ربیع بن خثیم نے فرمایا: "اے میری بیٹی! إِذْهَبِي فَقُولِي خَيْرًا" جاؤ اور اچلی بات کہا کرو۔" ت

لہذا ائمہ حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو صرف خیر میں استعمال کریں اور جب بھی بات کریں پہلی بات ہی کریں۔ اپنے علماء کی مجلس میں عموماً اور عوام الناس اور مقتدیوں کی مجلس میں خصوصاً کوئی بری بات یا کسی کی غیبت یا خلاف بات نہ کریں کہ آپ راہ نمائے امت ہیں ورنہ یہی لوگ اس کو جواز کی دلیل بنائیں گے۔

### ائمہ کرام کو ہجری تاریخ کا اہتمام کرنا چاہیے

علماء کرام کی جماعت کو چاہیے کہ حتی الامکان اسلامی تاریخ استعمال کریں۔ مثلاً کوئی پوچھتا ہے آپ کس سال میں فارغ ہوئے تو اسلامی سنہ ہجری کے اعتبار سے بتلائے۔ اسی طرح یومیہ اسلامی تاریخ کا علم ہو کہ آج اسلامی تاریخ کیا ہے۔ مقتدیوں کو بھی یہ سمجھائیں، اور خود بھی اس پر عمل کر لیں کہ اپنی تلاوت کے معمول کو چاند کی تاریخ سے جوڑیں، کہ پہلی تاریخ کو "التم" سے شروع کرے اور آخری تاریخ پارہ "عَمَّ" پر ختم کرے، یہ تو کم از کم حق ہے قرآن مجید کا۔

کوئی پوچھتے آج کیا تاریخ ہے؟ تو جس پارے کی آج تلاوت کی ہے وہ تاریخ

۱۔ مؤطا للامام مالك، كتاب الجامع، باب ما يكره من التكليم ص ۷۳۶

۲۔ حلیۃ الاولیاء، الطبعة الاولى من المتابعین، ۲/۱۳۵، رقم: ۱۷۶۹

بتلائے۔ اس طرح کم از کم ہر ماہ ایک قرآن مجید کے ختم ہونے کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور قرآن مجید کی تلاوت سے جو انوار حاصل ہوتے ہیں ان سے بھی بندہ محروم نہیں ہوگا اور اسلامی تاریخ کی بھی حفاظت ہوگی۔

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی سورہ بقرہ کی آیت "تَسْتَلُونَا عَنْ الْأَهْلِیَّةِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ اپنے روزمرہ کے مکاتبات و مخاطبات میں ہر چند کہ شمس حساب کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے، لیکن غور کرنے سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ و سلف صالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ نیز چوں کہ مدار احکام شرعیہ کا حساب قمری پر ہے۔ اس لیے اس کا محفوظ و منضبط رکھنا یقیناً فرض علی المانائے ہے۔ اور پہل طریق انتہاء کا یہ ہے کہ روزمرہ اسی کا استعمال رکھا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کرنا یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے۔ پس حساب قمری کا استعمال اس درجہ میں مطلوب شرعی ٹھہرا۔ پس مسلمان سے بہت بعید ہے کہ ایک جانب ایک امر مطلوب شرعی ہو دوسری جانب دوسرا امر کسی درجہ میں مزاحم اس شرعی کا ہو، پھر مطلوب کو بلا ضرورت اس کے مزاحم کو اختیار کرے، خصوصاً اس طور پر کہ اس مطلوب سے کوئی خاص تعلق اور دل چسپی بھی نہ رہے، اور غیر مطلوب کو رائج قرار دینے لگے۔"

### اسلامی تاریخ کی اہمیت

ہر نیا ہجری سال عالم انسانیت کے لیے ایک پیغام، فکر و عمل لے کر آتا ہے، یہ اپنے ساتھ انسانی زندگی کے اہم انقلاب کی یاد لے کر آتا ہے جس کا تعلق ہجرت النبویہ ﷺ سے ہے۔

۱۔ بیان القرآن: ۱/۱۰۸، البقرة: ۱۹۰

۲۔ الامم: ۱۹۰



نیز ہجرت کے نام سے دین کے لیے قربانی والی سوچ کی بنیاد پڑتی ہے۔ جب کہ ولادت باسعادت پر خوشی کا جذبہ اور وصال اقدس ﷺ پر غم کا غلبہ ہوتا ہے۔ شک فطری امور ہیں، مگر ڈرتھا کہ افراط اور تفریط کی وجہ سے ولادت کی خوشی کے ہر پر کہیں لبو و لعب میں مشغولی یا وفات کے موضوع سے کہیں عملی سستی اور کم ہمتی طاری نہ ہو جائے۔ اس کے بجائے واقعہ ہجرت سے سال کی ابتدا خود بخود دین کے لیے کچھ کر گزرنے کی سوچ کی بنیاد ڈالتی ہے۔

سال ہجری اور ہجرت النبی ﷺ میں عالم انسانیت کے لیے پیغام امن، اخوت ہے، حق کی سر بلندی اور باطل کی ناکامی کا مژدہ بھی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کا یقین اور ناامیدی کی نفی ہے، اس میں پر عزم اور مسلسل جدوجہد کا داعیہ اور عملی تربیت بھی ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے اس اہم واقعہ کو ہم خود سمجھیں اور اس کے پیغام کو عام کریں۔ لہذا اسلامی تقویم کو ہم خاطر خواہ مقام دیں۔ انگریزی تقویم کا بلا ضرورت شدیدہ استعمال ہمارے لیے باعث عار ہے اور ہجری تقویم باعث افتخار ہے۔ لہذا ہجری تقویم کا بھی بچوں کو عادی بنائیں۔

تاکہ ہر سال مسلمان بچوں کو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ہمیں بھی ہجرت کرنا ہے اور دنیا کے کونے کونے میں اس دین کی دعوت لے کر پہنچنا ہے، کیوں کہ دنیا میں بسنے والے جتنے انسان ہیں، ان کو صحیح دین کی طرف لانا اور انہم کی آگ سے بچانے کی فکر کرنا، ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے ہمیں گھر چھوڑ کر، راحت و آرام کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دور سے دور تک جانا ہوگا جس طرح قرن اول کے مسلمانوں نے مکہ و مدینہ جیسے مقدس مقامات کو چھوڑ کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہجرت کی۔

سال ہجری کی ابتدا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہجرت النبی ﷺ کے ۱۶ سال بعد ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت ۱۳ تا ۲۳ ہجری رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کی حدود وسیع ہو کر تقریباً ۲۲ لاکھ مربع میل تک پھیل گئیں تو ظلم ناموں اور دہشت ویزات پر تاریخ لکھنے کی حاجت ہوئی۔ لہذا ضرور ہوا کہ تاریخ کی یادداشت کا طریقہ متعین کیا جائے۔ اس غرض سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جماعت بنائی۔ یہ نہایت اہم اور فیصلہ کن مرحلہ تھا، اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے تو ایک آزادی بند کے ایک راہنما مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرنا بہت موزوں ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

"قومی زندگی کے بنیادی مقویات میں سے ایک نہایت ہی اہم شے زمانہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سن نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیادی اہمیت نہیں رکھتی۔ قوم کا سن اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے، یہ اس کی قومی زندگی کی روایات کو قائم رکھتا ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں، لیکن یہ نہیں مٹ سکتی، کیوں کہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بڑھتی جاتی ہے، یہ ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک اہم معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آتا اور ان کا دامن غلط فیصلہ کر لیتا۔

ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی وجہ تعین بھی کی ہو۔ نتائج تجرید و تعقل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں، وہ باوجود غیر قوموں کی بعض طرح کی علمی و تمدنی جائز چیزیں قبول کر لینے کے ساتھ ساتھ ان کا سن بھی قبول کر سکتے تھے، خود بخود ان کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سن الگ اور ایسا ہونا چاہیے جس کی بنیاد اپنی ہی تاریخ کے کسی واقعے سے ہو۔

انہوں نے اپنے دفتر کے ایمانیوں اور رومیوں کے حساب و کتاب کے قواعد و قواعد قبول کر لیے لیکن وہ سن اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس لیے کہ سن قبول زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ یہ اپنی اور اپنے ہی ہاتھوں سے رکھی جائے۔

انہوں نے ایسا ہی کیا، ان کے سامنے جو تجاویز غیر مسلم معاشرے کے لوگوں سے آئیں، انہیں مسترد کر دیا گیا اور جو تجاویز غیر اسلامی معاشرے سے متعلق تھیں، غور کرنے کے لیے باقی رکھی گئیں، وہ یہ تھیں کہ مسلمانوں کے سن کا آغاز یا نسبت ولادت نبی اکرم ﷺ یا نزول وحی کی ابتدا، یا ہجرت النبی ﷺ، بدریہ فتح مکہ، حجۃ الوداع کا اجتماع یا وفات النبی ﷺ کے دن سے کی جائے۔

چنانچہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غور و فکر اور مشورے کے بعد فرمایا: ”ہجرت نبی اکرم ﷺ کو ہی اسلامی سن کا آغاز قرار دیا جائے، کیوں کہ اسلامی تاریخ کے لیے یہ سب سے عظیم، اہم اور یادگار عمل واقعہ ہے۔“ حقیقۃً ہجرت کے بعد اسلام کا ایک مرکز قائم ہوا اور دین اسلام دنیا میں پھیلنا شروع ہوا، نور ہدایت کے حقائق ابھرے اور اسلامی معاشرہ عملی طور پر وجود میں آیا۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ”مقالات سیرت“ میں ہجری تاریخ کے بارے میں بہت پیارا مضمون لکھا ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے اس کے کچھ اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

”جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سن کی ابتدا کس واقعے سے کی جائے تو انہیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آں حضرت ﷺ کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن اس کے تذکرہ میں شخصیت سامنے آتی تھی، شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی

سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انہماک تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مدینہ کی فتح عظیم واقعات تھے، لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔

بالآخر ہجرت کا واقعہ سامنے آ گیا تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیوں کہ انہیں یاد آ گیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبداء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے اور اس سے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبداء بننا چاہیے۔

ابوہلال عسکری نے ”الدلائل“ میں اور مقریزی نے ”تاریخ“ میں حضرت عید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سن شروع کرنے کی راے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی تھی، وہ کہتے ہیں:

”جمع غمر الناس فسألهم: من أي يوم يكتب التاريخ؟“

فقال علي بن أبي طالب -رضي الله تعالى عنه-: من يوم هاجر رسول الله وترك مكة“ ففعله عمر..

ترجمہ: ”جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس دن سے جس دن آں حضرت ﷺ نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ایسا ہی کیا۔“

یہ قول نے بھی اسے من جملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے راستے سے انجام پائے۔

لے کتاب الدلائل، ۶/۱

لے مقالات سیرت، باب ۲۹، ہجرت اور مدینہ ہجری کا آغاز، ۱۹۹

حضرت عمر اور اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے مسلمانوں کا قومی سن قرار دینے کے لیے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام نے پیدائش تھی۔ نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا داعیانہ مہم جوہر داخلہ تھا۔ چچہ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا؛ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شاد یانہ، بل کہ اس زمانے کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور نا کامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لیے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بے چارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز واقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غم گسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں وہ پیر و دشت غربت ہوا تھا۔

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہے ہجرت نبوی کا واقعہ ہے، کیوں کہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ ذی الحجہ کا دن ختم ہوتا ہے اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینا چاہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت اس واقعے کی ایک جاری و قاتم یادگار ہے۔

یہ دنیا کی تمام قوموں کی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں، بل کہ کمزوری کی فتح مند یوں کی یادگار ہے، یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں، بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے، یہ طاقت اور حکومت کے جادو جلال کی یادگار نہیں، محکومی و بے چارگی و استقلال کی یادگار ہے، تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے، لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار فتح فراموش کر دی، حالاں کہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اس

اولین فتح میں ایک فتح کی طرح پوشیدہ تھیں۔

تاریخ کا یہ مبدا دنیا کی تمام تاریخوں اور یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا، بل کہ صریح الناقض تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ خلاف ہی کرتی ہیں، انہوں نے بے چارگی اور درماندگی سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں، انہوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہو، جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا اور اس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی، لیکن حضرات صحابہ کرام کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہو، جب سب سے بڑے انسان کی نہیں، بل کہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی اور جنگ کے میدانوں میں نہیں، بل کہ مہر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین یہ تھا کہ ان کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی جب انہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا، جب کہ صحابہ کا یقین تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اس دن کھلا، جب ملکوں پر انہوں نے قبضہ نہیں کیا، بل کہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الگ تھی؛ لیکن اس سمجھ کے تین مضامین تھے جو اسلام کی تربیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر، قوموں کی تقلید سے نہیں، بل کہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنا چاہتے تھے۔

محسبیت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی، اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پچھل و جھوٹاتی ہے، لیکن ختم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارہ و محراب کی بلندیوں اور خوش نما نیاں دیکھتی ہے، لیکن زیر زمین بنیادوں کے لیے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیم ترک کر کے ہجرت



کا واقعہ انتخاب کیا تو ان کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال، اور جنت و کامرانی میں تھی۔ وہ کچھ ناکامی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور رنگ بجا نہیں دیکھتے تھے۔ حقیقت اور ختم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ ان پر یہ حقیقت کامل نظر تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد ان واقعات میں نہیں بلکہ بظاہر نظر آتے ہیں، ہجرت مدینہ اور اس کے اعمال و حقائق میں ہے۔ اس لیے وہ اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ ان کی نظروں میں ہجرت مدینہ کو حاصل تھی۔

### ہجرت مدینہ کی حقیقت

واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا، بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہیے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔

دوسرا مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔

پہلا عہد تو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور پر۔

دوسرا عہد ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا، کیوں کہ اسی دور میں اسلام کی پہلی فتح ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا دور نہیں، پہلا تھا۔

دور دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا، لیکن جو ہاتھ ان ہتھیاروں کے قبضوں پر رہے تھے، ان کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں۔ بلاشبہ مکہ کی فتح، عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈنی چاہیے۔

پہلا دور ختم تھا، دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی، دوسرا استون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا، دوسرا ظہور و انجبار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا، دوسرا صورت و ظہار۔ پہلا روح تھا، دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا اور مستعد کر دیا، دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھایا اور فتح و تحریک کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شان دار ہو لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے۔

ظہور اسلام کی تمام فتح مند یوں اور کامرانیوں کا مبداء یہی دور تھا، نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور۔ بلاشبہ دنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن باطن امت مسلمہ کی ہر آنے والی فتح مندی اسی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشو و نما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو ”مناعت“ کے ذہن و اخلاق کے لیے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس و ارواح کی امتحان گاہ تھیں۔ بدر کے فتح مندی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بل کہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کی آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا، لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس سے پہلے دور میں ہو رہا تھا اسے ”جہاد کبیر“ سے تعبیر کیا۔ کیوں کہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی

جہاد تھا:

﴿فَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرَانُ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾<sup>۱</sup>  
 ترجمہ: ”پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کریم کے ذریعے  
 ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔“

بالا اتفاق سورہ فرقان کی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تو  
 ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا، صبر و استقامت اور عزم و شہادت کا جہاد تھا اور ان نو  
 اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں۔

### مدینہ کی فتح

پھر یہ حقیقت کسی درجہ واضح ہو جاتی ہے۔ جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ  
 ظہور اسلام کی تمام فتح مند یوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی  
 تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی تھی۔ مدینہ کے ساتھ ”فتح“ کا لفظ سن کر تعجب ہوا  
 ہوگا، کیوں کہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی  
 ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور  
 روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے اور اسی فتح سے میدان جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل  
 ہوتی ہیں۔

یعنی اس وقت جب کہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے  
 مایوس ہو گیا تھا، باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں  
 پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی احاطت پیش کرتی ہے۔ اس وقت دنیوی  
 جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی  
 نہیں کیا جا سکتا۔ سرتاسر غربت اولیٰ کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب و محن کی

۱۔ الفرقان: ۵۲

ورندیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی  
 ہے اور ایمان کے ایسے جوش و اشتیاق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس  
 کے استقبال کے لیے تیار ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور  
 بادشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔

دلوں اور روحوں کی اس فتح و نصرت سے بڑھ کر اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح  
 کیوں کر ہوئی؟ دور ہجرت کے آلام و محن میں اس کا آواز ہوا اور ہجرت نے اس فتح  
 کی تکمیل کر دی۔

### واقعہ ہجرت اور فتح و نصرت الہی

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے، جس  
 سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت  
 الہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی۔

﴿فَإِنِّي الْفَتْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّا  
 اللَّهُ مَعَنَا ۖ قَالَتِ اللَّهُ سَكِينَتُهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا  
 وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۚ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا  
 وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے  
 کہا: ”تم ورنہ نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اس کی مشیت و  
 خلقت ہمارے لیے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہے۔ پھر ایسا ہوا  
 کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین و طمانیت اس پر اتار دی اور فتح و نصرت کے  
 ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت نا آشنا

۲۔ النورہ: ۲۰

آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے ہمیشہ کے لیے پست ہو گئی اور کلمہ حق کو سر بلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ آیت ”سورہ براۃ“ کی ہے۔ ”سورہ براۃ“ بالاتفاق اس وقت نازل ہوا جب اسلام کی ظاہری فتح مندیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ نبوت کی معنوی فتح مندی یاد دلائی جائے۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ انگریزی تاریخ یاد رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر صرف انگریزی تاریخ پر اکتفاء نہ کیا جائے کہ اسلامی تاریخ معلوم ہی نہ ہو، چنانچہ حضرت مشیخ شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا﴾ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

قرآن کریم کے اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سالوں اور ہفتوں کا حساب شمسی بھی ہو سکتا ہے اور قمری بھی، دونوں ہی اللہ جل شانہ کے انعامات ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عام اُن چڑھ دنیا کی سہولت اور ان کو حساب کتاب کی آہستگی سے بچانے کے لیے اسلامی احکام میں قمری سن و سال استعمال کیے گئے اور چونکہ اسلامی تاریخ اور اسلامی احکام سب کا مدار قمری حساب پر ہے، اس لیے امت پر فرض ہے کہ وہ اس حساب کو قائم اور باقی رکھے، دوسرے حسابات شمسی وغیرہ اگر ضرورت سے اختیار کیے جائیں تو کوئی گناہ نہیں، لیکن قمری حساب کو بالکل نظر انداز اور محو کر دینا کناہ عظیم ہے، جس سے انسان کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ رمضان کب آئے گا

اور دومی الیہ اور محرم کب؟

دوسری جگہ حضرت مشیخ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اور چونکہ احکام اسلام میں ہر جگہ ہر موقع پر اس کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ان کی ادائیگی ہر شخص کے لیے آسان ہو خواہ وہ کوئی لکھا پڑھا آدمی ہو یا اُن پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، اسی لیے عموماً احکام اسلامیہ میں قمری سن اور مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عدت وغیرہ اسلامی فرائض و احکام میں قمری حساب ہی رکھا گیا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے بل کہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے مگر اپنے کاروبار، تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔ شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری، فروری وغیرہ کے سوا کوئی مہینہ ہی معلوم نہ ہوں، فقہاء نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمان کے فرائض کفایہ قرار دیا ہے۔

لہذا ائمہ کرام اسلامی تاریخ کو رواج دینے اور اس کو عام کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، جمعہ کے وعظ میں اور درس کے موقع پر اس کی اہمیت واضح کریں، تاکہ مسلمان اسلامی تاریخ کو رواج دیں، ورنہ کم از کم خود تو ضرور اس کا اہتمام کریں، تاکہ سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو جائے۔





## باب دوم

## ائمہ کرام کے لیے نصیحتیں

حضرت کنانہ عدوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک نو منقول ہے جو ہم سب کے لیے بہت ہی مفید ہے، ائمہ کرام کو چاہیے کہ اس رکعت رکعت سلوۃ الحاجت پڑھ کر دعا کر کے مطالعہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نفسانی خواہشات کی اتباع سے حفاظت فرمائے، آمین۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" یہ خط اللہ کے بندے عمر کی طرف سے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) اور ان کے ساتھ جتنے حافظ قرآن ہیں ان سب کے نام ہے۔ اَلْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَمَّا بَعْدُ!

یہ قرآن تمہارے لیے باعث اجر، سبب شرف و عزت اور (آخرت میں) ہونے والے ذخیرہ ہے، اس لیے تم اس کے پیچھے چلو (اپنی خواہشات کو قربان کر کے اس پر عمل کرو) قرآن تمہارے پیچھے نہ چلے (یعنی قرآن کو اپنی خواہشات کے چابی نہ بناؤ) کیوں کہ قرآن جس کے پیچھے چلے گا تو قرآن اسے گدی کے بل کر ادبے گا۔ پھر اسے آگ میں پھینک دے گا اور جو قرآن کے پیچھے چلے گا قرآن اسے جنت الفردوس میں لے جائے گا۔

تم اس بات کی پوری کوشش کرو کہ قرآن تمہارا سفارشی بنے اور تم سے بھگوان کرے کیوں کہ قرآن جس کی سفارش کرے گا وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا اور یہ جان لو کہ قرآن ہدایت کا سرچشمہ اور علم کی رونق ہے اور یہ جہنم کے پاس سے آنے

والی سب سے آخری کتاب ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو، بہرے کانوں کو اور پردے میں پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیتے ہیں اور جان لو کہ بندہ جب رات کو کھڑا ہوتا ہے اور مسواک کر کے وضو کرتا ہے پھر تکبیر کہہ کر (نماز میں) قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر کہتا ہے اور پڑھ اور پڑھ۔ تم خود پاکیزہ ہو اور قرآن تمہارے لیے پاکیزہ ہے، اور اگر وہ وضو کرے لیکن مسواک نہ کرے تو فرشتہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسی حد تک محدود رہتا ہے، اس سے آگے کچھ نہیں کرتا۔

نور سے سنو! نماز کے ساتھ قرآن کا پڑھنا محفوظ خزانہ اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ بہترین عمل ہے، لہذا جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھو۔ نماز نور ہے اور زکوٰۃ دلیل ہے اور سبز روشن اور چمک دار عمل ہے اور روزہ ڈھال ہے اور قرآن تمہارے لیے جنت ہوگا یا تمہارے خلاف، لہذا قرآن کا اکرام کرو اور اس کی توجہ نہ کرو کیوں کہ جو قرآن کا اکرام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اکرام کرے گا اور جو اس کی توجہ نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی توجہ نہ کرے گا اور جان لو کہ جو قرآن پڑھے گا اور اسے یاد کرے گا اور اس پر عمل کرے گا اور جو اس میں ہے اس کی اتباع کرے گا تو اس کی دعا اللہ کے ہاں قبول ہوگی۔ اگر اللہ چاہے گا تو اس کی دعا دنیا میں پوری کر دے گا ورنہ وہ دعا آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ ہوگی اور جان لو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے جو ایمان والے اور اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔

حضرت کنانہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قرآن کے حافظوں کو جمع کیا۔ ان کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قرآن کی عظمت بیان کی، اور فرمایا:

”یہ قرآن تمہارے لیے باعث اجر ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے لیے بوجھ اور دیاں بن جائے، لہذا تم قرآن کا اتباع کرو (اپنی خواہشات کو قربان کر کے اس پر عمل کرو) قرآن کو اپنے تابع نہ کرو کیوں کہ جو قرآن کے تابع ہوگا اسے قرآن جنت کے باغوں میں لے جائے گا اور جو قرآن کو اپنے تابع کرے گا تو قرآن اسے گدی کے بل گرا کر آگ میں پھینک دے گا۔“

### مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب کی نصیحتیں

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی (استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی) نے ایک مرتبہ قرآن کریم اور دینی کتب کے اساتذہ کرام کو انتہائی مفید نصیحتیں کیں، چنانچہ خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

”براہِ ارادان عزیز! ہم اور آپ ایک کشتی میں سوار ہیں اور دین کی خدمت کے لیے اللہ جل شانہ نے ہمیں قبول فرمایا ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ ہم نے دین کی خدمت کی لائن کو اپنے لیے منتخب کیا ہے اللہ جل شانہ ان تمام خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ ہم اور آپ اس دین کی خدمت، اللہ جل شانہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے انجام دے رہے ہیں۔ اگر ہماری نیوٹوں میں کچھ کھوٹ ہے تو اللہ جل شانہ اس کھوٹ کو دور فرمادیں، اللہ جل شانہ ہمیں اخلاص عطا فرمادیں، صدق عطا فرمادیں، اور اپنی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

زندگی کے مختلف شعبے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرنا جائز بھی ہے، کوئی آدمی بزمِ شہی بن جاتا ہے، کوئی آدمی لوہار بن جاتا ہے، کوئی انجینئر بن جاتا ہے، کوئی زراعت کا پیشہ اختیار کرتا ہے اور کوئی مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی مختلف کام ہیں جو اس دنیا میں کیے جاتے ہیں اور یہ سب کام جائز بھی ہیں، ان کاموں کے ذریعہ بھی آدمی اللہ جل شانہ تک پہنچ سکتا ہے۔

اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب نور اللہ مرقدہ اور دیگر اکابرِ علماء دیوبند کے زمانے میں ایک صاحب تھے، غالباً ان کا نام بابا عبداللہ شاہ تھا اور وہ گھسیارے تھے، گھاس کاٹا کرتے تھے اور گھاس کاٹ کر بازار میں بیچا کرتے تھے، اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ اتنی گھاس کاٹ لیا کرتے جس سے روزانہ ایک آنہ آمدنی ہو جایا کرے اور انہوں نے پھر ایک آنہ کے حصے متعین کیے ہوئے تھے، ایک پیسہ اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے، ایک پیسہ جمع کر لیتے تھے اور دو پیسے اپنے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کر دیتے تھے، اور جو ایک پیسہ جمع کر لیتے تھے جمع کرنے کے بعد جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تو بڑے علماء کو کھانے پہ بلا لیا کرتے تھے، سیدھا سادہ کھانا بل کر سادہ چاول پکا کے ان کو کھلا دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کی دعوت کا انتظار لگا رہتا تھا کہ کب وہ ہماری دعوت کریں اور فرماتے تھے کہ جب ہم ان کا کھانا کھا لیتے تھے تو چالیس دن تک ہمیں اپنی طبیعت میں اس کا اثر محسوس ہوتا تھا، اللہ جل شانہ کی عبادت کی طرف رغبت ہوتی تھی، نیکیوں کی طرف توجہ ہوتی تھی، گناہ اور وساوس سے حفاظت رہتی تھی۔

اب بتائیے کہ گھاس بیچ کر پیسے کمائے گئے، اس سے علماء کی دعوت کی گئی مگر مقصد حلال رزق تھا، مقصد اللہ جل شانہ کی رضا تھی۔ اس لیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی جو کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ کے بھی استاذ ہیں فرماتے ہیں: اس دعوت میں وہ نور تھا کہ چالیس دن ہمارے اوپر انوار کی ایک عجیب کیفیت رہتی تھی۔

اور اس کے مقابلہ میں یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے ایک رئیس کی دعوت قبول کر لی اور اس کے ہاں جا کر کھانا کھا لیا، رئیس ایسا تھا جس کا پیسہ کچھ مشکوک تھا جس کا بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اس کا پیسہ صحیح نہیں ہے تو جب ہم نے اس کی دعوت

کھالی اس کے بعد چالیس دن تک ہماری عجیب کیفیت رہی۔ دل یوں چاہتا تھا کہ کوئی عورت مل جائے اس کے ساتھ بدکاری کریں، وہ تو اللہ جل شانہ نے ہماری حفاظت فرمائی کہ نوبت نہیں آئی، ورنہ طبیعت میں اس کا شدید تقاضا پیدا ہو گیا تھا۔ تو بات یہ ہے کہ صدق کے ساتھ آدمی کوئی بھی پیشہ اختیار کر لے جائز ہے، چاہے گھاس کاٹے اور پیسے کمائے اس میں برکت ہوتی ہے، آپ کاشت کاری کریں تو بھی برکت والی چیز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تاجر سچا ہو، امانت دار ہو تو انبیاء صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔<sup>۱</sup>

آپ حضرات نے تمام پیشوں کو چھوڑ کر صرف ایک ذریعہ اختیار کیا، وہ ہے خدمت دین، خدمت قرآن کا اور خدمت علم دین کا ذریعہ۔ اب اس کے ذریعے بھی اللہ جل شانہ ہمیں رزق حلال عطا فرماتے ہیں، چنانچہ اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ ہم اور آپ کے کچھ تنگی ترشی کے ساتھ ہی سہی مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عافیت کے ساتھ اس میں گزارہ کر لیتے ہیں۔

اب پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا پیشہ اختیار کرتے جس میں مالی منفعت زیادہ ہو، وہ بھی جائز ہوتا اور پیسے بھی زیادہ ملتے، لیکن ہم نے اس کو چھوڑا اور خدمت دین کی طرف آئے۔ کیوں آئے؟

یہ سوچ کر کہ اللہ جل شانہ نے اس کے وہ فضائل رکھے ہیں جو ان پیشوں کے اندر نہیں ہیں، چنانچہ گھاس کاٹنے میں یا زراعت میں یا تجارت میں یا ملازمت یا انجینئر بننے میں یا ترمکھان یا لوہا بننے میں وہ فضائل نہیں ہیں جو قرآن مجید کی خدمت کرنے میں ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ“ تم میں سے بہتر وہ ہے جو

۱۔ ترمذی، البیوع، باب ما جاء فی النجار، ۲۲۶/۱

۲۔ ابو داؤد، الصلوٰۃ، باب فی قواب قراء القرآن، ۲۰۵/۱

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ان باتوں میں الجھ کر ان ہی کو سوچتا رہتا ہے اور اپنے اصل مقصد کو بھول جاتا ہے، لہذا آپ حضرات سے گزارش یہ ہے کہ اپنے مقصد کو وقتاً فوقتاً تازہ کرتے رہنا چاہیے، جب اس طرح کی باتیں پیش آئیں، ناگواری کے حالات پیش آئیں، تکلیفیں پیش آئیں، سوچیں کہ دیکھو ابھی اہم دوسری طرف بھی جا سکتے تھے اور اب بھی اگر چاہیں تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں دوسرے کام بھی کر



سکتے ہیں۔ اگر دوسروں کے ہاتھ پاؤں ہیں تو ہمارے بھی ہاتھ پاؤں ہیں۔ دوسرے محنت کر سکتے ہیں تو ہم بھی محنت کر سکتے ہیں، لیکن ہم جو یہاں نکلے ہوئے ہیں ان کے چکر میں تھوڑے ہی نکلے ہوئے ہیں، ہم تو ایک مقصد لے کر آئے تھے، اگر اللہ جل شانہ اس مقصد کو پورا فرما دیں تو پھر زندگی کا رآمد ہے۔

تو اس مقصد کا استحضار ہوتا رہنا چاہیے اور چوں کہ میں خود اس میں ہوں۔ میں آپ سے زیادہ اس لائن میں رہا ہوں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ میں تجربے کی بناء پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جب آدمی یہ کام کرتا ہے اور طرح طرح کی چیزیں سامنے آتی ہیں تو آدمی آہستہ آہستہ اپنے مقصد کو بھولتا چلا جاتا ہے۔ اس کے پاس تو اتنے لڑکے ہیں، میرے پاس اتنے لڑکے نہیں، اس کو تو یہ بات ملے تو یہ نہیں دیا، اسے چائے پلاتا ہے مجھے چائے نہیں پلاتا۔ یہ اتنی چھوٹی چھوٹی بات جن کی کوئی حیثیت ہماری زندگی میں پہلے نہیں تھی، مقصد میں نہیں تھی، وہ آہستہ آہستہ دل و دماغ میں سا جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ بڑھارتے ہوتے ہیں اس سے ہٹ کر توجہ دوسرے کاموں میں لگ جاتی ہے۔ پھر وہ مقصد ہمارے سامنے نہیں رہتا، ایسی صورت میں خدا نخواستہ ہماری عمر ضائع ہو سکتی ہے، اس میں ہماری دینی محنت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

اپنے تجربے کی روشنی میں ایک گزارش یہ ہے کہ اپنے مقصد کو ہمیشہ سامنے نہ جائے اور اس مقصد کو دماغ و قلوب تازہ کیا جائے۔ اور یہ بھی عرض کروں کہ آپ کو ان راستے میں طرح طرح کی تکلیفیں پیش آئیں گی اور ضرور آئیں گی کیوں! اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی تکلیفیں پیش آتی تھیں۔ ہم تقریروں میں لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دیکھو انبیاء کرام علیہم السلام کو کتنی تکلیفیں پیش آئیں آپ ﷺ کے اوپر پتھر برسائے گئے، آپ کو شاعر کہا گیا، آپ کو مجنون کہا گیا، آپ کے دماغ مبارک شہید کیے گئے اور آپ کے سر مبارک سے خون بہا۔

لیکن جب خود ہمارے اوپر یہ تکلیفیں آتی ہیں تو بڑے ناراض ہوتے ہیں کہ جتنی ہمیں کیوں تکلیف پیش آرہی ہے، ہم تو اللہ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ تو جب تکلیفیں پیش آئیں تو اس میں اپنے مقصد کو یاد رکھیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ کر اپنے عظیم مقصد کو فراموش نہ کریں۔

## رزق کو حلال طیب کیا جائے

دوسری گزارش یہ ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے ہمارے لیے اس کام کو رزق حلال کا ذریعہ بنایا ہے اور ہم نے دوسرے پیسے اختیار نہیں کیے، یہی پیشہ اختیار کیا ہے اور اسی کے ذریعے ہمیں رزق حلال بھی مل رہا ہے تو ضرورت ہے کہ رزق حلال کو حلال طیب (وپاکیزہ) کیا جائے۔

جیسا کہ میں نے آپ کو ابھی مثال دی اس گھاس کاٹنے والے کی کہ شیخ الحدیث بھی اس کی دعوت کا انتظار کیا کرتے تھے، کیوں کہ اللہ جل شانہ نے ان کے پیسوں میں برکت رکھی تھی، ان کے پیسے کے اندر انوار تھے۔ تو ہم جو ملازمت کر رہے ہیں اور جو تنخواہ ہمیں اس ملازمت کی وجہ سے مل رہی ہے اگر ہم اس کو حلال کر کے کھائیں تو نا معلوم اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارا کیا مقام ہو۔

مثلاً: میں اپنی مثال دیتا ہوں کہ میرے ذمہ جو ڈیوٹی ہے پوری پوری انجام دوں اور صحیح وقت پر حاضر ہو کر اپنی تنخواہ کو حلال کروں۔ میرے پیسے کے اندر بھی برکت ہو سکتی ہے، اللہ جل شانہ اس پیسے کے اندر انوار پیدا فرما دیں گے۔ اور اگر خدا نخواستہ میں نے اس وقت کو ضائع کر دیا، یہاں بیٹھ کر میں اخبار پڑھتا رہا، اپنے منصب پر بیٹھ کر مدرسہ کا فریضہ انجام دینا چاہیے تھا لیکن میں ذاتی کام کرتا رہا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری تنخواہ میں وہ انوار پیدا نہیں ہوں گے جن کا ہونا ضروری تھا۔

آپ حضرات سے گزارش یہ ہے کہ اپنی تنخواہ کو حلال سے حلال تر کرنے کی

کوشش فرمائیں۔ ہماری آپ کی تحفہ کا حال یہ ہے کہ سات آنٹھ گئے مسلسل محنت کریں تب جا کر حلال ہوتی ہے، لیکن کیا کریں دنیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرموا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي سَبْءٍ ۖ﴾

تَرْجَمَہ: ”ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔“

تو اس راہ میں مشقتیں آتی ہیں، ان مشقتوں کو آدمی برداشت کرتا رہے تو پھر اللہ جل شانہ کی طرف سے وعدہ ہے:

﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ﴾

تَرْجَمَہ: ”بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔“

پھر اللہ جل شانہ آسانی کے دروازے کھول دیتے ہیں تو تحفہ حلال کرے گا، بہت ضروری ہے۔ بنیادی بات یہ ہوگئی کہ وقتاً فوقتاً اپنے مقصد کو یاد کرتے رہیں کہ ہم اس خدمت قرآن کی لائن میں کیوں آئے ہیں.....؟

کیا مقصد پیسہ کمانا تھا.....؟

کیا ساتھیوں سے لڑنا تھا.....؟

کیا مقصد تھا ہماری زندگی میں.....؟

ایسا تو نہیں کہ مقصد کے خلاف کچھ باتوں میں الجھ گئے ہوں جو بڑی نتیجہ باتیں ہیں، چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں اور ہمارے اونچے مقصد کے بہت خلاف ہیں، اگر یہ ہے تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو چھوڑ کر اپنے اصلی مقصد کی طرف لوٹنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

### ماتحتوں کے ساتھ شفقت

تیسری گزارش یہ ہے کہ حضرت مولانا صاحب مَحْمُود صاحب تَوَرَّ اللَّهُ مَرْوَدًا سے میں نے خود سنا کہ اللہ جل شانہ نے ﴿الْوَحْمُنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ میں رحمت

تَحْفَتُ الْأَنْبِيَاءِ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کریم پڑھانے والے کو بڑا ہی مہربان ہونا چاہیے۔

”اللَّهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ نہیں فرمایا ”الْمُنْتَقِمُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ نہیں فرمایا بل کہ رحمت کا صیغہ استعمال فرمایا، وہ بھی مبالغہ کا صیغہ استعمال فرمایا کہ بڑا مہربان ہے وہ جس نے قرآن سکھایا، اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کریم سکھانے کے لیے بڑی نرمی بڑے تحمل اور بڑی بردباری کی ضرورت ہے، جتنا آپ اپنے طالب علموں کے لیے نرم ہوں گے، جتنا شفقت کا معاملہ ان کے ساتھ کریں گے، اتنی ہی اللہ جل شانہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِزْهَمَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَزْهَمَكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ“۔

تَرْجَمَہ: ”تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا“ (تم اپنے ماتحتوں پر رحم کرو اور پر والا تم پر رحم کرے گا)۔

یہ تیسری گزارش ہوگئی کہ اپنے بچوں کے ساتھ، اپنے ماتحتوں کے ساتھ شفقت سے ساتھ پیش آئیں۔ شفقت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اصول کو چھوڑ دیا جائے۔ اصول کی تو پابندی ان سے کروانی ہوگی کہ ”بیٹے! آپ نے فلاں کام لازماً کرنا ہے“ ”بیٹے! فلاں وقت پڑھنا ضروری ہے فلاں وقت یہ سپارہ سنانا ضروری ہے۔“ یہ اصولی بات ہے لیکن لہجہ میں شفقت اور نرمی ہو اور معاملے میں ان کے ساتھ نرمی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دل آپ کی طرف کھینچیں گے اور وہ سمجھیں گے یہ تار سے باپ سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ تو شفقت کی وجہ سے ان کے لیے بھی قرآن مجید کا یاد کرنا آسان ہوگا اور آپ کے لیے بھی پڑھانا آسان ہوگا۔ اللہ جل شانہ کی رحمت بھی آپ کی طرف متوجہ ہوگی اور پھر وہ ساری عمر آپ کو یاد کریں گے کہ

ہمارے استاد نے ہمیں بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ پڑھایا تھا۔

اور جو مارنے والے استاد ہیں، بہت زیادہ سختی کرنے والے استاد ہیں، ایک روز وہ عند اللہ بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔ اگر آپ کی ماں کی وجہ سے بچے کے جسم پر نشان پڑ گئے تو بھی گناہ گار ہوں گے، چہرے پر ماریں گئے تو بھی گناہ گار ہوں گے، اس سے بچنے کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے گی، صرف بچوں کے دل میں ہی نہیں بلکہ بچوں کے ماں باپ کے دل میں بھی نفرت پیدا ہو جائے گی اور بعض مرتبہ وہ ایسی بددعائیں دے دیتے ہیں، خاص طور پر بچے کی ماں ایسی بددعا دے دیتی ہے۔ پڑھانے والے کا ستیا ناس ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے ”إِنَّ قِيْلَ دَعَا الْمَظْلُومُ“ <sup>۱</sup> ”مظلوم کی بددعا سے بچو۔“ <sup>۲</sup>

اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہمارا کام پڑھانے کی پوری کوشش کرتا ہے، باقی رہا ان؛ پڑھ جانا یہ ہماری کوئی ذمہ داری نہیں۔ ہم ڈنڈا لے کر ان کا سر نہیں پھاڑ سکتے، اس کی اجازت نہیں ہے، ہمیں صرف سمجھانے کا حکم ہے۔ بچوں کو پڑھانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اگر نہیں پڑھ رہا تو والدین سے کہہ دیا جائے کہ اس کو اور کسی اداًن میں لے دیا جائے۔ لیکن شفقت کو نہ چھوڑو! شفقت کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ شفقت کا معاملہ کر کے تو دیکھئے! شفقت کے معاملے میں آدمی کو خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے بڑے خون کے گھونٹ پیئے، انبیاء کرام علیہم السلام کو مجنوں کہا جاتا تھا، پھر برسائے جاتے تھے، طرح طرح کی تکلیفیں آپ کو دی جاتی تھیں۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا کہ:

”لَا يَخَارِي أَسْوَابَ الْمَظْلُومِ وَالْفُصَّاصِ، بَابُ الْإِتْقَانِ وَالْحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ“ <sup>۳</sup>  
 ”علم سے بچنے اور بچانے کے لیے بہت اہم درست کی شائع کردہ کتاب ”مظلوم کی آہ“ کا ترجمہ علامہ کریں اس موضوع پر یہ ایک بہترین کتاب ہے۔

”فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أَوْلُو الْعَزِيمِ مِنَ الرُّسُلِ“ <sup>۴</sup>

”آپ صبر کیجیے جیسا کہ آپ سے پہلے پیغمبروں نے صبر کیا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے سچا کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کچھ مال تقسیم فرمایا، انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! محمد نے اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اس بات کی خبر دے دی تو حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا لیکن پھر آپ خاموش ہو گئے اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو مجھ سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، لیکن انہوں نے صبر کیا (میں بھی صبر کرتا ہوں)۔“ <sup>۵</sup>

تو بھی اس راستے کے اندر خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، خون کے گھونٹ پی کر بھی شفقت اور رحمت کا معاملہ فرمائیں گے تو میں آپ کو اس بات کا سو فیصد یقین دلاتا ہوں کہ اللہ جل شانہ کی بے پناہ رحمتیں آپ پر برسیں گی اور آپ کی دنیا و آخرت ان شاء اللہ محفوظ رہے گی۔ <sup>۶</sup>

## مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی نصیحتیں

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی (استاذ حدیث جامعہ داروقیہ) فرماتے ہیں:

”مسجد کا امام، مسجد سے تعلق رکھنے والے عام لوگوں اور اہل محلہ کا دینی پیشوا اور مربی ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں صرف نماز پڑھانا ہی نہیں، بلکہ متعلقہ

۳۵

۱۔ بخاری، ابواب المظالم والفصائص، باب الإقواء والحذر من دعوة المظلوم، ۳۱/۱  
 ۲۔ علم سے بچنے اور بچانے کے لیے بہت اہم درست کی شائع کردہ کتاب ”مظلوم کی آہ“ کا ترجمہ علامہ کریں اس موضوع پر یہ ایک بہترین کتاب ہے۔  
 ۳۔ بحاری، الأدب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه، رقم: ۶۰۵۹  
 ۴۔ یہ ایک صحیح باطل، مجرم الحرام ۱۳۲۳ھ



لوگوں کی دینی تربیت بھی داخل ہے، وہ اگر اپنی ذمہ داری محسوس کر سکے اور اخلاص اور مکمل منصوبہ بندی اور ایک جامع نظام تربیت کے ساتھ اہل محلہ کی دینی تربیت کا کام شروع کر دے تو اس کی محنت سے سارے محلے میں دینی انقلاب آجائے گا اور لوگوں کی زندگیاں بدل سکتی ہیں۔

✽... اس تربیتی مہم میں جو امور بطور خاص شامل ہونے چاہئیں اور جو اس خطیب مسجد کی دینی محنت کو بار آور بنانے میں معاون بن سکتے ہیں، ان میں سے سے زیادہ اہمیت ”سلسلہ دروس“ کو حاصل ہے۔ قرآن وحدیث کا درس اپنے آپ سے ایک انقلاب آفرین تاثیر رکھتا ہے اور اسی سے اجڑی زندگیوں میں تعمیر کردار کے تابندہ نقوش ابھر سکتے ہیں۔ ہفتہ کے ایام کو درس قرآن، درس حدیث اور فقہی مسائل میں تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً: تین دن درس قرآن، دو دن درس حدیث اور ایک دن فقہی مسائل کے لیے رکھا جائے۔ اور پورے اہتمام اور تیاری کے ساتھ درس دیا جائے، عام فہم اسلوب اور لوگوں کے مزاج و ماحول کو سمجھ کر انداز گفتگو اختیار کیا جائے تو بڑی تیزی کے ساتھ اہل محلہ پر اس کے صالح آثار ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔

البتہ اس بات کا خیال رہے کہ درس کا دورانیہ بہت زیادہ طویل ہونے کے بجائے مختصر ہو اور مقررہ وقت میں درس ختم کرنے کی پابندی کی جائے مختصر وقت میں مرتب اور منظم گفتگو کی جائے تو اس کا اثر لمبے بیانات سے بسا اوقات زیادہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَالْخَيْرُ الْكِفَايَةُ“ یعنی کم گفتگو، مشغول کر دینے والی لمبی گفتگو سے بہتر ہے۔

✽..... جمعہ کے اجتماع کو بھی مؤثر بنانے کی بڑی ضرورت ہے، جمعہ کا اجتماع مسلمانوں کی تاریخ کا ایک روح پرور اجتماع ہوتا تھا اور اس میں شریک ہو کر ہفتہ

۱۔ صحیح ابن حبان، ذکر الاخبار عما یجب علی المرء من نفع الخلاف

کے لیے روحانی غذا مل جایا کرتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس سے جان نکلتی رہی اور اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ عموماً امام صاحب خالی مسجد میں لمبی تقریر شروع کر دیتے ہیں، گھنٹہ سا گھنٹہ بیان ہوتا ہے، نمازیوں کی اکثریت کو بیان سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی بل کہ ایک بڑی تعداد تو تقریر ختم ہونے سے پہلے آتی نہیں اور جو لوگ آ جاتے ہیں وہ تقریر ختم ہونے کے منتظر ہوتے ہیں، اس کی بجائے اگر دس پندرہ منٹ مؤثر بیان ہو اور اس وقت ہو جب مسجد لوگوں سے بھر جائے تو زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، ہاں ایسے خطباء جنہیں لوگ شوق سے سنتے ہیں، ان کی بات اور ہے۔

✽ محلے کی سطح پر اس تمام دینی محنت کے بار آور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام مکمل استغناء کے ساتھ رہے، استغناء ہی ایک ایسا وصف ہے جو دنیا داروں میں علماء کا مقام بڑھاتا اور احترام لاتا ہے، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی نے آکر پوچھا: ”یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلائیں جسے اختیار کرنے کے بعد اللہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”دنیا میں دل چسپی لینا چھوڑ دیں، اللہ آپ سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس موجود مال و دولت میں دل چسپی لینا چھوڑ دیں لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔“

ب غرض اور دنیاوی مفادات کی سطح سے بلند ہو کر دین کی جو محنت کی جائے، وہ بڑی جلد بزرگ و بار لاتی ہے۔ انبیاء کے اصول دعوت میں قرآن کریم نے جگہ جگہ ”إِنْ أَخْبَرْتِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ“... کہا ہے، ہر نبی نے دعوت کے ساتھ علی الاعلان کہا اس دعوت کے ساتھ ان کا کوئی دنیوی بدلہ اور مفاد وابستہ نہیں، یہ صرف اللہ کے لیے ہے اور وہ ہی اس کا بدلہ دے گا... اگر اس دینی محنت میں، محنت کرنے والے کے دل کا درو... اس کے جگر کی تڑپ... اور اس کی فکر کی دھڑکنیں بھی شامل ہوں

۱۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الزہد فی الدنیا، الرقم: ۲۱۰۶

تو مسجد کو اسلامی معاشرے میں اس کا کھویا ہوا مقام اور وہ مرکزیت دوبارہ حاصل ہو سکتی ہے، جہاں سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے اور علم و عمل کے دو سپانی تیر ہوتے تھے جن کی اذانوں کی گونج سے دنیا کے بت کدے آج تک لرز رہے ہیں۔

## مفتی اعظم پاکستان رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کی نصیحتیں

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے عامہ کے لیے انتہائی نصیحت آموز اور حکمت و بصیرت سے بھرپور چند باتیں ارشاد فرمائیں، جو ہم یہاں ترتیب وار ذکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

① فرمایا کہ فتویٰ کا حاصل ذوق اور ملکہ ہوتا ہے جو مفتی میں ہونا ضروری ہے اور وہ کتنی ہی کتابیں پڑھنے کے باوجود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک برہائے برس کسی ماہر مفتی کے زیر ہدایت فتویٰ لکھنے کا کام نہ کیا ہو۔

② فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے ہمیں دورہ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد کبھی متجسس نہ بننا، فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہو جس سے علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند قطیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لا کر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے۔

③ فرمایا کہ فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام اور شاہ ولی اللہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان سے قہقہے میں بہت اہوں (آسان) ہے، چنانچہ اگر کبھی آپ (مفتی اعظم) کا ذہن کسی ایسی

رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف نقطہ نظر سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یا تو فقہاء متقدمین میں کسی کا قول اس کے موافق مل جائے یا معاصر علماء اس رائے پر مطمئن ہو جائیں اور جب تک یہ نہ ہوتا اس وقت تک آپ عموماً اس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے۔

④ فرمایا کہ محض فقہی کتابوں کے جزیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا، میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں، جنہیں فقہی جزیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی از بر تھیں، لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت فقہ کے معنی ”سمجھ“ کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمادی ہو اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بل کہ اس کے لیے کسی ماہر فقیہ کی صحبت، اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔

⑤ فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے: ”تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بل کہ ایک انتظامی فتویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کے لیے وزنی دلائل موجود ہیں، لیکن اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کر لے، تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کر لے گا، کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔“

⑥ فرمایا کہ درس حدیث میں ”روایت“ اور ”درایت“ کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے، اسلاف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے کہ بعض ابواب پر بحث کے دوران اجتہاد سے کی تحقیق کا مظاہرہ کیا جائے اور بعض کو تشریح مفہوم کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ اس کے بجائے درس حدیث شروع سال سے اس معتدل انداز پر

ہونا چاہیے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آجائیں اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔

۷ فرمایا کہ درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور ان کے مفصل دلائل بیان کیے جاتے ہیں ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہوتا ہے، وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق و نظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ حدیث سے مسائل و احکام کا استخراج، متعارف احادیث میں تطبیق اور احادیث میں صحیح و سقیم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کسی طرح کی جاتی ہے۔

چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں تو اس سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ آئندہ اپنی زندگی کے مطابق تحقیقی کام کر سکتا ہے۔ لہذا ان مباحث کے دوران استاذ کو چاہیے کہ وہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں؟ استاذ کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کے لیے ضروری نہیں؛ لیکن جن اصولوں کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہو جانا ضروری ہے۔

۸ فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے: "عالم ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہوں یا علامہ عینی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں، ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کر اپنے عاقبت خراب نہ کرو۔"

۹ فرمایا کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی مدد سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی، لہذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا مسلک بلا دلیل ہے، بڑی نادانی کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں طرف کے موجود ہیں، اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں دلائل متعارض

ہوں، اس لیے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ شافعیہ، حنابلہ یا مالکیہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا، کیوں کہ اگر کسی مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے۔

۱۰ فرمایا کہ میں نے ۱۳۴۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے، ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو حدیث کے تحت فرماتے "فِيهِ حُجَّةٌ سَادَاتِنَا الْمَالِكِيَّةُ" پھر اس کے مخالف دوسری حدیث آتی ہو تو فرماتے "فِيهِ حُجَّةٌ سَادَاتِنَا الْحَنَفِيَّةُ"

۱۱ فرمایا کہ قرآن کریم کی محض تلاوت بھی بلاشبہ بہت موجب اجر ہے، لیکن ایک عالم کو چاہیے کہ وہ کچھ وقت تدبر قرآن کے لیے بھی نکالا کرے۔ قرآن کریم کا کوئی لفظ مشو یا زائد نہیں ہے، لہذا اگر غور کیا جائے تو اس کے ہر لفظ سے کسی نئے فائدے کی طرف راہنمائی مل سکتی ہے۔

۱۲ فرمایا کہ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے۔ لہذا اس میں بھی حکمت.....، موعظہ حسنہ..... اور "مُجَادِلُہُ بِالْبَيِّنَاتِ حَسَنٌ" کے اصولوں پر عمل ضروری ہے، آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع.....، طرد و تخریش..... اور فقرے کسے..... کا جو انداز عام ہو گیا ہے اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد و وصول ہو جاتی ہے لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

۱۳ فرمایا کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہیے، لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود نہ ہو۔



۱۳ فرمایا کہ اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن جب حضرت شیخ الہند آزاوی ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں مؤثر حصہ لینے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو گئے۔

۱۴ فرمایا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ اسمبلی میں نہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ اقتدار چاہتا ہے، میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں نہیں چاہتے، لیکن ارباب اقتدار کو تھوڑا سا ملنا ضرور چاہتے ہیں۔"

۱۵ فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لیے کافی ہوتا تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے، اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں، بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی طرح علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

۱۶ فرمایا کہ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے: "میں نے تحصیل میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں۔ بس اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لمحہ کے لیے اپنے آپ سے ناراض نہیں ہونے دیا۔ یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔" اکثر اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے:

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا

علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

۱۷ فرمایا کہ حضرات فقہاء نے "مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ عُرْفَ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ" یعنی جو اپنے زمانے کے رسم و رواج وغیرہ سے واقف نہ ہو وہ فقیہ نہیں ہو سکتا، بالکل

جمع فرمایا ہے۔

۱۸ طلباء و اساتذہ سے فرمایا کہ آپ کو تکنیکی سیاست کا علم ہونا ضروری ہے، البتہ جب مشغلہ میں مصروف ہیں اس وقت تک عملی سیاست میں قطعاً حصہ نہ لیں اور نہ کسی دوسری تنظیم کا رکن بنیں، کیوں کہ اس سے تحصیل علم میں خلل واقع ہوگا۔

۱۹ فرمایا کہ قرآن عظیم میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ جو طائفہ علم دین حاصل کرنے کے نام پر جمع ہوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ دین میں کچھ بوجھ پیدا کرے، اور کچھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جب کہ اس علم کے ساتھ عمل بھی ہو، جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو، وہ دین کی کچھ بوجھ نہیں کہلاتی، ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے۔

۲۰ فرمایا کہ تم شروع سال ہی سے اپنی نیت کو درست کر لو، اپنی نیت یہ رکھو کہ ہم جو کچھ پڑھ لکھ رہے ہیں اس سے رضائے خداوندی حاصل کرنا ہے اگر اس مقصد کو مد نظر رکھ کر تم نے تعلیم کی ابتداء کی تو ان شاء اللہ تم کو پڑھنے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اگر خدا خواست یہ علم پڑھنے سے کوئی اور ارادہ ہے مثلاً یہ کہ لوگ تمہاری عزت کریں، تمہیں مفتی صاحب کہیں اور تمہارے بالوں اور قدموں کو بوسہ دیں، اگر یہ نیت ہے تو فورا تو یہ کر دو اور اپنی نیت کو فوراً صحیح کرو۔

۲۱ طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تقریر کرنے کی مشق کیا کریں۔ فرمایا کہ مولویوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو۔ فرمایا کہ ایک اچھا واعظ اور مقرر بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہر واعظ قرآن حکیم کی اس آیت کو ملحوظ رکھے:

لَا أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ  
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ

۲۲ طلبہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کھیل وغیرہ ہلکی ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چہل قدمی ہی کی جائے۔ اس سے ان شاء اللہ صحت اچھی

رہے گی اور پڑھائی وغیرہ میں دل لگے گا اور انسان دل جمعی کے ساتھ رات کے وقت مطالعہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ جہل قدمی کے لیے بازار یا مارکیٹ یا پارکوں کا ہجوم نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں بہت بڑی خرابی ہے۔ اول یہ کہ بازار وغیرہ جا کر انسان خواہ مخواہ کے گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بازاروں اور پارکوں وغیرہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اہل علم کو ایسے مقامات پر خواہ مخواہ جانا مناسب نہیں۔ ہاں بعد ضرورت اگر کسی کام سے جائے تو چاہیے کہ فوراً لوٹ آئے۔

۳۴ فرمایا عزیزو! ایک عرصہ سے مدارس عربیہ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے مدارس میں روحانیت کی کمی واقع ہوتی شروع ہوئی، مگر تعلیمی استعداد پھر بھی اچھی تھی، مگر اب یہ افتاد آگئی ہے کہ عادات و اعمال کے ساتھ تعلیمی استعداد بھی گرتی جا رہی ہے اور اب مدارس بالکل بانجھ ہو گئے ہیں کہ اب بہت ہی کم اللہ والے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔

۳۵ فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا علم ہمیشہ باقی اور تازہ رہے اور اس میں دن رات اضافہ ہو تو تم کو چاہیے کہ اپنے اندر عمل پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔

۳۶ فرمایا کہ جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے۔ اور پھر امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے:

”عَلِّمُوا أَصْحَابَكُمْ قَوْلَ ”لَا أَدْرِي“ اپنے ساتھیوں کو ”لَا أَدْرِي“ (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔

۳۷ فرمایا کہ دینی خدمت کے میرے سامنے اور بھی طریقے اور راستے تھے، لیکن میں نے فتویٰ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سوچ سمجھ کر بنایا، اس لیے کہ اس کا نفع نفع

بے اور دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف تصنیف و تالیف کو اپنا مقصد زندگی بنا لے اور کتابیں لکھنا کرے تو اس کا نفع مصنف کو اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی اس کی کتاب کو پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اور معلوم نہیں کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔

۳۸ فرمایا کہ مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے۔ کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ فقہاء نے فرمایا ہے:

”مَنْ لَمْ يَعْرِفْ أَهْلَ دِمَائِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ“

۳۹ فرمایا کہ مفتی کو چاہیے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو، ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے، اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے۔ کیوں کہ نفس کے نیرختی کا اندیشہ ہے۔

۴۰ فرمایا کہ میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع ہو جائیں، اگرچہ زیادہ متفق نہ ہوں۔ جس مدرسہ کا مقصد تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت (مفتی اعظم) رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی اطلاع میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔

۴۱ ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں، مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں، کبھی بلاوجہ سبق کا ناعد کر دیتے ہیں، کبھی سبق میں بے ضرورت اور سب فائدہ باتیں کرتے ہیں جس سے سبق کی کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے۔ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں، خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

۴۲ فرمایا کہ مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عمومی اطلاع دے دی جایا کرے یا ان خصوصیات حضرات کو اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں، مگر چند دوسرے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہو۔

۳۲ فرمایا کہ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہزاروں چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھائے۔

۳۳ فرمایا کہ انھیں کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جس نے اس کے لیے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت و راحت کی زندگی سلطان کی ہو۔ اگر عالم ہو اور رسوا ہو تو اپنی بد عملی سے ہوا۔

۳۴ فرمایا کہ طلبہ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے۔ اور اس دور میں ہل پسندی اور کالی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں۔ یاد رہے ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے، اس کو یوں ہی نہ گزارو۔

۳۵ فرمایا کہ جو استاذ کسی مدرسے میں پڑھا رہا ہے، اسے وہاں پڑھانے کے دوران اپنے مدرسے میں آنے کی دعوت دینا اصول کے خلاف ہے۔ اول تو اس میں ”سَوْمٌ عَلٰی سَوْمِ اَخِيهِ“ کا گناہ ہے۔ دوسرے ایک مدرسے کو اجازت نہ ہو کہ مدرسہ آباد کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی صاحب اس مدرسے سے الگ ہو گئے ہیں یا الگ ہونے کا ارادہ ہے تو ان سے زیادہ سے زیادہ بات (حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی) فرماتے وہ یہ تھی کہ اگر آپ اس مدرسے کو خود چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو دارالعلوم حاضر ہے۔

۳۶ فرمایا کہ حضرت نانوتوی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل، استغناء اور للہیت پر کار بند رہیں گے، ان کا کام ان شاء اللہ بابرکت ہوگا اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا؛ لیکن جب اہل علم بھی توکل، استغناء سے محروم ہو جائیں اور اہل ثروت کی ثروت پر ان کی نگاہ جانے لگے تو ان کی تعجید و تنجید بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔

۳۷ حضرت والا (حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی) نے تمام متعلمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی، بل کہ خدمت

دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ جب تک آپ حضرات اس ادارے کو صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے۔ نسبت اس کے کہ اس کو غلط اصولوں پر چلایا جائے۔

۳۸ فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے ”پائے چوبیس“ کی پانچ اسیاداری حضرت والا (مفتی اعظم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی) پر روز روشن کی طرح واضح تھی؛ لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والا اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی مستند مین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر قدیم منطق و فلسفہ کو بالکل درس نظامی سے نکال دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا نرا قدر علمی سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ منطق و فلسفہ کی تعلیم سے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے۔ اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان علوم کی اصل حقیقت کو ذہن نشین کر کے کوئی شخص اس نیت سے ان علوم کو پڑھے پڑھائے کہ ان سے دینی علوم کی تکمیل میں مدد ملے گی تو ان علوم کی تکمیل بھی عبادت بن جائے گی۔ اور درس نظامی کے مرتبین نے اسی وجہ سے ان کو داخل درس کیا تھا۔

اور حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت بخیر ہو تو شام سے نزدیک بخاری پڑھانے والے اور قطبی پڑھانے والے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور دونوں کی خدمت موجب اجر و ثواب ہے۔



۶۵ فرمایا مدرس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کر دیا۔ کتاب سمجھا دی اور میرا حق ادا ہو گیا اور اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب اس میں پاس ہو جائیں گے، یا مدرس بن جائیں گے، یہ کافی نہیں ہے۔ زیادہ ضرورت ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں۔ اگر عمل کر لیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کر لیا۔ اس لیے عمل کرنے اور کر دینے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہیے۔

۶۶ ایک مرتبہ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں اپنی اتنی (۸۰) سال زون کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر دینا داروں اور دین داروں کا تجربہ کر کے اور زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں۔ ”وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں (یعنی تعلیم و تعلم) اگر یہ نہیں کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لیے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں، یہ سب سے بہتر اور افضل ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ مقصود اس سے رضائے الہی نہیں دنیا کمانا پیش نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو! پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ (العیاذ باللہ)

۶۷ فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا، جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں، آدمی مدرس ہو، معلم ہو، صاحب ہو، مفید نہ ہو۔ بس یہ کافی ہے، اگر محقق ہو اور مفید ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم و عمل سب تیار ہو جائے گا۔

۶۸ فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ تھا کہ مستم سے لے کر دربان اور چپائی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔

۶۹ ختم بخاری شریف پر فرمایا: آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دینا ہے اور سال بھر جو کچھ چسپی اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا۔ اور اس

موقع پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ارشاد ”جَعَجَعَتِ وَلَا حَاجِينَ“ نقل فرمایا کرتے تھے، یعنی چکی تو چلائی اب یہ دیکھو کہ آنا بھی ہے یا نہیں۔ فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں، لیکن ان کو جو سند دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں۔ اس کے علاوہ کالج دیوبند میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہیے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف انکراہ کر نہ دیکھیں۔ اللہ کے یہاں علوم قرآن وحدیث کی قدر ہے، بس ہمیں وہی چاہیے۔ اس دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَلْيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۰۰﴾  
ترجمہ: ”تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

”کیا یہی بات قابل نظر ہے کہ اس جملہ میں عالم کا فرض انذار قوم بتلایا ہے۔“

”انذار“ کا لفظی ترجمہ ہم اردو میں ”ڈرانے“ سے کرتے ہیں، مگر یہ اس کا پورا ترجمہ نہیں، اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے کوئی ایک لفظ اس کے پورے ترجمہ کو ادا نہیں کرتا، حقیقت یہ ہے کہ ڈرانا کئی طرح کا ہوتا ہے، ایک ڈرانا دشمن، چور ڈاکو، یا کسی اور سے زہریلے جانور سے ہے، ایک ڈرانا وہ ہے جو باپ اپنی شفقت سے اولاد کو خیرات دہ چیزوں جیسے آگ، زہریلے جانور منظر غداء سے ڈراتا ہے جس کا منشاء

شفقت و محبت ہوتی ہے، اس کا لب و لہجہ بھی یکساں اور ہوتا ہے، انذار اسی حشر کے ڈرانے کا نام ہے، اسی لیے پیغمبروں اور رسولوں کو ”نذیر“ کا لقب دیا گیا ہے اور یہ کا یہ فریضہ انذار درحقیقت وراثت نبوت ہی کا جز ہے جو ہمیں حدیث عالم کو یاد دلاتی ہے۔

مگر یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے دو لقب ہیں ”نذیر“ اور ”نذیر“ نذیر کے معنی تو ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں، بشیر کے معنی ہیں بشارت اور خوش خبری سنائے والا، انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کا ایک کام یہ بھی ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کو بشارت سنائیں، اس جگہ بھی اگرچہ صراحت ذکر انذار کا کیا گیا ہے، مگر اس پر انصاف سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا فرض یہ بھی ہے کہ نیک کام کرنے والوں کو بشارت بھی سنائے، لیکن اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفاء کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے ذمے دو کام ہیں۔

ایک یہ کہ جو عمل اس کے لیے دنیا و آخرت میں مفید ہیں ان کو اختیار کرے۔ دوسرا یہ کہ جو عمل اس کے لیے مضرت ہیں ان سے بچے، باتفاق علماء و عقلاء ان دونوں کاموں میں سے دوسرا کام سب سے مقدم اور اہم ہے، اسی کو فقہاء کی اصطلاحات میں ”جلب منفعت“ اور ”دفع مضرت“ کے دو لفظوں سے تعبیر کر کے دفع مضرت کو جلب منفعت سے مقدم قرار دیا ہے، اس کے علاوہ دفع مضرت میں ایک حیثیت سے جلب منفعت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے، کیوں کہ جو کام انسان کے لیے مفید اور ضروری ہیں ان کا ترک بڑی مضرت ہے تو جو شخص مضرت اعمال سے بچنے کا اہتمام کرے وہ اعمال ضروریہ کے ترک سے بچنے کا بھی اہتمام کرے گا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو عموماً وعظ و تبلیغ بہت کم مؤثر ہوتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں انذار کے آداب نہیں ہوتے جس کے طرز بیان اور لب و لہجہ سے شفقت و رحمت اور خیر خواہی مترشح ہو۔

مخاطب کو یقین ہو کہ اس کے کلام کا مقصد نہ مجھے رسوا کرنا ہے نہ بدنام کرنا نہ اپنے دل کا غبار نکالنا۔ بل کہ یہ جس چیز کو میرے لیے مفید اور ضروری سمجھتا ہے وہ محبت کی وجہ سے مجھے بتلا رہا ہے۔ اگر آج ہماری تبلیغ اور خلاف شرع امور کے مرتکب لوگوں کو اصلاح کی دعوت کا یہ طرز ہو جائے تو اس کا ایک نتیجہ تو قطعاً لازم ہی ہے کہ مخاطب کو ہماری گفتگو سے ضد پیدا نہیں ہوگی، وہ جواب دہی کی فکر میں پڑنے کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور انجام سوچنے کی طرف متوجہ ہو جائے گا، اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کبھی نہ کبھی اس کو قبول بھی کرے گا۔ اور دوسرا نتیجہ یہ لازمی ہے کہ کم از کم باہمی منافرت اور لڑائی جھگڑا پیدا نہیں ہوگا، جس میں آج کل ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔

آخر میں ﴿لَعَلَّہُمْ یَخْذَرُونَ﴾ فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عالم کا کام اتنا ہی نہیں کہ نذاب سے ڈرایا بل کہ اس پر نظر رکھنا بھی ہے کہ اس کی تبلیغ و دعوت کا اثر کتنا اور کیا ہوا، ایک دفعہ مؤثر نہیں ہوئی تو بار بار کرتا رہے، تاکہ اس کا نتیجہ ﴿لَعَلَّہُمْ یَخْذَرُونَ﴾ برآمد ہو سکے یعنی قوم کا گناہوں سے بچنا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

### مولانا محمد یوسف لدھیانوی رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی نصیحتیں

حضرات علماء کرام اپنے اپنے حلقے میں دین کے پیشوا اور قوم کے مقتدا ہیں، ان کے اس رفیع منصب کے لحاظ سے ان پر بڑی گراں قدر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اس لیے ہم سب کا فرض ہے کہ ان عظیم الشان ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کریں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی تدابیر کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی جو امانت ہمارے سپرد کی گئی ہے، اس کے لیے ہم فکر مند ہوں اور امت کو آس حضرت ﷺ کے راستے پر چلانے کی ہر ممکن کوشش





(۴)..... اس امر کی کوشش کی جائے کہ آس پڑوس کے دکان داروں کے ساتھ دینی باتیں ہو جایا کریں اور اس کے لیے کچھ لحاظ تجویز کر لیے جائیں۔

(۵)..... بازار میں حق تعالیٰ سے غفلت چوں کہ عام ہوتی ہے، اس لیے وہ ذکر اللہ کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، لہذا کوشش ہونی چاہیے کہ کوئی ہلکا پھلکا شیعہ، درویش شریف وغیرہ زبان پر جاری رہے اور اس کی عادت بنالی جائے۔

(۶)..... کاروبار میں عام طور پر نمازوں سے غفلت ہو جاتی ہے، اس لیے ان ضروری اہتمام کیا جائے کہ اذان ہوتے ہی قریب کی مسجد میں نماز پڑھا کر اور

(۷)..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بزرگان دین اور اپنے انکار و طعن کے واقعات و حالات کا مطالعہ اور مذاکرہ رکھا جائے۔

(۸)..... جو حضرات جدید تعلیم گاہوں میں تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کو حق تعالیٰ نے دینی دعوت کا ایک اہم اور وسیع میدان مطاع فرمایا ہے وہ اپنے عالمانہ وقار اور مومنانہ کردار کے ذریعے دین کی بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں:

(الف)..... دنیاوی تعلیمی اداروں میں جانے والے علماء کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت یہ ہے..... ان حضرات کو ماحول سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ تم کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں دین کی دولت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نعمت سے نواز کر اس جگڑے ہوئے ماحول کے لیے مسیحا بنا کر یہاں بھیجے۔

۱۔ درویش شریف کے موضوع پر حضرت مولانا محمد رفیع لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الوصول الی جناب الرسول"..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "السید" اور مکتبہ دار الہدیٰ کی مطبع شدہ کتاب "مستند مجموعہ درود و سلام"..... "نہایت مفید ہے۔" ۲۔ غلوں پر بیانیوں سے نجات کے لئے ایک پیش قیمت اور خوب صورت نسخہ ہے۔ ائمہ حضرات اگر تشریف لائے تو فریب دیں اور درود و شریف کا اپنے معمولات میں لائیں تو بہت اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔

اور ہر وقت ان کے سینے میں حق تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہے وہی اس ماحول کے لیے ترقی ہے، اس لیے انہیں خود اس ماحول کے مطابق نہیں ڈھلنا چاہیے بلکہ اس ماحول کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالنا ہے۔

(۱)..... وہ اپنے رفقاء کار (اساتذہ) کو دین کی ترغیب دیں، اپنی تعلیم گاہوں میں دینی شعائر کی سہ پابندی کے لیے تدابیر سوچیں اور اس کے لیے مناسب انداز میں مشورے دیں۔

(۲)..... جو طالب ان کے ہاں زیر تعلیم ہوں، ان میں دینی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں، انہیں قرآن و حدیث کی ہدایات سے آگاہ کریں، بزرگان دین کے واقعات سنیں، نیکی کی ترغیب دلائیں، اخلاق حسنہ کی تلقین کریں اور دینی فرائض کی پابندی کا شوق دلائیں۔

(۳)..... نوجوان طلبہ کو "تعلیمی جماعت" میں وقت دینے کی ترغیب دیں اور انہیں جماعت سے وابستہ کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔ افرض حضرات علمائے کرام جس شعبہ میں بھی کام کر رہے ہوں، اپنے آپ کو دین کا مبلغ تصور کریں اور حقوق کو زیادہ سے زیادہ دینی نفع پہنچانے کا فکر و اہتمام کریں۔

(۵)..... دوسروں کی فکر کے ساتھ ساتھ خود اپنی تکمیل کی فکر اور اپنے علم اور جذبہ عمل کو تازہ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے اور اس کے لیے مندرجہ ذیل تدابیر کی جائیں:

(الف)..... علمی ترقی کے لیے قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ و فتاویٰ کا مطالعہ جاری رہنا چاہیے۔

۱۔ تفصیلاً میں بیان القرآن، فوائد عثمانی اور معارف القرآن۔ ۲۔ حدیث میں مشکوٰۃ شریف، ریاض الصالحین، جمع الفوائد، ترجمان السنہ، معارف حدیث اور حیاۃ النبی ہے۔

۱۳..... فقہ میں بہشتی زیور، عمدۃ الفقہ، امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔

۱۴..... بزرگوں کے حالات و سوانح میں نقش حیات، اشرف السوانح، حسانے بزرگشان دارماضی، ارواح خلاشہ، تذکرۃ الرشید، تاریخ دعوت و عزیمت اور اس نوعیت کی دیگر کتابیں۔

(ب)..... علمی ترقی کے لیے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔

(ج)..... حضرات علمائے کرام کا شمار چوں کہ خواص امت میں ہوتا ہے اور ان کی ترقی و تنزلی سے پوری امت متاثر ہوتی ہے، اس لیے اپنی اصلاح و تربیت کے لیے ہر عالم کا کسی تبع سنت شیخ کامل سے وابستہ ہونا ناگزیر ہے اور حضرات علمائے کرام اس کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔

## مفتی عبدالرشید تونسوی صاحب کی نصیحتیں

### امامت ایک نعمت ہے

حضرت مفتی عبدالرشید تونسوی صاحب نے ائمہ کرام کے لیے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرمایا:

”امامت چوں کہ ایک انتہائی نازک اور عالی منصب ہے، لہذا اس کے آداب کی رعایت رکھنا بھی بہت ضروری ہے، ذرا سی غفلت اس منصب کو آلودہ کرنے کے لیے کافی ہے، چنانچہ امام کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱..... امام نماز سنت کے عین مطابق پڑھائے، تمام تر مستحبات و آداب کا لحاظ رکھے اور بہتر یہ ہے کہ بزرگوں کے سامنے اس کی عملی مشق سکھے اور اس کو عار نہ سمجھے۔ اس

بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ”نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے۔“ اور مولانا رفعت قاسمی صاحب کی کتاب ”مسائل امامت“ مطالعہ میں ضرور رکھنی چاہیے۔

۲..... مقتدیوں سے مطالبات و فرمائشیں کرنے سے احتراز کرے اور استغناء کی مفت سے خود کو آراستہ کرے اور سنجیدہ طبیعت رکھے، پروقار رہے۔

۳..... بیانات میں سیاسی باتوں سے احتراز کرے اور اسی طرح وعظ اور تعلیم میں بھی سیاسی جماعتوں پر تبصرے کرنے سے گریز کرے، اپنا زیادہ سے زیادہ وقت درس و تدریس اور خدمات دینیہ میں صرف کرے۔

۴..... خاص جماعت سے تعلق نہ رکھے، اگرچہ اہل حق کی جماعت ہو، بل کہ اہل حق کی تمام جماعتوں سے یکساں وابستگی رکھے اور خاص ایک جماعت سے تعلق ظاہر نہ کرے (کیوں کہ) کسی ایک جماعت کی طرف میلان رکھنے سے باقی جماعتوں سے وابستہ افراد سے دوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

۵..... دین کی بات سمجھانے میں حکمت اور نرمی سے کام لے اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ شرعاً واجب ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کی طرف تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا گیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ ”تم دونوں اس (فرعون) سے نرمی سے بات کرنا۔“ ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت اور نصیحت سے بلاؤ۔“ موجودہ دور میں جو حق بات لوگوں پر اثر نہیں کرتی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حق بات حق طریقے سے نہیں کی جاتی، حق بات کے لیے موقع دیکھ کر کہے، حق طریقے سے کہے۔

۶..... کسی انتظامی معاملہ میں دخل نہ دے۔ بچے کام سے مطلب رکھے، اگر کوئی مشورہ غلب کرے تو مضائقہ نہیں، جائز امور میں اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ البتہ اپنی طرف سے کوئی رائے دینا چاہے تو ایک مرتبہ انتظامیہ تک اپنا

موقوف پہنچادے اور پھر خاموش رہے۔

۷ کسی سے الجھنا نہ چاہیے، اس سے وقار جاتا رہتا ہے۔ بس احسن طریقہ سے اپنی بات پیش کرے۔

۸ امامت ایک نعمت ہے۔ بہت سے فروعی اختلاف سے اس کی نماز محفوظ رہتی ہے، باجماعت نماز کی پابندی رہتی ہے، اس پر خوب شکر کرنا چاہیے اور نماز کے وقت سے پہلے مسجد میں آجائے اور نماز کے بعد زیادہ دیر تک مسجد میں رہے۔

۹ اگر کوئی غلطی ہو جائے دوسرا احساس دلائے تو اس پر معذرت کرے راہی طرح سے نماز میں کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو تو معلوم ہونے پر اس کا اعلان کرادے اور اس کو معیوب نہ سمجھے۔

۱۰ اپنے آپ کو امامت کا اہل نہ سمجھے، انکساری و تواضع طبیعت میں رکھے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے ایک امام صاحب نے عرض کیا کہ میں خود کو امامت کا اہل نہیں سمجھتا۔

حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: کہ جب تک خود کو امامت کا اہل نہ سمجھو کراتے رہو اور جب اہل سمجھنے لگو تو چھوڑ دو۔

۱۱ حضرت ابن عباس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں، جن کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی مقام مقبولیت کی طرف نہیں اٹھائی جاتی۔

ان میں ایک وہ شخص ہے جو امام بنا اس حال میں کہ لوگ اس کے امام بننے کو برا سمجھتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ منصب امامت میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔“

۱۲ ابن ماجہ، إقامة الصلوات، باب من أم قوماً وهم له كارهون، رقم: ۹۷۰

۱۳ بشکر یہ محاسن اسلام: ۳۱۰

## مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی نصیحتیں

### رمضان المبارک میں عبادت کا خوب اہتمام ہو

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ رمضان میں انسان پہلے سے یہ سوچے کہ میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں سے مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ کے کاموں میں سے کن کن کاموں کو مؤخر کر سکتا ہوں، ان کو مؤخر کر دے، اور پھر ان کاموں سے جو وقت فارغ ہو اس کو عبادت میں صرف کرے (اسی طرح ائمہ حضرات بھی رمضان المبارک میں عبادت کا خوب اہتمام فرمائیں کیوں کہ) شیطان مولویوں کو علمی انداز سے دھوکے دیتا ہے۔ چنانچہ شیطان مولوی صاحب سے کہتا ہے کہ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ تم گیارہ مہینے تک دنیاوی کاموں میں لگے رہے، یہ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے جو تجارت اور کاروبار میں لگے رہے اور معیشت کے کاموں میں اور دنیاوی دھندوں میں اور ملازمتوں میں لگے رہے، لیکن تم تو گیارہ مہینے تک دین کی خدمت میں لگے رہے، تم تو تعلیم دیتے رہے، تبلیغ کرتے رہے، وعظ کرتے رہے، تصنیف اور فتویٰ کے کاموں میں لگے رہے اور یہ سب دین کے کام ہیں۔

حقیقت میں یہ شیطان کا دھوکا ہوتا ہے، اس لیے کہ گیارہ مہینے تک تم جن عبادت میں مشغول تھے، وہ عبادت بالواسطہ تھیں اور اب رمضان المبارک براہ راست عبادت کا مہینہ ہے، یعنی وہ عبادت کرنی ہیں، جو براہ راست عبادت کے کام تھا۔ اس عبادت کے لیے یہ مہینہ آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کو اس عبادت میں استعمال کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۴ اصلاحی خطبات: ۷۵/۸۰

۱۵ اصلاحی خطبات: ۷۸/۷۷/۱۰



## رمضان میں دعا کی کثرت کریں

اس کے علاوہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی خوب کثرت کریں۔ رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برس رہی ہیں، مغفرت کے بہانے ڈھونڈے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دی جا رہی ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا، جس کی دعا میں قبول کروں؟ لہذا صبح کا وقت ہو یا شام کا وقت ہو یا رات کا وقت ہو، ہر وقت مانگو۔ تو یہ فرما رہے ہیں کہ افطار کے وقت مانگ لو، ہم قبول کر لیں گے۔ رات کو مانگ لو، ہم قبول کر لیں گے۔ روزہ کی حالت میں مانگ لو، ہم قبول کر لیں گے۔ آخر رات میں مانگ لو، ہم قبول کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے کہ ہر وقت تمہاری دعائیں قبول کرنے کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس لیے خوب مانگو۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے: ”یہ مانگنے کا مہینہ ہے“ اس لیے ان کا معمول یہ تھا کہ رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مسجد ہی میں بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت کچھ تلاوت کر لی، کچھ تسبیحات اور مناجات قبول پڑھ لی، اور اس کے بعد باقی سارا وقت افطار تک دعا میں گزارتے تھے، اور خوب دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس لیے جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کرنے کا اہتمام کرو۔ اپنے لیے، اپنے اعزہ اور احباب کے لیے اپنے متعلقین کے لیے، اپنے ملک و ملت کے لیے، عالم اسلام کے لیے دعائیں مانگو۔ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس رمضان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لہ

## رمضان میں سالانہ چھٹیاں کیوں؟

ہمارے دینی مدارس میں عرصہ دراز سے یہ رواج اور طریقہ چلا آ رہا ہے کہ سالانہ چھٹیاں اور تعطیلات ہمیشہ رمضان المبارک کے مہینے میں کی جاتی ہیں۔ ۱۵ شعبان کو تعلیمی سال ختم ہو جاتا ہے اور ۱۵ شعبان سے لے کر ۱۵ شول تک دو ماہ کی سالانہ چھٹیاں ہو جاتی ہیں۔ شوال سے نیا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے۔ اس طریقہ پر لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو یہ مولوی صاحبان رمضان میں لوگوں کو اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ آدمی رمضان کے مہینے میں بے کار ہو کر بیٹھ جائے، حالاں کہ محتاج کرام رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے تو رمضان المبارک میں جہاد کیا اور دوسرے کام کیے۔ خوب سمجھ لیں کہ اگر جہاد کا موقع آ جائے تو بے شک آدمی جہاد بھی کرے۔ چنانچہ غزوہ بدر اور فتح مکہ رمضان المبارک میں ہوئے، لیکن جب سال کے کسی مہینے میں چھٹی کرنی ہی ہے تو اس کے لیے رمضان کے مہینے کا انتخاب اس لیے کیا تا کہ اس مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت کے لیے فارغ کر سکیں۔

اگرچہ ان دینی مدارس میں پورے سال جو کام ہوتے ہیں وہ بھی سب کے سب عبادت ہیں، مثلاً قرآن کریم کی تعلیم، حدیث کی تعلیم، فقہ کی تعلیم وغیرہ، مگر یہ سب بالواسطہ عبادات ہیں، لیکن رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس مہینے کو میری براہ راست عبادت کے لیے فارغ کر لو۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جب چھٹی کرنی ہی ہے تو بجائے گرمیوں میں چھٹی کرنے کے رمضان میں چھٹی کرو تا کہ رمضان کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت میں صرف کیا جاسکے۔ لہذا رمضان المبارک میں چھٹی کرنے کا اصل وقت مہینہ ہے۔

بہر حال، رمضان المبارک میں چھٹی کرنا جن کے اختیار میں ہو وہ حضرات تو چھٹی کر لیں اور جن حضرات کے اختیار میں نہ ہو تو وہ کم از کم اپنے اوقات کو اس طرح مرتب کریں کہ ان کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت میں گزر جائے، اور حقیقت میں رمضان کا مقصود بھی یہی ہے۔

### حضور ﷺ کو عبادات مقصودہ کا حکم

حضرت مولانا مفتی محمد آقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھو قرآن کریم کی سورت ”الم نشرح“ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝﴾

ترجمہ: ”پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔“

یعنی جب آپ دوسرے کاموں سے جن میں آپ مشغول ہیں فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تھکے۔

کس کام کے کرنے میں تھکے؟ نماز پڑھنے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے میں تھکے، اور اپنے رب کی طرف رغبت کا اظہار کیجیے۔ میرے والد ماجد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سبھی کہ یہ خطاب کس ذات سے ہو رہا ہے؟

یہ خطاب حضور اقدس ﷺ سے ہو رہا ہے، اور آپ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب آپ فارغ ہو جائیں، یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس ﷺ کن کاموں میں لگے ہوئے تھے، جن سے فراغت کے بعد تھکنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ کیا حضور اقدس ﷺ دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے تھے؟ نہیں، بل کہ آپ کا تو ایک ایک کام

عبادت ہی تھا، یا تو آپ کا کام تعلیم دینا تھا یا تبلیغ کرنا تھا یا جہاد کرنا تھا یا تربیت اور تزکیہ تھا، آپ کا تو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔

لیکن اس کے باوجود آپ سے کہا جا رہا ہے کہ جب آپ ان کاموں سے فارغ ہو جائیں یعنی تعلیم کے کام سے اور تبلیغ کے کام سے اور جہاد کے کام سے فارغ ہو جائیں تو اب آپ ہمارے سامنے کھڑے ہو کر تھکے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ ﷺ ساری ساری رات نماز کے اندر اس طرح کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پر دم آ جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں حضور اقدس ﷺ مشغول تھے وہ بالواسطہ عبادت تھی اور جس عبادت کی طرف اس آیت میں آپ کو بلایا جا رہا تھا وہ براہ راست عبادت تھی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اکثر حضرات مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا ان کی اصلاح کی فکر، یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی، مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اس کی تدبیر کریں، آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں، بل کہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اسی سے ہر کام میں کامیابی کی دعا کریں کہ اصل مقصود جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، وہ ذکر اللہ اور عبادت بلا واسطہ ہی ہے اور شاید اسی لیے پہلی قسم یعنی عبادت بالواسطہ سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لیے ہے۔ اس سے فراغت ہو سکتی ہے اور دوسرا کام یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغت مومن کو کبھی نہیں ہو سکتی، بل کہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اس میں صرف کرنا ہے۔“

قَالَ لَا: اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں، ان کو اس سے غفلت نہ رہنا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لیے بھی مخصوص ہونا چاہیے جیسا کہ علماء و سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں۔ اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی، ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔

لفظ "فَانْصَبْ" نَصَب سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی تعب اور تھکان کے ہیں اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت اور تھکان محسوس ہونے لگے، صرف نفس کی راحت و خوشی ہی پر اس کا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے، خواہ کام فحش ہی ہو۔

## چالیس "مقاماتِ قرب" حاصل کر لیں

اب آپ اپنا ایک نظام الاوقات اور نائم ٹیبل بنائیں کہ کس طرح یہ مہینہ گزارا ہے، چٹائ چہ جتنے کاموں کو موخر کر سکتے ہیں، ان کو موخر کر دو۔ اور روزہ تو رکھنا ہی ہے اور تراویح بھی ان شاء اللہ ادا کرنی ہی ہے۔

تراویح کے بارے میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ بڑے مزے کی بات فرمایا کرتے تھے کہ "یہ تراویح بڑی عجیب چیز ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روزانہ عام دنوں کے مقابلے میں اپنے سے زیادہ قرب کے مقامات عطا فرمائے ہیں، اس لیے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، جن میں چالیس سجدے کیے جاتے ہیں اور ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اپنی معزز پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے اور زبان پر "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" کے الفاظ ہوتے ہیں تو یہ قرب خداوندی کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے جو کسی اور صورت میں نصیب

نہیں ہو سکتا۔

یہی مقام قرب حضور اقدس ﷺ معراج کے موقع پر لائے تھے۔ جب معراج کے موقع پر آپ کو اتنا اونچا مقام بخشا گیا تو حضور اقدس ﷺ نے سوچا کہ میں اپنی امت کے لیے کیا تحفہ لے کر جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امت کے لیے یہ "سجدے" لے جاؤ، ان میں سے ہر سجدہ مؤمن کی معراج ہے۔ یعنی جس وقت کوئی مؤمن بندہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زمین پر رکھ دے گا تو اس کو معراج حاصل ہو جائے گا۔ لہذا یہ سجدہ مقامِ قرب ہے۔

سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ نے کتنا پیارا جملہ ارشاد فرمایا:

(وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ) ﴿۱۷﴾ ..... تَوَكَّلْ عَلَىَّ: "سجدہ کر اور قریب ہو جا۔"

معلوم ہوا کہ ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے، اور رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چالیس سجدے اور عطا فرمادیئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس قرب ہر بندے کو روزانہ عطا کیے جا رہے ہیں۔ یہ اس لیے دیئے کہ گیارہ مہینے تک تم جن کاموں میں لگے رہے، ان کاموں کی وجہ سے ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ دوری پیدا ہو گئی ہے، اس دوری کو ختم کرنے کے لیے روزانہ چالیس مقاماتِ قرب دے کر ہم تمہیں قریب کر رہے ہیں، اور وہ ہے "تراویح" لہذا اس تراویح کو معمولی مت سمجھو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو آٹھ (۸) رکعت تراویح پڑھیں گے، بیس (۲۰) نہیں پڑھیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ہم تمہیں چالیس مقاماتِ قرب عطا فرماتے ہیں، لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمیں تو صرف سولہ (۱۶) ہی کافی ہیں، چالیس (۴۰) کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان مقاماتِ قرب کی قدر نہیں پہچانی، تب ہی تو ایسی باتیں



کر رہے ہیں۔“

## تلاوت قرآن کریم کی کثرت کریں

بہر حال! روزہ تو رکھنا ہی ہے اور تراویح بھی پڑھنی ہی ہے، اس کے علاوہ جو جتنا وقت ہو سکے عبادات میں صرف کرو۔ مثلاً تلاوت قرآن کریم کا خاص اہتمام کرو، کیوں کہ اس رمضان کے مہینے کو قرآن کریم سے خاص مناسبت ہے، اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرو۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآن کریم دن میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآن کریم رات میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآن تراویح میں ختم فرماتے تھے، اس طرح پورے رمضان میں اکٹھ (۶۱) قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ علامہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان کے دن اور رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگوں کے معمولات میں تلاوت قرآن کریم داخل رہی ہے۔ لہذا اگر بھی رمضان المبارک میں عام دنوں کی مقدار کے مقابلے میں تلاوت کی مقدار زیادہ کریں۔

دوسرے ایام میں جن نوافل کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، ان کو رمضان المبارک میں پڑھنے کی کوشش کریں۔ مثلاً تہجد کی نماز پڑھنے کی عام دنوں میں توفیق نہیں ہوتی، لیکن رمضان المبارک میں رات کے آخری حصے میں سحری کھانے کے لیے تو اٹھنا ہوتا ہی ہے، تھوڑی دیر پہلے اٹھ جائیں اور اسی وقت تہجد کی نماز پڑھ لیں۔ اس کے علاوہ اشراق کی نوافل، چاشت کی نوافل، اوامین کی نوافل، عام ایام میں انہیں پڑھی جاتیں تو کم از کم رمضان المبارک میں تو پڑھ لیں۔

رمضان المبارک میں زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات بھی زیادہ سے زیادہ دینے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت دوریے تو سارے سال ہی موجزن رہتا تھا، لیکن رمضان المبارک میں آپ

سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے جمگوٹیاں مارتی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں، جو آپ کے پاس آیا اس کو نواز دیا۔ لہذا ہم بھی رمضان المبارک میں صدقات کی کثرت کریں۔

اس کے علاوہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں۔ باتوں سے کام کرتے رہیں اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ ان کے علاوہ ذر و شریف اور استغفار کی کثرت کریں، اور ان کے علاوہ جو ذکر بھی زبان پر آ جائے اس چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں۔

## گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

رمضان المبارک میں خاص طور پر گناہوں سے اجتناب کریں اور اس سے بچنے کی فکر کریں۔ یہ طے کر لیں کہ رمضان کے مہینے میں یہ آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ طے کر لیں کہ رمضان المبارک میں اس زبان سے غلط بات نہیں بھیجی گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جھوٹ، غیبت یا کسی کی دل آزاری کا کوئی کلمہ نہیں نکلے گا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اس زبان پر تالا ڈال لو۔ یہ کیا بات ہوئی کہ روزہ رکھ کر حلال چیزوں کے کھانے سے تو پرہیز کر لیا، لیکن رمضان میں مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہو۔ اس لیے کہ غیبت کرنے کو قرآن کریم نے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ لہذا غیبت سے بچنے کا اہتمام کریں۔ جھوٹ سے بچنے کا اہتمام کریں۔ اور فضول کاموں سے، فضول مجلسوں سے اور فضول باتوں سے بچنے کا اہتمام کریں۔ اس طرح یہ رمضان کا مہینہ گزارا جائے۔

ملہ بخاری، الصوم، باب أجود ما كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون لی رمضان ۱/۲۵۵  
ملہ اسلامی خطبات ۱۰/۷۸ تا ۸۲

## تلاوت قرآن کے وقت رونا چاہیے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾<sup>۱</sup> تفسیر مظہری میں ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت رونا مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ وہ شخص جہنم میں نہ جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا، جب تک کہ وہ ہوا و دودھ دوبارہ تھنوں میں واپس نہ لوٹ جائے یعنی جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ تھنوں سے نکلا ہوا دودھ پھر تھنوں میں واپس چلا جائے، اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا جہنم میں چلا جائے، ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی، ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے، دوسرے جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لیے رات کو بیدار رہے۔

اور حضرت نصر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں کوئی اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات فرما دیں گے۔

آج سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر پڑی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والے بہت کم رہ گئے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح المعانی میں اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کے فضائل کی احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وَيُبَغْيُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ حَالُ الْعُلَمَاءِ“<sup>۲</sup> یعنی علماء دین کا یہی حال ہونا

۱۔ بنی اسرائیل ۱۹۱

۲۔ ترمذی، الزہد، باب ما جاء في فضل البكاء من خشية الله، رقم: ۲۳۱۱

۳۔ مستدرک، الجہاد، ۱۰۲/۲، رقم: ۲۴۸۶

۴۔ التفسیر المظہری، ۵۰۱، ۵۰۰/۵، بنی اسرائیل ۱۹۹

۵۔ روح المعانی، ۱۵۰/۱۹۱، ۱۹۰

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ رُبُّنَا

چاہیے۔ کیوں کہ ابن جریر، ابن منذر، غیر ہمارے عبدالاعلیٰ جمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو، جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

① ”مَنْ ذَكَرَ اللَّهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يُصِيبَ الْأَرْضَ مِنْ دُمُوعِهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ“<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے کچھ آنسو زمین پر گر پڑیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیں گے۔“

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

② ”لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَاثَرَيْنِ: قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، وَقَطْرَةٌ دَمٍ تَهْرَاقِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ“<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشانوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اُٹکے، دوسرا خون کا

۱۔ مستدرک للحاکم، التوبة والانابة، ۳۹۲/۴، رقم: ۷۷۵۹

۲۔ ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما جاء في فضل المرباط، ۲۹۶/۱، الرقم: ۱۶۶۹

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ رُبُّنَا

قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہہ جائے۔ اور دونشاؤں میں ایک اللہ تعالیٰ کے راستے کا کوئی نشان (جیسے رخم یا غبار یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے کا نشان) اور ایک وہ نشان جو اللہ تعالیٰ کے کسی فریشتہ کی ادائیگی میں پڑ گیا ہو (جیسے جعدہ یا سفر حج وغیرہ کا کوئی نشان)۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

”سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ تَعَالَى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَدْلٌ، وَشَابَتْ نَشَأُ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مَعْلُوقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّتَا فِي اللَّهِ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ مُسَاوِلُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ.“

ترجمہ: ”سات آدمی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) عادل بادشاہ (۲) وہ جوان جو جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو (۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہو (۴) وہ ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھتے ہوں ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد: یہی ہو (۵) وہ شخص جس کو کوئی اونچے خاندان والی حسین عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ شخص جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو

کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔“

کثرت ذکر سے قوت قلبیہ حاصل ہوتی ہے

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند کا کام بہت پھیل گیا تھا، بہت سے شعبے قائم ہو چکے تھے اور سینکڑوں طلباء دارالافتاء میں رہتے تھے، اس لیے حضرت مولانا شب و روز انتظامی کاموں میں مصروف رہتے تھے، اس کے باوجود ان کی نوازل اور تلاوت وغیرہ کے علاوہ روزانہ مولانا کھ مرتبہ ذکر اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہ ہوا۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا، جس میں بعض لوگ حضرت مولانا کی جان تک کے دشمن ہو گئے۔ ان حالات میں بھی آپ کھلی چھت پر تنہا سوتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ:

حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا، آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں، لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا: ارے میاں! میں تو اس باپ یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا ہوں، جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں شمع کی نذر کیا گیا، لہذا مجھے موت کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔

حق تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین ۱۷





## باب سوم

## آدابِ وعظ

## ① وعظ و نصیحت سے پہلے صلوٰۃ الحاجت یا دعا کا اہتمام

ویسے تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے۔ کام کے شروع میں بھی کام کے بیچ میں بھی اور آخر میں بھی، اور موقع ہو تو یہ مدد دو رکعت نفل پڑھ کر مانگے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں غم و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور اپنی نفی کرتا ہے کہ میری تقریر..... میرا وعظ..... میری اصلاحی جدوجہد..... یہ ساری محنت کی کوئی حیثیت نہیں تو اللہ تعالیٰ کو یہ عاجزی بہت زیادہ پسند آتی ہے اور پھر انسان کی نگاہ سونی صد اللہ تعالیٰ ہی کی مدد پر مرکوز ہو جاتی ہے، اور پھر بار بار صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر مانگنے سے اور آخر میں اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول کروانے کی فکر و عاجزی کے ساتھ رور و کر تہجد میں اٹھ کر مانگنے سے وہ درجہ میسر ہوتا ہے کہ اس وقت لوگوں کی مدح و ذم برابر ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی تعریف کرنا یا نہ کرنا دونوں حال اس کے لیے برابر ہو جاتے ہیں۔

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ بار بار صلوٰۃ الحاجت کے اہتمام سے بندہ کی رشد و خیر کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے۔ ”کتاب الزہد والرقائق“ میں حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک روایت ذکر فرمائی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن

رواحہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی وفات کے بعد ان کی بیوی سے نکاح کیا اور فرمایا: تم جانتی ہو کہ میں نے تم سے نکاح کیوں کیا؟

پھر فرمایا کہ میں نے تم سے نکاح اس لیے کیا ہے کہ تم مجھے عبداللہ بن رواحہ کے مثل کے بارے میں بتلاؤ کہ ان کے گھر میں کیا معمولات تھے، تو ان کی اہلیہ نے فرمایا:

جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور جب سونے کے لیے جاتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور اسی عمل پر ہمیشہ مداومت فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتی ہیں: حضور اکرم ﷺ جب گھر سے نکلے ہیں تو دو رکعت پڑھ کر نکلتے ہیں۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے وعظ و بیان سے پہلے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر جائیں۔ خصوصاً جمعہ کے وعظ میں کہ اتنا مجمع جو جمع ہوتا ہے وہ ہم سے دین سیکھنے کے لیے طالب بن کر ہمارے پاس آتا ہے۔ اب ہم پر ان کا حق واجب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس حق کو اس امانت کو صحیح طرح ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، صحیح طرح سمجھنے اور سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ وعظ سے پہلے بھی اور وعظ کے بعد بھی دعا مانگنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

کم از کم قرآن کریم کی ان دو دعاؤں اور بقیہ دعاؤں کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے:

① رَبِّ اِنسِرْخْ لِيْ صَدْرِيْ ۖ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ۖ وَاجْعَلْ لِيْ

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ﴿۱﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِي ﴿۲﴾ ۝

ترجمہ: ”اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دیجیے، اور میرے کام آسان کر دیجیے، اور میری زبان سے گرہ کھول دیجیے تاکہ یہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔“

﴿۱﴾ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۲﴾ ۝

ترجمہ: ”اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔“

ہمارے استاذ حضرت مولانا اور لیس میرٹھی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک بہت پیاری دعا سکھائی تھی، ہم سب کو چاہیے کہ اس دعا کا معمول بنالیں۔ خصوصاً درس دینے سے پہلے اور وعظ کرنے سے پہلے اس کو مانگ لیا کریں وہ دعا یہ ہے:

”اللَّهُمَّ نَوِّرْ قَلْبِي بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ. وَاشْرَحْ صَدْرِي لِعِلْمِكَ كِتَابِكَ، وَسُنِّهِ نَبِيِّكَ، وَاعْصِمْنِي عَنْ كُلِّ خَطَاٍ وَذَلِّ لِي فِي بَيَانِ مُرَادِ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ“

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے دل کو اپنی معرفت کے انوار سے منور فرما اور میرے سینے کو قرآن و حدیث کے علوم کے لیے کشادہ فرما اور قرآن و حدیث کے مفہوم و مطالب بیان کرنے اور سمجھانے میں کسی قسم کی غلطی اور لغزش سے میری حفاظت فرمایا۔“

ہمارے استاذ مرحوم فرماتے تھے:

یہ دعائیں پڑھنے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ مانگنے کے لیے ہوتی ہیں۔ یعنی مانگنے کے لیے دل کے دھیان اور عربی الفاظ کا ترجمہ اور مفہوم ذہن نشین ہو۔ اور خوب غور و فکر کے ساتھ کامل توجہ ہو۔ جیسے عاجز اور مجبور شخص سب طرف سے یکسو ہو کر ایک ہی آخری سہارے سے مانگتا ہے کہ اے اللہ! آپ نے مدد نہ فرمائی تو میرا

کوئی نہیں۔ اس طرح ان دعاؤں کو مانگا جائے یہ نہ ہو کہ صرف وعظ سے پہلے ان کے الفاظ پر کفایت کی جائے، بلکہ دعائیں مانگی جائیں، اور مانگنے کے طرز پر مانگی جائیں، اور یہی اپنے احباب اور مقتدیوں کو سکھایا جائے۔

اسی طرح وعظ کرتے وقت کوشش یہ ہو کہ سب سامعین تک آواز پہنچ جائے، اتنی آہستہ آواز نہ ہو کہ دور والے نہ سن سکیں۔ اسی طرح اتنی زوردار گرج دار آواز نہ ہو کہ سامعین پر بوجھ ہو جائے، بسا اوقات تقریر کرنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ میری آواز کتنی تیز ہو گئی ہے اور لوگوں پر شاق گزر رہی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ بیان کے بعد اپنے خاص دوستوں سے پوچھ لیا کریں۔

اگر واقعی آواز گرج دار اور لہجہ سخت ہے تو اس کو نرم کرنے کی کوشش کی جائے اور ہاتھوں میں مٹھاس پیدا کی جائے تاکہ لوگ متفرق نہ ہوں۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت کرتے ہیں:

يَا بَنِي، مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ، ”لَتَكُنْ كَلِمَتُكَ طَيِّبَةً، وَلَتَكُنْ وَجْهُكَ طَلْقًا، تَكُنْ أَحَبَّ إِلَى النَّاسِ مِنْ مَنِّيذُلٍ لَهُمُ الْعَطَاءِ“ ۝

ترجمہ: ”اے میرے بچو! حکمت اور دانائی میں یہ بات مقول ہے کہ جب تمہاری باتوں میں مٹھاس ہو (یعنی خوش اخلاقی سے بات کرو گے) اور تمہارا چہرہ روشن ہو (یعنی خندہ پیشانی سے پیش آؤ گے) تو لوگوں کے نزدیک اس شخص سے بھی زیادہ محبوب اور پسندیدہ رہو گے جو بہت زیادہ نئی ہو اور لوگوں پر بہت سارا مال خرچ کرتا رہتا ہو۔“

خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ سننے والوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، لہذا کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے کسی کی دل آزاری ہو اور رنج پہنچے۔ حق

بیان کریں جس سے باطل خود بخود رد ہو جاتا ہے۔ وعظ کہنے میں خیر خواہی و دل سوزی ہو۔ جذبات کا اتباع نہ ہو، بل کہ مقصود اللہ کی رضا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات مائیک (اسپیکر) کی ضرورت نہیں ہوتی، چند ہی لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور مائیک کھول دیا جاتا ہے، یہ بھی مناسب نہیں ہے، اسراف تو ویسے ہی منع ہے اور خصوصاً مسجد کے وقف مال میں اسراف تو زیادہ برا ہے کہ کچھ کی بجلی کا استعمال بلا ضرورت ہوا، لوگوں پر بوجھ لگ ہوا۔

لہذا ایسے مواقع پر بلا ضرورت مائیک استعمال نہیں کرنا چاہیے، خصوصاً مسجد کے باہر کے مائیک کھولنا تو بہت ہی نامناسب ہے، جس شخص کے سامنے یہ بات ہوئی کہ یہ وعظ و بیان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کہنا ہے وہ مجمع، آواز اور مائیک کو نہیں دیکھے گا، بل کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرے گا کہ چند ہی لوگ ہیں جن کو آواز پہنچ سکتی ہے تو پھر کس کو دکھانا ہے یا سنانا ہے کہ ہم بیان کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سورۃ لقمان کی آیت ۱۹ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ﴿وَأَغْضَضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ ”یعنی آواز کو پست کرو“ مراد پست کرنے سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو، اور شور نہ کرو۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے متعلق آتا ہے کہ کلام ایسا کرتے تھے کہ حاضرین سن لیں، انہیں سننے میں تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا ﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ ”یعنی چوپایوں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔“

یہاں آداب معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

۱) لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت۔

۲) زمین پر اتر کر چلنے کی ممانعت۔

بیان العلم نور

۱) درمیانی چال چلنے کی ہدایت۔

۲) بہت زور سے شور مچا کر بولنے کی ممانعت۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کے عادات و شمائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں۔ شہناں ترمذی میں حضرت حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے دریافت کیا کہ آپ حضرت ﷺ جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ، سَهْلَ الْخُلُقِ، لَيِّنَ الْجَانِبِ، لَيْسَ بِفَظٍّ، وَلَا غَلِيظًا، وَلَا ضَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا فَحَّاشٍ، وَلَا عَيَّابٍ، وَلَا مَسَّاحٍ، يَتَعَاقَلُ عَمَّا لَا يَشْنَهُ، وَلَا يُؤَيِّسُ مِنْهُ، وَلَا يُجِيبُ فِيهِ، قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ قَلَانٍ، الْبِرَاءِ وَالْإِكْبَارِ وَمَا لَا يَغْنِيهِ“

ترجمہ: ”رسول اکرم ﷺ ہمیشہ خوش و خرم معلوم ہوتے تھے، آپ ﷺ کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، نہ طبیعت سخت تھی، نہ بات میں دشمنی تھی، آپ ﷺ نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے، نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو اچھی نہیں لگتی اس کی جانب التفات نہ فرماتے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز خود کو مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بل کہ خاموشی اختیار فرماتے تھے)۔ اور نہ اس میں کسی کو جواب دیتے جو خود پسند نہ ہو۔ تین چیزیں آپ ﷺ نے

۱) معارف القرآن: ۶۰/۷

۲) شمائل ترمذی: ۲۴، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ

بیان العلم نور



بالکل چھوڑ رکھی تھیں: ① بھگنا ② تکبر کرنا ③ جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہوتا۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هَذَا وَلَكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَضْلٌ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ.“

ترجمہ: ”حضور ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے اگتا ر جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بل کہ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح بات فرماتے کہ ہر مضمون دوسرے مضمون سے ممتاز ہوتا تھا، پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔“

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”یعنی حضور ﷺ کی گفتگو مجمل یا جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی کہ کچھ سمجھ میں آئے کچھ نہ آئے بل کہ ایسی اطمینان کی واضح گفتگو ہوا کرتی تھی کہ مخاطبین اچھی طرح سمجھ جاتے۔“

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَخْصَاهُ.“

ترجمہ: ”آپ ﷺ بات ایسی سمجھا کر اور ٹھہر ٹھہر کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر سننے والا چاہتا کہ آپ کے کلمات اور حروف کا شمار کرے تو اس

۱۴ مسائل ترمذی، باب کیف کان کلام رسول اللہ: ۱۴

۱۵ شرح مسائل ترمذی: ۱۱۸

۱۶ بخاری، المناقب، باب صفة النبی، رقم: ۳۵۶۲

کے لیے ممکن ہوتا۔“ (کیوں کہ آپ کی بات واضح اور صاف ہوتی تھی)۔

قرآن مجید حضور ﷺ پر کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق آداب بتا کر گئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مبارک آداب پر عمل کریں اور ساری دنیا والوں کو یہ بات قول اور عمل سے سمجھا دیں کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حضور ﷺ کے طریقوں ہی پر عمل کرنے میں ہے۔

حضور ﷺ والے مبارک طریقے ہمارے اندر جتنے آتے جائیں گے اتنے ہی ہم کامیاب ہوتے جائیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ حضور ﷺ کی محبت ہر دے دلوں میں اس طرح اتر جائے کہ دوسری ساری محبتوں پر غالب آجائے، ان کے ایک ایک طریقے پر عمل کرنے اور ساری دنیا میں اس کو پھیلانے پر جان و مال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہو جائے، ہر امام اسی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اتنے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں آہستہ بات کرے کہ ایک ایک لفظ دوسرے لفظ سے جدا ہو، نہ اتنا تیز بولے کہ حروف گھٹیں اور نہ اتنا آہستہ کہ مقتدی تنگ ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (کُونُوا رَئِیْسًا) ۱۷  
یعنی ”تم سب رب کے ہو جاؤ۔“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی ”حکماء، علماء اور فقہاء ہو۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قول نقل کر کے لفظ ”ربانی“ کی یہ تفسیر فرمائی: ”جو شخص دعوت و تبلیغ اور تعلیم میں تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان آسان باتیں بتلائے، جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں تو اس وقت دوسرے احکام بتلائے۔ آج کل جو وعظ و تبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علماء اس کام کے کرنے والے ان اصول و آداب کی رعایت نہیں کرتے۔“

۱۷ لسان عمران ۷۹

۱۸ بخاری، العلم، باب العلم قبل القول والعمل: ۱۶/۱

۱۲ حکومت کو برا بھلا کہنے کے بجائے لوگوں کو گناہوں

سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے

حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ آ کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر علامت ہے بے صبری کی، پسندیدہ تدبیر نہیں ہے۔ در حدیث شریف میں اس سے ممانعت بھی آئی ہے فرماتے ہیں: "فَلَا تَسْتَعْلُوا بِسَبِّ السُّلُوكِ" یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو ان کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں، میری اطاعت کرو۔ میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کر دوں گا یاد رکھو! جو مصیبت آتی ہے سب من چاہتے ہو تو ہے، فرماتے ہیں:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

تَرْجُمہ: "یعنی کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

اور جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ ادھر، جہاں کرے اور پھر جو پیش آوے خیر سمجھے اس لیے کہ

ع ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ قَوْفِكُمْ أَوْ

مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ

بَعْضٍ ۚ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾

تَرْجُمہ: "(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے

۱۔ فیض القدیر: ۴۷/۵

۲۔ التعلات: ۱۱

۳۔ فضائل صبر و شکر: ۲۳، ۳۲

۴۔ الانعام: ۶۵

بیت العلم و النور

سہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے۔ یا تمہارے پاؤں کے

نیچے سے، یا تم کو مختلف گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے

ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے، آپ دیکھتے تو سہی ہم کس طرح دلائل

مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں۔"

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے

تھا:

پچھلی آیتوں میں اللہ جل شانہ کے وسیع علم اور بے مثال قدرت کا یہ اثر مذکور

تھا کہ ہر انسان کی ہر مصیبت کو وہی دور کر سکتا ہے، اور مصیبت کے وقت جو اس کو

پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کی امداد اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے، کیوں کہ اس کو تمام

کائنات پر قدرت بھی کامل ہے اور تمام مخلوق پر رحمت بھی کامل، اس کے سوائے کسی کو

قدرت کا ملہ حاصل ہے اور نہ تمام مخلوق پر رحمت و شفقت۔

مذکور الصدر آیات میں قدرت کاملہ کے دوسرے رخ کا بیان ہے۔ جیسے اللہ

تعالیٰ کی قدرت میں یہ ہے کہ کوئی عذاب کوئی مصیبت اور کیسی ہی بڑی سے بڑی

آفت ہو اس کو نال سکتا ہے اسی طرح اس کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جب کسی

فرد یا جماعت کو اس کی سرکشی کی سزا اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب

دینا اس کے بس میں ہے، کسی مجرم کو سزا دینے کے لیے دنیا کے حکام کی طرح اس کو

نہ کسی پولیس اور فوج کی حاجت ہے اور نہ کسی مددگار کی ضرورت۔

حضرت عبداللہ بن عباس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی وغیرہ ائمہ

تفسیر نے فرمایا ہے: "اوپر کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور بے رحم حکام

مسلط ہو جائیں، اور نیچے کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ اپنے لوکر، غلام اور خدمت گار

یا ماتحت ملازم بے وفا، غدار، کام چور، خائن جمع ہو جائیں۔"

رسول اکرم ﷺ کے چند ارشادات سے بھی حضرت عبداللہ بن عباس

بیت العلم و النور

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، شعب الایمان میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

”كَمَا تَكُونُونَ كَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ عَلَيْكُمْ“۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”جیسے تمہارے اعمال بھلے یا برے ہوں گے ویسے ہی حکام اور امراء تم پر مسلط کیے جائیں گے۔“

فیض القدير شرح الجامع الصغير میں روایت ہے:

”كَمَا تَكُونُوا يَوْمَئِذٍ عَلَيْكُمْ“۔<sup>۲</sup>

”اگر تم نیک اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو گے تو تمہارے حکام و امراء بھی رحم دل، انصاف پسند ہوں گے، اور اگر تم بد عمل ہو گے تو تم پر حکام بھی بے رحم اور ظالم مسلط کر دیے جائیں گے۔“

مشہور مقولہ ”أَعْمَالُكُمْ عَمَّا لَكُمْ“ کا یہی مفہوم ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمُلْكِ، وَمَالِكُ الْمُلُوكِ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ بِيَدِي، وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُونِي حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ، وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالسَّخَطِ وَالنِّقْمَةِ فَسَاءَ مَوْهُمُ سُوءِ الْعَذَابِ، فَلَا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ وَلَكِنْ اشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ إِلَيَّ، أَكْفَيْكُمْ مُلُوكَكُمْ“۔<sup>۳</sup>

۱۔ شعب الایمان: ۹۹۲/۹، رقم: ۷۰۰۶

۲۔ فیض القدير: ۶۰/۵، رقم: ۱۶۰۶، حرف الکاف

۳۔ حلیۃ الأولیاء: طبقة من أهل المدينة: ۴/۱۱۱، رقم: ۲۹۰۴

ترجمہ: ”میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں سب بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں، سب حکمرانوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں، جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں اور حکام کے دلوں میں ان کی شفقت و رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل ان پر سخت کر دیتا ہوں، وہ ان کو ہر طرح کا عذاب چکھاتے ہیں، لہذا تم اپنے آپ کو بادشاہوں کے لیے بددعا کرنے میں مشغول نہ رکھو، بل کہ تم اپنے آپ کو ذکر و جوع الی اللہ میں پوری توجہ کے ساتھ مشغول رکھو، میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں گا تمہارے بادشاہوں کے بارے میں (یعنی انہیں تمہارا تابع بنا دوں گا)۔“

اسی طرح حضرت عائشہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ کسی امیر اور حاکم کا بھلا چاہتے ہیں تو اس کو اچھا دوزیر اور اچھا نائب دیتے ہیں کہ اگر امیر سے کچھ بھول ہو جائے تو وہ اس کو یاد دلا دے اور جب امیر صحیح کام کرے تو وہ اس کی مدد کرے، اور جب کسی حاکم و امیر کے لیے کوئی برائی مقدر ہوتی ہے تو برے آدمیوں کو اس کے وزراء اور ماتحت بنا دیا جاتا ہے۔“

ان روایات اور آیت مذکورہ کی متذکرہ تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو تکالیف اور مصائب اپنے حکام کے ہاتھوں پہنچتے ہیں، وہ اوپر سے آنے والا عذاب ہے اور جو اپنے ہاتھوں اور ملازموں کے ذریعہ پہنچتے ہیں وہ نیچے سے آنے والا عذاب ہے، یہ سب کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہوتے، بل کہ ایک قانون الہی کے تابع اور انسان کے اعمال کی سزا ہوتے ہیں، حضرت سفیان ثوری رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے فرمایا:

۱۔ بوداؤد: الخراج والفی والامارة، باب فی اتخاذ الوزراء: ۵۱/۲



”جب مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو میں اس کا اثر اپنے نوکر... اور اپنی سواری کے گھوڑے اور بار برداری کے گدھے کے مزاج میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ یہ سب میری نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔“

واللہ اعلم بالصواب

خلق رہا تو چنید بد خو کنند

تا ترانا چار رو آنسو کنند

یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے لیے بالادست حکام یا ماتحت ملازموں کے ذریعے تمہارے خلاف مزاج، تکلیف دہ معاملات کا ظاہری عذاب تم پر مسلط کر کے درحقیقت تمہارا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، تاکہ تم ہوشیار ہو جاؤ اور اپنے اعمال کو درست کر کے آخرت کے عذاب اکبر سے بچ جاؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق حکام کا ظلم و جور اوپر سے آنے والا عذاب ہے۔

اور ماتحت ملازموں کی بے ایمانی،... کام چوری،... غداری،... یہ نیچے سے آنے والا عذاب ہے، اور دونوں کا علاج ایک ہی ہے کہ سب اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے راہ روی سے باز آجائیں تو قدرت خود ایسے حالات پیدا کر دے گی کہ یہ مصیبت رفع ہو، ورنہ صرف مادی تدبیروں کے ذریعے ان کی اصلاح کی امید اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں، جس کا تجربہ ہر وقت ہو رہا ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش

امتحان ماکن اے شاہ بیش

۱۔ ہمیں یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ملی ہے۔ حضرت فضیل بن میسرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أَصْلَحَ مَا أَفْضَرَ مَا أَكْثَرُ... وَإِنِّي لَأَعْنَى اللَّهِ فَأَعْرِفُ ذَلِكَ فِي خَلْقِي جَمَادِي وَخَلَوِي“ (صفة الصلوة ۲/۱۵۹، رقم: ۲۱۸)

اوپر اور نیچے کے عذاب کی جو مختلف تفسیریں آپ نے ابھی سنی ہیں درحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ لفظ ”عذابا“ جو اس آیت میں آیا ہے، درحقیقت ان تمام تفسیروں پر حاوی ہے، آسمان سے برسنے والے پتھر،... خون، آگ اور پانی کا سیلاب،... اور بالادست حکام کا ظلم و جور،... یہ سب اوپر سے آنے والے عذاب میں داخل ہیں، اور زمین شق ہو کر کسی قوم کا اس میں دھنس جانا یا پانی زمین سے اُبل کر غرق ہو جانا،... یا ماتحت ملازموں کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا ہو جانا،... یہ سب نیچے سے آنے والے عذاب ہیں۔

### ۱۲۔ عوام میں اخوت کا جذبہ پیدا کرنا

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ تہذیبی و لسانی تعصب، صوبائی تعصب بھی اس ملک کے لیے سخت خطرناک ہے۔ اسی تعصب نے بنگلہ دیش کو پاکستان سے کاٹ دیا۔ اس لسانی تعصب، صوبائی تعصب کے خلاف علماء کو دورے کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف اسلام کے احکام بیان کرنے چاہئیں، حدیث میں آتا ہے:

”إِذَا عَتَزَى أَحَدُكُمْ بِعِزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَعِضُوهُ بِهَنْ أَيْدِيهِ وَلَا تَكُنُوا“

ترجمہ: ”جب تم میں سے کوئی شخص زمانہ جاہلیت کی نسبت کے ساتھ اپنے کو منسوب کر لے تو اس کے باپ کی ”شرم گاہ“ کٹاؤ (یعنی اس کو

ہپ کی گالی دو اور اس میں) اشارہ کنایہ سے کام نہ لو۔“

زبان نبوت جس پر وحی جاری ہوتی تھی، جس سے قرآن مجید دیا گیا تھا، جس کے متعلق آتا ہے کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی نامناسب لفظ نہیں نکلتا تھا،

۱۔ معارف القرآن ۳/۳۵۸ تا ۳۶۱

۲۔ العمل اليوم والليلۃ للنسائی: ص ۲۸۳، رقم: ۹۸۰

کبھی مرتبہ اور آخری مرتبہ سخت ترین لفظ جو زبان نبوت ﷺ سے نکلے ہیں، ہیں، "کوئی شخص تمہارے لیے جاہلیت کا نعرہ لگائے اور خاندان، برادری، قوم کی دہائی سے اور اس کام پر ابھارے تو اس کو اس کے باپ کی کالی دودھ خالی کنایہ سے بھی کام نہ لو، اللہ انہیں اللہ کے رسول جن کی زبان سے پھول بہنرتے تھے اور شہ پہنرتا تھا اور قرآن مجید جن کی زبان سے جاری ہوتا تھا، وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" اسے سخت لفظ بولیں، مجھے یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے کسی مسئلہ میں اسے سخت لفظ استعمال کیے ہوں۔ آپ (ائمہ کرام) کا فرض ہے کہ آپ پاکستان کے صوبوں میں جائیں اور خاص طور پر تمام صوبوں کے بچوں کو یہاں بلائیں اور ان کو پڑھائیں اور ان کو ایسا عالم بنائیں کہ خود بخود ان کو اس عصبیت جاہلیہ سے نفرت پیدا ہو جائے، پھر ان کو اس صوبہ میں بھیجیں جس میں یہ لسانی، جغرافیائی تعصب پایا جاتا ہے۔ اس حمیت جاہلیہ نے ملکوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی اسلامی سلطنتوں کا چراغ گل ہو گیا۔

یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی زبان کا جاوہر لوگوں کے دل و دماغ پر بٹھادیں اور اپنی علمی قابلیت کا سکہ بٹھادیں، لیکن حقیقی احترام... عملی نمونہ، سیرت کی بلندی، زہد و استغناء، روحانیت اور اخلاقی عالیہ سے پیدا ہوتا ہے... علمی و فکری حیثیت سے بھی اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بھی مؤثر شخصیتیں پیدا ہونی چاہئیں۔ ہمارے اکابر ایسے تھے، ہمارے اکابر ایسے تھے، ہر وقت اس کی رٹ لگانا اس کا وظیفہ پڑھنا کچھ کام نہیں دیتا، میں نے کچھلی مرتبہ یہیں جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ کوئی ملت اور کوئی دعوت تاریخ سے نہیں چلتی، تحریک سے چلتی ہے۔ ہم پاکستان میں دعوت و مسلک، تاریخ سے نہیں چلانا چاہتے ہیں۔ لوگ کہہ دیں گے کہ صاحب سن چکے، بہت سن چکے، سنتے سنتے طبیعت بھر گئی، آپ کے اکابر ایسے

ایسے تھے "پدرم سلطان ہو، پدرم سلطان ہو" بتائیے آپ کون ہیں؟ کام شروع کیجیے، تاریخ بہت سنائی جا چکی، کتابیں بہت لکھی گئیں، پورا کتب خانہ تیار ہے، اب حرکت اور عمل، جدوجہد و قربانی اور پُرکشش و محر انگیز زندگی کی ضرورت ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی ناچکی دل کی علاج اس مہمانی آپ نشاط انگیز ہے ساقیؔ

### عصبیت ایک مہلک مرض

اس امت کی تباہی و بربادی، ذلت و پستی کے اسباب میں ایک بڑا سبب اختلاف و تفرق ہے، اگر امت مسلمہ میں اخوت و بھائی چارگی کی صفت پیدا ہو جائے تو ان شاء اللہ ہماری پستی بلندی سے، ذلت عزت سے بدل سکتی ہے۔ اختلاف کی وجہ کثیرہ ہیں اگر غور کیا جائے تو اس کا سرچشمہ قومیت، لسانیت، عصبیت سمجھ میں آتا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ اس مہلک مرض کے ازالہ کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

ان اوراق میں اس مرض کی قباحت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں چند باتیں ناظرین (ائمہ کرام) کی خدمت میں پیش ہیں (مجھے کے خطبے میں یا درس وغیرہ کے موقع پر عوام الناس کو ضرور بتائیں)۔ حق تعالیٰ ان سطور کو راقم و ناظرین کے لیے نافع بنائیں، آمین!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے، (پس اس میں سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ تم لو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لیے) تاکہ دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، نہ اس لیے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیوں کہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بل کہ اس کے حال کو محض) اللہ خوب جانتے والا (اور وہی اس سے) پورا خبردار ہے (پس اس پر بھی شنی مت کرو) کَمَا قَالَ تَعَالَى: فَلَا تَزْكُوا أَنْفُسَكُمْ

قرآن کریم کی اس آیت نے کیسے حکیمانہ انداز میں اس مرض کا علاج کیا کہ نسب اور خاندان کی بناء پر فخر و غرور درحقیقت کوئی تفاخر کی چیز نہیں۔ کیوں کہ تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو، کسی کو کسی پر نسبی برتری حاصل نہیں۔ نسبی اور قومی تفاخر بے بنیاد ہے اور باہمی منافرت و عداوت کا پیش خیمہ ہے، اصل مدار شرافت تو تقویٰ ہے۔ اس آیت کا شان نزول بھی یہ بتلایا جا رہا ہے کہ قومیت و نسبیت کوئی بزرگی اور بڑائی کا ذریعہ نہیں، بل کہ ایمان اور تقویٰ باعث شرافت ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کی چھت پر چڑھ کر اذان دی، تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان میں سے عباد بن اسید نے اذان سن کر کہا: ”اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے، ان کو یہ روز بد نہ دیکھنا نہیں پڑا۔“ حارث بن ہشام نے کہا: ”محمد ﷺ کو اس کا لے کوئے کے سوا کوئی اور آدمی نہیں ملا جو صبر حرام میں اذان دے۔“ (معاذ اللہ) سمیل بن عمر نے کہا: ”اگر خدا چاہے گا تو یہ حالت بدل دے گا۔“ ابو سفیان نے کہا: ”میں کچھ نہیں کہتا ہوں کیوں کہ مجھے ظہر

ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک ان کو خبر دے دے گا۔“ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آل حضرت ﷺ کو ان تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلا کر اس کی باز پرس کی۔ انہوں نے اقرار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان و تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آراستہ ہیں، اس لیے وہ تم سے افضل و اشرف ہیں۔

الغرض عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت و سنت پر ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا ارشاد خداوندی سے صاف ظاہر ہے۔ عارف جامی کا یہ شعر اس مضمون کو بخوبی ظاہر کر رہا ہے۔

بندۂ عشق شدی بہ ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

البتہ انساب و قبائل کی تقسیم میں متعدد مصلحتیں اور حکمتیں پنہاں ہیں، من جملہ ان میں خاندان کے تفاوت سے ایک نام کے متعدد افراد میں امتیاز و فرق، اعز و اقارب کی صلہ رحمی کے حقوق ادا کرنا، تقسیم میراث میں حق دار کو حق ملنا وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ قبائل کی تفریق تفاخر کے لیے نہیں بل کہ تعارف کے لیے ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح لکھا: ”خلاصہ یہ ہے کہ ایسی تفاوت کو تعارف کے لیے استعمال کرو و تفاخر کے لیے نہیں۔“

نبی اکرم ﷺ کے تعدد و ازواج کا ایک سبب عصبیت

کا عملاً خاتمہ تھا

نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب خاندانی، علاقائی،



نسلی اور قبائلی عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل اور خاندانوں کی عورتوں سے شادی کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر کے ان تمام لعنتوں کا جو عرب کا سرمایہ افتخار سمجھی جاتی تھیں خاتمہ فرما دیا۔

آپ ﷺ نے بزرگی اور تقرب کے تصور پارہ پارہ اور نسلی اور قبائلی احساس برتری کو پاش پاش کر دیا، مروجہ امتیازات مٹ گئے، اختلاف قومیت، تخصیص رنگ و نسل، خاندانی و قبائلی بت فنا ہو گئے۔

آپ ﷺ نے جاہلی کبر و نخور، پر ضرب کاری لگاتے ہوئے انسانی غرور و عصبیت کو کچل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ قومیں جو اپنے مردہ آباء و اجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو ان سے باز آنا چاہیے وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں، ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم سے یقینی طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ و ادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔“

ظہور اسلام کے وقت مذاہب عالم اور اقوام و اُمم پر عصبیت، قومیت اور علاقائی و قبائلی اثرات چھائے ہوئے تھے جو انسان کے فکر و نظر پر غالب اور اس کے شعبہ حیات پر حاوی تھے اور انسان کی زندگی کا لازمی عنصر بن کر رہ گئے تھے، یہودی اور نصرانی خود کو اللہ کی جیتی اولاد قرار دیتے تھے، فراعینہ مصر سورج کے اوتار کی صورت اختیار کیے ہوئے تھے، شاہان ایران اپنی اپنی رگوں میں خدائی خون کے دعویدار تھے، چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند تصور کرتے تھے اور ہندوستان میں سورج ہنسی اور چندر ہنسی خاندانوں کی نسبت سورج اور چاند سے قائم کی گئی تھی، ایرانی اپنے رنگ کے فخر سے اسے مغلوب تھے کہ وہ حبشیوں اور ہندوؤں کو ”کوئے“ کہتے تھے، عرب اپنی نخوت اور شوکت کے مد نظر ساری دنیا کو ”عم“ یا بے زبان سمجھتے تھے

اور ہندوؤں نے طبقاتی تفوق کے لیے ذات پات کا نظام وضع کر رکھا تھا۔

جہاں تک عرب کا حال تھا، وہاں بھی یہی صورت حال پوری شدت کے ساتھ ملے آتی تھی، عدنانی اور مخضانی قبائل کا باہمی تعصب اتنا شدید تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس کے اثرات گہرے تھے، پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشاکش اتنی ہی شدید تھی، اسی طرح قریش اور غیر قریش کی کشاکش ایک مستقل مسئلہ تھا اور خود قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں قدیم تھیں۔

اس باہمی تعصب نے نہ صرف آپس کی جنگ و خونریزی کو روارکھا ہوا تھا، بل کہ نفرت و حقارت کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا، وہ تھا جو تھمتا نہ تھا۔ اس حالت نے عربی قبائل کے اندر انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ ازدواجی تعلقات عموماً قبیلہ کے اندر ہی قائم کیے جاتے تھے۔

رسالت مآب ﷺ نے مختلف قبائل و اقوام میں شادیاں کر کے صدیوں سے جاری مذاہب و اقوام کی ان جاہلی اور خود ساختہ اقدار و روایات اور عصبیت کا قدیم حصا خاک آلود کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جغرافیائی اعتبار سے بڑیرہ نما عرب کے مختلف قبائل کی نمائندگی کر رہی تھیں، ساتھ ہی اعلیٰ نسب اور بڑے رتبے والے خاندانوں کے فرد ہونے کی حیثیت سے اہم اقدار و اثرات کی حامل تھیں، چنانچہ مکہ معظمہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا تعلق بنو تمیم سے، حضرت حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا تعلق بنو عدی سے، حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا تعلق بنو مخزوم سے، حضرت زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا تعلق بنو اسد ابن خزیمہ سے، حضرت اُمّ حبیبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا تعلق بنو امیہ سے تھا اور مکہ میں ان سے زیادہ با اثر کوئی خاندان نہ تھا۔

مکہ سے باہر اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حضرت

میں وہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا دونوں کا تعلق یمن کے طاقت ور قبیلہ صعصعہ سے تھا۔ جو یہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا وسطِ عرب کے بنی مصطلق کے سردار کی اور حضرت زین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا شمالی عرب کے بنو نضیر کے سردار کی بیوی بنی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایہ سے زائد شادیاں قبائلی عصیت کے خاتمہ اور پورے عرب اور مسلمان قوم کو عرب اسلامی کی لڑی میں پرو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے راہیں ہموار کرنے کے لیے تھیں اور آپ ﷺ کی یہ کوشش پوری طرح بار آور ثابت ہوئی۔

لہذا ائمہ کرام کو چاہیے کہ اس تہذیبی و لسانی تعصب کے ختم کرنے میں مقتدیوں کی بھرپور تربیت فرمائیں، جمعہ کے وعظ اور درس کے ذریعے اس کا فائدہ اٹھائیں، شیخ کریں اور لوگوں کو بتایا جائے کہ ہم پہلے مسلمان ہیں اور بعد میں پیغمبر کے پیروی قوم و قبیلہ سے وابستہ ہیں۔

### ۱۴) مثالوں کے ذریعے سمجھانا

مثالوں سے بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے اور اس بات کا ذہن بہت جلد ہوتا ہے۔

۱۵) مثالوں کو کہا جائے کہ دنیا میں گناہ گاروں کو بھی نعمتیں ملتی ہیں نیک لوگوں کو ملنا کرتی ہیں۔ اس دنیا کے اندر بعض اوقات گناہ گاروں پر نعمتوں کے بہت بڑے دروازے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، طرح طرح کی نعمتوں کی مثلاً مال کی اچھی دولتیں ریل پیل نظر آتی ہے اور ان کی خواہشیں پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں جس سے غم کو دھوکہ لگ جاتا ہے۔ تو اس کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نعمتیں نہیں ملے کہ فتح ابواب ہے پھر اس کے بعد

ہو گی چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَنَلْصِقَ نَفْسًا مَّا ذُكِّرُوا بِهٖ فَنَجِّنَا عَلَيْهِمُ ابْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۚ حَتّٰی اِذَا فَرَجُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْلَهُمُ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ ثٰبِلُوْنَ ۝۱۷﴾

ترجمہ: "پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی، کھول دیے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے، یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو ان کو دی گئیں، پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک، اس وقت وہ رہ گئے ناامید۔"

۱۶) اسی طرح دین داروں کو بھی نعمت ملتی ہے قرآنی اصطلاح میں وہ "حَیْوَةٌ طَیْبَةٌ" کہلاتی ہے۔ جیسے..... چوہے کو اپنے پنجرے کے اندر جو روٹی کا ٹوالہ یا کوٹ کی بوٹی یا پنیر کا ٹکڑا نظر آتا ہے کہنے کے اعتبار سے گویا نعمت ہے، لیکن یہ نعمت انجام کے اعتبار سے نعمت (رحمت) ہے۔

۱۷) اسی طرح طوطے کو اس کے پنجرے کے اندر جو نعمت دی جاتی ہے وہ بھی ایک اعلیٰ نعمت ہے، لیکن وہ دل بہلانے کے لیے نعمت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نیک شخص کو نعمت خوش ہو کر یا کثیرہ انعام کے طور پر دیتے ہیں اور نافرمان پر جو ظاہری راحت آتی ہے اور اس کو جو نعمت ملتی ہے اس کو مہلت کہتے ہیں۔ اب سمجھئے کہ فرماں بردار کو جو نعمتیں ملیں وہ ہیں فتح برکات..... اور گناہ گار کو جو اسباب عیش ملے وہ ہے فتح ابواب..... جس کا انجام ہے عذاب، چوہے کے پنجرے میں جو نعمت رکھی وہ اس کی پکڑ کے لیے رکھی اور طوطے کے پنجرے میں رکھی جانے والی نعمت اس کو خوش ہو کر دی۔

دونوں جگہ پنجرہ، دونوں جگہ نعمت ایک کو خوش ہو کر ایک سے ناراض ہو کر۔ فرماں پر نعمتوں کے دروازے کھلیں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کے باوجود

نعمتوں سے نواز رہا ہے، یہ مجھ سے ناراضگی کے باوجود چیزوں کا ملنا، پکڑ کے لینے نہ ہو، یہ جو ہے کے پنجرے والی نعمت ہے۔ یعنی جو ہے بہت بڑھ گئے ہیں گھر کے اندر پنجرے میں طرح طرح کی نعمتیں رکھ دیں اور سب دروازے کھول دیئے اب آیا ایک چوہا پھر سارے چوہے آئے اور کہا، واہ واہ.... نعمتیں ہی نعمتیں، اور دروازے بھی سب کھلے ہوئے ہیں۔ نصیحت کرنے والے کسی چوہے نے کہا اور سمجھایا کہ یہ جو نعمتیں ہیں ان کے پیچھے مصیبتیں ہیں تو جواباً ان چوہوں نے اس سے کہا: ارے چوہا نیک بخت پرانے خیال کا! اپنی نصیحت اپنے ہی پاس رکھ، نعمتیں پڑی ہیں ان کو کہتا ہے مصیبت ہے، دیکھ جب تو سوکھی روٹی کے ٹکڑے کھائے گا تو پچھتاے گا، پائل کہیں کا۔ کہیں آجا بھی نہیں سکے گا۔ پھر نیک چوہے نے کہا: اگر تم یہ نعمتیں کھا جاؤ گے (جو دراصل مصیبتیں ہیں) تو پکڑے جاؤ گے اور گھر والے بہت خوش ہوں گے کہ پکڑے گئے۔

تمہیں دیکھ کر بچے کو دیں گے خوشی کے مارے اور تم اندر کو دو گے غم کے مارے۔ پھر عورتیں آئیں گی سب تمہیں دیکھیں گی گرم پانی تمہارے اوپر ڈالا جائے گا، پھر سڑک پر تمہیں پھینک دیا جائے گا، پھر جب تم آدھے مرے ہوئے ہو جاؤ گے تو بلی آکر تمہیں نوچ نوچ کر کھا جائے گی، لیکن ابھی یہ ساری باتیں غیب میں ہیں یعنی تم سے پوشیدہ ہیں۔ تو ان سب چوہوں نے کہا اچھا ہم ذرا ریسرچ (Research) کر لیں۔ اب کہاں ریسرچ (Research) کریں؟ ارے جہنم اور جنت کی جب انسان ریسرچ (Research) کرے گا تو کہاں کرے گا؟ اس زمین و آسمان کے درمیان کرے گا۔ تو زمین اور آسمان کے درمیان جنت اور جہنم تو ہیں نہیں، وہ تو موت کے بعد نظر آئیں گی۔ جیسے ماں کے پیٹ کے اندر جو بچہ ہے وہ گھرا ہوا ہے اور اصول یہ ہے کہ جو گھرا ہوا ہو وہ اپنے گھیرنے والے کو دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ ماں کے پیٹ کے اندر کے بچے کو ماں کا پورا وجود سمجھ میں نہیں آ سکتا، اسی طرح جو زمین

و آسمان کے اندر گھرا ہوا ہے اس کو آسمانوں سے اوپر کی اور زمین کے اندر کی چیزوں کا کیا معلوم؟ اگر کوئی ماں کے پیٹ کے اندر موجود بچے سے کہے کہ کچھ خبر بھی ہے حیرتی ماں کے پیٹ کے باہر بڑے بڑے ہوائی جہاز ہیں، ریلیں (trains) چل رہی ہیں، چاند سورج اور زمین اور آسمان بھی موجود ہیں اور بچہ کہے کہ اچھا میں ذرا ریسرچ (Research) کروں گا۔ اچھا ماں کے پیٹ میں ریسرچ (Research) کرے گا؟ اب یہ کیا کہے گا جس کی ابھی شناخت ہے نہ کان کہاں ہیں ہوائی جہاز اور ریل گاڑی اور زمین اور آسمان، بے کار کی بات ہے؟ اب اگر آپ اس سے کہیں گے کہ جہاں یہ چیزیں اصل میں ہیں وہاں تو دیکھ نہیں سکتا، اور جہاں تو دیکھ رہا ہے وہاں یہ چیزیں ہیں ہی نہیں تو دکھائی کیا دے گا؟ ایسے ہی بعض دہریے جو آج بے دینی میں آگے بڑھ رہے ہیں ان کو اگر روکنا ہوں سے اور انجام بتاؤ جہنم کی سزا کا تو جھٹکتے ہیں کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ارے نظر کہاں سے آئے گا؟ ہم زمین و آسمان کے بیچ میں گھرے ہوئے ہیں تو کیسے دیکھیں گے، اس سے تو یہی کہا جائے گا کہ: مرنے کے بعد پتا چلے گا، جیسے بچے کو پیٹ سے نکلے ہی سب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ایسے ہی اس بے دین کو مرنے ہی سب کچھ نظر اور سمجھ آ جائے گا مگر اس وقت سمجھنا بے فائدہ ہوگا۔

⑤ کسی نے نیا اے سی (A.C) یعنی ایئر کنڈیشنڈ خرید کر چلایا، دروازہ کنڑ کی سب کھلے رکھے، چار گھنٹے چلانے کے بعد بھی کمرہ ٹھنڈا نہیں ہوا، وہ شکایت لے کر دکان دار کے پاس گیا کہ آپ نے کہا تھا آدھے گھنٹے میں کمرہ میں ٹھنڈک ہو جائے گی میں نے چار گھنٹے چلایا کمرہ ٹھنڈا ہی نہیں ہوا، تو دکان دار اس کو یہی جواب دے گا، اے سی (A.C) میں کوئی خرابی نہیں ہے، صرف آپ دروازہ بند کر دیں کنڑ کیاں بند کر دیں، آپ بہت جلد کمرہ کو ٹھنڈا پائیں گے۔

اسی طرح اعمال کے نتائج جو ہم چاہتے ہیں وہ اس لیے موصول نہیں ہو رہے کہ نیکوئی کرنے کے ساتھ ساتھ ہم گناہوں کو نہیں چھوڑتے، لہذا ہمیں نیکوئی کے نتائج



حاصل کرنے کے لیے گناہوں کو چھوڑنا ہوگا، کسی کا دل دکھانے سے بچنا ہوگا۔ کسی کا ناجائز حق دبانے سے بچنا ہوگا۔ پھر ہماری دعائیں بھی قبول ہوں گی ہمارے وظائف کا بھی اثر ہوگا۔

۵ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "اکابر دیوبند کیا تھے" میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنے مکان سے تشریف لائے مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس تماشا کی حقیقت سننے کے لیے ہم تن گوش ہو گئے۔

فرمایا کہ "محلہ کوئلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں میں لڑ رہی تھیں، ایک دوسرے کو مار رہی تھیں۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے اب اس کی تقسیم مسئلہ پر نزاع ہے۔ حصوں کی کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔

قول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں۔ ہم ان کی کم عقلی اور بچکانہ ذہنیت پر ہنسنے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں آئے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بے وقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و اسباب اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر ان کو چشم حقیقت بین نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ ان عقلاء زماں اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچوں کی جنگ سے کچھ زیادہ متاثر نہیں۔ فناء ہو جانے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

غور کیجیے! اس طرح کے سیکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گزرتے ہیں مگر

کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے؟

### ۵ وعظ میں انبیاء اور صحابہ کے قصے بیان کرنا

انبیاء کرام کی جماعت وہ جماعت ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانیت کی تربیت کے لیے منتخب فرمایا، اور ان کا ذکر خیر قرآن کریم میں بار بار فرمایا۔ ان کے تذکروں میں جو نور ہوگا وہ کسی اور میں نہیں ہو سکتا۔ لہذا اپنے ایمان کی مضبوطی اور اپنے مقتدیوں اور عام مسلمانوں کی تربیت کے لیے انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے حالات کا ذکر کریں، ان کے ایمانی واقعات کو بیان کیجیے، ان کی دعوت کو بیان کیجیے، کس طرح کفر و شرک کے خلاف انہوں نے توحید کی طرف لوگوں کو بلایا۔ اس کے بعد صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے واقعات بیان کیجیے۔

صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی جماعت وہ جماعت ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر پہلی دفعہ نگاہ ڈالی تو ان میں سے محمد ﷺ کو پسند فرمایا، اور انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا، اور ان کو اپنا علم خاص عطا فرمایا۔ پھر دوبارہ لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی اور آپ کے لیے صحابہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو چنا، اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی ﷺ کی ذمہ داری اٹھانے والا بنایا۔ لہذا جس چیز کو مؤمن (یعنی صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) اچھا سمجھیں گے وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہوگی، اور جس چیز کو صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی برا سمجھیں گے وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بری ہوگی۔"

انفس کی بات یہ ہے کہ ہم سے اپنی مجلسوں میں، بیانات میں، صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے تذکرے چھوت گئے، بہت سے صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایسے ہیں

جن کے نام بھی ہمیں یاد نہیں۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہیں جن کے کارناموں کا ہمیں تعارف بھی نہیں۔ لہذا آج سے نیت کیجیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تذکرے کو عام کریں گے، اس پر افسوس کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

”مسلمانوں پر ایک ایسا وقت بھی آیا جب وہ اس تاریخ سے بے گانہ ہو کر اس کو فراموش کر بیٹھے، ہمارے اہل وعظ وارشاد اور اہل قلم و مصنفین نے اپنی تمام تر توجہ اولیاء متاخرین کے واقعات اور اسباب زہد و مشیخت کی حکایات، بیان کرنے پر صرف کر دی اور لوگ بھی اس پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ وعظ وارشاد کی مجالس، درس و تدریس کے حلقے اور اس دور کی ساری تصانیف اور کتابیں ان ہی واقعات سے بھر گئیں اور سارا علمی سرمایہ صوفیائے کرام کے احوال و کرامات کی نذر ہو گیا۔“

صرف اپنے شیخ کے حالات بیان کرنے یا ایک دو صدی پرانے مشائخ کے واقعات بیان کرنا بھی باعث خیر ہے ہی، اس کا بھی فائدہ ضرور ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اور بڑا فائدہ اور نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ مفید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات بیان کرنا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر امت متفق ہو جائے گی، ہو سکتا ہے آپ کے مقتدیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں جن کو آپ کے شیخ یا آپ کے مسلک کے اکابر سے وہ عقیدت و تعلق نہ ہو جو آپ کو ہے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں تو الحمد للہ آپ کے تمام مقتدی (چاہے وہ آپ کے مسلک کے خلاف ہوں) معتقد ہوں گے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قربانی بڑی ہے، ان کے مجاہدے انوارات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے تذکرے سے ایمان میں ترقی، نئی نسلوں میں جوش ایمانی کو بیدار کرنے، حمیت اسلامی پیدا کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر سب کچھ قربانی

کرنے کا جذبہ بنانے کے لیے ان کے واقعات کا بیان کرنا بہت ہی مفید ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی کے طریقے کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو دنیا سے چکے ہیں، اور یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو کہ اس امت میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے تھے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے اور اپنے دین پھیلانے کے لیے جن لیا ہے۔ لہذا ان جیسے اخلاق اور ان جیسی زندگی گزارنے کے طریقے اپناؤ۔ رب کعبہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے۔

لہذا ائمہ کرام کو چاہیے کہ وہ ایسی کتابوں کا مطالعہ فرمالیا کریں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صحیح واقعات مذکور ہوں خاص طور پر حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”حیۃ الصحابہ“ کا مطالعہ ضرور فرمالیا کریں جس کی اہمیت کا اندازہ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے فرمایا:

”اس کتاب کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وہ حالات و واقعات درج ہیں جن کا کسی ایک کتاب میں ملنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ قصے اور حکایات مختلف حدیث کی کتابوں یا تاریخ و طبقات کے مجموعوں اور کتب مسانید سے حاصل کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ ایک ایسا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تیار ہو گیا ہے جو اس زمانے کی تصویر سامنے رکھ دیتا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی، ان کے اخلاق و خصائص کے تمام پہلوؤں اور باریکیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔

واقعات و روایات کے استقصاء (پوری کوشش) اور مکمل بیان کی وجہ سے

کتاب میں ایک ایسی تاثیر پیدا ہوگئی ہے جو ان کتابوں میں نہیں پائی جاتی جو اہل دل و اختصار اور معانی کے اظہار پر تصنیف کی جاتی ہیں۔ اس کے لیے ایک قاری اس کی وجہ سے ایمان و دعوت، سرفروشی اور فضیلت اور اخلاص و زہد کے ماحول میں وقت گزارتا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب مؤلف کا عکس جمیل اور جگر کا ککڑا ہوتی ہے اور جس کیفیت و معنویت، جذبہ، لگن، روح اور تاثیر سے تصنیف کی جاتی ہے، اس کی منظم ہوتی ہے، تو میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب موثر، طاقت ور اور کامیاب ہے چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت، ان کی رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی اور دل و دماغ میں رچ بس گئی تھی، اس لیے مؤلف نے اس کو حسن عقیدت، جذبہ الفت اور جوش محبت کی لازوال کیفیات کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

مؤلف کی عظمت و اخلاص کے پیش نظر اس کتاب کو کسی مقدمے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ وہ خود جہاں تک میرے علم میں ہے، ایمان کی قوت، دعوت میں قنایت اور یک سوئی کے اعتبار سے عطیہ ربانی اور زمانے کی حسنت میں سے تھے، اور ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

وہ ایک ایسی دینی تحریک و دعوت کی قیادت کر رہے تھے جو وسعت و طاقت، عظمت و اثر انگیزی میں سب سے بڑی تحریک ہے، لیکن اس ناچیز کو انہوں نے اس کے ذریعہ عزت بخشی اور اس عظیم الشان کام میں اس کا بھی حصہ ہو گیا۔ تقرب الی اللہ میں نے یہ کلمات تحریر کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور بندگان خدا کو نفع پہنچائے۔<sup>۱</sup>

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اہل علم اس کتاب (حیۃ الصحابہ) کو کوئی مرتبہ پڑھیں، بار بار پڑھیں، اس کے مطالعہ سے ان پر

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی کھلے گی۔

وعظ اور درس میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مستند فقہ بیان کرنے کے لیے ائمہ حضرات کو یہ کتابیں اپنے پاس رکھنی چاہئیں۔

قص القرآن (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)

قص الانبیاء (امام حافظ ابن کثیر)

قص الانبیاء (مولانا عبدالعزیز ہزاروی)

قص الاحادیث (مولانا ذکریا اقبال)

صحابہ کے واقعات (ترجمہ محمد حنیف عبد المجید)

صحابین کے واقعات (ترجمہ محمد حنیف عبد المجید)

صحابہ کی زندگی (محمد حنیف عبد المجید)

(مکتبہ بیت العلم کراچی)

ائمہ کرام کو درس دینے اور تقریر کرنے میں آسان اور عام

فہم انداز اختیار کرنا چاہیے

ائمہ ایسا درس ہرگز نہ دیں جو معتد یوں کی سمجھ اور استعداد سے بالاتر ہو اس میں کئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل علم فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حکم ہوا ہے کہ لوگوں کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور ان کی عقل و سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کریں اور فرمایا کہ کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات نہ کہتا ہے جس کو وہ نہیں سمجھ سکتے تو وہ فقہ کا سبب بن جاتی ہے۔<sup>۲</sup>

اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف کے اندر ایک باب باندھا ہے۔

”بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْإِخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهُمْ بَعْضُ“



النَّاسِ عَنْهُ فَيَقْعُوا فِي أَشَدِّ مَنَةٍ ۝۱۰

یعنی "یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنہوں نے بعض علوم کے بیان کو اس لیے چھوڑا کہ عام لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر ہے تاکہ وہ مشقت میں نہ پڑ جائیں۔"

اسی طرح بخاری شریف میں ایک روایت ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم کے متعلق پوچھا: "کہ وہ بیت اللہ میں داخل ہے کہ نہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "داخل ہے" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: "اس کو بیت اللہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریش کے پاس خرچہ ختم ہو گیا تھا" پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دروازے کے بارے میں پوچھا: "یہ اونچا کیوں ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اس لیے کہ تیری قوم جس کو چاہے داخل کرے اور جس کو چاہے روک سکے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا: "عائشہ اگر مجھے تمہاری قوم کے فساد کا خطرہ نہ ہوتا (کہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہیں) تو میں عظیم کو بیت اللہ میں داخل کرتا اور دروازہ زمین سے ملاتا۔" ۱۰

علماء کرام فرماتے ہیں کہ قریش کی کمزوری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کو بنیاد ابراہیم علیہ السلام پر نہ بنا سکے اور یہ عظیم کام قریش کی کمزوری کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرط یہ کہ ان کا سمجھنے والا ہو یعنی میں ان کو اس لیے ظاہر نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں ہے۔ ۱۱

۱۰ بخاری، کتاب العلم: ۲۴/۱

۱۱ بخاری، التناہی، باب فضل مکہ ونبیائہا: ۱/۲۱۵، ۲۱۶، رقم: ۶۵۸۵

۱۲ آداب المؤمنین: ۵۸

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"خَذِلُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتَجِبُونَ أَنْ يُكَذِّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ؟ ۱۲

ترجمہ: "لوگوں کو اتنا بتاؤ جتنا وہ سمجھیں، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔"

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے، جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس کے سامنے ایسے مسائل بیان ہی نہ کرے، اسی لیے حضرات فقہاء بہت سے مسائل کے بیان کے بعد لکھ دیتے ہیں:

"هَذَا مِمَّا يَعْرِفُ وَلَا يُعْرِفُ" ۱۳

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"مَا أَنتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةٌ" ۱۴

ترجمہ: "کسی قوم کے سامنے ایسی بات مت کرو جو وہ نہ سمجھیں ورنہ وہ بات فتنہ کا سبب بن جائے گی۔"

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَا يُطِيقُهُ" ۱۵

ترجمہ: "صاحب علم کے لیے مناسب نہیں کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی عقل سے بالاتر ہو۔"

بزرگوں کا ارشاد ہے "مفتی کے علوم مجتہدی کے سامنے بیان نہ کیے جائیں اور

۱۲ بخاری، العلم، باب من خصص بالعلم: ۲۴/۱ ۱۳ معارف القرآن: ۴۳/۱

۱۴ مقدمة مسلم: ۹/۱ ۱۵ زاد المسیر: ۱۵۷

متعلم کے سامنے اس کے فہم کے مطابق تقریر کی جائے ورنہ طلبہ کو نفرت ہو جائے گی۔  
حضرت یونس بن عبدالاعلیٰ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہمارے سامنے ہماری سمجھ کے مطابق تقریر کرتے تھے اس لیے ہم سمجھ جاتے تھے۔ اگر وہ اپنی عقل کے مطابق فرماتے تو ہم بالکل نہ سمجھ پاتے۔  
امام نووی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”طالب علم (یا مقتدی) کے سامنے ایسی بات نہ کی جائے جس کا وہ اہل نہ ہو ورنہ نقصان ہوگا۔“

ائمہ حضرات کو چاہیے کہ وہ درس اور وعظ کا خلاصہ نکال کر مقتدیوں کے سامنے سہل اور عام فہم انداز میں پیش کر دیں، تاکہ پورے درس یا وعظ کا خلاصہ ان کو یاد ہو سکے، اس کے دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ اس پر عمل کرنا آسان ہوگا اور دوسرا یہ کہ اگر آگے کسی کو سنا نا پڑے تو آسانی سے بیان کر سکے۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے پیش نظر کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”يُسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا“۔  
”تَرْجِمُوْهُ“ آسانی پیدا کرو سختی نہ کرو۔“

### بات مثبت انداز سے سمجھائی جائے

ائمہ حضرات کو چاہیے کہ جمعہ کے وعظ میں ان باتوں کا خیال رکھیں:

① نیت عالم بھر کے انسانوں کی کریں۔

② مثبت انداز میں بات کریں۔

③ آج کل کیا ہو رہا ہے اس کو بیان نہ کریں۔ معاشرے میں جو برائیاں ہوتی ہیں اس کا ذکر کرنے کے بجائے ان برائیوں کو کس طرح دور کیا جائے ان سے

کس طرح بچا جائے یا بچانے کی کوشش کی جائے ان کی تدابیر بیان کریں۔

اور یہ اصول حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اس مشہور قول سے لیا گیا ہے:

”إِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا يُبَيِّنُونَ الْبَاطِلَ بِهَجْرِهِ وَيُخَيِّوْنَ الْحَقَّ بِذِكْرِهِ“۔  
”تَرْجِمُوْهُ“

”اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جو باطل کو ختم کرتے ہیں اس کے چھوڑنے کے ساتھ اور حق کو زندہ کرتے ہیں اس کے ذکر کے ساتھ۔“

آپ جن حق باتوں کو وجود میں لانا چاہتے ہیں اس کو خوب ذکر کریں اس کے فوائد، منافع، فضائل، حکمتیں، بیان کیجیے اور جن باتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کا ذکر اس طرح ہو کہ ”معاشرے میں یہ یہ ہو رہا ہے“ ان باتوں کو ذکر نہ کریں۔

نور فرمائیے کہ آپ کو پندرہ (۱۵) منٹ وعظ کے لیے ملے ہیں اور اس میں سے بارہ منٹ صرف معاشرے کی برائیوں کے ذکر پر لگ جاتے ہیں اور تین (۳) منٹ ان برائیوں کے ارتکاب کرنے والوں کی غیبت میں لگ جاتے ہیں تو مقتدیوں کو ان برائیوں کا علاج تو نہ ملا، نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ جمعہ یہ مقتدی حضرات بھی نہیں آئیں گے بلکہ عین خطبہ کے وقت پر پہنچیں گے۔

④ جمعہ کے وعظ میں ڈانٹ ڈپٹ کا انداز ہرگز نہ ہو کہ اس سے اصلاح کم اور مفاسد زیادہ ہوتے ہیں۔

اکابر علماء کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جو ”تربیت کرنے والے لوگوں“ (ائمہ حضرات) کو نصیحتیں فرمائی ہیں اس میں یہ بھی ہے:

”لَا تُكْثِرِ الْقَوْلَ عَلَيْهِ بِالْعِقَابِ فِي كُلِّ حِينٍ فَلَا يُؤْنِخُهُ إِلَّا

تَرْجَمًا: "لوگوں کو ہر وقت ڈانٹ مت پاپا کرو بل کہ کبھی کبھار ڈانٹ کرو۔"

اسی طرح فقیر سَخَوْنِ لَحَبِہِ اللہ تَعَالٰی ایک معلم کو اس کے بیٹے کے بارے میں نصیحت کر کے فرماتے ہیں:

"لَا تُؤَدِّبْهُ إِلَّا بِالْمَدْحِ وَالطَّيْفِ الْكَلَامِ وَلَيْسَ هُوَ مِمَّنْ يُؤَدِّبُ بِالضَّرْبِ أَوْ التَّعْذِيبِ۔" ۱۷

تَرْجَمًا: "اس کی تربیت تعریفی اور نرم کلمات سے کریں کیوں کہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی تربیت مارنے اور سزا دینے سے کی جاتی ہے۔"

ائمہ حضرات کو چاہیے کہ اپنے وعظ سے پہلے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے مواعظ "اصلاحی خطبات" کا مطالعہ فرمایا کریں تو بہت زیادہ مفید رہے گا۔

۵ اس بات کا بھی خیال رہے کہ وعظ روزانہ نہ ہو، تاکہ مخاطبین پر بوجھ نہ ہو۔

رسول کریم ﷺ کو دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بوجھ نہ ہونے پائے اور اکتانہ جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تاکہ ہم اکتانہ جائیں، اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔ ۱۷

۶ اسی طرح مختلف فیہ اور الجھانے والے مسائل جس سے فتنہ و فساد اور نفرت

۱۷ الترویۃ الاسلامیة وفلا سقا: ۱۸۸

۱۷ ترویۃ الاطفال فی رحاب الاسلام فی البيت والروضة: ۲۰۵

۱۷ بخاری، العلم، باب ما کان النبی یتخولہم بالموعظة: ۱۶/۱

بیّنات العلم فی تربیت

پہلے کا اندیشہ ہو وعظ میں بیان نہ کریں۔

حضرت انس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا۔" ۱۷

تَرْجَمًا: "لوگوں پر آسانی کرو و دشواری پیدا نہ کرو اور ان کو (اللہ تعالیٰ کی رحمت) کی خوش خبری سناؤ، اور متفرق نہ کرو۔"

امام اپنے بڑوں کو کس طرح نصیحت کرے

اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب حضرت ابراہیم رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے جس کو حضرت غنی اعظم پاکستان رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے، فرماتے ہیں ابراہیم رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ نے والد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿١﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٢﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ﴿٣﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿٤﴾﴾ ۱۷

تَرْجَمًا: "اے ابا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں، نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں میرے مہربان باپ! آپ (دیکھیں) میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں تو آپ میری ہی مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا، میرے ابا جان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آ جائیں شیطان تو رحم و

۱۷ الترمذی: ۱۶ تا ۱۵

۱۷ بخاری، العلم: ۱۶/۱

بیّنات العلم فی تربیت



کرم والے اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی نافرمان ہے، اباجی مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذاب الہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ حضرت خلیل اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے جو مقام جامعیت، اوصاف، کمالات کا عطا فرمایا تھا، ان کی یہ تقریر جو اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے، اعتدال مزاج اور رعایت اُمت کی ایک بے نظیر تقریر ہے کہ ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی کمرائی میں نہ صرف مبتلا بل کہ اس کا داعی و کچھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لیے حضرت خلیل اللہ ﷺ پیدا کیے گئے ہیں۔ دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت و محبت ہے ان دونوں ضدوں کو حضرت خلیل اللہ ﷺ نے کس طرح جمع فرمایا:

اول تو ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا۔ پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے ہیں کہ حکمت و پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔

دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی۔

تیسرے اور چوتھے جملہ میں اس انجام بد سے ڈرایا جو اس شرک و کفر کے نتیجہ میں آنے والا تھا۔ اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر یا یہ کہ ان کی فرزندانہ گزارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے، پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا۔

انہوں نے تو خطاب ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کے پیارے لفظ سے کیا تھا جس کا جواب

حرف میں ”یا نبی“ کے لفظ سے ہونا چاہیے تھا مگر آزر نے ان کا نام لے کر ﴿يَا أَبَا هَبِشَةَ﴾ سے خطاب کیا اور ان کو سنگ سار کر کے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

اس کا جواب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کی طرف سے کیا ملا ہے وہ سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكَ﴾ یہاں لفظ سلام دو معنی کے لیے ہو سکتا ہے۔

اول یہ کہ سلام مقاطعہ ہو یعنی کسی سے قطع تعلق کرنے کا شریفانہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول و صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ ۱

یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان سے دوہرو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سلام ”عرفی سلام“ ہی کے معنی میں ہو۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ دریائے فرات کے کنارے ایک بوڑھے دیہاتی کو دیکھا کہ اس نے بڑی جلدی جلدی دھوکیا، اور اسی طرح نماز پڑھی، اور جلد بازی میں وضو اور نماز کے مسنون طریقوں میں کوتاہی ہو گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے سمجھانا چاہتے تھے، لیکن اندیشہ یہ ہوا کہ یہ عمر رسیدہ آدمی ہے اور اپنی غلطی سن کر کہیں مشتعل نہ ہو جائے۔

”اچھ دوئوں حضرات اس کے قریب پہنچے اور کہا کہ:

”ہم دونوں جوان ہیں، اور آپ تجربہ کار آدمی ہیں، آپ وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہوں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کر دکھائیں، اگر ہمارے طریقے میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو بتا دیجیے گا۔“ اس کے بعد انہوں نے سنت کے مطابق وضو کر کے نماز پڑھی۔ بوڑھے نے دیکھا تو اپنی کوتاہی سے توبہ کی، اور آئندہ یہ طریقہ چھوڑ دیا۔

امام کسالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم خواہ اور قراءت قرآن کے مشہور عالم ہیں، دونوں علوم میں ان کا مرتبہ محتاج تعارف نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز میں ہارون رشید کی امامت کی، تلاوت کرتے ہوئے مجھے اپنی قراءت خود پسند آنے لگی، ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پڑھتے پڑھتے مجھ سے ایسی غلطی ہوئی جو کبھی کسی سے بھی نہ ہوئی ہوگی، میں ”لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“ پڑھنا چاہ رہا تھا، مگر منہ سے نکل گیا: ”لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“

لیکن بخدا! ہارون رشید کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ تم نے غلط پڑھا، بلکہ سلام پھیرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: ”یہ کون سی اخت ہے؟“ میں نے کہا ”یا امیر المؤمنین! کبھی سبک روگھوڑا بھی شوکر کھاتا ہے“ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ”یہ بات تو ٹھیک ہے!“

ایک (گورنر) والی مصر کبوتر بازی کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے ایک خادم سے ان کا مقابلہ ہو گیا۔

کبوتروں کی دوڑ میں خادم کا کبوتر بازی لے گیا اس نے اپنے امیر کو یہ لکھنا برا جانا کہ آپ ہار گئے اور سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح خبر دی جائے، جس سے واقعہ معلوم ہو جائے۔ وہاں ایک کاتب تھا، اس نے کہا اگر آپ چاہیں تو یہ شعر لکھ کر بھیج دیجیے۔

لے ”منافق الامام الاعظم“ للکردی: ۱/۳۹، ۴۰

لے معرفة القراء الکبار علی الطبقات والاعصار: ۱/۱۰۳

ہ یا آئینہ الملک الذی جدہ

لکلی جدہ قاهر غالب

ترجمہ: ”اے بادشاہ جس کی خوش قسمتی ہر دوسرے شخص کی قسمت کو

دبانے والی اور جس کا نصیب سب کے نصیبوں پر غالب رہتا ہے۔“

ہ طائرک السابق لکئہ

اتی وفی بخدمہ حاجب

ترجمہ: ”حقیقت میں تو آپ ہی کا پرندہ جیتا ہوا رہا، لیکن وہ اس شان

سے آیا کہ اس کی خدمت میں (آگے چلنے والا) ایک حاجب (خادم)

بھی تھا۔“

اس نے اس جواب کو پسند کیا اور انعام دیا اور یہی لکھ بھیجا۔

لہذا امام کو بھی چاہیے کہ جب وہ اپنے بڑوں والدین یا بڑی عمر کے مقتدیوں کو نصیحت کرنا چاہے، مسئلہ سمجھانا چاہے تو ادب اور نرم رویہ کا لحاظ ضرور رکھے، توہین آمیز اور سخت لہجہ کبھی بھی اختیار نہ کرے، کیوں کہ امام لوگوں کا مقتدا، وراہ نما ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ لوگ دین کی طرف آئیں اور مزید متفر ہو جائیں گے۔



## باب چہارم

## ائمہ کرام کی مسجد کی ذمہ داریاں

## ۱۱ مسجد کو تعلیم و تعالیم کے حلقوں کے ذریعے آباد کرنا

اگر ہم مساجد کی تاریخ اور مساجد کا معاشرے کی اصلاح میں کردار، اور مساجد کے ذریعے ہر مرد و عورت (چاہے وہ عمر کی کسی بھی منزل میں ہو) تک علم دین کی طرح پہنچا اس پر غور کریں تو یہ بات ہم پر واضح ہو جائے گی کہ قرونِ اولیٰ میں مساجد فجر سے لے کر عشاء تک تعلیمی حلقوں سے آباد تھیں۔

محلے کا ہر فرد جس طرح کھانا پینا اپنے ذمے سمجھتا تھا اسی طرح مسجد سے اپنی روحانی غذا ان تعلیمی حلقوں میں بیٹھ کر حاصل کرنا ضروری سمجھتا تھا جس کے نتیجے میں اس امت کا ہر فرد شرک کے گناہ سے بچتا تھا اس لیے کہ تعلیمی حلقوں کے ذریعے ان کے عقائد کی اتنی اصلاح ہو جاتی تھی کہ وہ قبر پرستی، شخصیت پرستی، باطل کے تمام حربوں اور جالوں سے بچنے کے لیے ان تعلیمی حلقوں کے ذریعے اپنی حفاظت کر لیتا تھا۔

کاش! ائمہ حضرات دوبارہ اپنی اپنی مساجد میں ایسی ترتیب بنالیں کہ محلے کا ہر شخص ان تعلیمی حلقوں میں بیٹھے اور ہماری مسجدیں دوبارہ ان تعلیمی حلقوں سے آباد ہو جائیں اور مساجد پر کسی وقت بھی تالا نہ لگے۔

لہذا ائمہ کرام کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ

اپنی مساجد میں صبح تا شام تعلیمی حلقے قائم کریں۔ مساجد میں تعلیمی حلقے قائم کرنے سے معاشرے کی بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

۱) آپ کے محلے میں امن و امان قائم ہوگا۔

۲) رحمت و برکت کی فضا قائم ہوگی۔

۳) آپس میں تعاون، اخوت (بھائی چارہ) قائم ہوگا۔

احادیث سے مساجد کے اندر تعلیم و تعالیم کے حلقے قائم کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور آپ ﷺ سے ان حلقوں کو قائم فرما کر گئے، اس میں بیٹھنے اور بٹھانے کے فضائل ارشاد فرمائے۔ نہ بیٹھنے والوں اور نہ سیکھنے والوں اور نہ سکھانے والوں کے لیے وعیدیں ارشاد فرمائیں۔ اس سلسلے میں اہل علم نے آپ ﷺ کے زمانے کی مساجد اور صحابہ و تابعین کے زمانے کی مساجد میں تعلیم و تعالیم کے حلقوں کے قیام کی اہمیت پر کتابیں لکھی ہیں جن میں اس بات کے دلائل اس کے فوائد لکھے ہیں اور مساجد کو نمازوں کے بعد تالے لگوانا یا ان میں علمی حلقے نہ لگوانا اس کے نقصانات اور اس پر وعدے و وعید جمع کیے ہیں۔

عبدالنبی ﷺ اور بعد میں بھی دین کے سیکھنے اور سکھانے کا مرکز مسجدیں تھیں۔ یہ مسجد میں سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ، تابعین اور تبع تابعین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے زمانے میں رہا، اور اسی طرح بعد کے زمانے میں بھی رہا۔ ذیل میں ہم اکیس اقتباسات اور پانچ احادیث مبارکہ دلیل میں ذکر کرتے ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد ستونِ ابولہاب کے پاس تشریف لاتے تھے اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اس طرح حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے کہ سب کا چہرہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف ہوتا تھا، صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی مجلس اور حلقہ کا بھی یہی طریقہ تھا اور وہ مسجد کے ستونوں کے پاس عام طور سے بیٹھتے



تھے، اور ہرستون کے پاس حلقہ قائم ہوتا تھا۔

(۲) مسجد نبوی میں مجلسوں اور حلقوں کا ذکر بڑے فصیح و بلیغ اور والہانہ انداز میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد نے یوں کیا ہے:

”عَهْدِي بِهَذَا الْمَسْجِدِ وَأَنَّهُ كَمِثْلِ الرُّوحَةِ اخْتَرْتُ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُ“<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”اس مسجد میں میرا وہ دور گزرا ہے جب یہ باغیچے کے مانند تھی تم اس کے جس حصہ میں چاہو بیٹھ جاؤ۔“

دوسرے شہروں میں بھی عام طور سے تعلیمی مجالس مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں اور بعض حضرات اپنے یہاں تعلیم دیتے تھے۔ شیوخ و اساتذہ عام طور سے سرور (تخت) پر بیٹھتے تھے، اصحاب و تلامذہ اسی کے قریب نیچے حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے، جس میں اعیان و اشراف، عوام و خواص، مقامی بیرونی اور محلی و عربی سب طلبہ برابر بیٹھتے تھے، شیوخ بعض طلبہ کو ان کے مقام و مرتبہ یا قراءت کی وجہ سے اپنے تخت پر یا اپنے قریب بٹھاتے تھے، طلبہ کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس میں ابو ترہ خاص طور سے مجمع میں آواز پہنچانے اور عربی سے فارسی میں ترجمہ کے لیے رکھے گئے تھے، اساتذہ کے احترام و ادب کا خاکہ کرتے ہوئے طلبہ سوال کرتے تھے اور کافی و شافی جواب پاتے تھے، اساتذہ تفصلاً میں ہوتے تو طلبہ سے خود سوال کرنے کی فرمائش کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسے واقعات منقول ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ مجلس میں نوجوان طلبہ کے سوالات کے جوابات دینے کے بعد اس قدر زیادہ حدیث بیان کی کہ وہ سب گھبرا گئے۔ کبھی کبھی اہل مجلس میں نشاط پیدا کرنے کے لیے مجلس کا رنگ

بدل جاتا تھا، شعر و شاعری ہونے لگتی تھی زمانہ جاہلیت کی جنگوں کے تذکرے ہونے لگتے تھے، ذاتی باتیں بھی ہوتی تھیں مگر شیوخ و مجالس کا وقار و ادب ہر حال میں باقی رکھا جاتا تھا۔

(۳) حضرت ابو الاحوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ ان کی مجالس مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں۔<sup>۲</sup>

(۴) حضرت خطیب بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ”الفقه و المتفقہ“ میں فصل ”تدریس الفقه فی المساجد“ قائم کیا ہے اور اس باب میں بہت سے واقعات اس سلسلہ میں لکھے ہیں۔<sup>۳</sup>

(۵) اسی طرح حضرت جندب بن عبداللہ بنجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ گیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر دیکھا تو لوگ آپس میں حدیث کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول ہیں۔<sup>۴</sup>

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص نے جہاد میں شرکت کے لیے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو اس سے اچھی بات نہ بتاؤں؟ تم مسجد بناؤ اور اس میں فرائض سنت اور ”تفقہ فی الدین“ کی تعلیم دو۔<sup>۵</sup>

حضرت ابو اوریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الْمَسَاجِدُ مَجَالِسُ الْكِرَامِ“، یعنی مسجدیں اعیان و اشراف کی مجالس ہیں۔<sup>۶</sup>

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علماء کو حکم دیا تھا کہ اپنی مسجدوں میں علم کی نشر و اشاعت کریں، (مساجد میں تعلیم و تعلم والی) سنت مٹ رہی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے عامل جعفر بن برقان کو لکھا کہ تم اہل علم و فتنہ کو حکم دو کہ اللہ

۱۔ الفقه و المتفقہ للخطیب بغدادی: ۱۷۹/۲۔ ۲۔ المحدث الفاضل: ۶۰۳

۳۔ طغفان ابن سعد: ۵۰۱/۳۔ ۴۔ جامع بیان العلم: ۲۱/۸

۵۔ حلیۃ الاولیاء، ذکری طبعہ من دبی اہل الشام: ۱۹۱/۵، رقم: ۶۶۲۶

نے ان کو جو علم دیا ہے اس کی اشاعت اپنی مجالس اور مساجد میں کریں۔

امام بخاری نے "بَابُ ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُقَّيَا فِي الْمَسَاجِدِ" قائم کیا ہے۔  
قاضی ابن خلدو اور مہر مزی نے "الْمُحَدِّثَاتُ الْفَاصِلُ بَيْنَ الرَّاوِي وَالْمُتَلَمِّذِ"  
میں "عَقْدُ الْمُجَالِسِ فِي الْمَسَاجِدِ" کا باب باندھا ہے۔

عہد صحابہ میں مسجد نبوی میں جگہ جگہ تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے، جن میں متاخر  
اور بیرونی طلبہ کی کثرت ہوتی تھی۔

علامہ ابن الحاج "المدخل" میں فرماتے ہیں:

"أَخَذَ الدَّرْسُ فِي الْمَسْجِدِ أَفْضَلَ، لِأَجْلِ كَثْرَةِ الْإِنْتِفَاعِ  
بِالْعِلْمِ لِمَنْ قَصَدَهُ وَمَنْ لَمْ يَقْصِدْهُ، بِخِلَافِ الْمَدْرَسَةِ فَإِنَّهُ  
لَا يَأْتِي إِلَيْهَا إِلَّا مَنْ قَصَدَ الْعِلْمَ أَوْ الْإِسْتِفْنَاءَ فَيَأْخُذُهُ فِي  
الْمَدْرَسَةِ أَقَلُّ رُبَّمَا فِي الْإِنْتِشَارِ مِنْهُ فِي الْمَسْجِدِ"۔

ترجمہ: "مسجد میں تعلیم کا حلقہ لگانا افضل ہے۔ کیوں کہ اس میں طلب  
علم کا قصد کرنے والے اور قصد کرنے والوں دونوں کے حق میں زیادہ  
فائدہ ہے، بخلاف مدرسہ کے کہ وہاں صرف علم کا طالب یا استفتاء کرنے  
والا ہی آئے گا۔ اس لیے مسجد کے بجائے مدرسہ میں تحصیل علم سے اس  
کی اشاعت کم ہوگی۔"

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء چوتھی صدی میں ہوئی۔ اس سے پہلے اس کا  
کوئی وجود نہیں تھا اس سلسلہ میں علامہ مقریزی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کی عبارت ملاحظہ  
فرمائیں:

"إِنَّ الْمَدَارِسَ مِمَّا حَدِثَ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَمْ تَكُنْ تُعْرَفُ  
فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ، وَلَا التَّابِعِينَ، وَإِنَّمَا حَدِثَ عَمَلُهَا بَعْدَ

الْأَرْبَعِ مِائَةِ مِنْ سَنَةِ بَعْدَ الْهِجْرَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ حَفِظَ عَنْهُ أَنَّهُ  
بَنَى فِي الْإِسْلَامِ أَهْلُ نَيْسَابُورَ فَبُنِيَتْ الْمَدْرَسَةُ النَّيْهَقِيَّةُ"۔

ترجمہ: "مدارس اسلام بعد میں بنائے گئے ہیں۔ صحابہ اور تابعین  
وَرَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے زمانے میں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا ہے۔ ان کی تعمیر

چوتھی صدی ہجری کے بعد آئی ہے اور اہل نیشاپور نے سب سے پہلا  
مدرسہ بنایا اور مدرسہ نہپقیہ کی تعمیر کی گئی۔"

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی مسجد نبوی جس میں اصحاب صفہ، ضعفاء، و  
سالمین صحابہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اور باہر سے آئے ہوئے وفود ہوتے تھے۔

(۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز فجر ادا  
فرماتے تو ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے۔ ہم میں کوئی آپ ﷺ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی فرائض کے بارے میں، اور کوئی خواب کی  
تعبیر معلوم کرتا۔"

اس سلسلہ میں مولانا حکیم عبدالحی صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔

تارے پیر و مرشد روحی فدائے (رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی) نے خاک پاک مدینہ میں جو پہلی  
فہارت بنائی تھی اور جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا، اس کے بعد جتنی  
مسجیدیں دنیا میں تیار ہوئیں ان ہی کو آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تعلیم کا پرانا  
طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے ارد گرد شاگردوں کا حلقہ بن  
جاتا اساتذہ غالباً لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر بیٹھ کر اور چراغ  
جلا کر تحصیل علم کرتے تھے، بڑے بڑے شہزادوں کو بھی علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ  
مہندوں میں جا کر اور اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب نہ کر کے بیٹھتے تھے۔ یہی

طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا۔

ہندوستان کی بعض مساجد سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ ان میں جو پور میں ان کی مسجد، لاہور میں وزیر خان کی مسجد، نئی دہلی میں ماہم بیگم کی مسجد، پرائی دہلی میں مسجد فتح پوری اور سورت میں مرجان شامی مسجد کا خصوصیت سے اس سلسلہ میں نام لیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسجد نبوی علم دین کے سیکھے سکھانے، مرکز بنی رہی۔ بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت نے مسجد نبوی کو تعلیم دین کے لیے مرکز بنایا۔

وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم جنہوں نے مسجد نبوی کی کو اپنی تعلیم کے لیے مرکز ملے تھا ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كَانَ لِجَاهِلِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَلْقَةٌ فِي الْمَسْجِدِ يَعْنِي النَّبَوِيَّ يُؤْخَذُ عَنْهُ الْعِلْمُ“

ترجمہ: ”جاہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا حلقہ مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا ان سے علم دین حاصل کیا جاتا تھا۔“

(۸) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی تعلیمی حلقہ مسجد نبوی میں لگتا تھا اور ان کے تعلق کے بارے میں صاحب ”تذکرۃ الحفاظ“ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد ثابت بن عبید رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَفْكُهُ فِي بَيْتِهِ وَلَا أَوْفَرَ فِي مَجْلِسِهِ مِنْ زَيْدٍ“

لے یاد ایام: ۳۸ تا ۳۹ ۳۸۳ھ الاصابہ فی تمييز الصحابة، ۱/۲۶۳، رقم: ۱۰۲۵

۳۸۸ھ الاصابہ فی تمييز الصحابة، ۱/۵۶۱، رقم: ۲۸۸

ترجمہ: ”میں نے کسی شخص کو اپنے گھر میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہنسی مزاح کرنے والا اور مجلس میں ان سے زیادہ باوقار نہیں دیکھا۔“

(۹) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی مسجد نبوی میں ہی بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ ان کے بارے میں عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَا رَأَيْتُ مَجْلِسًا أَجْمَعَ لِكُلِّ خَيْرٍ مِنْ مَجْلِسِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْعَرَبِيَّةِ.....“

”میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس سے زیادہ باوقار مجلس کوئی اور نہیں دیکھی ان کی مجلس حلال و حرام کے احکام، عربی فصاحت، انساب اور اشعار سے معمور رہتی تھی۔“

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد نبوی کو اپنے اشاعتِ علم کا مرکز بنایا تھا۔ وہ صبح سے چاشت تک مسجد نبوی میں قبلہ رو بیٹھ کر احادیث کا درس دیتے تھے۔ ان کے بارے میں ان کے غلام و شاگرد حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَنَّهُ كَانَ يَجْلِسُ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَرْتَفِعَ الضُّحَى، وَلَا يُصَلِّي، ثُمَّ يَنْطَلِقُ إِلَى السُّوقِ فَيَقْضِي حَوَائِجَهُ، ثُمَّ يَجِيءُ إِلَى أَهْلِهِ فَيَبْدَأُ بِالْمَسْجِدِ، فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ“

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں چاشت کے وقت تک بیٹھے تھے اس وقت نماز (چاشت) نہیں پڑھتے تھے

لے ذخائر العقول فی مناقب ذوی القربی، فصل ثانی، فی ذکر علما: ۱/۲۳۰

لے الحلیات الکبیری ۱/۱۶۷



(بل کہ درس دیتے رہتے) پھر اٹھ کر بازار جاتے اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس مسجد نبوی میں آکر دو رکعت نماز پڑھتے اس کے بعد پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے۔

(۱۱) عقیل بن ابی طالب رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت علی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے بھائی تھے ان کی بھی مجلس علم مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔

ان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ ذَلِكَ عَنْهُ بِمَسْجِدِ الْمَدِينَةِ“۔<sup>۱</sup>

تَرْجُمہ: ”ان سے لوگ یہ باتیں مسجد مدینہ (مسجد نبوی) میں حاصل کرتے تھے۔“

(۱۲) اسلم عدوی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے بعد ان کے بیٹے زید بن اسلم عدوی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ متوفی ۱۳۶ھ نے مجلس علم کو باقی رکھا۔ علامہ ذہبی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وَكَاثَتْ لَهُ حَلْفَةٌ بِالْعِلْمِ بِالْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ“۔<sup>۲</sup>

تَرْجُمہ: ”ان کا حلقہ علم مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا۔“

(۱۳) حضرت ابن عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے شاگرد حضرت نافع رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی بھی ابتداء مجلس علم مسجد نبوی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ میں گئی تھی، مگر جب وہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تو اپنے گھر میں جو جنت البقیع کے قریب تھا وہیں درس دیتے تھے۔ امام ذہبی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں امام مالک رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”كُنْتُ أَيْتِي نَافِعًا وَأَنَا غُلَامٌ حَدِيثُ السِّنِّ، مَعِيَ غُلَامٌ“

۱۔ الاصابۃ: ۲/۱۹۶، رقم: ۵۶۲۸

۲۔ التحفة الطیفة فی تاریخ المدينة الشریفۃ: ۱/۳۶۵، رقم: ۱۳۵۸

لِنَزُولٍ، وَلِيُحَدِّثُنِي، وَكَانَ يَجْلِسُ بَعْدَ الصُّبْحِ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَكَادُ يَأْتِيهِ أَحَدٌ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ، وَكَانَ فِي حَيَاةِ سَالِمٍ لَا يُفْتِي“۔<sup>۱</sup>

تَرْجُمہ: ”میں نافع رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے یہاں آتا تھا اس وقت میں نو عمر لڑکا تھا۔ میرے ساتھ خادم ہوتا تھا۔ وہ اوپر سے اتر کر مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ اور صبح کے بعد مسجد نبوی میں بیٹھا کرتے تھے اس وقت ان کے پاس کوئی شخص نہیں آتا تھا اور سورج نکلنے کے بعد اٹھ جاتے تھے، سالم بن عبداللہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی زندگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے۔“

(۱۴) تین بھائی حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت ابراہیم بن عقبہ، اور حضرت محمد بن عقبہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ یہ تینوں علم کی اشاعت کے لیے مسجد نبوی میں بیٹھا کرتے تھے:

”كَانَ لِابْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَمُحَمَّدِ بْنِ عُقْبَةَ حَلْفَةٌ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا كُلُّهُمْ فُقَهَاءَ وَمُحَدِّثِينَ وَكَانَ مُوسَى يُفْتِي“۔<sup>۲</sup>

تَرْجُمہ: ”حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت محمد رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کا حلقہ بھی مسجد نبوی میں قائم تھا اور یہ سب کے سب فقیہ اور محدث تھے اور موسیٰ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فتویٰ بھی دیتے تھے۔“

(۱۵) حضرت محمد بن عجلان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی بھی مجلس علم مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں علامہ ذہبی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ مُفْتِيًا، فَقِيهًا، عَالِمًا غَابِظًا، رَبَّانِيًا، كَبِيرَ الْقَدْرِ لَهُ“

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، طبعة ثالثہ، نافع الإمام العلم: ۱۰۰/۱

۲۔ تہذیب الکمال: ۱/۱۶۱، الطبعة الخامسة، موسیٰ بن عقبہ

حَلَقَةً كَبِيرَةً فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“  
تَرْجَمَةً: ”وہ مفتی، فقیہ، عالم، عابد، ربانی بڑی قدر و منزلت والے  
تھے۔ مسجد نبوی میں ان کا بڑا حلقہ تھا۔“

(۱۶) حضرت عبدالرحمن بن ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا حلقہ درس مسجد نبوی اور ان کے  
مکان میں دونوں جگہ قائم ہوتا تھا۔

حضرت امام مالک رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سات سال تک ان کے حلقہ درس میں  
بیٹھتے تھے۔ اس درمیان کسی اور درس گاہ میں نہیں گئے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوا کہ صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ اَجْمَعِينَ اور اہل  
کے لوگوں نے مسجد نبوی کے اندر بیٹھ کر تعلیم اور اشاعتِ علم کا کام کیا۔ اسی طرح  
صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ اور اسلاف امت جہاں جہاں گئے انہوں نے وہاں کی مسجد  
میں ہی بیٹھ کر اشاعتِ علم کا علم بلند کیا۔ مثلاً:

(۱۷) جب حضرت ابوالدرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ دمشق تشریف لے گئے تو وہاں انہوں  
نے جا کر جامع مسجد دمشق میں اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنایا۔

عبدالقادر مغربی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ  
فجر کے بعد جامع مسجد دمشق میں بیٹھتے تھے، طلبہ قرآن پڑھنے کے لیے ان کو جبریا  
کرتے تھے، حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، دس دس طلبہ کی جماعت بنا کر ان میں  
ایک گھرانہ مقرر فرما کر خود محراب میں بیٹھ جاتے اور طلبہ کی نگرانی فرماتے۔ ایک دن  
حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے طلبہ کا شمار کیا تو ان کی تعداد سولہ سو نکلی۔

(۱۸) حضرت عبدالرحمن بن غنم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، طبعة خامسة، ۱/۱۶۵

۲۔ غیر القرون کی درس گاہیں، ۲۹۳

۳۔ الاخلاق والواجبات، ص ۸، غیر القرون کی درس گاہیں، ۲۱۰

سے ملے کے امین ہیں۔ ان کا حلقہ بھی جامع مسجد دمشق میں ہی ہوتا تھا۔  
علامہ ذہبی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن غنم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ  
سے شام کے تابعین رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ نے علم حاصل کیا۔ یہ نہایت جلیل القدر اور صادق  
عالم تھے۔

(۱۹) حضرت ابودریس خولانی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی بھی مجلس علم دمشق کی جامع مسجد  
میں قائم ہوئی تھی۔ جس میں صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ اَجْمَعِينَ بھی شریک ہوتے تھے۔  
ان کے بارے میں کھول شامی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں:

”كَانَتْ حَلَقَةً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَذَرُشُونَ جَمِيعًا فَإِذَا بَلَغُوا سَجْدَةً بَعَثُوا إِلَى أَبِي إِدْرِيسَ  
الْخَوْلَانِيِّ فَيَقْرَأُهَا ثُمَّ يَسْجُدُ فَيَسْجُدُ وَأَهْلُ الْمَذَارِسِ“  
تَرْجَمَةً: ”جامع مسجد دمشق میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ  
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کا حلقہ ہوتا تھا۔ سب حضرات قرآن پڑھتے تھے اور  
جب سجدہ کی آیت آ جاتی تو ابودریس خولانی کو بلا تے اور وہ اس کو پڑھ  
کر سجدہ فرماتے، ان کے ساتھ تمام اہل درس سجدہ کرتے۔“

(۲۰) حضرت ابو عمرو شیبانی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی علمی مجلس کوفہ کی جامع مسجد میں لگتی تھی  
ان کے بارے میں عاصم بن یحییٰ فرماتے ہیں:

”كَانَ أَبُو عَمْرٍو الشَّيْبَانِيُّ يُقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي الْمَسْجِدِ  
الْأَعْظَمِ“

تَرْجَمَةً: ”ابو عمرو شیبانی کوفہ کی جامع مسجد اعظم میں قرآن کا درس دیتے تھے۔“

۱۔ الاصابة في تمييز الصحابة: ۶۱۸/۲، حروف العين، القسم الاول

۲۔ تذکرۃ الحفاظ، الطبعة الثالثة، ۱/۵۱، رقم: ۳۰

۳۔ الاحاد والمثاني: ۳۳۸/۵، رقم: ۲۸۹۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، الطبعة الثانية، ۱/۶۸، رقم: ۶۲

(۲۱) حضرت عمرو بن دینار رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اسامیہ یعنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کے خصوصی اصحاب میں شمار کیے گئے، کثیر الحدیث، اللہ و عترت عالم و مفتی تھے۔ ان کا حلقہ درس مسجد حرام میں قائم ہوتا تھا جو آخری زمانے تک جاری رہا۔ حضرت عمرو بن دینار رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حدیث کے معانی بیان کرتے تھے، حضرت سفیان بن عیینہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں:

”كَانَ عَمْرُو يُحَدِّثُ بِالْمَعَانِي وَكَانَ فَقِيهًا“۔

ترجمہ: ”عمرو بن دینار حدیث کے معانی بیان کرتے تھے اور وہ خوب سمجھنے والے ”فقیہ“ تھے۔“

شیخ عبداللہ قاسم الوثلی نے اپنے رسالے ”الْمَسْجِدُ وَدَوْرُهُ التَّعْلِيمِيُّ“

..... میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں مسجدوں میں تعلیمی حلقوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اب چند احادیث مساجد میں مجالس علم کی فضیلت کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں:

### ”احادیث مبارکہ“

(۱) رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتِمُّ هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذَا أَقْبَلَ ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ إِيَّانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاجِدًا قَالَ: فَوَقَفْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا: فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا. وَأَمَّا الْآخَرُ: فَجَلَسَ خَلْفَهُمَا، وَأَمَّا الثَّالِثُ: فَادْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ

له الطبقات الكبرى: ۴۸۰/۵

بیانِ اعلیٰ مرتبت

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟“ أَمَّا أَحَدُهُمَا: فَأَوَى إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَأَوَاهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَأَمَّا الْآخَرُ: فَاسْتَحَبَّهَا فَاسْتَحَبَّ اللَّهُ مِنْهُ. وَأَمَّا الْآخَرُ: فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ۔

ترجمہ: امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ابو واقد اللیثی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے اتنے میں تین آدمی آئے ان میں سے دو آپ ﷺ کی جانب متوجہ ہوئے اور ایک واپس چلا گیا، وہ دو کھڑے رہے ایک نے تھوڑی سی جگہ کشادہ پائی تو وہیں بیٹھ گیا اور اس کا ساتھی اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور جو تیسرا شخص ان کے ساتھ آیا تھا وہ واپس چلا گیا جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں ان تین آدمیوں کے بارے میں؟

ان میں ایک وہ تھا جس نے اللہ عزوجل سے جگہ مانگی، اللہ رب العزت نے اسے جگہ عنایت فرمائی اور دوسرا وہ تھا جس نے اللہ رب العزت سے شرم رکھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم رکھی۔ اور جو تیسرا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض فرمایا۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ. وَأَحَدُ الْمَجْلِسَيْنِ يَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغَبُونَ إِلَيْهِ. وَالْآخَرُ يَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ وَيُعَلِّمُونَهُ. فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”كِلَا الْمَجْلِسَيْنِ عَلَى خَيْرٍ، وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ. أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغَبُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ. وَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ الْعِلْمَ

له بخاری العلم، باب من تعلم حيث ينتهي به المجلس: ۱/۱۶، الرقم: ۶۶

بیتِ اعلیٰ مرتبت



وَيُعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ فِيهِمْ أَفْضَلُ. وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا، ثُمَّ جَلَسَ مَعَهُمْ تَزَجُّجًا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر سے گزرے ایک مجلس والے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے اور اسی کی جانب متوجہ تھے اور دوسری مجلس والے مسائل سیکورہ تھے اور سکھا رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ”دونوں مجالس خیر پر ہیں، لیکن ان دونوں میں سے ایک مجلس والے افضل ہیں (آپ ﷺ نے ذکر والی مجلس کی طرف اشارہ فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہیں اور اسی کی جانب متوجہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو انہیں عطا کر دیں اور چاہیں تو منع فرمادیں، اور یہ دوسری مجلس والے تو خود سیکھ بھی رہے ہیں اور دوسروں کو سکھا بھی رہے ہیں اور مجھے تو معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہے پھر آپ ﷺ سیکھنے سکھانے والی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے۔

(۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ: ”أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بَطْحَانَ، أَوْ إِلَى الْعُقَيْقِ فَيَأْتِي مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْ مَلَوْنِ فِي غَيْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطْعٍ رَجِيمٍ؟“ فَقُلْنَا: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحِبُّ ذَلِكَ.“ قَالَ: ”أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ أَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَقَلَاثٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ قَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادٍ هُنَّ مِنَ الْإِبِلِ؟“ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى نَعِيمٌ فِي الْجِلْبَةِ فَيَعْلَمُ. ۛ

ۛ مستند البزار ۴۲۸/۶

ۛ مسلم: ۲۷۰/۱، فضائل القرآن وما يتعلق به، باب فضل قراءة القرآن وفي الصلاة وتعليمهم، رقم: ۸۰۳

ۛ حلیۃ الاولیاء، ذکر اہل الصفۃ، ۱۰/۲، رقم: ۱۳۵۴

تَزَجُّجًا، امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہم صفہ میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ ہر روز بٹحان یا عقیق جائے اور وہاں سے دو اونٹیاں اونچے کوہان والی بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کیے ہوئے لے کر آئے؟“

ہم نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص اس کو پسند کرتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے ہر ایک مسجد نہیں جاتا، پس وہاں جا کر قرآن کی دو آیتیں سیکھ لے یا پڑھ لے یہ اس کے لیے دو اونٹیوں سے بہتر ہیں، اور تین آیتیں تین اونٹیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹیوں سے، اسی طرح آیات کی تعداد سے اونٹیوں کا حساب ہے۔“

(۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يَعْلَمَهُ كَانَ لَهُ تَأْجِرُ مُعْتَمِرٍ تَامٍ الْمُعْمَرَةِ، وَمَنْ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا لِيَعْلَمَ خَيْرًا أَوْ يَعْلَمَهُ فَلَهُ أَجْرُ حَاجٍّ تَامٍ الْحِجَّةِ.“ ۛ

تَزَجُّجًا، حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص صبح کو مسجد جاتا ہے اور اس کا ارادہ صرف خیر کی بات کا سیکھنا یا سکھانا ہوتا ہے، تو ایسے شخص کا اجر کامل عمرہ ادا کرنے والے کے برابر ہوتا ہے، اور جو شخص شام کو مسجد جاتا ہے، اور اس کا ارادہ صرف خیر کی بات کا سیکھنا یا سکھانا ہوتا ہے، تو ایسے شخص کا اجر کامل حج کرنے والے کے برابر ہوتا ہے۔“

(۵) عَنْ أَنَسٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ: كَانَا أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ

ۛ کنز العمال، کتاب العلم، ۷۲/۵، سہجہ، ۱۰، رقم: ۲۸۸۵۵

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: "لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ." ۱۷

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک تجارت کرتا تھا جب کہ دوسرا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا (یعنی علم حاصل کرتا تھا) تاجر بھائی نے آپ ﷺ سے دوسرے بھائی کی شکایت کی (کہ یہ تو کما نہیں مجھے ہی کمانا پڑتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: "شاید کہ تمہیں بھی اسی بھائی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔"

حضرت ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "جامع بیان العلم و فضلہ" میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔

"ان دو بھائیوں میں سے ایک آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو سیکھنے کے لیے آپ ﷺ کی مجلس میں آتا تھا اور دوسرا بھائی اپنا کاروبار کرتا تھا تو اس دوسرے بھائی نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ: "اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی میری کچھ بھی مدد نہیں کرتا" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "شاید تجھے بھی اسی بھائی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔" ۱۸

### عہد نبوی میں مسجد نبوی کے اندر علمی حلقے

شیخ صالح بن غانم السد لان اپنی کتاب "المسجد ودوره فی التربية والتوجيه وعلاقته بالمؤسسات الدعوية فی المجتمع" میں لکھتے ہیں۔  
نشأتها: التعلیم منذ القدم مرتبط إرتباطاً وثيقاً بالمسجد وخاصة إذا كان تعلیمًا لأمر من أمور الدين.

وَلَقَدْ مَارَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْلِيمَ الْمُسْلِمِينَ أُمُورًا

۱۔ الترمذی، الوفاء باب الزهادة فی الدنيا: ۵۹/۲

۲۔ جامع بیان العلم و فضلہ، البحث علی طلب العلم و تعلیمہ: ۵۹/۱

وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ فِي مَكَّةَ وَفِي ذَاكَ الْأَرْقَمِ بْنِ أَبِي الْأَرْقَمِ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ لِلْمُسْلِمِينَ مَسْجِدًا.

بِذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مُبْتَدِئًا لِلْعَجَبِ حِينَ هَاجَرَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ أَنْ يَكُونَ أَوَّلُ أَعْمَالِهِ هُنَاكَ هُوَ بِنَاءُ مَسْجِدِ الْمُسْلِمِينَ فِي قُبَاءٍ فِي الْأَيَّامِ الْأُولَى الَّتِي قَضَاهَا الرَّسُولُ فِي الْمَدِينَةِ.

وَيَذْكُرُ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ أَنَّ حَلَقَاتِ الْعِلْمِ كَانَتْ تَعْقِدُ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ. أَمَّا عِنْدَ إِتْقَالِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قُبَاءٍ إِلَى الْمَدِينَةِ فَقَدْ سَارَعَ بِنَاءُ مَسْجِدِهِ الْمَعْرُوفِ الَّذِي عَمِلَ فِيهِ بِيَدِهِ وَحَسَلَ أَحْجَارُهُ بِنَفْسِهِ وَهُوَ يَقُولُ:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ  
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ  
وَكَانَ أَصْحَابُهُ الْكِرَامُ يَعْمَلُونَ وَهُمْ يَشْدُونَ:

لَا يَسْتَوِي مَنْ يَعْمُرُ الْمَسَاجِدَ  
يَعْمَلُ فِيهَا قَائِمًا وَقَاعِدًا  
وَمَنْ يَرَى عَنِ الْغُبَارِ حَائِدًا

فَكَانَ هَذَا الْمَسْجِدُ النَّبَوِيُّ مَدْرَسَةَ الدَّعْوَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ الْأُولَى، وَذَاكَ الدَّوْلَةُ الْإِسْلَامِيَّةُ الْكُبْرَى.

فَلَمَّا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا لِمُخْتَلِفِي الْأَجْنَاسِ مِنْ عَرَبٍ وَعَجَمٍ، وَمُخْتَلِفِ الْأَلْوَانِ مِنْ بَيْضٍ وَسُودٍ، وَمُخْتَلِفِي الطَّبَقَاتِ مِنْ أَغْنِيَاءَ وَفُقَرَاءَ، وَمُخْتَلِفِ الْأَسْنَانِ مِنْ شَبَوَخٍ وَشَبَّانٍ وَغُلَمَانٍ.

وَفَتَحَتْ صَدْرَهَا لِلْمَرْأَةِ تَشْهَدُ دُرُوسَ الْعِلْمِ فِي عَصْرِ كَانَتْ

الْمَرْءُ مَخْلُوقًا لَا حَقَّ لَهُ فِي الْعِلْمِ وَلَا فِي مُشَارَكَةِ الرَّجُلِ فِي الْحَيَاةِ.  
مَدْرَسَةٌ تُلْقِنُ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ، وَتُطَهِّرُ الرُّوحَ وَالْبَدَنَ، وَتُبَصِّرُ  
بِالْعِبَادَةِ وَالْوَسِيلَةِ، وَتُعَرِّفَ بِالْحَقِّ وَالْوَاجِبِ، وَتُعَيِّنَ بِالتَّرْبِيَةِ قُلُوبَ  
التَّعْلِيمِ، وَبِالتَّطْبِيقِ قَبْلَ النُّظَرِيَّاتِ، وَتَهْدِيْبِ النُّفُوسِ قَبْلَ تَنْقِيبِ  
الْأَفْكَارِ. وَكَانَتْ حَلَقُ الْعِلْمِ فِي مَسْجِدِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذَارُ  
مِنْ قَبْلِهِ حِينًا وَهُوَ الْأَكْثَرُ، وَمِنْ قَبْلِ أَصْحَابِهِ تَحْتَ إِشْرَافِهِ  
وَمُلَاحَظَةِ فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ. وَكَانَتْ هَذِهِ الْحَلَقَاتُ تَنْتَشِرُ فِي  
أَرْجَاءِ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ الشَّرِيفِ فِي الْبُكُورِ مِنَ الصَّبَاحِ كَمَا فِي  
غَيْرِهَا مِنَ الْأَوْقَاتِ.

وَمِمَّا يَدُلُّ أَيْضًا أَنَّ الْحَلَقَ الْعِلْمِيَّةَ كَانَتْ تَذَارُ مِنْ قَبْلِ غَيْرِهِ  
حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّاصِرِ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا-  
السَّابِقُ ذِكْرُهُ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ .....

فَالْمَسْجِدُ كَانَ جَامِعَةً كُبْرَى لِلتَّعْلِيمِ وَتَخْرِيجِ الْأَكْفَاءِ لِإِقَامَةِ  
الدَّوْلَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ وَإِمْدَادِهَا بِالْعَامِلِينَ فِي كُلِّ مَجَالٍ مِنَ مَجَالَاتِ  
الْحَيَاةِ، وَقَدْ كَانَتْ الْمَسَاجِدُ فِي الْعَالَمِ الْإِسْلَامِيِّ تُخْرِجُ الْخُلَفَاءَ  
وَالْأُمَرَاءَ وَالْقَوَادِ وَالْعُلَمَاءَ وَرِجَالَ الْقَضَاءِ وَالْفُتُحَا، وَالْمُحَدِّثِينَ  
وَالْمُفَسِّرِينَ، وَاللُّغَوِيِّينَ وَغَيْرَهُمْ.

وَقَدْ أَقْفَرَتْ أَكْثَرُ مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِينَ عَنْ آدَاءِ هَذَا الْأَمْرِ الْعَظِيمِ  
إِلَّا مَا نَدَرَ، وَأَنَّ إِعَادَةَ الْمَسْجِدِ إِلَى مَكَانَتِهِ مَرْهُونَةٌ بِإِعْطَاءِ الْمَسْجِدِ  
مَكَانَتَهُ الْأُولَى كَمَا كَانَ فِي صَدْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ، حَيْثُ كَانَ مَصْدَرًا  
رَئِيسًا مِنْ مَصَادِرِ التَّوْحِيدِ وَالتَّرْبِيَةِ وَالتَّعْلِيمِ.

وَأَنَّ ذَلِكَ إِذَا حُصِّلَ سَيَكُونُ فِيهِ مَصَالِحُ كَثِيرَةٌ جِدًّا نَذَكُرُ مِنْهَا

الْمُصْلَحَةُ الْأُولَى: إِعَادَةُ مَكَانَةِ الْمَسْجِدِ الَّتِي كَادَ يَفْقِدُهَا فِي  
بَعْضِ بُلْدَانِ الْمُسْلِمِينَ، وَفَقْدُهَا فِعْلًا فِي بُلْدَانٍ أُخْرَى.  
الْمُصْلَحَةُ الثَّانِيَّةُ: نَشْرُ التَّعْلِيمِ بَيْنَ جَمِيعِ طَبَقَاتِ النَّاسِ وَهُوَ  
مَا نَسْعَى إِلَيْهِ الدَّوْلُ فِي الْعَصْرِ الْحَاضِرِ وَتُسَمِّيهِ بِمَحْوِ الْأُمِّيَّةِ.  
الْمُصْلَحَةُ الثَّالِثَةُ: أَنَّ إِنتِشَارَ الْعِلْمِ بَيْنَ النَّاسِ يُعِيدُ مَنْ ابْتَعَدَ  
عَنِ الدِّينِ بِسَبَبِ جَهْلِهِ إِلَى دِينِهِ بِالْعِلْمِ النَّافِعِ.

الْمُصْلَحَةُ الرَّابِعَةُ: أَنَّ يَقِفَ الشُّبَابُ الدِّينَ الْحَقَّ عَلَى أَيْدِي  
عُلَمَاءٍ مُتَمَكِّنِينَ، وَلَا يَأْخُذُوا دِينَهُمْ مِنَ الْكُتُبِ مَبَاشَرَةً مِمَّا قَدْ يُوْدِي  
بَعْضُهُمْ إِلَى الْغُلُوِّ وَالْإِفْرَاطِ، وَبِآخَرِينَ إِلَى الْجَفَاءِ وَالتَّفْرِيطِ.  
الْمُصْلَحَةُ الْخَامِسَةُ: إِزَالَةُ مَا يُعَانِي مِنْهُ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْفِرْقَةِ  
وَالشَّتَاتِ بِسَبَبِ سُوءِ الْفَهْمِ وَعَدَمِ الْفِقْهِ فِي الدِّينِ وَضَيِيقِ الْأَفْئِ عِنْدَ  
كَثِيرِينَ مِنْهُمْ.

الْمُصْلَحَةُ السَّادِسَةُ: التَّعَاوُنُ بَيْنَ طَلَبَةِ الْعَاهِدِ الْإِسْلَامِيَّةِ،  
وَالْجَامِعَاتِ، لِأَنَّهُمْ إِذَا اجْتَمَعُوا فِي الْمَسْجِدِ وَتَعَلَّمُوا أُمُورَ دِينِهِمْ  
مِنْ مَصَادِرٍ مُوثِقَةٍ وَمِنْ عُلَمَاءٍ مُتَمَكِّنِينَ يُبَيِّنُونَ لِلنَّاسِ أَنَّ كُلَّ عِلْمٍ  
مِنَ الْعُلُومِ الْكُونِيَّةِ الَّتِي فِيهَا مَصَالِحٌ لَا تَتَعَارَضُ مَعَ قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ  
الْإِسْلَامِيَّةِ وَنُصُوصِهَا.

### صحابہ کرام کے ہاں مسجد میں حلقوں کی اہمیت

وَلَقَدْ عَرَفَ الصَّحَابَةُ -رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ- أَهْمِيَّةَ التَّعْلَمِ فِي  
الْمَسْجِدِ، وَعَقَّدَ حَلَقَةً، وَفَضَّلَ ذَلِكَ، لَكَانُوا يَتَنَافَسُونَ فِي الْحُضُورِ



إِلَيْهَا وَيُوصِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِهَا.

عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ قَالَ: كَانَ أَنَسُ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) مِمَّنْ يَقُولُ: إِذَا حَدَّثَنَا هَذَا الْحَدِيثُ إِنَّهُ وَاللَّهِ مَا هُوَ بِالَّذِي تَصْنَعُ أَهْلُ وَأَصْحَابُكَ. يَعْنِي يَقَعُدُ أَحَدُهُمْ فَيَجْتَمِعُونَ حَوْلَهُ فَيُحْطَبُ إِنَّهُ كَانُوا إِذَا صَلُّوا الْعَدَاةَ قَعَدُوا حَلَقًا حَلَقًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَعَلَّمُونَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ.

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَزْدِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا - عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ: "أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْجِهَادِ؟ تَبْنِي مَسْجِدًا فَتُعَلِّمَ فِيهِ الْقُرْآنَ وَسُنَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْفِقْهَ فِي الدِّينِ."

وَمِنْ هَذَا الْإِهْتِمَامِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ الْكِرَامِ بِحَلَقَاتِ الْعِلْمِ وَمَجَالِسِهِ فِي الْمَسْجِدِ تَطْهَرُ أَهْلِيَّةُ الْحَلَقَاتِ الْمَسْجِدِيَّةِ وَضُرُورَتُهَا لِأُمَّةِ الْمُسْلِمَةِ. وَبِهَا يَتَحَقَّقُ حِفْظُ الْعِلْمِ وَشُيُوعُهُ فِي الْعَامَّةِ، وَيَعْلَمُ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ بَرًّا كَمَا قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَازِزِ.

وَالْمَسْجِدُ هُوَ أَفْضَلُ مَقَرٍّ لِلتَّدْرِيسِ الْعِلْمِ وَتَعْلِيمِهِ كَمَا أَنَّهُ أَكْبَرُ مَكَانٍ لِلتَّلَقُّنِ عَلَى مَدَى الْعُضُورِ. قَالَ الْعُبْدِيُّ: أَفْضَلُ مَوَاضِعِ التَّدْرِيسِ هُوَ الْمَسْجِدُ لِأَنَّ الْجُلُوسَ لِلتَّدْرِيسِ إِنَّمَا قَائِدَتُهُ أَنْ تَطْهَرَ بِهِ سُنَّةً أَوْ تَحْمَدَ بِهِ بِدْعَةً أَوْ يَعْلَمَ مِنْهُ حُكْمٌ مِنْ أَحْكَامِ اللَّهِ تَعَالَى. وَفِي الْمَسْجِدِ يَحْصُلُ فِيهِ هَذَا الْغَرَضُ مُتَوَافِرًا لِأَنَّهُ مَوْضِعٌ

لَهُ مَجْمَعُ الزَّوَالِدِ الْعِلْمِ، بَابُ الْجُلُوسِ عِنْدَ الْعِلْمِ: ۱/ ۱۷۵، رَقْمٌ ۵۵۴

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ

لِلْاجْتِمَاعِ النَّاسِ رَفِيعِهِمْ وَوَضِيعِهِمْ وَعَالِمِهِمْ وَجَاهِلِهِمْ.

وَمِمَّا لَا رَيْبَ فِيهِ كَمَا يَقُولُ سَعِيدٌ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -: "إِنَّ التَّرْبِيَةَ وَالتَّعْلِيمَ فِي أَجْوَاءِ الْمَسْجِدِ لَا يَغْدِلُ بِهَا شَيْءٌ آخَرُ. وَخَرِجُوا الْمَسَاجِدَ غَيْرَ خَرِيجِي غَيْرِهِ لِي الْعِلْمِ وَالتَّقْوَى، وَالتَّطَبُّقِ وَالسُّلُوكِ وَغَيْرِهِ.

هَذَا كُلُّهُ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ إِخْيَاءِ رِسَالَةِ الْمَسْجِدِ بِإِخْيَاءِ حَلَقَاتِ الْعِلْمِ وَالذِّكْرِ الْمَثُورِ.

إِنَّ حَلَقَ الْمَسَاجِدِ خِلَالَ التَّارِيخِ هِيَ الَّتِي أَوْصَلَتْ لَنَا الْإِسْلَامَ وَحَفِظَتْهُ عَلَيْنَا حَتَّى وَصَلْ إِلَيْنَا غَضًا طَرِيًّا.

لَقَدْ دَرَجَ عُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ وَالْفُؤَادُ: "أَنْ يُقِيمُوا حَلَقَاتِ الْعِلْمِ وَالذِّكْرِ فِي الْمَسَاجِدِ بِطُرُقٍ مُتَعَدِّدَةٍ، وَمُنْتَوَعَةٍ، فَالْوَاجِبُ عَلَى الْأُمَّةِ الْمُسْلِمَةِ وَخَاصَّةً عُلَمَائِهَا أَنْ تَحْيِيَ هَذَا كُلُّهُ فِي الْبَلَدِ الْوَاحِدِ وَالْقَرْيَةِ، وَالْحَيِّ وَالْمِنْطَقَةِ، وَبِجِبْ دَائِمًا أَنْ يَكُونَ لِلْقُرْآنِ الْحَفِظِ الْأَوْفَرِ فِي نَشَاطِنَا الْعِلْمِيَّةِ، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾.

## مسجد کی آبادی کے فضائل

اگر حضرات کو چاہیے کہ مقتدیوں کو مسجد کے درج ذیل فضائل بتائیں، تاکہ ان میں مسجد کو آباد کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

① حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کا عادی بن گیا ہے۔ (جب کام سے

لہ المذخل: ۸۵/۱، لہ آل عمران: ۷۹، المسجد ودورہ فی التریبہ: ۷۸/۷۷

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ

چھوٹا ہے مسجد کا رخ کرتا ہے) تو اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص صبح یا شام کو مسجد جاتا ہے جتنی مرتبہ بھی جائے اللہ تعالیٰ (ہر مرتبہ جانے کے بدلے میں) اس کے لیے جنت میں ایک مکان تیار کر دیتا ہے۔“

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس روز اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں لے لے گا“ ان سات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا شمار بھی کیا کہ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو وہ اپنی مسجد میں آنے تک ”اس کا دل مسجد میں ہی اٹکا رہتا ہے۔“

..... حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گھر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے، وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (یعنی اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

..... عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی فرماتے تھے: ”زمین پر مسجدیں اللہ کے گھر ہیں جو ان مسجدوں میں اللہ کی ملاقات کو آئے اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کی عزت کرے۔“

۱۸۔ النوبة: ۱۸، مسند احمد: ۷۶/۳، رقم: ۱۱۳۲۰، ابو سعید خدری

۱۹۔ مسلم، المساجد، باب فضل الصلوة المكتوبة: ۲۳۵/۱

۲۰۔ بخاری، الزکوة، باب الصلوة بالیمین: ۱۹۱/۱

۲۱۔ مجمع الزوائد، الصلاة، باب المشی إلى المساجد: ۱۱۴/۲، رقم: ۲۰۸۷

۲۲۔ شعب الایمان للبیہقی، فضل المشی إلى المساجد: ۳۷۹/۴، رقم: ۲۶۸۲

..... حدیث میں ہے مسجدوں کو آباد کرنے والے اللہ والے ہیں۔  
..... حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنا عذاب پوری قوم پر سے ہٹا لیتا ہے۔

..... حدیث میں ہے اللہ عز و جل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کے آباد کر پنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب کو ہٹا لیتا ہوں۔

..... مسند احمد میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکری کو پکڑ کے لے جاتا ہے پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو جماعت، عوام اور مسجدوں کو لازم پکڑے رہو۔

## مسجد کے آباد ہونے سے گھروں اور عصری اداروں میں بھی دین آئے گا

حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اگر تم سارے مرد و حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح بھی بن جاؤ پھر بھی دین زندہ نہیں ہوگا جب تک عورتوں کے اندروین زندہ نہ ہو۔

اور عورتیں ساری راہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح بن جائیں پھر بھی دین زندہ نہیں ہوگا جب تک بچوں میں دین زندہ نہ ہو۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ شعب الایمان للبیہقی: ۳۷۹/۴، رقم: ۲۶۸۴

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۶۰۱، النوبة: ۱۸

۳۔ تفسیر ابن کثیر: ۶۰۱، النوبة: ۱۸

۴۔ مسند احمد: ۲۳۳/۵، رقم: ۲۱۵۲۴، معاذ بن جبل

كُلُّ نَفْسٍ، وَقَدْ ضَمِنَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ كَانَتْ الْمَسَاجِدُ  
يُؤْنَهُمُ الرُّوحَ وَالرَّحْمَةَ، وَالْجَوَازَ عَلَى الصِّرَاطِ إِلَى  
رِضْوَانِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ،<sup>۱</sup> اے میرے بیٹے! خوش حالی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کو یاد  
کرتے رہا کرو، وہ تم کو ننگ دستی کے دنوں میں یاد رکھے گا۔

اے میرے بیٹے! تم عالم بنو یا متعلم، یا (ان دونوں کی) ماننے والا  
بنو۔ چوتھے (جابل) نہ خود نہ تباہ ہو جاؤ گے۔

پیارے بیٹے! مسجد تمہارا گھر ہونا چاہیے۔ کیوں کہ میں نے رسول  
اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ "الْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ  
نَفْسٍ" مسجدیں ہر مرقی آدمی کے گھر ہیں۔

اور اللہ عز و جل نے ان لوگوں کے لیے جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ  
مسجدوں میں گزارتے ہیں یعنی جو مسجد کو اپنا گھر بنا لیتے ہیں راحت و  
رحمت اور پل صراط سے آسانی گزر کر اللہ کی خوش نودی تک پہنچنے کی  
ضمانت لے رکھی ہے۔<sup>۲</sup>

مساجد کے متعلق ائمہ کرام کو ان دور سالوں کا مطالعہ کرنا چاہیے:

(۱) "الْمَسْجِدُ وَآثَرُهُ فِي تَرْبِيَةِ الْأَجْيَالِ"

(۲) "الْمَسْجِدُ وَدَوْرُهُ فِي التَّرْبِيَةِ وَالتَّوْجِيهِ"

۱۔ مجمع الزوائد، الصلوة، باب لزوم المساجد، ۱۰۱/۲، رقم: ۲۰۲۷

۲۔ صحابہ کے واقعات: ۳۵۹/۱، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کو نصیحت کرتے

تھے: "بُذِرَ عَلَى الْخَلْفِ لِلَّهِ" "مورمن حیات اصحابہ" کا ترجمہ کہل انداز میں "صحابہ کے واقعات" کے  
نام سے کیا ہے جو طلبہ و طالبات کے لیے بہت ہی مفید ہے، ہر قاری سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا خود بھی  
مطالعہ فرمائے اور تعاوناً علی البر والنقوی کے تحت اپنے حلقہ احباب اور رشتہ داروں میں بھی تعارف  
کرائے کی کوشش فرمائے۔

نے جو محنت فرمائی اس سے مردوں میں ابوبکر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسلمان ہوئے اور  
عورتوں میں اُمّ المؤمنین خدیجہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا، پھر میں حضرت علی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ  
اور غلاموں میں سیدنا بلال رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ جب ان چاروں طبقتوں میں ہماری  
طرف سے محنت ہوگی تو دین تمام شعبوں میں زندہ ہوگا۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم مساجد کو اس طرح آباد کریں کہ اس کا اثر محلہ کے  
اسکولوں، یونیورسٹیوں، کالجوں تک بھی پہنچے۔

جس کالج، یونیورسٹی، مدرسہ، اسکول میں اگر معمولی دین داری بھی ہے تو وہ  
مسجد کے ذریعہ سے آئی ہوئی ہوگی، جو کسی نہ کسی امام مسجد نے اسکول کے پرنسپل،  
اساتذہ وغیرہ کو مسجد کے تعلیمی حلقوں میں بٹھایا ہوگا، ان کے اندر اس بات کا جذبہ  
بڑھا ہوگا کہ اپنے کام سے پہلے مسجد کے تعلیمی حلقہ سے ایمانی نور حاصل کر کے  
جائیں۔

مسجد میں بیشتر وقت گزارنے سے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل ہوتی ہے اور  
یہی نصیحت حضرت ابودرداء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک نوجوان کو بھی کی چنانچہ ایک  
نوجوان حضرت ابودرداء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے  
درخواست کرتا ہے:

"أَوْصِنِي يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

"رسول اللہ کے محترم صحابی! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔"

حضرت ابودرداء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يَا بُنَيَّ، اذْكُرْ اللَّهَ فِي السَّرَّاءِ يَذْكُرْكَ فِي الضَّرَّاءِ."

یا بُنَيَّ، کُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا وَلَا تَكُنْ

الرَّابِعَ فَتَهْلِكَ، يَا بُنَيَّ، لِيَكُنَ الْمَسْجِدُ بَيْتَكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْمَسْجِدُ بَيْتُ



اسی طرح اور رسائل میں عرب علماء کرام نے اسلام کی تاریخ سے "مسجد" اہمیت ثابت کرتے ہوئے خوب وضاحت سے لکھا ہے کہ زمانہ ماضی میں مسجد ہر ایک کی تربیت گاہ تھی، مساجد..... ائمہ کرام کی قربانیوں اور محنتوں سے آباد کرتی تھیں، مسجد ہی کے ذریعہ باطل کی چالیں اور جال فیل ہوا کرتے تھے، مسجد ہی کے ذریعہ ہر گھر اور ہر مدرسہ، اسکول میں دین پکھتا تھا، مسجد ہی کے ذریعہ ہر عمر سے ہر بچہ کی دینی ذہن سازی ہوتی تھی، مسجد ہی کے ذریعہ ہر طبقے کے افراد میں دین زندہ ہوتا تھا، اسی کے متعلق شیخ صالح لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَكُنِ الْمَسْجِدُ مَوْضِعًا لِإِدَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَحَسِبَ بَلْ كَانَ جَامِعَةً يَتَلَقَّى فِيهَا الْمُسْلِمُونَ تَعْلِيمَ الْإِسْلَامِ وَتَوْجِيهَاتِهِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِيهِ، وَتَلْتَقَى فِيهِ الْعَنَاصِرُ الْقَبِيلِيَّةُ الْمُخْتَلِفَةُ الَّتِي طَالَمَا نَافَرَتْ بَيْنَهَا نَزَعَاتُ الْجَاهِلِيَّةِ وَخُرُونُهَا..... وَقَاعِدَةٌ لِإِدَارَةِ جَمِيعِ الشُّؤْنِ وَبَيْتُ الْإِنْطِلَاقَاتِ، وَمَوْضِعًا لِعَقْدِ الْمَجَالِسِ الْإِسْتِشَارِيَّةِ وَالتَّفْذِيلِيَّةِ.

وَلِهَذَا مَا أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَانٍ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا كَانَ أَوَّلَ مَا يَفْعَلُهُ بِنَاءَ مَسْجِدٍ يَجْتَمِعُ فِيهِ الْمُؤْمِنُونَ، فَقَدْ أَقَامَ مَسْجِدَ قُبَاءٍ حِينَ أَقَامَ فِيهَا وَصَلَّى الْجُمُعَةَ فِي بَيْتِ سَالِمِ بْنِ عَوْفٍ، بَيْنَ قُبَاءٍ وَالْمَدِينَةِ فِي بَطْنِ وَادِي (رَأْتُونَ)، فَلَمَّا أَنْ وَصَلَ إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَ أَوَّلَ عَمَلٍ عَمِلَهُ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ فِيهَا. ۱۰

ترجمہ: "مسجد صرف پانچ وقت نمازیں پڑھنے کے لیے نہیں ہیں

۱۰ - المسجد ودوره في التربية والتوجيه: ۱۶۳، ۱۶۸

بل کہ وہ ایک اجتماع گاہ ہیں۔ جہاں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ مختلف عہدہ و قبائل حاضر ہوتے ہیں جن کی آپس میں کافی رجحان و عداوت پہلے سے ہوتی ہے ایسے میں مسلمانوں کے اندر باہم مشاورت ہوان کے فیصلے ہوں مختلف شعبوں اور کاموں میں ان کی رہبری ہو تو یہ اصلاح گاہ کا کام دیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ پہنچ کر کسی مکان میں نہیں ٹھہرے بل کہ سب سے پہلے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی تاکہ مسلمان اس میں جمع ہوں۔ اپنے احوال بیان کریں۔ اور وہیں قیام کیا اور بنو سالم بن عوف کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جو کہ قبا اور مدینہ کے درمیان "رانوناہ" کی وادی میں ہے سب سے پہلا کام جب مدینہ پہنچا تو حضور ﷺ نے مسجد کی بنیاد ڈالی۔"

اسی طرح جب ہر مسلمان مسجد سے دین سیکھ کر گھر جائے گا اور امام صاحب نے ہر نمازی کے اندر دین کے پھیلانے کا جذبہ بھرا ہوگا تو یہ باتیں وہ اپنے گھر میں بھی سکھائے گا، پھر اس گھر کا تعلق اس مسجد سے ہو جائے گا، جو رحمت خداوندی مسجدوں پر برکتی ہے وہ ان مسجدوں کی شاخوں پر جو ہر گھر میں بنی ہوئی ہوں گی ان پر بھی برکت کی اور پھر گھروں میں سے شیاطین کے اثرات دور ہو جائیں گے، رحمتوں کے اثرات غالب ہوں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپس میں الفت و محبت قائم ہوگی۔

جب گھر کے اندر امام صاحب کی محنت سے مسجد کے اعمال زندہ ہوں گے تو مسجد والی برکات گھروں میں منتقل ہوں گی اور اس برکت کا نلبور آپس کے تعلقات میں ہوگا۔ میاں بیوی میں، بھائی بھائی میں، بہن بہن میں، اثار، الفت و محبت کے مناظر قائم ہوں گے پھر جس طرح مساجد کی آسمانوں سے حفاظت کی جاتی ہے ایسے

ہی ان گھروں کی بھی حفاظت کی جائے گی، جس طرح بیت اللہ کی ابرہہ کے لشکر سے حفاظت کی گئی اسی طرح زمین پر پھیلی ہوئی اس کی تمام شاخوں (مساجد) کی حفاظت کی جائے گی اور پھر جن مکانات کا مسجد سے تعلق ہو گیا اور ان مکانات میں مسجد کے اعمال زندہ ہو گئے تو وہ مکانات بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجائیں گے۔

اس لیے کہ برکت، حفاظت رحمت اعمال کے کرنے پر ہے، جب اعمال صالحہ گھروں میں وجود میں آئیں گے، تو گھروں میں بھی وہی رحمتیں و برکتیں اتریں گی۔ جس سے ہر گھر دنیا ہی میں جنت کا نمونہ بنے گا۔ اور دین کا گہوارہ بنے گا۔

پھر اس گھر سے جو نئی نسل تیار ہوگی وہ دین کی خادم بن کر زندگی گزارے گی اور دین کی مدد کرنے والی بن کر اپنی زندگی گزارے گی اور جب معاشرہ کا ہر فرد دین کی مدد کرنے والا بن جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آئے گی جو کہ اللہ کا وعدہ ہے ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

شیخ آگے لکھتے ہیں:

”وَلَهُمْ هِيَ الثَّمَرَةُ إِذَا كَانَ النَّبِيُّ يَقْظًا وَاعِيًا، وَمُرِيًّا مُرْشِدًا، وَمَوْجِبًا مُفْعِلًا، وَمُسْتَقِرًّا سَوِيًّا. أَمَّا إِذَا كَانَ النَّبِيُّ لَا هِبًا مُنْصَرِفًا، وَمَشْغُولًا مَشْغَلًا، وَغَافِلًا مُهْمَلًا، وَمُفْكَكًا مُمَرِّقًا، وَضَعِيفًا وَاهِيًا، وَجَاهِلًا مُفْصِرًا، فَسَيَفْزِعُ ثَمَرَةُ مُرَّةً، وَتَبَاتَا ضَارًّا، وَهَذَا مِنْهُمَا النَّبِيَّةُ الطَّبِيعِيَّةُ لَبِيبَةُ زَاخِرٍ بِالْأَثَابِ، عَامِرَةٌ بِالطَّعَامِ، وَمُقْصِرَةٌ فِي رِسَالَتِهِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْأُتْرَاقِيَّةِ.“

جس طرح مسجد نبوی اعمال سے آباد تھی، ہر مسلمان اس مسجد سے اپنے شعبہ زندگی کا دین سیکھتا اور سکھاتا تھا، اسی طرح آج بھی ائمہ کرام کی جماعت یہ فیصلہ کر

لے کہ ہمیں بھی اپنی مسجدوں کو عمل سے آباد کرنا ہے۔ تو آپ یقین رکھیے دنیا میں بے دینی کا جو غلبہ ہے وہ ختم ہو جائے گا، دینی فضا ہر شعبہ میں غالب ہو جائے گی۔ آپ غور فرمائیے: آج جتنے بھی برائیوں کے مراکز ہیں ان سب کے بانی ان کے چاہنے والے مسلم ممالک میں کسی نہ کسی مسجد کے آس پاس رہنے والوں میں سے تھے یا ہیں۔ اگر مسجدیں آباد ہوں اور ان میں یہ فکر کی جائے کہ محلہ کے ہر شخص کو دین پرانا مسجد والوں کی فہم داری ہے تو یہ برائیوں کے مراکز وجود میں نہ آتے۔ اسی طرح ہر شخص کا مسجد سے تعلق ہوتا ہے۔ مسجد سے موچی کا،..... ڈاکٹر کا،..... محاسب کا،..... بادرچی کا،..... قصاب کا،..... حلاق (وجام) کا،..... اسکول کے پرنسپل کا،..... مدرسے کے خادم کا،..... بینک کے چپڑاسی کا،..... ہر ایک کا تعلق ہوتا ہے۔

اگر ائمہ حضرات اپنی مسجد کے آس پاس رہنے والے لوگوں کو اس بات پر راضی کر میں کہ اپنے کام پر مسجد سے ہوتے ہوئے جاؤ، اور جب کاروبار ملازمت سے واپس لوٹو تو مسجد میں پہلے آؤ وہاں تعلیم کے حلقے میں بیٹھو۔ جاتے ہوئے مسجد کے حلقے سے ایمانی نور حاصل کر کے بازاروں میں پھیلاؤ اور آتے ہوئے مسجد سے گھر پر ایمانی نور لے کر جاؤ۔ جب ہر شخص کا مسجد سے اس طرح تعلق ہو جائے گا تو واقعتاً قرآن کریم کی یہ مثال اس پر صادق آئے گی:

﴿وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ﴾

”اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لیے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ نور ایمان صرف کسی مسجد یا خانقاہ یا گوشہ و حجرہ کے ساتھ مخصوص نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ نور دیا ہے وہ اس کو لے کر سب لوگوں کے رُز و رِزَم میں لیے پھرتا ہے اور ہر جگہ اس روشنی سے خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ نور ظلمت سے دب نہیں سکتا

جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ ایک غمناک ہوا چراغ بھی اندھیرے میں مغلوب نہیں ہوتا، ہاں اس کی روشنی دور تک نہیں پھینکتی تیز روشنی ہوتی ہے تو دور تک پھیلتی ہے کم روشنی سب سے تھوڑی جگہ کو روشن کرتی ہے مگر اندھیری پر بہر حال غالب ہی رہتی ہے۔

### ۱ مسجد و مدرسہ کا دعوت و تربیت میں باہمی ارتباط

شیخ صالح فرماتے ہیں:

”جس طرح ہم نے ایک ہی سایہ تلے منزل و مسجد کو جمع کیا ہوا ہے اسی طرح ہم مسجد و مدرسہ کو بھی ایک ہی چھت کے تلے جمع کر لیں تو یہ باہمی کوشش اور مقصد کے حصول میں اور زیادہ مؤثر رہے گا، جب کہ ایک طالب علم بچپن سے نوکین تک کی زندگی مدرسہ میں گزارتا ہے یہ وقت ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتا ہے وہ اس کے ذہن کی چٹنگلی اور کردار کے نکھار میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اب اگر اس تعلیم کی روح کو اسکول کی عمارت کے بجائے مسجد کی فضا میں پھونکیں، شریعت و دعوت اور اس کی فضیلتوں کے پودے اس پاک ماحول میں اُگائے جائیں تو اس کا بچے کی طبیعت پر اچھا اثر ہوگا، بچہ دین دار بنے گا، حافظ قرآن اور نمازی بنے گا۔

اسکول کا تو یہ حال ہے کہ اس میں جدید ایجادات کی بھرمار کر دی تاکہ یہ نعرہ لگایا جاسکے کہ اول الذکر دنیا نویسوں کا گروہ ہے وہ زمانہ قدیم کی طرف لوٹ رہا ہے اور منوخر الذکر روشن خیالوں کا ہے جن کا مستقبل تاب ناک ہے۔ طبقہ اولیٰ کا کام صرف وعظ و تدریس رہ گیا ہے اور طبقہ ثانیہ بہت اونچی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔ طبقہ اولیٰ کی اکثریت معاشرے کے محروم اور بے کاروں کی ہے اور طبقہ ثانیہ کی اکثریت مالدار اور ذمہ داروں کی ہے۔ ان ساری پریشانیوں کا حل، اور باطل والوں کے سحر کا توڑ یہی ایک انسان ہے کہ ہم مساجد کو اعمال سے آباد کریں، مسجد ہر وقت کھلی ہوئی

دور، محلہ کا ہر آدمی مسجد سے اپنا دین سیکھ رہا ہو، اور دوسروں کو سکھار رہا ہو۔“

### ۲ مقتدیوں کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب

امام صاحب مقتدیوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرے کہ سنت ہے اپنے گھر میں کوئی خاص جگہ نماز کے لیے مخصوص کر لی جائے اور اس کو پاک و صاف رکھا جائے اور اس میں خوشبو لگائی جائے، حدیث میں اس جگہ کے لیے مسجد ہی کا لفظ بولا گیا ہے۔

گھر معاشرے کی اکائی ہے، گویا معاشرے کو اچھا یا برا بنانے کا سانچہ گھر ہی ہے، جیسا کہ دیوار کی مضبوطی کی پہلی ذمہ داری اس دیوار میں لگنے والی اینٹوں پر آتی ہے، اگر صحیح اینٹیں دستیاب نہ ہو سکیں تو دیوار و مکان کی بہتری اور پائیداری کا خواب بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔

اسی طرح اگر گھر کا ماحول بہتر ہوگا تو اس گھر سے بہترین انسان و صل کر معاشرہ میں جائیں گے اور بہتر کردار ادا کر سکیں گے، اگر گھر کا ماحول بہتر نہ بن سکا تو اس سانچے سے بہتر انسان بھی نہیں و صل سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر کے ماحول کو بچانا اور آگے کے مرحلوں پر ساری توجہ لگا کر بہتر معاشرتی ماحول کی امید لگانا ہماری زبان کے اس محاورہ کے مطابق ہے کہ ”قلائ ہ تھ چھوڑ کر کہنیاں چاٹ رہا ہے“ یا اس کی سادہ مثال یہ ہوگی کہ درخت کے تنے میں تو کوئی پانی نہیں ڈالتا شاخوں کو دھونے پر لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے مسائل یہ ہیں کہ بچے نافرمان ہیں، بد اخلاق ہیں، وقت ضائع کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، گھر میں سکون نہیں، میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ رہتے ہیں، الماسے آپس میں ایک دوسرے سے تالاں ہیں۔ بازار میں جادو خیانت اور



جھوٹ ہے، ہمدردی، تعاون یا بھی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان مشکلات کے جراثیم خود ہمارے اپنے گھروں کے ماحول میں پیدا ہوئے، اس کا حل یہی ہے کہ آپ اپنے گھروں کوئی وی اور گانوں جیسے خرافات سے پاک کریں کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے نہ آدمی تلاوت کر سکتا ہے اور نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نقلی نماز اور سنتیں گھروں میں ادا کریں، بچے دیکھیں گے انہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑے گی۔ خواتین کو بھی خیال رہے گا اور گھر کے پورے ماحول پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ گھر میں (نقلی اور سنت) نمازیں پڑھا کر دو اور گھروں کو قبرستان بناؤ۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ آپ یہاں (ایک وقت کی) نماز پڑھ لیں تاکہ ہم اس جگہ کو مسجد بنالیں۔

لہذا یہ ضروری ہے کہ اپنے گھروں میں نماز کے لیے ایک کمرہ مخصوص کر دیں جس میں جائے نمازیں ہوں اور نماز کے دوسرے لوازمات یعنی قرآن مجید اور دینی کتابیں وغیرہ موجود ہوں، اس کے کئی فائدے ہیں۔ ایک تو گھر کی خواتین کو نماز کی ادائیگی میں آسانی رہے گی ورنہ تو بڑی مشکل پیش آتی ہے، جائے نماز ڈھونڈو پھر جگہ ڈھونڈو۔ اس لیے سوتدبیروں کی ایک تدبیر یہی ہے کہ گھر کے ایک کمرے کو گھر کی مسجد بنادو۔ خصوصاً یہ جہاد کریں کہ ٹی وی لاؤنچ کو ختم کر کے اس کو مسجد بنائیں۔ ایک مسلمان کی شان ہی نہیں کہ اس کے گھر میں ٹی وی لاؤنچ ہو اور اس کے بچے ٹی وی پروگرام دیکھیں۔

لہذا گھر میں مسجد کے لیے جگہ خاص کرنا اس عمل میں بڑی برکت ہوگی اور گھر کی

۱۔ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ الطلوع فی البيت، رقم: ۱۵۱

۲۔ ابن ماجہ، ابواب المساجد، باب المساجد فی الدور، رقم: ۷۵۱

بیگز و اعلم برست

یہی جگہ ان شاء اللہ مسجد ہونے کی وجہ سے جنت میں منتقل کر دی جائے گی۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مقتداء اور پیشوا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم فرمایا ہے۔

### گھر میں مسجد بنانے کے فائدے

اب گھر کا وہ حصہ جو نماز کے لیے مختص کیا گیا ہے وہاں ذکر واذکار گھریلو خواتین کی دینی مجلس اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کی جاسکتی ہے اور اگر گھر میں مسجد نہ بنائی گئی ہو تو پھر خواتین ٹیلیفون کے پاس یا ٹی وی والے کمرے میں نماز کے لیے کھڑی ہوں گی تو کبھی فون کی گھنٹی دوران نماز بجے گی اور کبھی ٹی وی کی آواز آئے گی جس سے نماز میں خلل واقع ہوگا اور خضوع خشوع ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس اہتمام سے ان چیزوں سے حفاظت ہو جائے گی اور اس جگہ کا احترام ہر چھوٹے بڑے کے دل میں بیٹھ جائے گا۔ پھر وہاں آکر بچے بھی خلل نہیں ڈالیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ خواتین اس جگہ اعتکاف کے لیے بھی بیٹھ سکتی ہیں۔

اب اگر اس کی یوں ترتیب بنالیں کہ گھر کا ایک کمرہ ان مقاصد کے لیے خاص کر دیں۔ تو اس کمرے میں دینی و علمی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور چاروں طرف کی دیواروں میں خلیف بنا کر لائبریری کے مقاصد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ گھر کے بچوں کی تعلیمی تربیت، ان کے اسباق کی حاضری وغیرہ یا پھر بچے اپنا (HOME WORK) گھر کا کام وغیرہ بھی اسی جگہ کر سکتے ہیں۔ اس کا پھل یہ ملے گا کہ گھر سے نیک اور صالح انسان ڈھلنے لگیں گے اور وہ پورے معاشرے میں نیکی پھیلائیں گے۔

### ضروری وضاحت

ائمہ کرام لوگوں کو بتائیں کہ گھر کا کمرہ جس کو نماز کے لیے مختص کیا جائے وہ محلہ

۱۔ ابن ماجہ، ابواب المساجد، باب تطہیر المساجد و تطبیہا، رقم: ۷۵۹

بیگز و اعلم برست

کی وقف مسجد جیسا ہرگز نہیں ہوگا بل کہ وہ گھر ہی ہے آپ کسی ضرورت کے وقت اس کمرہ کو کھانے، سونے اور بیٹھنے اور سامان رکھنے کی ذاتی ضرورت کے لیے استعمال بھی کر سکتے ہیں، وہ آپ کا گھر ہی ہے۔ اسی طرح گھر کے اس مخصوص کمرہ کی وجہ سے محلہ کی مسجد میں فرض نماز چھوڑنا بھی سخت گناہ ہوگا، البتہ یہ مردوں کے لیے نہ انار و تلاوت اور ذکر کی جگہ ہوگی، اور عورتیں اپنی مکمل نماز اسی میں ادا کریں۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے ہر مسلمان کے لیے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں ایک مسجد بنالے جس میں سنتیں اور نوافل پڑھا کرے، لیکن اس کے واسطے (بالکل) مسجد کا حکم نہیں، مثلاً عورتیں بحالت حیض اس میں داخل ہو سکتی ہیں، بخلاف مساجد کے کہ ان میں داخل ہونا جائز نہیں۔

یہ ضروری وضاحت نوٹ فرمالیں کہیں ایسا نہ ہو کہ نفع ڈھونڈتے ڈھونڈتے اصل پونجی کا ہی نقصان ہو جائے، یعنی گھر کا ماحول بہتر بناتے بناتے محلہ کی بہرہ میں فرض نمازیں مچوٹ جائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ بغیر کسی عذر کے گھروں میں فرض نماز پڑھتے ہیں، مسجد میں نہیں آتے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔“

## ۲۲ مسجد کی تعمیر

مساجد کی تعمیر میں ائمہ حضرات اور اہل علم کو چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ مسجد کے لیے زمین زبردستی کسی شخص یا کسی جماعت پر دباؤ ڈال کر نہ لی جائے۔ مسجد کے لیے زمین یا مالی چندہ وغیرہ امور میں خصوصاً طبیب نفس کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

لے خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۲۷/۱

لے بخاری: الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعة، رقم: ۶۴۴

”لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔“ لے  
ترجمہ: ”کسی مسلمان کا مال (تمہارے لیے) حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے نہ دے۔“

مسند احمد کی روایت میں بغیر ”مسلم“ کے لفظ کے یہ حدیث مروی ہے۔  
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

اس حدیث میں ”اجازت“ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بل کہ ”خوش دلی“ کا اظہار استعمال فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اجازت کافی نہیں بل کہ وہ اس طرح اجازت دے کہ اس کا دل خوش ہو، حب تو وہ چیز حلال ہے۔ اگر آپ دوسرے کی چیز استعمال کر رہے ہیں، لیکن آپ کو اس کی خوش دلی کا یقین نہیں ہے، تو آپ کے لیے وہ چیز استعمال کرنا جائز نہیں۔

## ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہیے

یہ اصول ذہن میں رکھو کہ جب تک دوسرے کی خوش دلی کا اطمینان نہ ہو، اس وقت تک دوسرے کی چیز استعمال کرنا حلال نہیں۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا یہ مقام عطا فرمایا ہے وہ اس حد تک اہتمام فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز کہیں اس کی خوش دلی کے بغیر ہمارے پاس نہ آجائے۔

مثلاً آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگ لی تو مانگنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ اگر تم سے کوئی دوسرا شخص یہ چیز مانگتا تو کیا تم خوش دلی سے اس کو دینے پر راضی ہو جاتے؟ اگر تم خوش دلی سے راضی نہ ہوتے تو پھر وہ چیز دوسرے سے بھی مت مانگو۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ مردّت کے دہانہ میں آکر وہ شخص تمہیں وہ چیز دے دے لیکن اس کا

لے شعب الایمان، باب فی قبض البدع عن الاموال المحترمة ..... ۳۴۶/۷، رقم: ۵۱۰۵

لے مسند احمد: ۷۳/۵، رقم: ۲۰۱۷۲

لے اصلاحی خطبات: ۸۸/۹

دل اندر سے راضی نہ ہو، اور اس کے نتیجے میں تم نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد: "مصدق بن جاؤ کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں رہتا۔"

چاہے وہ بیٹا کیوں نہ ہو، باپ کیوں نہ ہو، بھائی اور بہن کیوں نہ ہو، چاہے بیوی اور شوہر کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہمارے مال میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں تو کوئی غلام کام نہیں کرتا، رشوت میں نہیں لیتا، سود میں نہیں کھاتا، چوری میں نہیں کرتا، ڈاکہ میں نہیں ڈالتا اور لیے میرا مال تو حلال ہے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس اصول کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مال حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور مال حرام کی آمیزش حلال مال کو بھی تہیہ دیتی ہے۔ اور اس کی برکتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ اس کا نفع ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس مال کے نتیجے میں انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف چلتی ہے۔ روحانیت و نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے معاملات کو صاف رکھنے کی فکر کریں کہ کسی معاملے میں کوئی الجھاؤ نہ رہے۔ ہر چیز صاف اور واضح ہونی چاہیے۔ ہر چیز کی ملکیت واضح ہونی چاہیے۔ کہ یہ چیز میری ملکیت ہے۔ یہ فلاں کی ملکیت ہے۔ البتہ ملکیت واضح ہو جانے کے بعد آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔ دوسرے شخص کو تمہاری چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو دے دو، لیکن ملکیت واضح ہونی چاہیے۔ تاکہ کوئی کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

## اصل مقصود دین ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مدارس و مساجد حفاظت دین کا ذریعہ ہیں پس ذریعہ کی حفاظت پر مقصود کو قربان نہیں کرنا چاہیے، اور اسی کو فقیر کہتے ہیں کہ دین کی سمجھ بوجھ ہو، کون سا کام کس وقت کرنا چاہیے اور کون سا کام کس وقت نہیں کرنا چاہیے۔

الْأَهْمُ فَلَا أَهَمَّ" کو مقدم رکھنا چاہیے اسی طرح دین کو (یعنی ادا المہیہ کو) کسی مال میں بھی چھوڑنا نہیں چاہیے اور منہیات، منکرات سے بہت ہی بچنا چاہیے اللہ نہ کرے کسی منکر پر عمل کرنے سے مسجد و مدرسہ کی حفاظت بھی نظر آئے تو یہ نظر کا دھوکہ ہے اس لیے کہ منکر (گناہ) کرنے سے اللہ کی مدد ہٹ جائے گی اور جس کام میں اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو وہ دنیا و آخرت میں بوجھ بنی ہے۔ اور مصیبت کا ذریعہ ہے۔ حضرت انگلوئی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کا وہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب ان کو مشورۃ لکھا گیا کہ فلاں بائزر رئیس کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بنالیا جائے کہ نہ بنانے میں اس سے فساد کا خطرہ ہے۔

حضرت انگلوئی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے جواب میں فرمایا کہ اگر عند اللہ مجھ سے سوال ہوا کہ نالائق کو رکن کیوں بنایا؟ تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا، اور رکن نہ بنانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ضرر ہو سکتا ہے کہ مدرسہ بند ہو جائے گا، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا یہ جواب دے سکوں گا کہ میں نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی، اس پر اگر مدرسہ بند ہو گیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں، حضرت انگلوئی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کے اس تقویٰ کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ رئیس صاحب مدرسہ کے خلاف جتنے رہ گئے مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دارالعلوم مسلسل حیرت انگیز ترقی پر گامزن رہا۔ اسی طرح مفتی الہی بخش رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی جو حضرت مولانا الیاس صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کے اجداد میں سے ہیں ان کا ایک عجیب واقعہ منقول ہے۔

## مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا

کاندھلہ میں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا تھا۔ ہندو کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مندر بنائیں گے اور مسلمان



کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مسجد بنائیں گے۔ جب دونوں طرف سے اس مسجد  
باتیں ہونے لگیں تو پورے شہر کے اندر آگ لگنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ انگریز حکمران  
تھا۔ وہ پریشان ہوا کہ اب اس بات کو کیسے سنبھالا جائے۔ مقدمہ عدالت میں پیش  
کیا۔ جج انگریز تھا۔ اس کے سامنے مسلمان بھی کھڑے تھے اور ہندو بھی۔ جج نے کہا  
کوئی تجویز بتا دو کہ جس سے جھگڑے کے بغیر ہی کوئی فیصلہ ہو سکے۔ ہندوؤں نے کہا  
کہ ہمارے پاس ایک تجویز ہے۔ جج نے پوچھا وہ کون سی ہے؟ کہنے لگے، ہم ایک  
مسلمان عالم کا نام بتا دیتے ہیں۔ آپ ان کو اپنے پاس بلا لیجیے، اور ان سے پوچھ لیجیے  
کہ یہ جگہ کس کی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہندوؤں کی ہے تو ہمارے حوالے کر دیجیے اور اگر  
وہ کہیں کہ مسلمانوں کی ہے تو ان کے حوالے کر دیجیے۔ مگر ہم ان کا نام صرف آپ کو  
تنبہائی میں بتائیں گے، لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کریں گے۔ جج نے مسلمانوں سے  
پوچھا کہ کیا آپ کو یہ منظور ہے؟ مسلمانوں نے سوچا کہ وہ مسلمان ہوگا لہذا وہ مسجد  
بنانے کے لیے بات کرے گا۔ چنانچہ کہنے لگے، ہاں منظور ہے۔ جج نے فیصلہ کے  
لیے اگلی تاریخ دے دی۔

جج نے ہندوؤں سے تنہائی میں پوچھا تو انہوں نے مفتی الہی بخش صاحب  
رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کا نام بتا دیا جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے صاحبِ نسبت بزرگ  
تھے۔ باہر نکل کر دوسرے ہندوؤں نے اپنے نمائندہ ہندوؤں کی بڑی ملامت کی کہ تم  
نے ایک مسلمان کا نام دے دیا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کے حق میں گواہی دے گا، تم  
نے تو اپنے ہاتھوں سے خود ہی زمین دے دی۔ مگر مسلمانوں کے دل بڑے خوش تھے  
کہ ایک مسلمان کی گواہی لی جائے گی۔ چنانچہ وہ خوشیاں منانے لگے۔

جب اگلی تاریخ آئی تو کثیر تعداد میں لوگ عدالت میں پہنچ گئے۔ مفتی الہی بخش  
رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی بھی وہاں تشریف لے آئے۔ جج نے مفتی صاحب سے کہا،  
جناب! آپ بتائیے کہ یہ زمین مسلمانوں کی ہے یا ہندوؤں کی؟ مسلمان خوش تھے کہ

ابھی کہیں گے کہ مسلمانوں کی ہے مگر مفتی صاحب نے فرمایا، یہ زمین ہندوؤں کی  
ہے۔ جج نے پوچھا کیا اس زمین پر ہندو اپنا گھر بنا سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا،  
جب ہندوؤں کی ملکیت ہے تو مندر بنائیں یا گھر بنائیں ان کی مرضی، ان کو اختیار  
ہے۔ لہذا جج نے اسی وقت ایک فیصلہ تاریخی الفاظ میں لکھا:

”آج کے اس مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔“

جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو ہندوؤں نے کہا، جج صاحب! آپ نے فیصلہ  
درجہ حق میں دے دیا ہے۔ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اب ہم اپنے  
ہاتھوں سے اس جگہ مسجد بنائیں گے۔ سُبْحَانَ اللہ۔

ایک اللہ والے کی زبان سے نکلی ہوئی جی بات کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں نے  
اسلام بھی قبول کیا اور اپنے ہاتھوں سے مسجد بھی بنادی۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی  
— ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق  
یہی رہا ہے ازل سے قلندر کا طریق

### مسجد نبوی کے لیے زمین مفت قبول نہ کی

جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کے  
عیشِ نظر سب سے پہلا کام یہ تھا کہ یہاں پر کوئی مسجد بنائی جائے۔ وہ مسجد نبوی جس  
میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ کو  
پسند آئی جو خالی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اس جگہ کے بارے میں معلوم کرایا کہ یہ کس  
کی جگہ ہے؟ تو پتہ چلا کہ بنی نجار کے لوگوں کی ہے۔ جب بنو نجار کے لوگوں کو معلوم  
ہوا کہ آپ اس جگہ پر مسجد بنانا چاہتے ہیں تو انہوں نے آکر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! یہ  
تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہماری جگہ پر مسجد بنائی جائے۔ ہم یہ جگہ مسجد

کے لیے مفت دیتے ہیں تاکہ آپ یہاں پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، میں مفت نہیں لوں گا، تم اس کی قیمت بتاؤ، قیمت کے ذریعہ ان کا۔" حالانکہ ظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی سعادت اور خوش نصیبی سمجھ کر یہ چاہ رہے تھے کہ ان کی جگہ مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال ہو جائے، لیکن اس سے باوجود آپ ﷺ نے مفت لینا گوارہ نہیں کیا۔

### تعمیر مسجد کے لیے دباؤ ڈالنا

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ویسے تو جب بنی نجارے لوگ مسجد کے لیے چندہ کے طور پر مفت زمین دے رہے تھے تو یہ زمین لینا جائز تھا۔ اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں تھی۔ لیکن چوں کہ مدینہ منورہ میں اسلام کی یہ پہلی مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ اگرچہ قبائلیں ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی۔ اور یہ وہ مسجد تھی جس کو مسجد حرم مکہ کے بعد دوسرا مقام حاصل ہونا تھا۔ اس لیے آں حضرت ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ زمین اس طرح مفت، بغیر قیمت کے لے لی جائے۔ ورنہ آئندہ کے لیے لوگوں کے سامنے یہ نظیر بن جائے گی کہ جب مسجد بنانی ہو تو مسجد کے لیے زمین قیامتاً خریدنے کے بجائے لوگ مفت اپنی زمینیں دیں۔ اور اس لیے یہ زمین مفت قبول نہیں کی تاکہ لوگوں پر یہ واضح فرمادیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مسجد کی تعمیر کی خاطر دوسروں پر دباؤ ڈالا جائے۔ یا دوسروں کی املاک پر نظر رکھی جائے۔ اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے پیسے دے کر وہ زمین خریدی۔ اور پھر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ تاکہ معاملہ صاف رہے اور کسی قسم کی الجھن برقرار نہ رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ واقعہ کتنا مثالی اور رہتی دنیا تک ایک بہترین نمونہ

۱۔ بخاری، مناقب الانصار، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینہ  
رقم: ۳۹۳۲ ۲۔ اصلاحی خطبات، ۹/۹

ہے کہ مسجد جیسی مقدس جگہ بنانے کے لیے بھی کسی انسان کو تکلیف دینا جائز نہیں۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک گھر مدینہ منورہ کی مسجد (نبوی) کے بالکل ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مسجد میں شامل کرنا چاہا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "بغینہا" آپ یہ گھر میرے ہاتھ بیچ دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "آپ یہ گھر مجھے ہدیہ ہی کر دیں" وہ یہ بھی نہ مانے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "آپ خود ہی یہ گھر مسجد میں شامل کر دیں۔" انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "لَا بُدَّ لَكَ مِنْ إِحْدَاهُمَا" آپ کو ان تین کاموں میں سے کوئی ایک کام تو کرنا ہی پڑے گا، لیکن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر بھی تیار نہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اچھا پھر کسی کو آپ ثالث مقرر کر لیں جو ہمارا فیصلہ کر دے۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ یہ دونوں حضرات اپنا مقدمہ ان کے پاس لے گئے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "مَا أَرَىٰ أَنِّي تُخْرِجُهُ مِنْ دَارِهِ حَتَّىٰ تُرَضِّيَهُ" "میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ ان کی مرضی کے بغیر ان سے یہ گھر نہیں لے سکتے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: "آپ کو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن میں ملا ہے یا حضور ﷺ کی حدیث میں؟"

انہوں نے کہا: "حضور ﷺ کی حدیث میں۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "وہ حدیث کیا ہے؟"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس

کی تعمیر شروع کی تو جب بھی وہ کوئی دیوار بناتے تو صبح کو وہ گری ہوتی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اگر آپ کسی کی زمین میں بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے راضی کر لیں۔ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خوشی سے اس گھر کو مسجد میں شامل کر دیا۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر (کرمہ نبوی) میں شامل کر دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں گھر دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”میں تو یہ گھر ضرور لوں گا۔“ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فیصلہ کر والو۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“

چنانچہ دونوں حضرات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کریں۔ وہ زمین ایک آدمی کی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے وہ زمین خریدی۔ جب اسے قیمت ادا کرنے لگے تو اس آدمی نے کہا: ”جو قیمت تم مجھے دے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے یا جو زمین تم مجھ سے لے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے؟“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ”جو زمین میں تم سے لے رہا ہوں وہ زیادہ بہتر ہے۔“ اس پر اس آدمی نے کہا: ”تو پھر اس قیمت پر میں راضی نہیں ہوں۔“ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے پہلے سے زیادہ قیمت دے کر خریدا۔ اس آدمی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دو تین مرتبہ اسی طریقہ کیا۔ (ایک قیمت مقرر کر کے پھر اس سے زیادہ کا مطالبہ کر دیتا) آخر حضرت سلیمان

نے اس پر شرط لگائی کہ تم جتنی قیمت کہہ رہے ہو میں اتنے میں خریدتا ہوں، لیکن تم بعد میں یہ نہ پوچھنا کہ زمین اور قیمت میں کون سی چیز بہتر ہے۔ چنانچہ اس کی بتائی ہوئی قیمت پر خریدنے لگے تو اس نے بارہ ہزار قنطار سونا قیمت لگائی۔ (ایک قنطار چار ہزار دینار کو کہتے ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قیمت بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم اسے یہ قیمت اپنے پاس سے دے رہے ہو تو پھر تو تم جانو۔ اور اگر ہم اپنے دیئے ہوئے مال میں سے دے رہے ہیں تو پھر اسے اتنا دو کہ وہ راضی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میرا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کے زیادہ حق دار ہیں اگر ان کا گھر مسجد میں شامل کرنا ہی ہے تو پھر وہ جس طرح راضی ہوں انہیں راضی کیا جائے۔“ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”اب آپ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے تو میں یہ گھر مسلمانوں کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔“

### مسجد میں نقش و نگار اور بے ضرورت چیزیں بنانا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آداب المساجد کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ تصنیف فرمایا ہے، ائمہ کرام کو چاہیے کہ ضرور اس کا مطالعہ فرمائیں اور کئی والوں کو بھی سنائیں تاکہ ہماری مساجد شریعت کے مزاج کے موافق تعمیر ہوں۔ اس رسالہ میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

مسجد کی دیوار اور فرش میں رنگ برنگ کے تیل بوٹے نکالنا جو نماز میں خیال کو منتشر کرتے ہوں مکروہ ہے، بالخصوص محراب میں اور قبلہ کی دیوار میں زیادہ مکروہ

سید



## مسجد کی صفائی کی اہمیت

ائمہ کرام کو عام طور پر مسجد کی خدمت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اس سلسلے میں یہ نہ سمجھیں کہ مسجد میں ہمارا مقام خدمت کا ہے بلکہ مسجد کی ہر خدمت کو اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

”أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ يُنْظَفَ وَيُطَيَّبَ.“<sup>۱</sup>

کہ نبی کریم ﷺ نے گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبوئیں لگائی جائیں۔

آج کل جیسا کہ عموماً ہر کام میں افراط و تفریط کا دور دورہ ہے مساجد کی صفائی میں بھی یہی آفت پیش آئی ہے، کہیں تو صفائی میں حد سے بڑھ کر اس کو تزخرف اور تزئین کی حد تک پہنچا دیا گیا۔ مسجدیں طرح طرح کی گل کاریوں سے آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں جو کہ مکروہ ہے، اور کہیں یہاں تک بے پروائی اور غفلت سے کام لیا گیا ہے کہ العیاذ باللہ مسجدوں میں کوڑیاں لگی ہوئی ہیں، جالے تھے ہوئے ہیں، گرد و غبار سے آلودہ ہیں، دیواریں اور زمین تیل کے بد نما دھبوں سے خراب ہیں جو یقیناً مساجد کی بے حرمتی ہے، اور کسی طرح جائز نہیں۔

حدیث میں ہے کہ ملائکہ کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جن سے آدمیوں کو ایذا پہنچتی ہے جب ایک انسان اپنے مکان کو اس طرح کوڑے کباڑ سے آلودہ دیکھنا نہیں چاہتا تو ملائکہ اللہ باوجود لطافت طبع کے کب اس کو پسند کرتے ہیں،

۱۔ ترمذی، الجمعة، باب ما ذکر فی تطییب المساجد، رقم: ۵۹۴

۲۔ مسلم، المساجد، باب نہیں من اکل ثوماً أو بصلاً، رقم: ۵۶۲

بکرا وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مسجد کی صفائی کا خود اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مبارک میں مساجد میں چھڑکاؤ کیا جاتا تھا، اور جھاڑو دی جاتی تھی۔

اور حضرت یعقوب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّبِعُ غُبَارَ الْمَسْجِدِ بِجَرِيدَةٍ.“<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کیا کرتے تھے۔“

اور حضرت مطلب بن عبد اللہ بن حطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد قبا میں تشریف لے گئے۔ اس میں نماز پڑھی، پھر فرمایا: ”اے یرقا! (کسی شخص کا نام ہے) مجھے ایک کھجور کی ٹہنی لا دو۔“ اس نے لا کر دی۔ حضرت یرقا کہتے ہیں میں نے ان کو ٹہنی دے دی۔ آپ نے ایک کپڑے سے اپنی کمر باندھی اور تمام مسجد میں جھاڑو دی۔<sup>۳</sup> حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے اعمال کے ثواب سب میرے سامنے پیش کیے گئے۔ یہاں تک کہ ایک تکا کہ جس کو کسی شخص نے مسجد سے نکال دیا ہو، اس کا ثواب بھی پیش کیا گیا۔ اور میرے سامنے امت کے گناہ بھی سب پیش کیے گئے۔ میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھول جائے۔<sup>۴</sup>

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلاة (باب) فی کس المساجد: ۱/۴۳۴، رقم: ۱

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلاة (باب) فی کس المساجد: ۱/۴۳۵، رقم: ۵

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلاة (باب) فی کس المساجد: ۱/۴۳۴، رقم: ۲

۴۔ ترمذی، فضائل القرآن، باب لم أَرَدْنَا اعظم من سورة، رقم: ۲۹۶۶

اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، جب انتقال ہوا تو چوں کہ رات کا وقت تھا، صاحبِ کرم ﷺ نے یہ سمجھ کر کہ اگر آں حضرت ﷺ کو اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائیں گے، اور اندھیرے میں آپ کو تکلیف ہوگی اس کو خود ہی نماز پڑھ کر نماز کر دیا۔ اور آپ کو اس وقت اطلاع نہیں کی۔ جب صبح کو اطلاع ہوئی تو فرمایا:

"إِذَا مَاتَ لَكُمْ مَيِّتٌ فَأَذِّنُونِي وَصَلُّي عَلَيْهَا وَقَالَ ابْنِي رَأَيْتُهَا فِي الْجَنَّةِ تَلْقُطُ الْقَذَى مِنَ الْمَسْجِدِ" ۱

ترجمہ: "جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو تو مجھے خبر کر دیا کرو اور آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی اور فرمایا میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا ہے۔ اس لیے کہ وہ مسجد سے کوڑا اکھاڑا تھا دیتی تھی۔"

حافظ ابن حجر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے متعلق محمد بن منصور رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"ہم امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے اپنی ڈانک میں سے تنکا نکال کر مسجد میں ڈال دیا، تو میں نے امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو دیکھا کہ وہ اس تنکے اور لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پس جب لوگ غافل رہے تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کو زمین سے اٹھایا اور اپنی آستین ہی میں ڈال دیا۔ پس جب مسجد سے نکلے تو میں نے ان کو دیکھا کہ اس تنکے کو نکالا اور زمین پر پھینک دیا۔"

دیکھئے امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے مسجد کی زمین اس چیز سے بچائی جس سے داڑھی بچائی جاتی ہے۔

۱۔ الترغیب والترہیب، الترغیب فی تطہیف المساجد: ۱/۲۲، رقم: ۳

مَسْجِدًا: مسجد میں تھوکنانا جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "أَلْبَزَانِي فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ" ۱

ترجمہ: "مسجد میں تھوکننا گناہ ہے۔"

اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو امامہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مَنْ بَزَقَ فِي قِبْلَتِهِ وَلَمْ يُوَارِهَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْمَلَىٰ مَا تَكُونُ حَتَّى تَقَعَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ" ۲

ترجمہ: "جو شخص مسجد کی جانب قبلہ میں تھوکتا ہے اور دفن (یا صاف) نہیں کرتا تو وہ قیامت کے دن سخت گرم ہو کر آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ماتھے پر آ کر گرے گا۔"

مَسْجِدًا: مسجد میں لہسن اور پیاز لے کر چانا یا اس کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

حضرت جابر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَبِّئَةِ فَلَا يَقْرَأَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَىٰ مِمَّا يَتَأَذَىٰ مِنْهُ الْإِنْسُ" ۳

ترجمہ: "جو شخص بدبودار درخت (یعنی پیاز) کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لیے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا

۱۔ بخاری، الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، رقم: ۴۱۵

۲۔ كنز العمال، الرابع، الصلوة، ۲۷۱/۷، رقم: ۲۰۸۰۹

۳۔ درمختار مع الشامی، کتاب الصلوة، باب ما یبطل الصلوة وما یکرہ فیہا: ۱/۶۶۱

۴۔ مسلم، المساجد، باب نہیں من اكل ثومًا أو بصلاً..... رقم: ۵۶۱

پہنچتی ہے جن سے انسانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔“

مزید یہ ہے کہ جب تک اس کی بدلو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں داخل ہوا اور یہی حکم ہے ہر بدبودار چیز کا۔ جیسے حقہ اور سگریٹ اور لہسن وغیرہ کا جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے۔ اور طریقہ محمدیہ میں مولیٰ کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے۔

تَبَيَّنَ: حقہ، سگریٹ پینے والے کثرت سے اس میں غفلت کرتے ہیں۔ ائمہ حضرات بار بار لوگوں کو سمجھائیں، ان کو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

فَقَالُوا لَا: اس حدیث میں اگرچہ صراحتہً تو فقط کھانے کی چیز کا ذکر ہے، لیکن چوں کہ اخیر میں اس کی دلیل بھی یہ ذکر فرمائی ہے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جن سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ یہ حکم فقط کھانے کی چیزوں میں منحصر نہیں، بل کہ تمام استعمال کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے۔

### مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا

مسجد میں اوبان عود وغیرہ کی دھونی دینا اور اگر بتیاں جلا نا سنت ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہمیشہ دستور رہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

”جَمُّوْا مَسَاجِدَكُمْ صَبِيَانَكُمْ وَمَجَانِيْنَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُوْمَانَكُمْ وَرَفَعَ اَصْوَانَكُمْ وَاِقَامَةَ حُدُوْدِكُمْ وَسَلُّ سُبُوْفَكُمْ وَاتَّخِذُوْا عَلٰى اَبْوَابِهَا الْمَطَاهِرَ وَجَمِّرُوْهَا فِى الْجُمُعِ“۔

ترجمہ: اپنی مسجدوں سے بچوں اور پاگلوں کو علیحدہ رکھو۔ اور ان کو اپنی

لے ابن ماجہ، ابواب المساجد والجماعات، باب ما یکرہ فی المساجد، رقم: ۷۵۰

خرید و فروخت اور شور سے پاک رکھو۔ اور سزا دینے اور تلواریں کھینچنے سے پاک رکھو۔ اور ان کے دروازوں پر وضو خانہ بناؤ اور ان کو ہر جمعہ کے دن خوشبو کی دھونی دیا کرو۔“

اس طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ نے من جملہ بہت سے ارشادات کے ایک یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مساجد کو خوشبو کی دھونی دیا کرو۔ چنانچہ مسند ابن ابی شیبہ نے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیتے تھے۔ لہذا جو شخص اس سنت کو زندہ کرے گا تو جب تک لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ تَصَلَّكَ بِسَنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهُ اَجْرٌ مِائَةِ شَهِيدٍ“ ترجمہ: ”جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت پر عمل کرتا رہے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔“

مقتدیوں کو مسجد میں آنے اور جانے کی دعائیں یاد کروائیں

ائمہ کرام مقتدیوں کو سکھائیں کہ جب مسجد کے لیے گھر سے نکلیں تو یہ دعا پڑھیں:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَنْشَايْ هَذَا فَاِنِّیْ لَمْ اُخْرِجْ اَشْرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا رِیَاءً وَلَا سُنْعَةً وَخَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَانْتِقَاءَ مَرْضَاتِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ

لے مجمع الزوائد، الصلاة، باب إجماع المساجد، ۸۶/۲، رقم: ۱۹۶۰

لے مشکوٰۃ، الایمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ۳۰/۱



تُعَذِّبُنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ" ۞

ترجمہ: "اے اللہ! سوال کرنے والوں کا جو حق میرے اوپر ہے اور میرے اس نماز کے لیے چلنے کے حق سے (میرے گناہوں کو معاف فرما دے) کیوں کہ میں جھگڑے، ریا، مود، تکبر اور گھمنڈ کے لیے نہیں نکلا ہوں، بل کہ تیرے غصے سے بچنے اور تیری خوشنودی کی تلاش کے لیے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ دوزخ سے مجھے بچا اور میرے گناہوں کو معاف فرما یقیناً آپ کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔"

مسئلہ: مسجد میں جانے کے وقت وقار اور سکون کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دوزخ نہیں چاہیے۔

## مسجد میں داخل ہونے کی دعا

حدیث میں ہے کہ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

"بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" ۞

ترجمہ: "میں داخل ہوتا ہوں اللہ کے نام سے اور سلام ہو رسول اللہ (ﷺ) پر۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دیجیے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔"

اس کے بعد نہایت ادب کے ساتھ مسجد میں داخل ہو۔

کسی بزرگ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تھے تو بوجہ خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی؟

تو "فرمایا کہ لوگ جب دنیا کے کسی حاکم کے دربار میں جاتے ہیں تو ان پر اس کا رعب چھا جاتا ہے۔ اور ڈرتے ہیں کہ کوئی بات عدالت کے آداب اور حاکم کی شان کے خلاف نہ ہو جائے۔ تو کیا میں اَخْكُمْ الْحَاكِمِينَ کے دربار کی اتنی بھی وقعت نہ کروں، جتنی ایک اوقی حاکم کی کی جاتی ہے۔ اس خوف سے میرا رنگ زرد ہو جاتا ہے کہ کہیں اس دربار کی شان کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو جائے۔"

پھر جب مسجد میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔ جس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے:

"إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُجْلِسَ" ۞

ترجمہ: "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (نفل) پڑھے۔"

ہذا امام کو چاہیے کہ مقتدیوں کو تحیۃ المسجد کی اہمیت بتلائے اور اس کے فوائد و فضائل بھی بتلائے، اس لیے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر بہت ہی کم عمل ہوتا ہے تو مقتدیوں میں اس سنت پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ اس کا اہتمام کریں گے۔

مسئلہ: جو شخص کثرت سے مسجد میں آتا جاتا رہتا ہو تو اس کے لیے ہر روز صرف ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لیے کافی ہے۔ ۞

۱۔ ابن ماجہ، المساجد والجماعات، باب المشی الی الصلاة، رقم: ۷۷۸

۲۔ ابن ماجہ، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، ۵۶

۳۔ فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الطہارۃ، متفرق مسائل: ۲۲۶/۱

## تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کی اہمیت

ہمارے ملک میں نسبت عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کے اکثر امام اور بعض اہل علم کے سامنے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کی اتنی اہمیت واضح نہیں ہے جتنی اس کی اہمیت وارد ہے۔ حدیث کے الفاظ اس سلسلے میں بڑی وضاحت کے ساتھ وارد ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانِي النَّاسِ، قَالَ: ”فَجَلَسْتُ“ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَا مَعَكَ أَنْ تَرَكَعَ وَرَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تَجْلِسَ؟“ قَالَ: ”فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: رَأَيْتُكَ جَالِسًا وَالنَّاسُ جُلُوسٌ.“ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”فَإِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يَرْكَعَ رَكَعَتَيْنِ.“

ترجمہ: ”حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے میں بیٹھ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپ کو کس چیز نے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے منع کیا؟“ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول میں نے دیکھا کہ آپ اور دوسرے حضرات تشریف فرما ہیں (اس وجہ سے نہیں پڑھی)“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھے۔“

۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرہا، باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین، ۲۹۰/۱

مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو ”خانہ خدا“ کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی ستائی ہے، اسی لیے اس کو ”تحیۃ المسجد“ کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں)۔ لہذا مسلم شریف میں مذکورہ بالا حدیث کا باب ”بَابُ اسْتِحْبَابِ تَحِيَّةِ الْمَسْجِدِ بِرَكَعَتَيْنِ وَكَوَاهَةِ الْجُلُوسِ قَبْلَ صَلَاتِهِمَا“ بھی اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے:

امام نووی رَجَبُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”وَهِيَ سُنَّةٌ بِاجْتِمَاعِ الْمُسْلِمِينَ.“

اسی طرح تحیۃ الوضو کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں ذکر کی گئی ہے ان احادیث میں سے ایک مشہور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْهُ- أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: ”يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ ذَكَرَ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ“ قَالَ: ”مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي إِنِّي لَمْ أَطْهَرُ طَهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطَّهُورِ مَا كَتَبَ لِي أَنْ أَصَلِّيَ“

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”اے بلال! تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ

۱۔ معارف الحدیث، کتاب الصلوۃ، ۱۷۸/۳

۲۔ بخاری، التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار، رقم: ۱۱۹۹

امید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتاؤ۔ کیوں کہ میں نے تمہارے جوتوں کی چاپ (آواز) جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے“ (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں تو میں دریافت کرتا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے۔ لہذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی امید ہو) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے کہ میں نے رات یادوں کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اس وضو سے میں نے نماز ضرور پڑھی ہے۔ جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔“

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل۔

### مسجد سے نکلنے کی دعا

”بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ“<sup>۱</sup> ترجمہ: ”میں نکلتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، اور سلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دیجیے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجیے۔“

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں:

۱۔ معارف الحدیث، کتاب الطہارۃ: ۸۱/۳

۲۔ ابن ماجہ، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد: ۵۶

”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ الشَّيْطَانَ الرَّجِيْمَ“<sup>۱</sup> ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے شیطان مردود سے بچائے۔“

### امامت کی تنخواہ اور اس کا معیار

ہندوستان کے مشہور و معروف جید عالم وین حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے فتوؤں کا مجموعہ ”فتاویٰ رحیمیہ“ سے یہ سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے، پڑھنے سے پہلے دعا مانگ لیں کہ اس بزرگ کے لکھے ہوئے مبارک الفاظ ہمارے دلوں میں گھر کر جائیں اور ہدایت کا سبب بن جائیں۔

سوال: امام مسجد کے لیے امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لینا جائز ہے تو اس کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

آج کل ائمہ مساجد کو تنخواہ بہت کم دی جاتی ہے مساجد کے متولی اور ذمہ داروں کو اس پر توجہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

ائمہ مساجد کا معقول مشاہرے کے مطالبے کے لیے تنظیم بنا کر تحریک چلانا اور اس سلسلے میں حکومت سے تعاون حاصل کرنا کیسا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام میں منصب امامت کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ایک باعزت باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے۔ یہ مصلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ ہے۔ امام نائب رسول ہوتا ہے، اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور رابطہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہیے۔ حدیث میں ہے۔

”اِنْ سَرَّكُمْ اَنْ تَقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَوْمُكُمْ عَلَمَاءُكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفَدُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ وَفِي رَوَايَةِ الْحَاكِمِ

۱۔ ابن ماجہ، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد: ۵۶

۲۔ مجمع الزوائد، الصلاة، باب الإمامة: ۱۶۵/۲، رقم: ۲۳۲۵



قَلِيلًا مِّنْكُمْ خِيَارٌ ثُمَّ

تَرْجَمَهُ: ”اگر تمہیں پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ قبولیت کو پہنچے تو تم میں جو عالم (مسائل جاننے والا) ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہے۔“

اور حاکم کی روایت میں ہے کہ تم میں جو سب سے بہتر ہو اس کو امام بناؤ۔ فقہ کی مشہور کتاب نور الایضاح میں ہے:

”فَالْأَعْلَمُ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ ثُمَّ الْأَقْرَأُ ثُمَّ الْأَوْعَى ثُمَّ الْأَسْنُ ثُمَّ الْأَحْسَنُ خُلُقًا ثُمَّ الْأَحْسَنُ وَجْهًا ثُمَّ الْأَشْرَفُ نَسَبًا ثُمَّ الْأَحْسَنُ صَوْتًا ثُمَّ الْأَنْظَلُ قَوْلًا۔“

تَرْجَمَهُ: ”امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہو) پھر وہ شخص جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو، پھر وہ جو نہایت زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔“

اصلاً تو امامت پر اجرت اور تنخواہ (مشاہرہ) لینا جائز نہیں ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اجرت اور مشاہرہ لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے:

”وَلَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَيُنْتَى الْيَوْمَ بِصَحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ

ملہ مستدرک للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب مولانا ۳/۲۶۸، رقم: ۵۰۴۵

ملہ نور الایضاح، الصلوة، باب الإمامة، ۷۸

بیان العلم نرس

وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ۔“

تَرْجَمَهُ: ”تنخواہ لینا جائز نہیں طاعات پر جیسا اذان، حج، امامت، قرآن مجید کی تعلیم اور فقہ ہے، لیکن آج قرآن و فقہ کی تعلیم، امامت اور مؤذنی پر تنخواہ لینے کی صحبت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔“

”خادمان مساجد و مدارس کو ان (امام وغیرہ) کی حاجت، علمی قابلیت اور فتویٰ و صلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرہ دینا چاہیے، مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کر کے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہیے۔“

درمختار میں ہے:

”وَيُعْطَى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ وَالْفِقْهِ وَالْفَضْلِ فَإِنْ قُصِرَ كَانَ اللَّهُ غَلِيْبَ حَسِبْنَا (زیلعی) وَفِي الْحَاوِي الْمُرَادُ بِالْحَافِظِ فِي التَّحْدِيثِ حَافِظُ الْقُرْآنِ مِائَتًا دُرْهِمٍ هُوَ الْمُفْتَى الْيَوْمَ۔“

تَرْجَمَهُ: ”اور یہ تنخواہ ان کی ضرورت اور ان کی علمی قابلیت اور فتویٰ و صلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے دی جائے گی اور اگر اس میں کوتاہی کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لیں گے (مسجد کے متولی وغیرہ سے)۔“

اور حاوی میں ہے کہ حدیث میں حافظ سے مراد حافظ قرآن ہے جس کو دوسو درہم دیئے جائیں گے اور اسی پر آج فتویٰ دیا جاتا ہے۔“

رد المحتار میں ہے:

”قوله وَيُعْطَى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ الَّذِي فِي الزَّيْلَعِيِّ هَكَذَا وَبِحَبِّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ تَعَالَى وَيَصْرِفَ إِلَى كُلِّ

ملہ درمختار، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدة، ۵۵/۶

بیان العلم نرس

مُسْتَحِقٌّ قَدَرٌ حَاجَتِهِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ فَإِنْ قَصُرَ فِي ذَلِكَ كَانَ  
اللَّهُ عَلَيْهِ حَسِيْبًا ..... وَفِي الْبَحْرِ عَنِ الثَّقَنِيِّ كَانَ أَبُو بَكْرٍ  
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يُسَوِّي فِي الْعَطَاءِ مِنْ بَيْنِ الْمَالِ  
وَكَانَ عَمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يُعْطِيهِمْ عَلَى قَدْرِ  
الْحَاجَةِ وَالْفَقْرِ وَالْفَضْلِ، وَالْأَخْذُ بِهَذَا فِي زَمَانِنَا أَحْسَنُ  
فَنَعْتَبِرُ الْأُمُورَ الثَّلَاثَةَ ..... أَيْ فَلَهُ أَنْ يُعْطِيَ الْأَخْوَجَ أَكْثَرَ  
مِنْ غَيْرِ الْأَخْوَجِ وَكَذَا الْأَفْقَهُ وَالْأَفْضَلَ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمَا  
وظَاهِرُهُ أَنَّ لَا تَرَاغَى الْحَاجَةُ فِي الْأَفْقِهِ وَالْأَفْضَلَ وَإِلَّا  
فَلَا فَايْذَةَ فِي ذِكْرِهِمَا وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ عَمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهُ - كَانَ يُعْطِي مَنْ كَانَ لَهُ زِيَادَةٌ فَضِيلَةً مِنْ عِلْمٍ أَوْ نَسَبٍ  
أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِ "۔

ترجمہ: "اور یہ قول "وَيُعْطَى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ" جو پہلی میں ہے  
یعنی امام کو بقدر ضرورت تنخواہ دی جائے گی، اسی طرح امام پر بھی لازم  
ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور دوسرے مستحقین کی طرح اپنی  
ضرورت کے مطابق تنخواہ کا مطالبہ کرے بغیر کسی زیادتی کے اور اگر اس  
نے اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ اس سے (بھی) حساب لیں گے، اور  
بحر الرائق میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے دور  
خلافت میں) جب تنخواہیں دیتے تھے تو سب کو برابر دیتے تھے اور  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے دور خلافت میں) ضرورت، فقہ (علم  
میں مہارت) اور مرتبہ کے بقدر تنخواہیں دیتے تھے اور ہمارے زمانے

میں اس کو لینا زیادہ بہتر اور مستحسن ہے سو ہم ان تینوں امور کا اعتبار کریں  
گے۔

یعنی اس (متولی) کو چاہیے کہ ایسے امام کو جو زیادہ ضرورت مند ہو  
اس کو زیادہ دے بہ نسبت اس (امام، مؤذن اور قاری) کے جو کم  
ضرورت مند ہے اور اسی طرح جو زیادہ فقیہ یا جس کو فضیلت حاصل ہے  
کسی وجہ سے ان کو زیادہ دے بہ نسبت ان کے جو کم فقیہ اور کم مرتبہ والا  
ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ ضرورت کا لحاظ نہ کیا جائے زیادہ فقیہ اور  
افضل ہونے میں، ورنہ پھر ان دونوں کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں  
ہے اور اس کا مؤید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے کہ وہ جو علم یا  
نسب میں فضیلت رکھتا تھا اس کو زیادہ تنخواہ دیتے تھے بہ نسبت اس کے  
غیر کے۔"

ہمارے زمانے میں ذمہ داری متولیان مساجد اور محلہ و ہستی کے بااثر لوگوں کی  
ہے۔ ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز و  
احترام کا معاملہ کریں۔ ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں۔ ان کو دیگر ملازمین اور  
لوگوں کی طرح سمجھنا منصب امامت کی سخت توہین ہے۔ یہ بہت ہی اہم دینی  
منصب ہے۔ پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے۔ جائین سے اس  
عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت اور عظمت کی حفاظت ضروری ہے۔

متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے۔ اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم و  
صلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف  
مزاج، علم دوست اور اہل علم کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہو۔ جس میں یہ اوصاف زیادہ  
ہوں اسی کو متولی اور مہتمم بنانا چاہیے۔ ان اوصاف کے حامل اگر متولی ہوں گے تو  
اتنے اور قابل اماموں کا انتخاب کریں گے اور مساجد کا نظام بھی بہتر ہوگا۔ آج کل

نااہل متولیوں کی وجہ سے نااہل اماموں کی بھرمار نظر آ رہی ہے اور مساجد میں بد نظمی ظاہر ہو رہی ہے۔

امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند اور معقول مشاہرہ (تنخواہ) کے بغیر اس کا گزر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیان مسجد اور محلہ کے بااثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کر سکتا ہے اور ذمہ داران مساجد اور بااثر لوگوں پر ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں اماموں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو ہرگز جائز نہ ہوگا۔ امام منصب امامت کے وقار، عظمت اور قدر و قیمت کا محافظ اور امین ہے۔ ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل و تنقیص لازم آتی ہو، ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

لہذا معقول مشاہرہ کی درخواست کے لیے اپنا معاملہ عدالت اور حکومت کے حوالہ کر دینا اور اس مقصد کے لیے ائمہ مساجد کی تنظیم (یونین) بنانا اور اس کا ممبر بننا کسی حال میں قابل مدح نہیں، بل کہ قابل مذمت اور لائق ترک ہے۔ اس سے دور رس غلط نتائج پیدا ہونے کے شدید خطرات ہیں اور بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھلے گا۔ اماموں کے تقرر کے سلسلہ میں ہمیں پابند ہو جانا پڑے گا اور ائمہ کے تقرر کے سلسلہ میں جو شرائط اور معیار ہے اس کی پابندی نہ ہو سکے گی وغیرہ وغیرہ۔

لہذا از خود اپنا معاملہ ان کے حوالہ کر کے دخل دینے کا موقع ہرگز فراہم نہ کیا جائے۔

فظمہ واللہ اعلم بالصواب

احقر الانام سید عبدالرحیم لاچپوری ثم راندیری غفرلہ

۱۲ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

”مَا قَالَ الْمَجِيبُ الْمُحِقُّ الْمُحْتَرَمُ فَهَوَ الْحَقُّ وَالصَّوَابُ  
وَأَنَا أَتَّفِقُ بِهَذَا الْفَتْوَا كُلَّ الْإِتِّفَاقِ“

احقر السعیل وادی غفرلہ خادم التدریس والافتاء جامعہ حسینیہ راندیری ۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

”بندہ اس جواب سے مکمل اتفاق کرتا ہے، ائمہ کی تنخواہوں کے معیار میں اضافہ کا کام مسلمانوں کی تنظیموں اور جماعتوں کے ذریعہ انجام دیا جائے یہی مناسب ہے حکومت کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے اس کو دیگر خالص دینی اور مذہبی امور میں دخل کا موقع اور جرأت ہوگی جس کا ضرر اظہر من الشمس ہے۔“

فظمہ العبد: احمد غنی عنہ خاچپوری، ۱۸ شوال ۱۴۱۵ھ

(مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع بلساڑ گجرات)

”هَذَا هُوَ الْحَقُّ وَالصَّوَابُ“

(مفتی) عارف حسن عثمانی ۲۱ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

اس فتویٰ کا اہم پہلو یہ ہے کہ ائمہ مساجد کی تنخواہ کے اضافہ کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ دوراندیشی اور غلط نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا فتویٰ لکھا گیا ہے۔

## مسجد کی امامت کے لائق کون؟

امام کیسا ہونا چاہیے، اس کے متعلق جو بھی لکھا گیا ہے یہ پہلو بھی بہت زیادہ قابل توجہ اور لائق اصلاح ہے۔ اس سلسلہ میں مولوی سید عبدالاحد مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ”مسلمان کی ڈائری“ میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

سہ فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الجنائزہ نماز کے متفرق مسائل: ۸/۲۱۵ تا ۲۱۶



مسجد کا امام باعل بزرگ ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو، اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے۔ آج کل ایسے امام ملنے چنداں مشکل نہیں۔ لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور متولی ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح مسجد کے اہتمام کے اہل نہیں۔

آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنے معمولی سے کام کے لیے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کراچی پسند کا ملازم رکھتے ہیں، لیکن جب مسجد کے لیے امام کی ضرورت و تلاش ہوتی ہے تب ہم مسجد کے اہل نہیں، بل کہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں۔ اس وقت نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں، قاری اور حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن بھی صحیح پڑھتا ہے یا نہیں، کس عقیدہ کا پیرو ہے۔ اور کون سے مسلک کا حامی ہے۔ مقلد بھی ہے یا شتر بے مہار۔ نہ تحقیق ہے نہ تفتیش۔ نتیجہ یہ کہ جو مؤذن بنانے کا اہل نہیں وہ امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مسرف کا نہ وہ مؤذن بنتا ہے۔

جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نااہل امام ہی تلاش کرے گا گھوم پھر کر دیکھ لیجیے تو نااہل متولی اور نااہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر جگہ نظر آئے گی۔

اسلام میں مساجد کی بہت ہی اہمیت اور بہت ہی عظیم حیثیت ہے۔ مساجد مراکز اسلام اور شعائر اسلام ہیں۔ مساجد روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے پاکیزہ اور سب سے بہترین جگہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ دنیا میں جنت کے باغ ہیں۔ اسلام کے قلعے اور اہل اسلام کے اجتماعی نظام کے لیے مرکز ہیں۔ لہذا مساجد کا نظام جس قدر بہتر ہوگا مسلمانوں کی انفرادی

دینی زندگی پر اس کے نہایت خوشنما اثرات مرتب ہوں گے۔ مسلمانوں کا معاشرہ بہتر بنے گا اور اسلام کی روح ان کی زندگیوں میں چوہ گر نظر آئے گی۔

مساجد کا نظام اور آبادی صرف اس کی ظاہری تعمیر و تزئین، اس کے نقش و نگار اور اس کے فلک بوس میناروں سے نہیں ہے۔ اس کی صحیح آبادی عبادت الہی اور ذکر الہی اور اعمال مساجد سے ہے۔ ان امور کے پیش نظر مساجد کا صحیح نظام خدا ترس امام، صالح مؤذن، اور باصلاحیت و اہل متولیوں پر ہے۔

امام حقیقت میں پورے محکمہ، پوری بستی اور پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے۔ لہذا امام بہترین عالم باعل، مسائل و احکام نماز سے خوب واقف ہو۔ قرآن مجید با تجوید اور صحیح پڑھنے والا، خوش الحان سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار، خدا ترس خوش اخلاق اور ملن سار ہونا چاہیے۔ امام ایسا ہو کہ اس کے اندر دین کا درد اور امت کا غم ہو اپنی اور قوم کی اصلاح کی فکر ہو اور اپنے دل سوز بیانات، مواعظ، حسنہ اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق، خوف خدا، انابت الی اللہ، عبادت کا ذوق و شوق اور جہاد صحیح و سنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کا جذبہ، دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی فکر پیدا کر دے۔ بلا خوف لومۃ لا یم معروف (نیکی) کا حکم کرے۔ اور نواہی و منکرات (برائی) پر نکیر کرے۔

پریشانی کا موقع ہو یا خوشی کی تقریبات ہر موقع پر قوم کی صحیح رہنمائی اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرے۔ بدعات اور رسومات کی نشاندہی اور برائیاں پر روک ٹوک کرے۔ خود بھی اسلامی احکامات اور حضور اقدس ﷺ کی مبارک اور نورانی سنتوں پر سختی سے عمل کرے اور مسلمانوں کو بھی عمل کرنے کا عادی بنائے۔

مسلمانوں اور لوگوں کے ساتھ ایسی ہمدردی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ بچوں نے بڑے، مرد و عورتیں، اپنے اور پرانے سب اس کے دلدادہ اور دل و جان سے اس پر قربان ہو جائیں۔ حتیٰ کہ اپنے نجی معاملات میں بھی اس سے مشورہ اور رہنمائی

حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگیں۔ اپنے اعمال و اقوال سے لوگوں میں اسلام کی محبت اور دین کی ایسی عظمت پیدا کر دے کہ ان کو اپنی اور اپنے اہل و عیال اور مسلمانوں کے اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے۔ خود بھی دینی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کریں اور اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ و زیبائش کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو جائے اور قوم کے بچے بچیوں کی بھی دینی تعلیم کی فکر پیدا ہو اور اس کا انتظام کریں۔

خواتین میں بھی دین پر عمل کرنے، نماز، قرآن کی تلاوت اور عبادت کا شوق اور پردہ کی اہمیت پیدا ہو جائے اور ہر مسلمان اپنے گھر سے برائیوں ناچ گانے، بی بی (کیبل، سی ڈی) اور وی سی آر کی نحوست کو ختم اور دور کرنے کی فکر اور کوشش کرنے لگے۔ غرض کہ امام کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہیے اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر محض رضائے الہی کے لیے (نہ کہ دنیا کے مے حیثیت چند ملکوں کے لیے) ان تمام خدمات کو انجام دے۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ضرورت کی وجہ سے امامت وغیرہ پر اجرت (تنخواہ) لینے کے جواز کا اگرچہ فتویٰ دیا ہے، مگر اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت اور تنخواہ کو ہرگز مقصود نہ بنائیں، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو اور حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور سلف صالحین کے طرز عمل کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

### روزہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے

حق تعالیٰ رزاق ہیں، اسی پر توکل اور اعتماد اور اسی کے خزانوں پر نظر رکھیں اور ارشادات ربانی و فرمودات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا حُرُوجِ جان بنائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ تَزْجِجُكَ: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (اس کی نافرمانی اور گناہ کے کام نہیں کرتا) تو حق تعالیٰ اس کے (مشکلات سے) نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔

﴿وَمَنْ دَابَّ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ۚ

تَزْجِجُكَ: اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

﴿وَكَايَيْنَ مِنْ دَابَّيْ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۚ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَأَبَاطُكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ

تَزْجِجُكَ: اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی، اللہ روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ ”اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن قوت نہیں ہوتا۔ نیا دن اور نئی روزی“ (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وقادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے۔ کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی کمر پر لاوے نہیں پھرتے پھر بھی رزاق حقیقی

ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔" ۴

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ ۵

ترجمہ: "اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا، نہایت قوت والا ہے۔"

حدیث شریف میں ہے:

۵ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔" ۶

ترجمہ: "اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کرنا چاہیے تو تم کو اسی طرح روزی عطا کی جائے گی جس طرح پرندوں کو روزی دی جاتی ہے کہ صبح کو بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ (اپنے گھونسلوں میں) واپس ہوتے ہیں۔"

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں ۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب کبر و ترسا وظیفہ خود داری  
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری  
یعنی "اے اللہ! آپ ایسے کریم ہیں کہ یہود و نصاریٰ، آتش پرست اور بت پرست (وغیرہ) کو اپنے خزانہ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں۔  
دشمنوں پر جب ایسی نظر کرم ہے تو اپنے دوستوں کو (جو تیرے عبادت گزار ہیں) کیسے محروم رکھیں گے؟"

۴ تفسیر عثمانی ۳۰۳/۲ ۵ الذریت: ۵۸

۶ ترمذی: الزہد، باب فی توکل علی اللہ، رقم: ۲۳۵۱ ۷ دیباچہ گشتاں: ۲۰

مقول ہے کہ کوئے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے اس وقت اس کے بال و پر سفید ہوتے ہیں۔ نر و مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ نہیں ہے۔ اگر ہمارا ہوتا تو ہم جیسا سیاہ ہوتا۔ اس لیے وہ کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ بال و پر جب سیاہ ہونے لگتے ہیں جب اسے اپنا بچہ سمجھتے ہیں۔ اور پھر کھانا پلانا شروع کرتے ہیں۔ اس عمر تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے اس طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ بچہ جب اپنی چونچ بار بار کھولتا ہے تو اس وقت حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اس کے منہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں۔ ۱

اللہ پاک کوئے کے بچہ کو اس طرح روزی پہنچاتے ہیں۔ تو کیا وہ رحیم و کریم ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گا؟ اس ذات وحدہ لا شریک لہ پر توکل کرو اور روزی کی بہت فکر مت کرو۔ بقول شاعر:

۔ غم روزی بخور، برہم مزین اوراق و فترا

کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

ترجمہ: "فکرِ معاش میں حیران و پریشان مت ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت اور رحمت والے ہیں کہ بچے کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی پستانِ مادر میں دودھ مہیا کرتے ہیں۔"

۱ تقدیر میں جو رزق ہے اس کا ملنا ایسا ہی یقینی ہے جس طرح موت آنا یقینی ہے۔ جو رزق مقدر میں ہے اس کے مکمل ہونے سے پہلے انسان کو موت نہیں آسکتی۔ ممکن کو اس پر ایمان رکھنا چاہیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"وَإِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَسَ فِي رُوحِي" "أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِغْلَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا

۱ مظهر حق، کتاب الرقاق، توکل اور صبر کا بیان: ۸۰/۱



يُذْرِكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ“

ترجمہ: ”حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (یعنی بذریعہ وحی بتلایا کہ) کسی نفس کو موت نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اعتدال اور صحیح طریقہ سے رزق طلب کرو اور دیر سے رزق ملنا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے رزق تلاش کرنے لگو اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ہے وہ اللہ کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

④ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدُ كَمَا يَطْلُبُهُ أُجَلُهُ“

ترجمہ: ”بے شک رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے۔“

اور بھی بے شمار قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہیں جن میں غور و تدبر سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے۔ لہذا اسی ذات و مدد و شریک نہ پر کامل اعتماد اور توکل کرنا چاہیے۔ ان آیات اور احادیث پر اگر انسان کی نظر رہے تو پھر ان شاء اللہ ادھر ادھر حیران و سرگرداں نہ پھرے گا۔ ہر مسجد میں اگر ایسے امام ہوں گے تو ان شاء اللہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کے بہترین اثرات آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، ص ۴۵۶

۲۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، ص ۴۵۴

اسی طرح مؤذن دین دار اور صالح ہونا چاہیے۔ جو شخص پابندِ شرع نہ ہو مل کہ فاسق ہو تو اس کو مؤذن بنانا درست نہیں ہے۔ اللہ کے گھر کا مؤذن دین دار، تعلیم یافتہ، احکام و فیہ خصوصاً اذان و نماز کے مسائل سے واقف، اوقات نماز، صبح کا ذب، صبح صادق، زوال، سایہ اسی، ایک مثل و مثل، شفق احمر و انیس وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: ”يُؤْذَنُ لَكُمْ خَيْرٌ كُمْ“ یعنی تم میں جو صالح ہو وہ اذان کہے۔<sup>۱</sup> اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وَيَتَّبِعِي أَنْ يَكُونَ الْمُؤْذِنُ رَجُلًا عَاقِلًا صَالِحًا تَقِيًا عَالِمًا بِالشُّنَّةِ“

ترجمہ: ”مؤذن عاقل، سمجھ دار، نیک، متقی اور طریقہ سنت سے واقف ہونا چاہیے۔“

اور کبیری میں ہے:

”وَأَفَادَ هَذَا أَنَّ الْأَوَّلَى أَنْ يُتَوَلَّى الْعِلْمَاءُ الْأَذَانَ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْجَمَاعَةِ وَالِدُعَاءِ إِلَيْهَا فَلَا يَفْوَضُ إِلَى غَيْرِهِمْ عَلَى مَاصَرٍّ وَفِي الْخُلَاصَةِ ”الْمُؤْذِنُ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِأَلْأَوْقَاتِ لَا يَسْتَحِقُّ ثَوَابَ الْمُؤْذِنِينَ““

ترجمہ: ”اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بہتر یہ ہے کہ اذان دینا علما کو سپرد کیا جائے اس لیے کہ اذان جماعت اور اس کی طرف بلائے کے باب میں سے ہے، لہذا اذان کو دوسروں کے حوالے نہ کیا جائے جیسا

۱۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب من أحق بالإمامۃ، ۸/۸۷

۲۔ صواعق عالمگیری، الصلوٰۃ، الباب الذانی فی الاذان، ۱/۵۳

عہ کبیری: ۳۶۶

اور خلاصہ میں ہے کہ اگر مؤذن اوقات نہ جانتا ہو تو وہ مؤذن نہیں کہے جانے والے ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

ہمارے زمانے میں مؤذنون میں یہ اوصاف مفقود ہیں، ارزاں اور کم سے کم تنخواہ والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے۔ خواہ اذان صحیح نہ دے سکتا ہو۔ اذان کے کلمات کہیں دراز اور کہیں مختصر کر کے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اعادہ ضروری ہو جاتا ہو۔ مثلاً "أَشْهَدُ" کو "أَشْهَدُ" حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ "کو "حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ" یا "حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ" کی جگہ "اللَّهُ" کی جگہ "أَكْبَرُ" اور "أَكْبَرُ" اور اسی طرح "حَتَّى" میں بڑی "ح" کی جگہ چھوٹی "ه" پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے غلطیاں کی جاتی ہیں۔ ائمہ کرام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے۔

ائمہ کرام پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے، بل کہ اذان عبادت بھی ہے اور مہتمم بالشان اسلامی شعار بھی ہے، اس کو اسی کے شایان شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو، اور سامعین کے قلوب متاثر و متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں۔

"إِنَّ الْأَذَانَ إِظْهَارُ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ"۔

ترجمہ: "اذان اسلام کی علامت ہے۔"

اور فتح القدیر میں ہے:

"لِأَنَّ الْأَذَانَ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ"۔

ترجمہ: "اذان دین کی علامتوں میں سے ہے۔"

حق تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں۔

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر دار و مدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے متولی بہت ہی باصلاحیت ہونا چاہیے اور اس کے لیے سب سے بڑھ کر عالم باعمل شخص ہے، اگر ایسا متولی میسر نہ ہو سکے تو کم از کم دین دار، صوم و صلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائل و فقہ کا جاننے والا، خوش اخلاق، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم و تکریم اور ان سے مشورہ کر کے کام کرنے والا، دین اور اہل دین سے محبت اور دین کی فکر رکھنے والا ہونا چاہیے۔ اگر ایسا متولی ہوگا تو مندرجہ بالا اوصاف سے نصف امام و مؤذن تلاش کر کے ان کا تقرر کرے گا، پھر ان کی صحیح قدر اور ان کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے گا اور دینی کاموں کی انجام دہی میں ان کا معین و مددگار بنے گا۔

لہذا اگر ان باتوں پر عمل کیا گیا تو ان شاء اللہ اس کی نورانیت اور اس کی برکات آپ خود دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مساجد کا نظام بہتر سے بہتر بنا دے اور ہر مسجد میں ایسے امام، مؤذن اور متولیوں کا تقرر ہو کہ جن سے مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہو اور مساجد سے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ أَلِيمٍ۔



## باب پنجم

## مقتدیوں کی تعلیم و تربیت

## اصلاح کرنے کا ایک بہترین طریقہ

حفظ ابن کثیر رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک بڑا بارع ب قوی آدمی تھا جو حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا: "امیر المؤمنین اس کا حال نہ پوچھے وہ تو شراب میں ہدمست رہنے لگا۔"

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے منشی کو بلایا اور کہا کہ یہ خط لکھو۔  
 "مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ. سَلَامٌ عَلَيْكَ  
 فَإِنِّي أَحَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ﴿عَاقِبِ الذَّنْبِ  
 وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ لَا ذِي الطُّوْلِ﴾ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 إِلَيْهِ الْمَصِيرُ"۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: "عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ سلام  
 علیک، اس کے بعد میں تمہارے لیے اس اللہ کی حمد پیش کرتا ہوں جس  
 کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے

والا، سخت عذاب والا، بڑی قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں،  
 اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

پھر حاضریں مجلس سے کہا کہ سب مل کر اس کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس  
 کے قلب کو پھیر دے۔ اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے  
 جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا اس کو ہدایت کر دی تھی کہ یہ خط اس کو اس وقت تک  
 نہ دے جب تک کہ وہ نشہ سے ہوش میں نہ آئے اور کسی دوسرے کے حوالے نہ  
 کرے۔ جب اس کے پاس حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ خط پہنچا اور  
 اس نے پڑھا تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا  
 بھی گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ پھر رونے لگا اور شراب خوری سے  
 باز آ گیا۔ اور ایسی توبہ کی کہ پھر شراب کے پاس بھی نہ گیا۔

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے  
 فرمایا: "ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش  
 میں مبتلا ہو جائے تو اس کو درستی پر لانے کی فکر کرو۔ اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ  
 والاؤ۔ اور اللہ سے اس کے لیے دعا کرو کہ وہ توبہ کر لے۔ اور تم اس کے مقابلہ پر  
 شیطان کے مددگار نہ بنو۔ یعنی اس کو برا بھلا کہہ کر یا غصہ دلا کر دین سے دور کر دو گے  
 تو یہ شیطان کی مدد ہوگی۔"۔<sup>۲</sup>

اسی طرح حضرت جنید بغدادی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک  
 روز وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص ۳ آیا اور کہا: "حضرت آپ کا وعظ شہری  
 میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے؟"

آپ نے حال پوچھا۔ اس نے عرض کیا: "چند لوگ فلاں مقام پر جنگل کے  
 اندر مسروقہ رقص و سرور اور در شراب سے مخمور ہیں۔" آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ



کر جنگل کی راہ لی۔ جب آپ قریب پہنچے تو وہ اوگ بھاگنے لگے۔ فرمایا: ”بھاگومت میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں ہمارے لیے بھی لاؤ، شہر میں تو پی نہیں سکتے، پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔“ ان لوگوں نے کہا: ”افسوس ہے! کہ اس وقت شراب نہیں رہی، فرمائیں! تو شہر سے مٹوا دی جائے؟“

حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”کیا تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آ جایا کرے؟“

وہ بولے: ”صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں۔“ فرمایا: ”آؤ تم کو ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آ جائے، پھر شراب کا مزہ دیکھو۔“ وہ سب مشتاق ہوئے۔ کہ یہ کمال تو ضرور بتا دیجیے۔ فرمایا: ”اچھا اول نہاؤ، پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔“ سب نے غسل کیا۔ کپڑے دھوئے۔ اور پاک و صاف ہوا۔ آ موجود ہوئے۔ تب فرمایا: ”سب دو رکعت نماز پڑھو۔“ جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی: ”یا خدا یا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور گنہگار دیا۔ اب تجھے اختیار ہے، خواہ ان کو گمراہ کر، خواہ ہدایت بخش۔“ چنانچہ حضرت کی رہنمائی منظور ہوئی اور سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔<sup>۱</sup>

تَقْدِیْمِیُّہ: جو لوگ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت کی خدمت انجام دینے والے ہیں۔ ان کے لیے اس حکایت میں ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ جس شخص کی اصلاح مقصود ہو۔ اس کے لیے خوب گڑگڑا کر دعا کرو۔ اور پھر نرم تدابیر سے اس کو درستی کی طرف لاؤ۔ اشتعال انگیزی نہ کرو۔ اس سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا۔ بل کہ شیطان کی امداد ہوگی۔ اور وہ اس کو اور زیادہ گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔

### پنجمیہ برانہ دعوت کا ایک اہم اصول

حضرت موسیٰ و ہارون رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی کو فرعون کی ہدایت کے لیے جیسے کا حکم ایک

نہیں ہدایت کے ساتھ دیا گیا ہے یعنی:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّئِنَّا لَنَلْعَبُکَ بِتَدْکُرٍ اَوْ یَخْشٰی﴾<sup>۱</sup>

تَدْکُرَہُہَا: ”آپ دونوں اس سے نرم بات کریں شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔“

یعنی یہ وصف بھی واعیان امت کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ سختی سے لوگ بد کہتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ فریق مخالف کتنا ہی سرکش اور غلط ستہ ناطق و خدو خیالات کا حامل ہو اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ اس کے ساتھ بھی ہمدردانہ اور خیر خواہانہ انداز سے نرم بات کریں۔ اس کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ مخاطب کچھ غور و فکر پر مجبور ہو جائے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے۔

فرعون جو خدائی کا دعویدار، جابر اور ظالم ہے۔ جو اپنی ذات کی حفاظت کے لیے بزرگانی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا مجرم ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص پیغمبروں کو جب بھیجتے ہیں تو یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں کہ اس سے بات نرم کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے۔ اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی سے اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے۔ مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کے خوف کی طرف آ جائے۔ فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول وہ ہوتا چاہیے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔

آج کل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف

زبان درازی ..... اور الزام تراشی ..... کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھے۔  
انہیں اس پر بہت غور کرنا چاہیے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی مَعَاہِدُہُمَا اَلْیَاس رَحِمَہُمَا اللہ تَعَالٰی کا ملفوظ نقل فرماتے ہیں: ”کہ مسلمانوں کی برائیوں کا اسناد ادا ان کی برائیاں بیکار کرنے سے نہیں ہو سکتا، بل کہ چاہیے کہ ان میں جو ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہو اس کی تکثیر کی جائے، برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں ہے کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں سے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے انکرام ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دین سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی کمی اپنے آپ بنیاد پر جائے مگر دستور اس کے خلاف ہے۔“

### ائمہ حضرات تنہائی میں بعض غلطیوں کو سمجھائیں

بعض اوقات کسی کی غلطی سامنے آتی ہے تو پوری قوم کو زجر و توبخ میں شامل کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی چوکی دار سے غلطی ہو گئی تو یہ کہا جاتا ہے کہ سارے چوکی دار ایسے ہیں۔ یا کسی تاجر سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو سارے تاجر ایسے ہیں۔ یا کسی دوسری زبان بولنے والے سے کوئی غلطی ہو گئی تو یہ کہا جاتا ہے کہ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ اس زبان بولنے والوں کا ظرف بہت تنگ ہے، اَلْعِبَادُ بِاللّٰہ۔

لہذا ائمہ حضرات کو چاہیے کہ یہ عوام والی صفات بالکل اختیار نہ کریں، بل کہ اپنے مقتدیوں کو بھی سمجھائیں اور خود بھی اس پر عمل کریں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوئی

و اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور اس کو سب کے سامنے ذلیل نہ کریں اور ایک شخص کی غلطی پر پوری قوم، یا پوری برادری کو شامل نہ کریں۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”مَنْ وَعَظَ أَخَاهُ سِرًّا فَقَدْ نَصَحَهُ وَزَانَهُ، وَمَنْ وَعَظَ عَلَانِيَةً، فَقَدْ قَضَحَهُ وَشَانَهُ“

تَرْجُمہ: ”جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کو تنہائی اور علیحدگی میں

نصیحت کی تو ناصح نے اس کو زینت بخشی، اور جس نے اپنے (مسلمان)

بھائی کو سب کے سامنے نصیحت کی تو ناصح نے اس کو ذلیل و رسوا کیا۔“

اور امام فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے تو مؤمن کی تعریف یہی کی ہے،

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”الْمُؤْمِنُ مَنْ يَسْتُرُ وَيَنْصَحُ وَالْفَاجِرُ يَهْتِكُ وَيَعْبُرُ“

تَرْجُمہ: ”مؤمن وہ ہوتا ہے جو پردہ پوشی کرے اور نصیحت کرے اور

فاجر وہ ہوتا ہے جو پردہ دری کرے اور عار دلائے، اور شرمندہ

کرے۔“

اسی طرح بزرگوں کا مشہور مقولہ بھی ہے کہ:

”النَّصِيحَةُ أَمَامَ النَّاسِ فَصِيحَةٌ“ لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا فصیحت

ہے، یعنی کسی کو لوگوں کے سامنے اس کے عیب بتلا کر نصیحت کرنا فصیحت نہیں ہے، بل

کہ یہ رسوائی ہے، اس کو ذلیل کرنے کے مترادف ہے۔

لہذا اگر کسی کی غلطی سامنے آئے تو اس شخص یا اس قوم یا اس طبقے کو منہ پر یا

بھری محفل میں سب کے سامنے نصیحت نہیں کرنی چاہیے۔

امام کرام کو امام ابن رجب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کا رسالہ ”الْفَرْقُ بَيْنَ النَّصِيحَةِ وَالْتَعْيِيرِ“ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، یہ بہت مفید رسالہ ہے۔

بعض اوقات امام صاحب سمجھتے ہیں کہ میں نصیحت کر رہا ہوں، اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، حالاں کہ وہ نصیحت نہیں ہوتی، بل کہ عار دلانا ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکور رسالہ میں نصیحت اور عار دلانے کے فرق کو جلیل القدر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے اقوال و اشعار سے واضح کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اسی باب سے متعلق ”دیوان امام شافعی“ میں سے امام شافعی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے کچھ اشعار نقل کرتے ہیں، عمل کی نیت سے ہر امام کو یاد کرنے چاہئیں، بڑے نصیحت آموز اشعار ہیں، فرماتے ہیں:

تَعَمَّدَنِي بِنُصْحِكَ فِي انْفِرَادِي

وَجِئْتَنِي النَّصِيحَةَ فِي الْجَمَاعَةِ

ترجمہ: ”مجھے علیحدگی میں نصیحت کیا کرو، اور سب کے سامنے نصیحت کرنے سے پرہیز کیا کرو۔“

إِنَّ النَّصْحَ بَيْنَ النَّاسِ نَوْعٌ

مِنَ التَّوْبِيخِ لَا أَرْضَى اسْتِمَاعَهُ

ترجمہ: ”کیوں کہ لوگوں کے سامنے (برما) نصیحت کرنا ایک قسم کی ڈانٹ ہے، میں اس طرح نصیحت (قبول کرنا تو دور کی بات ہے) نہیں سن سکتا۔“

وَإِنْ خَالَفْتَنِي وَغَضِبْتَ قَوْلِي

فَلَا تَجْرَعْ إِذَا لَمْ تُعْطَ طَاعَةٌ

ترجمہ: ”اگر آپ نے میری یہ بات نہیں مانی (اور سب کے سامنے

سہ دیوان الإمام الشافعي، قافية الغين، حب الصالحين وأدب النصيح: ۱۸۰

نصیحت کرنے پر ڈٹے رہے)، تو پھر ناراض مت ہو جانا جب میں تمہاری نصیحت پر عمل نہ کروں۔“

لہذا اجتہادی میں نصیحت کرنا زیادہ مفید ہے، بہ نسبت برما اور سب کے سامنے نصیحت کرنے کے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾

اور انہیں نصیحت کرتے رہیے، اور انہیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔ یعنی اسے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعہ سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیے جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو غنودہ درگزر۔ وعظ و نصیحت اور قول بلیغ..... کے ذریعہ سے ہی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام زحشری فرماتے ہیں:

”قُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ خَالِيًا بِهِمْ لَيْسَ مَعَهُمْ غَيْرُ هُمْ مَسَارًا

لَهُمْ بِالنَّصِيحَةِ لِأَنَّهَا فِي السِّرِّ أَنْجَعُ“

ترجمہ: ”(اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتے ہیں) آپ ان منافقین کو اس حال میں نصیحت کریں کہ جب ان کے ساتھ دوسرے لوگ موجود نہ ہوں یعنی بالکل خلوت میں ان کو نصیحت کریں، کیوں کہ علیحدگی کی نصیحت زیادہ مفید ہے۔“

امام غزالی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”مِنْ دَقَائِقِ صَنَاعَةِ التَّعْلِيمِ أَنْ يُؤَجَرَ الْمُتَعَلِّمُ عَنْ سُوءِ

الْأَخْلَاقِ بِطَرِيقِ التَّصْرِيفِ مَا أُمْكَنَ. وَلَا يُصْرَحُ وَبِطَرِيقِ

الرَّحْمَةِ لَا بِطَرِيقِ التَّوْبِيخِ. فَإِنَّ التَّصْرِيفَ يَهْتِكُ حِجَابَ



الْهَيْبَةِ. ۱۰

تَرْجِمَہ: ”تعلیم کی باریکیوں میں سے ایک باریکی یہ ہے کہ طالب علم اور شاگرد کے ڈانٹا جانے میں جہاں تک ممکن ہو سکے تعزیریں کا طریقہ اپنائے اور صراحت کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے اور صراحت بھی نرمی و شفقت کے ساتھ ہو، ڈانٹ ڈپٹنے کے انداز میں نہ ہو، کیوں کہ صراحت میں رسوائی و ذلت ہے۔“

یعنی امام غزالی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ تاصح کا لہجہ نرم اور رحمت والا ہو سخت، ڈانٹنے اور غضب والا نہ ہو، حتی الامکان کیوں، کوتاہیوں کے ذکر کے بغیر اشارۃ نصیحت کرے، کیوں کہ لوگ سخت لہجے والے کی نصیحت قبول نہیں کرتے، بل کہ الناصح میں آکر اس کی مخالفت کرتے ہیں اور صراحت عیوب کے ذکر کرنے سے انسان میں چڑچڑے پن کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور مسلمان کی پردہ دری کا گناہ بھی ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اس کو سب کے سامنے رہا و ذلیل نہ کیا جائے، بل کہ تنہائی میں اس کو نرم طریقہ سے سمجھایا جائے اور ماضی میں تم نے یہ کیا کیا..... اور یہ کیا..... کے بجائے مستقبل میں اچھی طرح رہنے کی نصیحت کی جائے، بعض لوگ شیطان کے اس دھوکہ میں ہوتے ہیں کہ ہم سب کے سامنے اس لیے کہہ رہے ہیں، تاکہ دوسرے لوگوں کی بھی اصلاح ہو جائے، لیکن ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ اس طریقہ سے نہ اس آدمی کی اصلاح ہوگی اور نہ دوسرے لوگوں کی، بل کہ یہ جو اصلاح کا طریقہ ہے الناصح کے خلاف کی صورت اختیار کر جائے گا، جس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔

اگر یعنی اصلاح مقصود ہو تو اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بغیر عیب بٹائے اور بغیر قوم کا نام لیے تنہائی میں اس کو نصیحت کرے۔ اس میں تاصح اور منصوح لہ و لڑاں

کا ناندہ ہے کہ ایسی نصیحت میں ریا، عجب اور شیطان کو شامل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ جب شیخ احمد اپنی کتاب ”الحکم“ میں لکھتے ہیں:

”إِنَّهُ لَا مَجَالَ فِي النَّصِيحَةِ سِرًّا لِحُطُوطِ النَّفْسِ وَالْهَوَايِ وَالشَّيْطَانِ. وَالنَّاصِحُ قَدْ أَدَّى مَا عَلَيْهِ وَامْتَثَلَ أَمْرَ رَبِّهِ، وَنَصَحَ سِرًّا فَلَمْ يَدْخِلْهُ شَيْءٌ مِنَ الرِّيَاءِ وَالْعُجْبِ أَوْ الْغُرُورِ، وَالْمَنْصُوحُ لَهُ اقْتَنَعَ بِالنَّصِيحَةِ وَعَمِلَ بِهَا لِأَنَّهُ نَصِيحٌ بِطَرِيقَةٍ حَسَنَةٍ وَبِالْمَعْرُوفِ. كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَا مَعْشَرَ مَنْ قَدْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَنْضَ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُواهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ“ ۱۰

تَرْجِمَہ: ”خلوت اور تنہائی میں نصیحت کرنے میں خواہشات نفسانی (عجب، ریا) اور شیطان کو شامل ہونے کا موقع نہیں ملتا، اس لیے کہ جب تاصح نے اپنا فرض منصبی اور اپنے رب کا حکم اس طور پر بجالایا کہ اس نے خلوت اور علیحدگی میں نصیحت کر دی تو پھر اس میں ریا، عجب اور غرور جیسی بری صفت بھی شامل نہیں ہوئی۔ اور منصوح لہ نے خود سے نصیحت سن لی اور اس پر عمل کیا تو اس کا بغور سننا اور اس پر عمل کرنا اس لیے ہوا کہ اس کو اچھے اور بہتر طریقے سے خلوت میں نصیحت کی گئی تھی جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اے وہ جماعت جس نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور دل سے ایمان نہیں لایا! (یعنی منافقوں کی جماعت) مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کی پردہ دری کرو یعنی ان کے عیوب کو ظاہر مت کرو۔“

## غلطی پر تنبیہ میں حکمت کی رعایت

حضرت داؤد علیہ السلام کی اغزش خواہ کچھ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ براہ راست دل کے ذریعہ بھی آپ کو اس پر متنبہ فرما سکتے تھے۔ لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لیے یہ خاص طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟

درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لیے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔ جس سے متعلق شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اور اس کے لیے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے جس سے کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو اور ضروری بات بھی واضح ہو جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور العمل تھا کہ آپ اکثر اپنے ہاتھ سے سودا خرید کر بازار سے لایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ ترازو کے دونوں پلڑوں میں ہر چیز کو وزن کرا لیتے تھے۔ ایک دن ایک سبزی فروش سے سبزی خرید کر دونوں پلڑوں میں وزن کرایا، سبزی فروش نے بطور اعتراض کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا "تیرا حق میری جانب اور میرا حق تیری جانب نہ آ جائے۔" میں تجھے کبھی پاک کرتا ہوں اور خود بھی پاک ہوتا ہوں۔ کیوں کہ دوسروں کا حق عالم بقا میں بڑی خرابی پیدا کرتا ہے۔"

امام لوگوں کو استخارہ کا طریقہ مسنونہ اور

اس کی اہمیت بتلائے

رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو استخارہ اتنی اہمیت سے

۱۔ معارف القرآن: ۵۰۷/۷، ص: ۲۵ ۲۔ مخزن اخلاق: ۳۰۸، اعمال الصالحین

بیّنات (علم نوری)

سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا - قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا سُورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سارے کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔"

۱۔ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ.

۲۔ "یعنی اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرنا انسان کے لیے بدبختی کی بات ہے۔"

۳۔ مَا خَابَ مَنِ اسْتَحَارَ وَمَا لَدِيمَ مَنِ اسْتَشَارَ.

ترجمہ: "جس نے استخارہ کیا وہ ناکام و نامراد نہیں ہوگا، اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم و پشیمان نہیں ہوگا۔"

استخارہ کے خود ساختہ طریقے اور ان کے مفاسد

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے وعظ استشارہ و استخارہ میں فرماتے ہیں:

اس زمانے کے مسلمانوں نے استخارہ کے کئی ایسے طریقے خود گھڑ لیے ہیں، جن کا طریقہ مسنونہ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو استخارہ کا طریقہ بیان فرمایا درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے بندوں تک پہنچایا، مگر بندوں نے یہ قدر کی کہ اسے پس پشت ڈال

۱۔ الترمذی، أبواب الصلوة الورع، باب ماجاء فی صلوة الاستخارة: ۱۰۹/۱

۲۔ الترمذی، أبواب القدوة باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء: ۳۷/۲

۳۔ مجمع الزوائد، الادب، باب ماجاء فی المشاورة: ۱۲۱/۸

بیّنات (علم نوری)

کر اپنی طرف سے کئی طریقے ایجاد کر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو استخارہ رسول اللہ ﷺ کو سکھایا آپ ﷺ نے وہی اپنی امت کو سکھایا اور ایسے اہتمام سے سکھایا جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

مگر آج کل کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے ہوئے طریقے کے مقابلہ میں اپنی پسند کے مختلف طریقے گھڑ لیے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے پر اکتفا نہیں۔

ایک مولوی صاحب نے (حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی) مجلس میں استخارہ کے ایک ایسے ہی طریقے کی تعریف شروع کر دی، کہنے لگے کہ بہت ہی زبردست قسم کا استخارہ ہے۔ دو رکعت نفل کی نیت باندھیں پھر سورۃ فاتحہ پڑھیں جب "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" پر پہنچیں تو اسی کو بار بار لوٹاتے رہیں، آگے مت پڑھیں۔ اگر وہ کام آپ کے حق میں مفید ہوگا تو پڑھتے پڑھتے آپ خود بخود دائیں جانب کو گھوم جائیں گے اور اگر مضمر ہوگا تو بائیں جانب کو گھوم جائیں گے۔ بس آپ کا استخارہ ہو گیا۔ میں (حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے کہا مولانا صاحب! آپ جس استخارہ کو بہت ہی زبردست کہہ رہے ہیں اس میں ایک نہیں کئی خرابیاں ہیں:

### پہلی خرابی اللہ تعالیٰ کا مقابلہ

اللہ و رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مقابلہ میں خود ساختہ طریقہ اختیار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے علم پر اپنے علم کو ترجیح دینا ہے، یہ تو کفر ہے۔

### دوسری خرابی ترکیب سنت

شیطان مسلمان سے سنت چھڑوا کر اس کے مقابلہ میں جو بات دل میں ڈالتا ہے شیطان کے بندوں کے نزدیک تو وہ زبردست ہی ہوتی ہے، اس میں کیا شک

مگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سامنے اس کی حیثیت ایک تنکے کے برابر بھی نہیں: **﴿إِنَّ تَحِيذَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾** <sup>۱</sup>۔  
تَوَحُّدًا: "بے شک شیطان کی تدبیر بہت ہی ضعیف ہے۔"

شیطان جو بات دل میں ڈالتا ہے ساتھ یہ بھی سمجھاتا ہے کہ یہ بہت ہی زبردست بات ہے۔ اتنی زبردست کہ رحمن کی بات سے بھی مقدم ہے۔ اس کے سامنے رحمن کی معاذ اللہ! کوئی حیثیت نہیں اس لیے اس کو پہلے باندھ لو۔

### تیسری خرابی نماز کی بربادی

مسئلہ تو یہ ہے کہ "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کو اگر جان بوجھ کر دوبارہ پڑھ لیا جائے تو گناہ بھی ہوگا اور نماز بھی واجب الاعادہ ہوگی۔ "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" جب ایک بار پڑھ لیا تو آگے پڑھنا واجب ہے پھر فاتحہ کے بعد متصل دُور کا ملنا واجب ہے اگر یہ استخارہ کرنے والے جان بوجھ کر اس آیت کو دہرائے گا تو اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی لہذا یہ دو رکعتیں بعد میں لوٹائے اور جان بوجھ کر نماز خراب کرنے کا جو گناہ ہوا اس سے توبہ بھی کرے۔ جو شخص گناہ کا کام کرے اور یہ امید رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس میں خیر عطا فرمائیں گے تو وہ خود سوچے کہ اللہ کی نافرمانی میں خیر کہاں سے آگئی؟

### چوتھی خرابی نماز سے مذاق

اس کا شروع ہی سے ارادہ ہے کہ دو رکعت نفل نہیں پڑھ رہا بل کہ ایسے ہی نیت باندھ کر نمازی صورت بنالی ہے تو یہ نماز جیسی اہم عبادت کا مذاق اڑا رہا ہے۔ یہ شخص نماز پڑھنا نہیں چاہتا صرف "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" بار بار پڑھنے کے لیے نماز کی صورت بنا کر کھڑا ہو گیا ہے، نماز پڑھنا مقصد نہیں اور اگر واقعاً نماز ہی کی



نیت باندھی تو چوں کہ دائیں بائیں گھومنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، لہذا نماز شروع کر کے توڑنے کا گناہ الگ رہا، نہ بھی گھومتا تو بھی نماز واجب الاعدادہ تو ہوئی کوئی نقص نہ کر یہ گھوم کر نماز کو بالکل ہی توڑ دیتا ہے۔

رہی یہ بات کہ اگر ان مولوی صاحب نے یا کسی دوسرے صوفی صاحب نے اس کا تجربہ بھی کیا ہو اور وہ واقعاً گھوم جاتے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ گھومنے کی بات کر رہے ہیں، اگر یہ صاحب آسمان پر ہی کیوں نہ چڑھ جائیں تو جو بات شریعت کے خلاف ہے اسے ہم بہر حال خلاف شرع ہی کہیں گے اور یہی کہیں گے کہ اس میں گناہ ہے، اس میں برکت نہیں ہو سکتی۔ دجال کیسے کیسے کرتب دکھائے گا، مگر ان شعبہ بازیوں سے وہ اللہ تھوڑا ہی بن جائے گا، دجال کا دجال ہی رہے گا۔ کوئی کرتب یا شعبہ دکھا دینا سچائی کا معیار نہیں۔

اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" پڑھتے پڑھتے صوفی صاحب واقعاً گھوم جاتے ہیں تو بھی اس سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ استخارے کا صحیح طریقہ ہے اور اس میں برکت ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ شیطان کا بتایا ہوا ہے تو شیطان سے کیا بعید ہے کہ وہ الوہیت اور قدرت جتانے کے لیے صوفی صاحب کو کندھوں سے پکڑ کر گھما دیتا ہو۔ گردن سے پکڑ کر کبھی دائیں جانب گھما دیا، کبھی بائیں جانب تاکہ شیطان کی بات سچا ہو جائے۔ شیطان کے لیے گھمانا کیا مشکل ہے۔ اس نے گھما دیا اور یہ صوفی صاحب بھی خوش ہو گئے کہ کام بن گیا۔

تیسری بات یہ کہ جب وہ کھڑے ہو کر مسلسل "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کی رٹ لگاتا رہے گا تو گھنٹہ دو گھنٹہ گزرنے پر ویسے ہی دماغ چکرا جائے گا اور کبھی دائیں جانب چکر کھانے لگے گا کبھی بائیں جانب اور اس تھکاوٹ کے چکر کو ہی استخارہ کی کرامت سمجھنے لگے گا۔

چوتھی بات یہ کہ جو چیز انسان کے ذہن میں ہوتی ہے اس کا نفسیاتی اثر بھی ہوتا ہے۔ جب اس کے ذہن میں پہلے ہی سے یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ استخارہ کی برکت سے مجھے ایک طرف چکر آئے گا اور میں گھوم جاؤں گا تو اس تخیل کے اثر سے وہ خود بخود گھوم سکتا ہے۔

یہ تو ایک استخارہ بتا دیا اور بھی اس قسم کے کئی استخارے اور مختلف اعمال ہیں جو جاں صوفیوں نے گھرنیٹھے بنا لیے ہیں۔ لوگوں کو بھی اتباع شریعت کے بجائے ان ہی اعمال میں حرا آتا ہے۔

ایک بات یہ بھی سمجھ لیجیے کہ میں جو غلط بات اور بدعات پر ٹوکتے ہوئے کبھی صوفیوں کا نام لے دیتا ہوں، ان سے مراد آج کل کے مجڑے ہوئے جاہل اور بدعت صوفی ہیں، صحیح صوفی تو اللہ والے ہوتے ہیں۔

اس وقت صرف ایک استخارے کا حال بتایا ہے مزید نہیں بتاتا کہیں آپ لوگ سیکہ جائیں اور گھروں میں جا کر شروع کر دیں۔ اللہ کے بتائے ہوئے استخارے پر عمل کیا کریں۔ شیطان ایسا ہوشیار ہے ایسا ہوشیار کہ اگر کوئی اللہ کا کام شروع کرنے لگے تو اذنا تو کرنے ہی نہیں دیتا اور اپنی طرف مائل کرتا ہے کہ میرا کام کرو اور اگر کوئی اللہ کا کام شروع بھی کر لے تو یہ مردود اس کام کو خالص نہیں رہنے دیتا اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ بیوند ضرور لگا دیتا ہے۔

### استخارہ کا طریقہ مسنونہ

سنت کے مطابق استخارہ کا سیدھا سادہ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھیں اس کے بعد استخارہ کی دعا پڑھیں۔ بس دعا کے جتنے الفاظ ہیں وہی اس سے مطلوب مقصود ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ

فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ خَلِّمْ  
الْغُيُوبَ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي  
وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي وَأَجَلِهِ وَأَجَلِهِ فَيسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ  
إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ  
أُمُورِي وَأَجَلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ  
حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِي بِهِ.

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ بھلائی مانگتا ہوں اور تیرے  
چاہتا ہوں تیری قدرت کے ذریعے اور مانگتا ہوں تیرے فضل سے، کیوں کہ تو ہی  
قادر ہے میں قادر نہیں ہوں، اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، تو جیوں کا جائے  
والا ہے۔“

اے میرے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے میرے لیے میرے دین،  
دنیا اور میرے کام کے انجام میں ابھی یا بعد میں، تو تو اس کو میرے قابو میں کر دے  
اور اس کو میرے لیے آسان کر دے پھر اس میں میرے لیے برکت دے، اور اگر تو  
جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے اچھا نہیں، میرے دین، دنیا اور میرے کام کے انجام  
میں ابھی یا بعد میں، تو تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور  
میرے لیے بھلائی مقرر کر دے، جس جگہ بھی ہو پھر مجھ کو اس سے خوش کر دے۔“

عربی الفاظ زبان سے اداء کرتے وقت ان کے معنی و مطلب بھی ذہن میں  
رکھیں بالخصوص آخری جملوں کے معنی کہ یا اللہ! یہ کام جس کے لیے میں استخارہ کر رہا  
ہوں تیرے علم میں میرے دین کے لیے دنیا کے لیے حال میں بھی مستقبل میں بھی  
تیرے علم میں اگر نافع ہے تو میرے لیے مقدر فرما، آسان فرما اور اس میں برکت عطا  
فرما اور اگر یہ کام میری دنیا میں یا میرے دین میں مضر ہے۔ تو تو اس کام کو مجھ سے

پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے، یعنی کرنا چاہوں تو بھی نہ ہو، اسباب سوخت  
فرما، کام نہ ہو سکے، اور جہاں کہیں بھی خیر ہو میرے لیے مقدر فرما پھر مجھے اس  
پر رضا عطا فرما۔

اس استخارہ کی حقیقت اتنی سنی ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لی، پھر  
آگے جو کچھ ہوگا اسی میں خیر ہے۔ کام ہو گیا تو خیر نہیں ہوا تو خیر۔ جدھر کود لی تو جہ  
جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کر لیں کہ یہی میرے لیے بہتر  
ہے، اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر  
استخارہ کے بعد ختم ہو گئے کام نہیں ہو سکا تو اطمینان رکھے اللہ پر یقین رکھے کہ اس  
میں میری بہتری ہوگی۔ اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ میرے نفع و نقصان  
کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس طرح سوچنے سے اطمینان ہو جائے گا، اگر دل  
کا رجحان کسی جانب نہ ہو تو صرف اسباب کے پیش نظر جو فیصلہ بھی کرے گا اسی میں  
خیر ہوگی، اگر استخارہ کے بعد کوئی نقصان ہو گیا تو یہ عقیدہ رکھے کہ استخارہ کی برکت  
سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹا نقصان پہنچا کر کسی بڑے نقصان سے بچا لیا۔ استخارہ کی دعا  
میں دین کا ذکر پہلے ہے اور دنیا کا بعد میں اس لیے کہ مسلمان کا اصل مقصد دین ہے  
دنیا تو دین کے تابع ہے۔

### استخارہ میں پیوند کاری

اب دیکھئے یہ کس قدر آسان کام ہے، مگر اس میں بھی شیطان نے کئی پیوند لگا  
دیئے ہیں۔ پہلا پیوند یہ کہ دو رکعت پڑھ کر کسی سے بات کیے بغیر سو جاؤ۔ سونا  
ضروری ہے ورنہ استخارہ بے سود ہے گا۔ دوسرا پیوند یہ لگایا کہ لیٹو بھی دائیں کروٹ  
پر۔ تیسرا یہ کہ قبلہ رو لیٹو۔ چوتھا پیوند یہ لگایا کہ لیٹنے کے بعد خواب کا انتظار کرو، استخارہ  
کے دوران خواب نظر آئے گا۔ پانچواں پیوند یہ لگایا کہ اگر خواب میں فلاں رنگ نظر

آئے تو وہ کام بہتر ہوتا ہے، فلاں نظر آئے تو وہ بہتر نہیں۔ چھٹا پیوند یہ لگایا کہ ان خواب میں کوئی بزرگ آئے گا بزرگ کا انتظار کیجیے کہ وہ خواب میں آکر سب کو بتا دے گا۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بزرگ کون ہوگا، کیسا ہوگا؟

اگر شیطان ہی بزرگ بن کر خواب میں آجائے تو اس کو ایسے پتا چلے گا کہ یہ شیطان ہے یا کوئی بزرگ؟

یاد رکھیے ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حدیث سے ثابت نہیں۔ بس یہ باتر لکھنے والوں نے کتابوں میں بغیر تحقیق کے لکھ دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان لکھنے والے مصنفین پر رحم فرمائیں۔

## کسی دوسرے سے استخارہ کروانا

استخارہ کے باب میں لوگ ایک اور غلطی بھی کرتے ہیں اس کی اصلاح بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگ خود استخارہ کرنے کے بجائے دوسروں سے کرواتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایت یہ ہے کہ جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے۔ دوسروں سے کروانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ لوگ یہ سوچ کر کہ ہم تو گناہ گار لوگ ہیں ہمارے استخارہ کا کیا اعتبار؟

اس لیے خود استخارہ کرنے کے بجائے فلاں بزرگ اور عالم سے یا کسی نیک آدمی سے کرواتے ہیں کہ اس میں برکت ہوگی، لوگوں کا یہ زعم اور یہ عقیدہ غلط ہے۔ جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا گناہ گار۔

## رشتوں کے لیے استخارہ

رشتے کا معاملہ عام معاملات سے الگ ہے، یہ صرف اولاد کا کام نہیں بلکہ اس کے والدین کا کام بھی ہے۔ صحیح رشتہ کا انتخاب والدین ہی کر سکتے ہیں، یہ ان کی ذمہ داری ہے اور ان کو سوچنا پڑتا ہے کہ کہاں رشتہ کریں اس لیے بہتر یہ ہے کہ جن

بزرگوں یا بزرگیوں کی شادی کا مسئلہ ہو وہ خود بھی استخارہ کر لیں اور اگر ان کے والدین زندہ ہوں تو وہ بھی کر لیں۔

## گناہ گار استخارہ کیسے کریں

لوگوں کا یہ خیال کہ ”گناہ گار استخارہ نہیں کر سکتے“ دو وجہ سے باطل اور غلط

پہلی وجہ یہ کہ گناہوں سے بچنا آپ کے اختیار میں ہے۔ مسلمان ہو کر کیوں گناہ گار ہیں؟ گناہ صا اور ہو گیا تو صدق دل سے توبہ کر لیجیے، بس گناہوں سے پاک ہو گئے، گناہ گار نہ رہے۔ نیک لوگوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ توبہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اب اللہ کی اس رحمت کی قدر کریں اور آئندہ جان بوجھ کر گناہ نہ کریں۔

دوسری وجہ یہ کہ استخارہ کے لیے شریعت نے تو کوئی ایسی شرط نہیں لگائی کہ استخارہ گناہ گار انسان نہ کرے کوئی ولی اللہ کرے، جو شرط شریعت نے نہیں لگائی آپ اپنی طرف سے کیوں بڑھاتے ہیں؟

شریعت کی طرف سے تو صرف یہ حکم ہے کہ جس کی حاجت ہو وہ استخارہ کرے خواہ وہ گناہ گار ہو یا نیک، جیسا بھی ہو خود کرے۔

## استخارہ کروانے کی خرابیاں

کسی دوسرے سے استخارہ کروانے کے بارے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحْمَتُہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

### پہلی خرابی شریعت کی مخالفت

بزرگ خود بزرگ ہو کر حکم شریعت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔



## دوسری خرابی بزرگی کی بدنامی

لوگوں نے بزرگوں کو بے کار کے طور پر استعمال کرنے کا دھندا شروع کر دیا ہے۔ وہ بزرگوں سے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی کام نہیں بس بے کار بیٹھے ہیں لہذا ان سے بیگار لو۔ اگر صحیح معنوں میں کوئی بزرگ ہو تو وہ دوسروں کے ہاتھوں میں طرح استعمال نہیں ہوگا۔ بل کہ کوئی بے کار سمجھ کر استخارہ کروانے آئے بھی تو وہ جواب دے گا کہ میں تمہارے استخاروں کے لیے پیدا نہیں ہوا اپنے استخارے خود کرو۔

## تیسری خرابی من گھڑت استخارے

یہ بزرگ عجیب عجیب استخارے نکالتے ہیں، اس کی کچھ تفصیل پہلے بیان ہوئی ہے۔ آج کل کے نام نہاد بزرگ سنت کے مطابق استخارہ کرنے کے بجائے اپنے بنائے ہوئے استخارے واللہ اعلم کہاں سے نکالتے ہیں۔ پھر مخصوص طریقے سے ان کو کچھ حساب لگاتے ہیں پھر حساب کے نتیجے میں جو بات سامنے آتی ہے اسے پوچھنے والے پر لازم قرار دے دیتے ہیں کہ ہم نے استخارہ نکال لیا ہے بس اب ایسے کرو اور ایسے کرو اس کے خلاف ہرگز نہیں کرنا ورنہ سخت نقصان ہوگا۔ حتیٰ کہ دنیا میں بزرگ کہلانے والے بعض ایسے بھی ہیں جو کہ دلائل شرعیہ کے مقابلہ میں ناجائز کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اگر کوئی سمجھائے گا کہ بزرگ صاحب یہ تو ناجائز کام ہے تو جواب دیتے ہیں کہ بس ہم نے استخارہ نکال لیا ہے گویا کسی کنویں یا دریا سے نکالا ہے، بہت محنت سے سمجھ کر نکالا ہے اس لیے اسی کام میں برکت ہوگی۔

آپ کتنا ہی سمجھائیں کہ آپ کا یہ فعل شریعت کی رو سے قطعاً ناجائز اور حرام ہے مگر ان کا ایک ہی جواب ہوگا کہ بس اب ہم نے استخارہ نکال لیا ہے اسی ناجائز کام میں برکت ہے۔ گویا آخری فیصلہ ان کا استخارہ ہے جو شریعت پر بھی مقدم ہے۔

بزرگوں کے ہمیں میں ایسے بھیڑیے بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگ سنت کے خلاف اور غلط استخارہ نکال کر مافی گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بعض بچیوں کو طلاق دلوا دیں کہ استخارہ میں آیا ہے کہ اب یہ شوہر صحیح نہیں رہے۔ بعض شوہروں کو کہہ دیا کہ تم خلاق نہ دو چاہے بیوی کئی سال سے سسرال سے نہیں آ رہی، لیکن استخارہ میں آیا ہے کہ وہ لوٹ کر تمہارے پاس آئے گی، اب وہ مسئلہ سہا سال سے میکہ ٹنٹھی ہوئی ہے، نہ کہیں اور شادی کر سکتی ہے، نہ شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے۔

لہذا لوگوں کو سمجھائیں کہ استخارہ کے ذریعہ کوئی شخص علم غیب پر مطلع نہیں ہوتا، لہذا خود استخارہ کریں اور کام شروع کر دیں، خیر نہیں ہوگی تو کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اسی طرح یہ سمجھائیں کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی کے لیے بھی استخارہ نہیں فرمایا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی کسی کے لیے استخارہ نہیں کیا، نہ کروایا، لہذا خود کریں۔ استخارہ کا جب بھی موقع ملے اسی وقت کر لے کسی بھی حدیث میں نہ رست کی کوئی قید ہے اور نہ دن کی، نہ سونے کی نہ جاگنے کی، لہذا اپنی طرف سے بقوات بڑھا کر شریعت کی آسان چیز کو مشکل نہ بنایا جائے۔

اسی طرح خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے کی مقتدیوں کو یہ سمجھایا جائے کہ استخارہ مشکل نہیں بہت آسان ہے، استخارہ کر کے کام شروع کر دیں، خیر نہیں ہوگی تو خود بخود رکاوٹ پیدا ہو جائے گی، خیر ہوگی تو کام میں سہولت ہو جائے گی۔ اور ہاں اگر کوئی کام فی الفور کرنا ہو اور نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو حدیث شریف میں یہ دعا آتی ہے:

مَلِكُ وَخَطِ ابْنِ بَقَاوَهْ وَابْنِ بَقَاوَهْ ۳۰ تا ۳۹

اَللّٰهُمَّ خِزْلِيْ وَاخْتَرْ لِيْ سَلٰةً

تَرْجِمَةً: ”اے اللہ! میرے لیے خیر کا فیصلہ اور بہترین انتخاب فرما۔“

بس یہ دعائیں چار مرتبہ پڑھ لیں اور وہ کام شروع کریں ان شاء اللہ امید ہے اس کام میں خیر و برکت ہوگی۔

## امام ہر ایک کو سکھانے والا بنائیں

امام کو چاہیے کہ نمازیوں کا قرآن مجید حتی الامکان صحیح کرائے۔

حضرت عبدالرحمن سلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مشہور تابعی ہیں۔ اگرچہ وہ تفسیر حدیث اور دوسرے علوم دینیہ میں بڑے اونچے مرتبے کے حامل تھے۔ لیکن انہوں نے ساری عمر کوفہ کی جامع مسجد کے اندر قرآن کریم پڑھانے پر گزاری، اور چالیس سال تک لوگوں کو قرآن کریم (حفظ و ناظرہ اور تجوید و قرأت) پڑھاتے رہے۔

کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد یاد کیا تھا کہ:

”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔“

تَرْجِمَةً: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔“

فرمایا کہ اس حدیث نے مجھے یہاں بٹھا رکھا ہے۔

امام میں ایک صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ لوگوں کو دین سکھانے کا ذوق اور طوق ہو۔ کم از کم اپنی قدرت کی حد تک جتنے لوگ اس کے محلے میں رہتے ہوں اور جتنے گھروں میں بالغ افراد ہوں ان کی (فہرست) لسٹ تیار کر کے اپنے پاس رکھے۔ ہر ایک کے بارے میں سوچے کہ اس نے کتنا دین سیکھ لیا اور کتنا باقی ہے؟

سَلٰةً تَرْمِذِيْ، ابواب الدعوات، باب دعا اللہم حرلی، رقم: ۳۵۱۶

سَلٰةً ابوداؤد، الترمذی، باب فی ثواب قراءۃ القرآن، رقم: ۱۴۵۲

سَلٰةً التَّشْرِیْ فی القراءۃ، المصنوع، ۳/۱

بَيِّنَاتُ الْفَعْلِ نَرْسُ

جب امام اپنی ذمہ داری سمجھے گا اور یقین رکھے گا کہ اس ذمہ داری کو میں نے غریب کے ساتھ ادا کیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد و رحمت میرے ساتھ بھی شامل ہوگی اور میرے محلہ والوں پر بھی رحمت برسنے گی۔

اور اللہ نہ کرے میں نے ان کو دین نہ سکھایا یا انہوں نے مجھ سے دین نہ سیکھا تو ہم دونوں کی پکڑ ہوگی اور ہمارے محلے سے اللہ کی رحمت ہٹ جائے گی۔ اللہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ ایک ایک آدمی جو میرے محلے میں رہتا ہے اس کو دین سکھانا میرے ذمہ ضروری ہو گیا اور پھر ان مردوں کے ذریعہ ان کی عورتوں کو اور ان کے معصوم بچوں کو دین اور اس کے اواخر سکھانے ان کے اندر سیکھنے کا شوق پیدا کرنا میرے ذمہ ہے۔

جب انسان کسی چیز کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے تو اس کے لیے فکر کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے اور نئی نئی تدبیریں سوچتا ہے۔ اس کا ذہن ہر وقت مشغول رہتا ہے کہ مجھے اللہ نے امام بنایا ہے۔ ان کے دینی امور کا نگران و ذمہ دار بنایا ہے۔ میری سستی سے صرف میرا ذاتی نقصان نہیں ہوگا، بل کہ میری سستی سے کئی نسلوں کا نقصان ہوگا۔

میرا ویسے ہی وقت گزرنے اور صرف نمازوں کی حد تک ان کا امام رہ کر کفایت کرنے میں کئی گھرانے دینی علوم سے محروم ہو جائیں گے اور میرے محلے کے ایک ایک گھر اور ایک ایک فرد پر محنت کرنے سے کئی گھر خانا ہوں..... اور مدارس میں تبدیل ہو جائیں گے۔

مرد مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے دین سیکھ کر جائیں گے تو جس طرح مسجد میں علمی حلقہ لگا ہوا ہوتا ہے، گھروں پر بھی علمی حلقہ لگے گا اور یہ ایک گھنٹہ دو گھنٹے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہے، اسی طرح گھروں پر چکر یہ عورتوں اور بچوں کو دین سکھائیں گے تو وہ بھی اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

اور پھر ہر گھر بل کہ پورا محلہ رحمت الہی کا گہوارہ بن جائے گا اور ایک ایسے ماحول بنے گا، ورنہ امام اور اہل محلہ دونوں کی پکڑ کا خطرہ ہے۔

حجاج بن یوسف چوں کہ خالم اور قاتل بادشاہ تھا اس لیے اس کے زمانے میں جب لوگ صبح کو بیدار ہوتے اور ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو باہم پوچھ گزشتہ رات کون قتل کیا گیا؟ کس کو چھائی کے پھندے پر لٹکایا گیا؟ اور کس کی پٹو کوڑوں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہوئی؟

ولید بن عبد الملک کثیر مال و جائیداد والا اور عمارتیں بنانے کا شوقین تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے سے مکانات کی تعمیرات، منبروں کی کھدائی اور درختوں کی افزائش کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔

جب سلیمان بن عبد الملک نے حکومت کی کرسی سنبھالی تو وہ کھانے پینے اور گانے بجانے کا شوقین تھا۔ چنانچہ لوگ اچھے کھانوں، گانے والیوں اور لوندیوں کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھتے اور یہی ان کا موضوعِ سخن بھی ہوتا۔

اور جب عمر بن عبد العزیز رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی منصبِ خلافت کی زینت بنے تو لوگوں کی آپس میں اس قسم کی گفتگو ہوتی: قرآن کتنا یاد کیا؟ ہر رات کتنا ورد کرتے رہے؟ رات کو کتنے نوافل پڑھتے ہو؟ فلاں آدمی نے کتنا قرآن یاد کیا؟ اور فلاں شخص صیئے میں کتنے دن روزے سے رہتا ہے؟

کسی نے سچ کہا ہے:

"الْاَنَامُ عَلَى دِينٍ مُّلتَوْ بِهٖمُ"

ترجمہ: "لوگ بالعموم اپنے حکمرانوں کے طور طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔"

اسی طرح اگر امام بھی ایک دینی ماحول بنائے، فہم وین کو رس، تعلیم بالقرآن اور

مسئلہ مسائل سیکھنے سکھانے وغیرہ کا سلسلہ شروع کرائے تو اس سے ان شاء اللہ ایک اچھا ماحول بنے گا اور پھر اس اچھے ماحول کا اچھا اثر ہوگا کہ لوگوں کی گفتگو بھی اسی سے متعلق ہوگی کہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ بھائی! امام صاحب نے کل فلاں مسئلہ بتایا تھا، کیا آپ کی سمجھ میں آیا ہے؟ امام صاحب نے کل یہ سبق دیا تھا، کیا آپ نے یاد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے "حیاۃ الصحابہ" جلد سوم میں ایک عنوان "اَلْتَّهْدِيْدُ عَلٰی عَالِمٍ لَا يُعَلِّمُ وَعَلٰی جَاهِلٍ لَا يَتَعَلَّمُ" کے نام سے بات چلی ہے جس کا ترجمہ حضرت مولانا احسان الحق صاحب نے اس طرح فرمایا ہے:

نہ سکھانے والے عالم اور نہ سیکھنے والے

جاہل کے لیے وعیدیں

حضرت ابو زری خزامی ابو عبد الرحمن رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ..... ایک دن حضور ﷺ نے بیان فرمایا اور مسلمانوں کی چند جماعتوں کی خوب تعریف کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا بات ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ پیدا کرتے ہیں اور نہ ان کو سکھاتے ہیں اور نہ انہیں سمجھ دار بناتے ہیں اور نہ ان کو بھلائی کا قسم دیتے ہیں اور نہ انہیں برائی سے روکتے ہیں۔ اور کیا بات ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے پڑوسیوں سے دین کی سمجھ حاصل نہیں کرتے اور ان سے سیکھتے نہیں اور کچھ عقل کی باتیں حاصل نہیں کرتے؟

اللہ کی قسم! یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو سکھانے لگ جائیں اور انہیں سمجھ دار بنائیں لگ جائیں اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے لگ جائیں اور انہیں بھلائی



کا حکم دینے اور برائی سے روکنے لگ جائیں اور دوسرے لوگ اپنے پڑوسیوں سے  
سیکھے لگ جائیں اور ان سے سمجھ و عقل کی باتیں حاصل کرنے لگ جائیں اور دنیا  
سمجھ حاصل کرنے لگ جائیں ورنہ میں انہیں اس دنیا میں جلد سزا دوں گا۔" پھر نبی  
سے بیٹے تشریف لائے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے  
لگے کہ کیا خیال ہے حضور ﷺ نے کن لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے؟

تو کچھ لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف اشارہ  
فرمایا ہے، کیوں کہ وہ خود دین کی سمجھ رکھتے ہیں اور ان کے کچھ پڑوسی ہیں جو چشموں  
پر زندگی گزارنے والے، دیرپائی اور اجڑ لوگ ہیں۔ جب یہ خبر ان اشعری لوگوں تک  
پہنچی تو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ  
(ﷺ) نے بہت سے لوگوں کی تعریف فرمائی لیکن ہمارے بارے میں آپ  
(ﷺ) نے کچھ نہیں فرمایا ہے۔ تو ہماری کیا خامی ہے؟"

حضور ﷺ نے فرمایا: "لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو سکھائیں۔  
ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور انہیں سمجھ وار بنائیں اور انہیں نیکی کا حکم کریں اور  
انہیں برائی سے روکیں۔ اور ایسے ہی دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں  
سے سیکھیں اور ان سے سمجھ و عقل کی باتیں حاصل کریں اور دین کی سمجھ حاصل کریں  
نہیں تو میں ان سب کو دنیا ہی میں جلد سزا دوں گا۔"

ان اشعری لوگوں نے عرض کیا:

"کیا دوسروں کی غلطی پر ہم پکڑے جائیں گے؟"

حضور ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

"ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں۔"

چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں ایک سال کی مہلت دی تاکہ وہ ان  
پڑوسیوں کو سکھائیں۔ ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور انہیں سمجھ وار بنائیں۔ پھر حضور

ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَیْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ بَنِیِّ إِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوُدَ  
وَعِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا یَعْتَدُونَ ﴿۱۰۰﴾ كَانُوا  
لَا یَنْتَهِیُونَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا یَفْعَلُونَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: "بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی  
حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے۔ یہ  
لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل  
گئے۔ جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی  
ان کا فعل بے شک برا تھا۔"

شیخ مصطفیٰ السباعی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"إِنَّكَ لَتَرَى فِي هَذَا الْحَدِيثِ مِنَ الْحَقَائِقِ مَا يَجْدُرُ النَّبِيَّةِ  
إِلَيْهَا، أُعْتَبِرَ ذٰلِكَ عَذْوَانَا مُنْكَرًا يُوجِبَانِ اللَّعْنَةَ وَالْعَذَابَ"  
"أَعْلَنَ الْحَرْبُ وَالْعُقُوبَةُ عَلَى الْفَرِيقَيْنِ حَتَّى يُبَادِرُوا إِلَى  
التَّعْلِيمِ وَالتَّعَلُّمِ لَعِنَ كَاتِبَ الْحَادِثَةِ فَذَوَرَدَتْ بِشَانَ  
الْأَشْعَرِيَّيْنِ فَإِنَّ الرَّسُولَ أَعْلَنَ ذٰلِكَ الْمَبْدَءَ صِفَةً عَامَّةً لَا  
بِخُصْرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيَّيْنِ بِأَنَّ الْقَضِيَّةَ قَضِيَّةُ مَبْدَءٍ عَامٍ غَيْرُ  
مَخْصُوصٍ بِفِئَةٍ وَلَا عَصْرِ مُعَيَّنٍ"

ترجمہ: "آپ نے اس حدیث میں ایک قابلِ تنبیہ حقیقت دیکھی۔ وہ  
یہ کہ یہاں پر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا، ایک نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا،  
اور دوسرا برے کام سے نہ روکنے کا۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی

لغت اور عذاب کی موجب بنتی ہیں، چنانچہ ان دونوں فریقین کو لڑائی اور سزا کا مرتکب قرار دیا گیا، یہاں تک کہ وہ سیکھنے اور سکھانے (تعلیم و تعلم) کے عمل میں لگ جائیں۔ اگرچہ یہ حدیث اشعریین کے بارے میں وارد ہوئی ہے، مگر حضور ﷺ نے اس کا حکم عام ذکر فرمایا، نہ کہ اشعریین کے ساتھ خاص کیا۔ چنانچہ اس کا حکم عام ہے کسی گروہ یا کسی زمانہ معین کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

### مفتدیوں اور عوام الناس کے غلط سوالات

کسی مجلس، نیافت یا عمومی لوگوں کے مجمع میں ایک شخص سوال کرتا ہے جس سے صرف بحث مباحثہ مقصود ہوتا ہے یا کسی شخص کی تذلیل مقصود ہوتی ہے کہ امام صاحب! ایسا جواب دے دیجیے جس سے فلاں کو اپنی غلطی معلوم ہو جائے اور دوسرا ہے فلاں صاحب کو غلطی کا احساس ہو جائے۔

اس طرح غلطی کی اصلاح بسا اوقات جس میں تذلیل بھی ہو آپس میں مزید عداوت و نفرت بڑھانے کا سبب بن سکتی ہے یا پھر وہ مخصوص مخاطب اسی مجلس میں بھڑک اٹھتے ہیں اور بات خوش گوار ماحول سے ہٹ کر کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے اور میزبان پریشان ہو جاتا ہے کہ کن وگوں کو میں نے ضیانت میں بلایا تھا کہ آجکی خاصی خوشی کی مجلس کو غم سے بدل دیا۔

اسی طرح درس کے بعد بعض اوقات ایک شخص کا سوال سارے مجمع کا ذہن خراب کر دیتا ہے یا سب کو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ سوال بعض اوقات موضوع درس کے متعلق ہی ہوتا ہے اور بعض اوقات سورج کے نیچے جتنی چیزیں ہیں ان کے متعلق فضول سوالات ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اعتراض بصورت اشکال کیا جاتا ہے۔ اعتراض میں سائل اپنے آپ کو عالم اور اشکال میں سائل اپنے آپ کو جاہل اور

باب کو عالم سمجھتا ہے۔ اگر قرآن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اعتراض ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جائے، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو عالم سمجھ رہا ہے تو آپ کے کسی جواب پر بھی مطمئن نہیں ہوگا، چنانچہ ایسے معترض کو کہیں کہ لکھ کر یہ سوال لاؤ، امید تو یہی ہے کہ وہ لکھ کر نہیں لائے گا، اور اگر لکھ کر لے آئے تو کہیں کسی دارالافتاء مجاہد و خودی مجاہد اور جوابی لفظہ بھیج کر اپنے پاس جواب منگوا لو۔

اسی طرح بعض اوقات ایک ہی سوال ایک امام سے پوچھ کر دوسرے امام سے بھی پوچھا جاتا ہے۔ پھر اگر دونوں جوابوں میں تفاوت ہو تو عوام و واموں یا دو بلوں کے درمیان آپس میں بدگمانی ... یا ایک دوسرے کو نیچا کرنے کی سازش ... یا آپس میں تھیل ... وغیرہ پیدا کرنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں جس سے دوسرے سادہ لوگوں کا بھی ذہن خراب ہو جاتا ہے۔

لہذا امام کو چاہیے کہ وہ اپنی مہارت اور استعداد کے ذریعے پہچاننے کی کوشش کرے کہ کس قسم کا سوال ہے؟

اگر اصلاحی سوال ہے تو ضرورتاً نشانی کرنی چاہیے۔ بعض سوالات کے جوابات مجمع میں دینا مناسب نہیں ہوتا تو تنہائی میں دے دیں۔

اسی طرح ہر سوال کا جواب فوراً دینا ضروری نہیں ہے، بل کہ سائل کے سوال سے ہٹ کر اس کو اصلاح کی غرض سے کچھ وعظ و نصیحت بھی کریں، اگر امام کو معلوم ہے کہ اس کا کاروبار حرام ہے یا اس کے عقائد خراب ہیں یا یہ فلاں گناہ میں مبتلا ہے وغیرہ وغیرہ تو پہلے حکمت و بصیرت اور نرمی و خیر خواہی کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کریں اور بعد میں اس کے سوال کا جواب دیں۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دو قیدی ساتھیوں نے سوال کیا کہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّا فَرَقْنَا بِكَ مِنْ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (۲۹۸)

تَرْجَمًا: "ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوابوں والے  
فصل دکھائی دیتے ہیں۔"

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو فوراً جواب نہیں دیا بل کہ پہلے ان کو دینی  
و نصیحت کی اور بعد میں ان کو خواب کی تعبیر بتائی۔

اسی طرح اختلافی باتوں کا جواب بھی نہ دیا جائے کہ ایک ہی صف میں بیٹھنے  
والے مختلف کئی صفوں میں نہ بیٹ جائیں اور کہیں ہمارے جوابات سے مسلمانوں کا  
شیرازہ اتنا نہ بکھر جائے کہ ایک ہی محلہ میں رہنے والوں اور ایک ہی مسجد میں نماز  
پڑھنے والوں میں ایسے اختلافات ہو جائیں کہ وہ مسجد چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

بسا اوقات مسجد میں کیا امام آتا ہے تو لوگ نئے نئے سوالات سے اس کو  
پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان سے کہیں کہ جس کو  
ضرورت ہو وہ لکھ کر مجھے دے دیں میں دارالافتاء سے پوچھ کر جواب دے دوں گا۔ تو  
اس سے جن کو طلب نہیں ہے صرف محض گرم رکھنے کے لیے فضول سوالات کرنے  
مقصود تھے وہ خود بخود خاموش ہو جائیں گے۔

حضرت شریک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ أَدَهَمَ عَمَّا كَانَ بَيْنَ عَلِيٍّ وَمَعَاوِيَةَ  
فَبَكَى، فَقَبَضْتُ عَلَى سُرَالِي إِثَاءَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: إِنَّهُ مَنْ  
عَرَفَ نَفْسَهُ اشْتَغَلَ بِنَفْسِهِ وَمَنْ عَرَفَ رَبَّهُ اشْتَغَلَ بِرَبِّهِ  
عَنْ غَيْرِهِ۔"

"وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ مَا تَقُولُ فِي  
أَهْلِ صِفَيْنَ قَالَ: تِلْكَ دِمَاءُ طَهَّرَ اللَّهُ يَدَيَّ مِنْهَا فَلَا أُحِبُّ

أَنْ أَخْضَبَ لِسَانِي فِيهَا۔"

تَرْجَمًا: "میں نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حضرت  
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت پوچھا۔ آپ  
رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اپنے سوال پر شرمندگی ہوئی پھر  
آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سر اٹھایا اور فرمایا "جسے اپنے آپ کی پہچان  
حاصل ہوئی وہ اس میں لگ گیا اور جس نے اپنے رب کو پہچان لیا وہ اللہ  
تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ماسوا سے بے پروا ہوا۔"

اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز  
رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ اہل صفین کے بارے میں آپ کی کیا  
راے ہے؟ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ  
ایسے لوگ تھے کہ ان کے خون سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ رنگین نہیں  
کیے، تو میں ان کے بارے میں نامناسب باتیں کہہ کر اپنی زبان کیوں  
رنگین کروں۔"

لہذا کسی کے بارے میں "کوئی بات کرنے" یا "فتویٰ دینے میں" بہت احتیاط  
کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس طرح مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت  
رکھنی پڑتی ہے، مثلاً: سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مستفتی کا سوال قابل  
جواب ہے یا نہیں اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ  
اس کا مقصد عمل کرنا یا عدم میں اضافہ کرنا نہیں، بل کہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا ہے یا  
حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں



استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا: فتویٰ میں مسئلے کا مختصر حکم اور اس کے مفصل دلائل یا نکل ممتاز نہ دئے جائیں، تا کہ جو شخص صرف حکم معلوم کرنا چاہتا ہو وہ آسانی حکم معلوم کر لے، اور جس شخص کو دلائل سے دل چسپی ہو وہ دلائل بھی پڑھے۔ فتویٰ میں عام آدمی کے لیے تو صرف حکم ہوتا ہے اور دلائل اہل علم کے لیے ہوتے ہیں۔

امام جصاص رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق یا جواب ضرور دے، بل کہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہیے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو، یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔“

اسی طرح بے ضرورت اور لافینی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے، البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے، ورنہ خاموش رہنا بہتر ہے۔

جیسا کہ عربی کا ایک مشہور مقلد ہے:

”وَالسُّكُوتُ عَنْ جَوَابِ الْأَحْمَقِ سَعَادَةٌ“

ترجمہ: ”احقوں کے جواب میں خاموش رہنا سعادت ہے۔“

کہتے ہیں خاموشی، مخزن ہے حکمتوں کا..... دب دب ہے حاکموں کا..... شیعہ ہے عقل مندوں کا..... جواب ہے جاہلوں کا..... اور قلعہ ہے فتنوں سے بچنے کا..... لہذا جاہل یا فتنہ باز لوگوں کے سوالات پر خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔

حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فقہ میں درجہ

وہ چار و امامت عطا فرمایا تھا، اسی طرح وہ عربی زبان و ادب میں بھی نہایت ماہر تھے، انہیں ”شعری ملکہ“ قدرت کی طرف سے ملا ہوا تھا، چنانچہ حال ہی میں بحمد اللہ بیت العلم ٹرسٹ نے ان کے اشعار کا مجموعہ ”دیوان الامام شافعی“ کے نام سے چھاپا ہے۔

اس مجموعے میں سے چند اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں جو امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جاہل معترض کو جواب نہ دینے اور خاموش رہنے کے بارے میں کہے ہیں، یہ اشعار ہر امام کو یاد کرنے چاہئیں اور اپنی میز پر لگانے چاہئیں تاکہ ہر وقت نظر کے سامنے رہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

سے قَالُوا سَكَتَ قَدْ خُوصِمْتَ قُلْتَ لَهُمْ  
إِنَّ الْجَوَابَ لِبَابِ الشَّرِّ مِفْتَاحُ  
وَالصَّمْتُ عَنْ جَاهِلٍ أَوْ أَحْمَقٍ شَرَفُ  
وَفِيهِ أَيْضًا لِمَصْنُونِ الْعِزِّضِ إِضْلَاحُ  
أَمَّا تَرَى الْأَسَدَ تُخْشَى وَهِيَ صَامِتَةٌ  
وَالْكَلْبُ يُخْشَى لِعُمْرِى وَهُوَ نَبَّاحُ

ترجمہ: ”دوستوں نے کہا: آپ معترضین کے جواب میں خاموش ہو گئے۔ ان کو جواب کیوں نہیں دیتے تو میں نے کہا ایسا اوقات بے کئے سوالوں کا جواب دینا جھگڑوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جاہل احمق کے جواب میں چپ رہنا شرافت ہے اور سکوت ہی عزت و صلاحیت کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شیر چپ رہتا ہے تو بھی اس سے ڈرا جاتا ہے اور کتا بھونکتا ہے تو بھی اسے پتھر مارے جاتے ہیں۔“

تفسیر: جاہل آدمی بوجہ اپنی جہالت و کم فہمی کے اور جھگڑا آدمی بسبب اپنے مذاہب سرکشی کے لا حاصل بحثیں..... طعن و تشنیع..... سب و شتم..... اور بہتان و افتراء میں ہر وقت مشغول رہتا ہے، نرم گفتگو، جدال احسن اور افہام و تفہیم کی ساری کوششیں اس کی نادانی و ہٹ دھرمی کے سامنے بے سود ثابت ہوتی ہیں مکہ مکرمہ کے جاہل اور اہل کتاب کے ہٹ دھرم اور ان کے ساتھ کی گئی افہام و تفہیم کی جملہ کوششوں کی ناکامی اس کی بہترین مثال ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لیے قرآن کریم نے ہدایت فرمائی ہے:

﴿وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾<sup>۱</sup>

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش ﴿۱﴾ نا میخند چوں شکر شیر باش  
امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مذکورہ اشعار میں ایسے ہی جاہل و ضدی آدمیوں سے نمٹنے کا اسلامی طریقہ سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ کبھی کبھی گفتگو کے بجائے خاموشی انسان کی عزت و ناموس کی بہترین محافظ اور باب شر کو بند کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور سکوت اختیار کرنے والے کا مقام بڑھاتی ہے۔ لوگ بکواس کرنے والے جاہل کو کتے کی طرح بھونکتے رہنے والے اور خاموش رہنے والے کو شیر کی طرح بولے بغیر اپنا رعب و وقار قائم کرنے والے کا مقام دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کا سکوت و کلام کے مقامات کی تعیین کرنے والا ایک جامع ارشاد ہے:

”الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيسِ السُّوءِ، وَالْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنْ الْوَحْدَةِ، وَ إِمْلَاءُ الْخَبِيرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوتِ، وَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ“<sup>۲</sup>

دوسری جگہ ارشاد مبارک ہے:

”مَقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً“<sup>۱</sup>  
سورہ بقرہ آیت ۱۵۰ ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي﴾ کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بیان فرماتے ہیں کہ:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ میں مجاہد و منازعت سے یکسو اور بے غم ہونے کی طرف اشارہ سے دلالت کر کے اس حکم کی غایت و ضوح پر بھی دلالت فرمادی، جیسا کہ تقریر تفسیر سے معلوم ہوا اور اس کے ضمن میں یہ تعلیم بھی ہوگئی کہ جب معترض کا عناد قرآن سے معلوم ہو جائے، پھر اس کا جواب دینا لا حاصل ہے، اگر کسی طالب حق کو اس اعتراض سے شبہ ہو جائے اس کی اصلاح ضرور کردی جائے۔<sup>۲</sup>

اگر قرآن سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ مخاطب بغض اور حسد کر رہا ہے اور اس کو جتنی فصاحت و وضاحت کے ساتھ جواب دیا جائے یہ مانے گا ہی نہیں تو اس وقت بھی خاموشی اختیار کر لینی چاہیے اور مخاطب کو کہہ دینا چاہیے کہ آپ کسی اور اہل علم کی طرف رجوع فرمائیں تو شاید آپ کی تفسی ہو جائے۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اسی بات کو ارشاد فرماتے ہیں کہ

”مَنْ كَانَ سُؤَالُهُ وَاعْتِرَاضُهُ عَنْ حَسَدٍ وَبُغْضٍ فَكُلَّمَا تُجِبُهُ بِأَحْسَنِ الْجَوَابِ وَأَفْصَحِهِ وَأَوْضَحِهِ، لَا يَزِيدُ ذَلِكَ إِلَّا بُغْضَاءَ وَعَدُوَّةَ وَحَسَدًا، فَالطَّرِيقُ إِلَّا تَشْتَغِلَ بِجَوَابِهِ، وَأَنْ تُعْرِضَ عَنْهُ وَتَتْرَكُهُ مَعَ مَرَضِهِ ﴿فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ“<sup>۳</sup>

قَالَ الْإِمَامُ التَّوَوُّيُّ: السَّائِلُ تَعَنُّتًا وَتَعْجِيزًا لَا يَسْتَحِقُّ

جواباً: ۱۔

تَرْجَمَہ: ”جس کا سوال و اعتراض حسد و بغض کی بناء پر ہو، تو اس کو بخشنی فصاحت و وضاحت اور احسن طریقے سے جواب دیا جائے، تو اس کے بغض و حسد اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوگا۔ لہذا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دیا جائے، بل کہ اس سے اعراض کیا جائے اور اس کو اسی کی بیماری (حسد) میں چھوڑ دیا جائے (جیسا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ”اعراض کرو بھیجے (اے پیغمبر) اس سے جس نے اعراض کیا۔“

امام نووی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”جو سائل کسی کو محض خاموش کرنے اور عاجز کرنے کی غرض سے سوال کرے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔“

اگر کسی جاہل اور بے وقوف مخاطب کو شرمندگی سے بچانے کے لیے مہذباً بدل دیا جائے یا اکیلے میں اس کو سمجھا دیا جائے تو بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے سے بچا جاسکتا ہے۔

ملک ناصر الدین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی قرآن شریف لکھ کر فروخت کیا کرتے اور اسی آمدنی پر بمشکل گزارہ کرتے تھے۔ شاہی خزانہ سے کبھی ایک پیسہ تک زندگی بھر نہ لیا۔ ایک مرتبہ ایک قرآن شریف نہایت اہتمام اور بڑی محنت سے لکھا۔ امراء و وزراء نے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ آپ نے دکھایا۔ سب نے بہت تعریف کی۔ ایک نابالغ و بے وقوف اہلکار نے کہا کہ اس لفظ پر ”فَصَحَہ“ یعنی ”زبر“ ہونا چاہیے۔

سلطان نے کہا ”نہیں، اسی طرح درست ہے۔“ اس نے اصرار کیا۔ آپ نے قلم سرمہ سے اس پر نشان لگا دیا اور کہا کہ اس کو درست کر لوں گا۔ سب لوگ رخصت

ہو گئے اور فقط ایک معتمد باقی رہ گیا۔ سلطان نے اس نشان کو مٹا دیا۔ معتمد نے کہا کہ اس کو مٹانا ہی تھا اس وقت نشان لگانے کی کیا ضرورت تھی؟

سلطان نے فرمایا ”مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اہل کار غلط کہہ رہا ہے اور دوسرا قرآن شریف لا کر میں اس کی غلطی کو ثابت بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے اس کی بے وقوفی اور جہالت کا اندازہ لگا کر خاموشی اختیار کرنے میں طرفین کے لیے عافیت سمجھی، اور نشان لگا کر اس کے جہالت کے فتنہ کو دبانے کی کوشش کی، ورنہ وہ تو نہیں سمجھتا اور اپنے ساتھ کچھ مزید بے وقوفوں کو تیار کر کے رونق مجلس بن جاتا، طرفین کا مزید وقت بھی ضائع ہوتا، اور بے اطمینانی بڑھتی، جب کہ نشان لگانے میں میرا کوئی حرج نہ ہوا اور اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ شرمندگی سے بچ گیا، اگر وہ مخلص تھا تو اس کی دل شکنی سے حفاظت ہوگئی، اور اگر وہ فتنہ باز تھا، تو اس کے مکر سے میری حفاظت ہوگئی۔“ ۱۔

ایک دن حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی حجاج بن یوسف اٹھنی کے پاس آئے، حجاج نے پوچھا: ”آپ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“

حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب دیا: ”میں وہی بات کہتا ہوں جو مجھ سے بھی زیادہ بہتر شخص نے تجھ سے زیادہ برے آدمی کے سامنے کہی تھی، یعنی جب فرعون نے پوچھا:

﴿فَمَا بَالُ الْقَوِّمِ الْأَوَّلِيِّ﴾ ۱۔

تَرْجَمَہ: ”اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا؟“

تو حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا:

﴿عَلِمُہَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ سِتْرٍ ۚ لَا یُعِیْلُ رَبِّیْ وَلَا یَنْسِی﴾ ۲۔



تَرْجَمَ: ”ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر (رجسٹر) میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔“

حجاج بن یوسف نے کہا: ”اے ابوسعید! آپ سید العلماء ہیں۔“

حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے حضرت ابوعبیدہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی کہ وہ جہالت کی بات کا ایسا جواب دیتے ہیں کہ جس سے تم ختم ہو جائے۔ حضرت ابوعبیدہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کو جب قبر میں اتار دیا تو حضرت ماز بن جبل رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے فرمایا:

”يَا أَبَا عُبَيْدَةَ، لَا تُبَيِّنْ عَلَيْكَ وَلَا أَقُولُ بَاطِلًا أَخَافُ أَنْ يَلْحَقَنِي بِهَا مِنَ اللَّهِ مَقْتُ، كُنْتُ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ مِنَ الذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَذِبًا وَمِنَ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا. وَمِنَ الَّذِينَ إِذَا تَفَقَّهُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا. وَكُنْتُ وَاللَّهِ مِنَ الْمُخْبِتِينَ الْمُتَوَاضِعِينَ الَّذِينَ يَرْحُمُونَ الْيَتِيمَ وَالْمَسْكِينَ وَيَبْغِضُونَ الْخَائِبِينَ الْمُتَكَبِّرِينَ“

تَرْجَمَ: ”اے ابوعبیدہ! میں تمہاری ضرور تعریف کروں گا (اور اس تعریف کرنے میں) کوئی غلط بات نہیں کہوں گا۔ کیوں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہے۔ اللہ کی قسم! جہاں تک میں جانتا ہوں آپ ان لوگوں میں سے تھے جو ”اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں“ اور ”جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جو جہالت کی بات کا ایسا جواب

لے تھاری پریشانیوں اور ان کا صل: ۵۰

لے المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة: ۳۲۰/۳

دیتے ہیں جس سے شر ختم ہو جائے“ اور جو ”مال خرچ کرنے کے موقع پر خرچ کرنے میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ضرورت سے کم خرچ کرتے ہیں بل کہ ان کا خرچ اعتدال پر ہوتا ہے۔“ اللہ کی قسم! آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والے اور تواضع کرنے والے ہیں جو یتیم اور مسکین پر رحم کرتے ہیں اور خائن اور متکبر قسم کے لوگوں سے بغض رکھتے ہیں۔“

میز بعض اوقات حکمہ جواب دیتے وقت بات کا موضوع بدل دینا چاہیے۔ اور یہی سنت سے ثابت بھی ہے کہ کسی صحابی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے آپ ﷺ سے سوال کیا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ؟“ ”قیامت کب آئے گی؟“

جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ”مَا أَعَدَدْتُ لَهَا؟“ ”تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی؟“

اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کے لیے بہت ساری نمازیں، روزے اور صدقے تو نہیں تیار کیے، لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ“

”تمہارا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو۔“

آپ ﷺ نے یہاں یہ پوچھے جانے پر کہ ”قیامت کب آئے گی؟“ اس سوال کے جواب میں (جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں) یہ جواب دینے کے بجائے، اس شخص کو ان باتوں کی طرف متوجہ فرمادیا جس کا وہ زیادہ محتاج ہے کہ تم نے اس کے لیے تیاری کیا کی ہے؟

(شیخ عبد الفتاح ابوعبدہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے اپنی کتاب ”الرَّسُولُ الْمُعَلِّمُ“

لے مسلم، البر والصلوة، باب المرء مع من أحب: ۲۳۱/۲

(صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَأَسَالِيْبُهُ فِي التَّعْلِيمِ“ میں اس موضوع پر بہترین بحث کی ہے۔ اہل علم کو چاہیے کہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عمرو کو سمجھایا تو اس نے جاہلانہ اعتراض کیا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دوسری بات شروع فرمادی اور فرمایا:

﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ لَا قَالَ أَنَا أَحْيِي وَيُمِيتُ ۚ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأَنْتَ بِهَا مِنْ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾<sup>۱</sup>

تَوَجَّهْ: ”میرا رب وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے بے شک وہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ نہیں دکھاتا ہے بے انصافوں کو۔“<sup>۲</sup>

بسا اوقات لوگ ایسے فضول سوالات کرتے ہیں جن کا خارج میں کوئی وقوع نہیں، صرف ”وَلَوْ فَزَضْنَا“ کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ ایسے سوالات کے جوابات بھی نہیں دینا چاہئیں۔

امام زجری رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى زید بن ثابت رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو فرماتے:

”هَلْ وَقَعَ؟“ فَإِنْ قَالُوا: ”لَمْ يَقَعْ“، لَمْ يُخْبَرْهُمْ وَإِنْ قَالُوا: ”لَمْ يَقَعْ“ أَخْبَرَهُمْ۔<sup>۳</sup>

”کیا یہ بات واقع ہو چکی ہے؟ اگر وہ کہتے: ”نہیں (صرف ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں)“ تو نہیں بتاتے تھے (کہ فضول سوالات جن کی تمہیں ضرورت نہ ہو وہ کیوں پوچھتے ہو)۔ ہاں اگر وہ بتاتے کہ واقعہ ایسا ہو چکا ہے تو بتاتے۔“

ایسے فضول سوالات کرنے والوں کو حکمت سے سمجھا دیا جائے کہ ہمیں ان چیزوں میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

یہ کار سوالات اور غیر ضروری باتوں کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ آہستہ آہستہ افراد اور جماعتوں کی قوتیں متشنج اور سلب ہوتی چلی جاتی ہیں اور لوگ مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں، جن لوگوں میں عمل کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں وہ باتوں کی نہیں ہوا کرتے، بل کہ باعمل اور فعال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ”پچھلے لوگ اس لیے جاہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں سے بے جا اور بے موقع سوالات کیے اور ان کے بتلائے ہوئے طریقے پر چل نہیں سکے۔“ اور پھر اس پر وقت ضائع ہوتا ہے لوگوں میں سمجھنے کی صلاحیت ہوتی نہیں اور علماء سے بحث و مباحثہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے سوائے دینی نقصان اور مزید پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک بزرگ کسی سے ملاقات کرنے کے لیے گئے، وہ نہ ملے تو پوچھا: ”کہاں گئے ہیں؟“ بعد میں یہ بزرگ آخر عمر تک اس بات پر روتے تھے کہ میں نے یہ فضول بات کیوں پوچھی کہ وہ کہاں گئے ہیں؟ یہ تھی ہمارے اکابر کی احتیاط۔

حضرت حکیم الامت قحطوی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کا معمول تھا کہ نامکمل، فضول سوالات اور بے فائدہ باتوں پر بہت سخت تنبیہ فرماتے تھے، یہاں پر حضرت رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کے چند واقعات وارشادات مقتدیوں کی اصلاح کی نیت سے نقل

کیے جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

آج کل ایسے فضول سوالات بہت کیے جاتے ہیں جن پر دین کا کوئی مقصود موقوف نہیں۔

مثلاً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ: "فلاں کام بڑا گناہ ہے یا چھوٹا گناہ ہے۔"

میں جواب دیا کرتا ہوں کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کیا ارتکاب کا قصد ہے؟ اگر کہے: "ہاں!" تو میں کہتا ہوں کہ: "کیا کبھی اپنے چہچہر میں چنگاری لگانے کے متعلق بھی یہ سوال کیا ہے کہ یہ چنگاری چھوٹی ہے یا بڑا انگارہ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ چھوٹی چنگاری ہے تو کیا اُس کو چہچہر میں لگانے کی جرأت کرو گے؟"

اگر کہو: "نہیں کیوں کہ ذرا سی چنگاری بھی کبھی بڑھ جاتی ہے۔" میں کہتا ہوں کہ: "اسی پر چھوٹے گناہ کو قیاس کر لو جو شخص چھوٹے گناہ پر جرأت کرتا ہے وہ کل بڑے پر بھی جرأت کرے گا۔"

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ: "چند مردوں کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پینچے گا یا با تقسیم کے سب کو برابر پینچے گا؟ اگر تقسیم ہو کر پہنچتا ہے تو اباجان کو بہت کم ملے گا۔"

میں کہتا ہوں کہ: "تم اس فکر میں کیوں پڑے، اگر تقسیم ہو کر بھی ثواب پہنچا تو اللہ تعالیٰ کو بڑھانا بھی تو آتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایک چھوڑے کے صدقے کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ جبلِ اُحد سے بھی بڑھ جاتا ہے۔" اب بتلاؤ کہ پہاڑ میں کتنے ارب چھوڑے ہوں گے اور اتنے ارب میں تقسیم جبری ہو تو کیا حرج ہے۔"

ارے میاں! اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ذرا سا عمل بھی قبول ہو جائے تو بہت ہے۔

بہتر تم فکر میں پڑے ہو؟

مگر اب علماء بھی ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہو جاتے ہیں اور ہم نے بھی دیکھیں میں ایسی تحقیق کی ہے، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ مشغلہ فضول تھا پس عوام کو یہ چاہیے کہ فضولیات کی تحقیق نہ کریں اور علماء کو چاہیے کہ ان فضولیات کا جواب نہ دیں۔

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب لکھنؤی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے ایک شخص نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے متعلق سوال کیا۔ مولانا نے سائل سے پوچھا: "یہ سوال کس کا ہے اور وہ اور تم کیا کام کرتے ہو؟"

کہا: "سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ رگنریز ہیں اور میں درزی ہوں۔" فرمایا: "تم کپڑے بیٹے رہو اور ان حافظ صاحب سے کہہ دو کہ کپڑے رتھتے رہیں۔ علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جانیں اور معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جانیں۔ تم سے ان کے معاملہ کا کیا تعلق؟ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئے گا۔"

اسی طرح ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ: "حضور ﷺ کے والدین شریفین مؤمن تھے یا نہیں؟"

عالم نے کہا: "آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟" کہا: "ہاں! پڑھتا ہوں۔"

کہا: "اچھا بتاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں؟"

اب وہ خاموش ہیں فرمایا: "جاؤ! تم کو نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا اور زائد باتوں کی تحقیق کے درپے ہو۔"

ان فضولیات کی تحقیق میں نفس کا کید یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی تحقیق میں تو عمل کرنا پڑتا ہے اور عمل دشوار ہے اور فضولیات کے سوال میں لوگ تو اس کو دین دار سمجھیں گے کہ ایسے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور کرنا کچھ پڑتا نہیں۔ اس لیے



عام طور سے لوگ فضول سوال کر کے دین دار مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ خیر عوام تو جانیں ہیں، مگر بعض علماء کو کیا ہو گیا کہ وہ بھی ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں، میں ایسا روگ نہیں پالتا۔

”ایک خط میں کاتب نے بعض لوگوں کی نسبت تعریضاً یہ لکھا کہ:

”جو لوگ حرام کھاتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟“

فرمایا: ”مجھ کو فضول سوال سے گرائی ہوئی ہے انسان پہلے اپنی فکر کرے، کیوں کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ایسے مضمون سے نصیحت کرنا منظور نہیں ہوتا، بل کہ محض دوسرے کو چڑانا۔“

ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں آیا کہ فلاں شخص فلاں کام شرک کا کر رہا ہے اور اس پر بنظر تحقیر کہا تھا۔

حضرت نے فرمایا: ”میاں بیٹھ بھی، جس وقت اپنی حقیقت کھلے گی تو سب بھول جاؤ گے اور اپنے کو کافر سے بھی بدتر سمجھو گے۔ دوسروں کے عیوب کی طرف ناظر ہی نہ ہوگی۔“

حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے ایک دفعہ فرمایا:

”ایک شخص نے کہا: یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟“

میں نے کہا: ”ہاں اس شخص کو جائز ہے جس کو یقین ہو جائے کہ میں اس سے بہتر ہو کر مروں گا۔“

اس نے کہا: ”یہ مرنے سے پہلے کیسے ہو سکتا ہے؟“

میں نے کہا: ”بس مرنے کے بعد جائز ہوگا۔“

ایک اور موقع پر فرمایا: ”شاہ عبدالعزیز صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ سے کسی نے

در یافت کیا کہ ہندوستان میں جوح کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟“

فرمایا: ”جیسے ہجرات کی نماز پڑھنا۔“ کسی اور نے یہ پوچھا: ”فاحشہ عورت کا جنازہ پڑھنا کیسا جائز ہے؟“ فرمایا: ”اس کے آشنائوں کے جنازے کیسے جائز سمجھتے ہو۔“

ایک عامی نے حضرت سے پوچھا: ”ضاد (ض) کیسے پڑھا جائے؟“

آپ نے فرمایا: ”جیسے قرآن میں لکھا ہے۔“

حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ ایک مرتبہ مولانا فلیل احمد سہارنپوری رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت سہارنپوری رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے حضرت سے فرمایا: ”ایک شخص ہے بھتیجی زیور کے ایک مسئلہ پر بہت اعتراض کرتا ہے۔“ حضرت رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے فرمایا: ”اس کو میرے پاس بھیجو۔“ جب وہ سامنے آیا تو حضرت رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے فرمایا: ”تمہیں“ نفس مسئلہ سمجھ نہیں آیا یا اس کی حلت؟“ اب وہ عامی شخص تھا اس بات کو سمجھ ہی نہ سکا اور چپ چاپ واپس آ گیا۔

ایک شخص نے کہا: ”حضرت! لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں، اس لیے ایک جلسہ منعقد کیا جائے جس میں اعتراضات کے جوابات دیے جائیں۔“ اس پر آپ نے فرمایا: ”لوگ تو اللہ تعالیٰ و اجد لا شریک لہ پر بھی اعتراض کرتے ہیں، پہلے اس پر جلسہ قائم ہو، اس کے بعد حضور ﷺ پر بھی، کیوں کہ ان پر اعتراض کیے جاتے ہیں، اس کے بعد قرآن پاک پر، کیوں کہ اس پر بھی اعتراض کیے جاتے ہیں، اسی طرح تمام عظیم ہستیوں پر جلسے کرا کر اعتراضات کے جوابات دیے جائیں پھر جب نیاز نمبر آئے گا تو میں جلسہ کراؤں گا اور جوابات دوں گا۔“

ایک شخص نے کہا: ”نمازیں پانچ کیوں فرض کی گئیں؟“ حضرت نے جواب دیا: ”تمہاری ناک کمر پر کیوں نہ لگائی؟“ اس نے کہا: ”بری لگتی“ تو حضرت نے فرمایا: ”سب کی ہوتی تو بری کیسی لگتی۔“

ایک شخص نے پوچھا: ”دیہات میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا؟“

حضرت رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے فرمایا: ”بہنئی میں حج کیوں نہیں ہوتا؟“

حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کا خزانہ عطا فرمایا تو

حضرت رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے عوام کی اصلاح کی خاطر بہت سی اصلاحی تصانیف میں

جواہرِ انبائی اہم ہیں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں

”علماء کو چاہیے کہ وہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کے مواظک

معمولاتِ یومیہ میں جگہ دیں اور اس سے روزانہ کچھ صفحات مطالعہ کریں، اس سے

بہت فائدہ ہوگا۔“ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان

کے مطالعہ سے نہ صرف دینی طور پر بل کہ دنیاوی طور پر بھی ذہن وسیع ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کو اس بات کا بڑا اہتمام تھا

کہ جن سوالات پر دنیا و آخرت کا کوئی عملی فائدہ مرتب نہ ہو ان کی بحث شنی کی

جائے۔ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی ایسے سوالات کے جواب میں فتویٰ لکھنے

کے بجائے نصیحت فرماتے تھے جس سے عمل کا دھیان اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

مثلاً ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا: ”یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟“

آپ نے جواب دیا: ”یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرنا چاہیے۔“

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مسئلہ معلوم کیا

اور حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے۔ سائل نے

دوبارہ معلوم کیا اور کہا: ”آپ نے میرا سوال نہیں سنا؟“

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ”ہاں سنا ہم لوگ گویا سمجھتے ہو کہ

جو باتیں ہم سے معلوم کرتے ہو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہم سے سوال نہیں

کرے گا! اتنے موقع تو دو کہ ہم تمہارے مسئلہ میں غور کر لیں، اگر ہمارے نزدیک

جواب ہوگا تو بتا دیں گے ورنہ تم سے کہہ دیں گے کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہے۔“

حضرت مسلم بن عقبہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کا بیان ہے کہ میں چونتیس سال تک

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی مجلس میں بیٹھا ہوں، بسا اوقات لوگ ان سے

مسائل دریافت کرتے تو وہ جواب میں ”لَا أَدْرِی“ کہتے اور میری طرف متوجہ ہو کر

فرماتے: ”یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہی چاہتے ہیں کہ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنائیں“

اور ان لوگوں سے کہتے: ”تم لوگ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنا کر کہنا چاہتے ہو کہ ابن

مرنے یہ فتویٰ دیا ہے۔“

اسی طرح بعض اوقات امام مسجد کو ایسے لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑ جاتا ہے جو یا

تو جاہل ہوتے ہیں، یا ہوتے تو وہ عالم ہیں، لیکن جاہلانہ کام کرتے ہیں۔ یا مقابلہ

میں آکر جاہلانہ باتیں کرتے ہیں کوئی ایسی بحث شروع کر دیں گے جس کے ذریعے

امام کو تنگ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یا امام کے ذریعے اپنے دوسرے ساتھیوں کو ذلیل

کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یا آپس کے نمازیوں میں تفرق پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

اس وقت امام کو چاہیے کہ اس صفت سے متعصّف ہو جائے جو صفت اللہ تعالیٰ

نے قرآن مجید میں رحمن کے بندوں کی بیان فرمائی ہے کہ:

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾

تَرْجُمہ: ”اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ

دیتے ہیں کہ سلام ہے۔“

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں

فرماتے ہیں: ”یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب غلغلو سے دیتے

ہیں جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملامت بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ

ہوجاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔  
یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔ یہاں  
جاہلوں کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس  
سے بے علم آدمی نہیں بل کہ وہ (شخص) جہالت کے کام یا جاہلانہ باتیں کرے خواہ  
واقع میں وہ ذی علم بھی ہو۔ اور لفظ سلام سے مراد یہاں عرفی سلام نہیں بل کہ سلامتی  
کی بات ہے۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے محاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام ”تسليم“  
سے مشتق نہیں بل کہ ”تسليم“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”سلامت رہنا“۔  
مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو  
ایذا نہ پہنچے اور یہ گناہ گار نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے  
والوں سے یہ حضرات انتقامی معاملہ نہیں کرتے بل کہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔

لہذا ہماری جماعت (ائمہ کرام) کو چاہیے کہ ایسے جاہل لوگوں کی باتوں کا  
جواب نہ دیں۔۔۔۔۔ ان سے منہ نہ لگیں۔۔۔۔۔ اگرچہ وہ ذی علم ہی کہلاتے ہوں  
کیوں کہ بسا اوقات شیطان ان ہی کی زبان سے ایسی باتیں کہلواتا ہے جس سے  
امام صاحب کو غصہ آئے، اور وہ تردید میں کچھ جواب دیں۔۔۔۔۔ پھر محلے میں یہ مشہور  
ہو جائے امام صاحب نے یوں کہا۔۔۔۔۔ یوں کہا۔۔۔۔۔ پھر دونوں اہل علم لڑتے رہیں اور  
محلے کے بے دین عوام خوش ہوتے رہیں۔۔۔۔۔ اور شیطان کی خوشی کا تو کیا ہی کہنا  
لہذا ایسے اوقات میں بہت ہی حکمت سے کام لیتے ہوئے اور اللہ جل جلالہ سے  
خوب مدد مانگتے ہوئے شیطان اور اس کے حواریوں کے جال سے بچنے کی پوری  
پوری کوشش کرے۔

یا تو اس مجلس سے چلا جائے۔۔۔۔۔ یا کہہ دے کہ کسی دارالافتاء سے اس مسئلہ میں

رجوع فرمائیں۔۔۔۔۔ یا صاف کہہ دے یہ مسئلہ منبر و محراب پر بیان کرنے کا نہیں ہے  
جس کو جس قدر ضرورت ہو وہ کتابوں سے رجوع کر لے۔۔۔۔۔ یا کوئی صاحب بے جا  
غصہ کر رہے ہیں تو منبر و منبر ضبط کرتے ہوئے ان کو سمجھائیں، یا کہہ دے کہ اس مسئلہ کے  
معلق بعد میں بات کر لیں گے۔

### مقتدیوں کو دعائیں سکھانا

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے  
مجھ سے فرمایا: ”میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دے دوں یا ایسے پانچ کلمات سکھا دوں  
جن سے تمہارا دین اور دنیا دونوں ٹھیک ہو جائیں۔“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ!  
پانچ ہزار بکریاں تو بہت زیادہ ہیں، لیکن آپ مجھے وہ کلمات ہی سکھا دیں۔“  
حضور ﷺ نے فرمایا یہ کہو:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي خُلُقِي وَطَيِّبْ لِي كَسْبِي  
وَقَبِّلْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي وَلَا تَذِيبْ قَلْبِي إِلَى شَيْءٍ صَرَفْتَهُ  
عَنِّي“۔

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے اخلاق وسیع فرما  
اور میری کمائی کو پاک فرما اور جو روزی تو مجھے عطا فرمائے اس پر مجھے  
قناعت نصیب فرما اور جو چیز تو مجھ سے ہٹا لے اس کی طلب مجھ میں باقی  
نہ رہے۔“

ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اور ہر جگہ مانگتے رہنا چاہیے خصوصاً ائمہ کرام  
اور علماء عظام کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے اہل و عیال اور مقتدیوں کو اس کی  
تاکید کرنی چاہیے۔



ذیل میں ہم صبح و شام کی دعاؤں میں سے کچھ دعائیں لکھ دیتے ہیں انہیں کرنا چاہیے کہ یہ دعائیں عوام الناس کو سکھائیں اور ان کے فضاائل بیان کریں۔  
صبح کے وقت یہ دعا مانگیں:

"أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ وَنَصْرَهُ وَنُورَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ." ۱

ترجمہ: "ہم نے اور سارے ملک نے اللہ رب العالمین کے لیے صبح کی، اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی بہتری (اور بھلائی) اور آج کے دن کی فتح اور مدد اور اس دن کے نور و برکت اور ہدایت کا سوال کرتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے جو اس میں ہیں اور اس کے بعد ہوں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔"

شام کے وقت یہ دعا اس طرح مانگیں:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَفَتْحَهَا وَنَصْرَهَا وَنُورَهَا وَبَرَكَتَهَا وَهُدَاهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا." ۲

ترجمہ: "اے اللہ بے شک میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس رات کی اچھائی اور فتح اور نصرت اور نور اور برکت اور ہدایت کا۔ اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس رات اور اس کے بعد آنے والے وقت کے شر سے۔"

شام کے وقت یہ دعا مانگیں:

"أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

شَيْءٍ قَدِيرٌ. رَبِّ أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِي هَذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِي هَذَا الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ. رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَسُوءِ الْكِبَرِ. رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ." ۳

ترجمہ: "صبح کی ہم نے اور ملک نے اس حالت میں کہ ساری بادشاہت صرف اسی کی تھی اور سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، بس وہی ہے (اپنی ذات و صفات میں) کتنا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ساری بادشاہت اسی کی ہے اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

اے میرے رب! جو کچھ اس دن میں (پیش آنے والا ہے) اور جو کچھ اس کے بعد (پیش) آئے گا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور بہتری مانگتا ہوں اور جو کچھ اس دن میں اور اس کے بعد (پیش آنے والا ہے)، میں اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اے میرے رب! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں کافلی سے اور سخت بڑھاپے سے۔ اے میرے رب! میں عذاب جہنم سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

صبح و شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" ۴

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر سے اور محتاجی سے۔"

اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں عذاب قبر سے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جُحْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَانَةِ الْأَعْدَاءِ۔" تین مرتبہ۔

تَرْجَمَہ: "اللہ کی پناہ مانگو آزمائش کی سختی اور بد بختی کی گرفت سے اور اس بات سے کہ مقدرات کے فیصلوں سے میرے دل میں فکلی پیدا ہو اور دشمنوں کے ہنسی اڑانے سے۔"

برے علم سے پناہ مانگنے کی دعا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْلَمْ۔" ۱۰

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں ان چیزوں کی برائی سے جن کو میں جانتا ہوں، اور ان کی برائی سے جن کو میں نہیں جانتا۔"

برے عمل سے پناہ مانگنے کی دعا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ۔" ۱۱

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس عمل کے برے نتیجہ سے جو میں نے کیا ہے اور اس سے بھی جو میں نے نہیں کیا۔"

برے دوست اور برے پڑوسی سے پناہ مانگنے کی دعا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ يَوْمِ السُّوءِ وَمِنْ لَبِئَةِ السُّوءِ وَمِنْ

۱۰ بخاری، کتاب القدر، باب من تعوذ باللہ من درک الشقاء: ۶۷۹/۲

۱۱ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲۳ ۱۲ مسند احمد: ۱۳۹/۶، رقم: ۲۵۶۶۱

سَاعَةِ السُّوءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوءِ وَمِنْ جَارِ السُّوءِ فِي دَارِ الْمَقَامَةِ۔" ۱۲

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں برے دن سے بری رات سے اور ہر بری گھڑی سے اور برے ساتھی سے اور اپنی سکونت کے گھر کے برے پڑوسی سے۔"

لہذا ائمہ کرام کو چاہیے کہ ہفتے میں ایک دن مقتدیوں کو دعائیں سکھائیں، ان کا شوق دلائیں اور ان کے فضائل بتائیں تاکہ عوام میں دعائیں سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کلمات کو سیکھنے کا شوق ہوا اور پانچ ہزار بکریوں پر ان کلمات کو ترجیح دی۔

امام کا اپنے نائب کو لوگوں کے سکھانے

کے لیے چھوڑ کر جانا

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے حنین تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ والوں پر امیر بنا کر چھوڑ گئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ میں لوگوں کو قرآن سکھائیں اور ان میں دین کی کچھ پیدا کریں۔ پھر جب وہاں سے مدینہ واپس جانے لگے تو دوبارہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ والوں پر مقرر فرمایا۔ ۱۳

لہذا امام صاحب کو چاہیے کہ جب وہ اپنا نائب مقرر کر کے سفر پر جا رہا ہو تو ان کو سمجھائے کہ آپ نے صرف نمازیں نہیں پڑھانی بل کہ جو ذمہ داری میری ہے مثلاً عشاء کے بعد درس قرآن دینا، عصر کے بعد حدیث کا درس دینا اور فجر کے بعد لوگوں

۱۲ مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب الاستعاذۃ من یوم السوء، رقم: ۱۱۹۶۱

۱۳ مستدرک للحاکم، مناقب احد الفقہاء السنتہ من الصحابہ: ۳/۳۲۸، رقم: ۵۲۴۷

کو دعائیں سکھانا اور ان کی نمازیں درست کرنا یہ ساری چیزیں آپ کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔

### مقتدیوں کے وضو کو درست کرنے کی فکر کرنا

امام چوں کہ حضور اکرم ﷺ کا نائب ہے، اس لیے جس طرح حضور اکرم ﷺ امت کی تربیت کی فکر فرماتے تھے اسی طرح نائب کو چاہیے کہ امت کی تربیت کی فکر کرے۔ ابو داؤد شریف میں روایت ہے:

”أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ تَوَضَّأَ وَتَرَكَ عَلَى قَدَمَيْهِ مِثْلَ مَوْضِعِ الْغُفْرِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وَضُوءَكَ.“<sup>۱</sup>  
ترجمہ: ایک آدمی نے وضو کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے (دوران وضو) اپنے حیر میں ایک ناخن کی مقدار جگہ شک چھوڑ دی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ”واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔“

امام مسجد بھی لوگوں کے وضو اور نماز کی فکر کرے تاکہ ان کی نمازیں ناست (یعنی خراب) نہ ہو جائیں۔

### مقتدیوں کو مسجد کی جماعت کی اہمیت بتلانا

جب ہم سفر پر ہوں یا اپنی مسجد کے علاوہ کہیں اور نماز پڑھ رہے ہوں تو اس وقت ہمارا امتحان ہوگا کہ جس طرح ہم اپنی مسجد میں محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اذان ہوتے ہی نماز کا اہتمام شروع کر دیتے تھے اب بھی کر رہے ہیں یا نہیں؟ بسا اوقات سفر میں یا ضیافوں میں ہمیں سستی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ہماری

۱۔ ابو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب تفریل الوضوء: ۲۳/۱

جماعت رو جاتی ہے اور مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ہندو نے دیکھا ہمارے شیخ مولانا سعید احمد خان مہاجر مدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مسجد کی جماعت کا خوب اہتمام فرماتے تھے سعودی عرب میں ظہر تا عصر وقفہ بہت کم ہوتا ہے قبولہ بھی پورا نہیں ہو پاتا، ہمارے احناف کے ہاں تاخیر عصر کی نہ صرف گنجائش ہے بلکہ استحباب و مسنون کا درجہ ہے۔<sup>۲</sup>

اس کے باوجود عصر کی نماز وہاں کی مساجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ مسجد کی جماعت کے اہتمام میں جو نور ہے اس کا ایک خاص درجہ ہے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:۔۔۔

جماعت کے اہتمام کے بغیر نماز کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں جگہ جگہ اقامت صلوٰۃ کا حکم ہے۔ اقامت صلوٰۃ صرف نماز پڑھنے کو نہیں کہتے، بل کہ نماز کو ہرجت اور حیثیت سے درست کرنے کا نام اقامت ہے۔ جس میں نماز کے تمام فرائض، واجبات، مستحبات اور پھر ان پر دوام والتزام یہ سب اقامت کے مفہوم میں داخل ہیں۔<sup>۳</sup>

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: صحابہ و تابعین اور فقہائے امت رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی ایک جماعت نماز کی جماعت کو واجب کہتی ہے اور اس کے چھوڑنے کو سخت گناہ اور بعض صحابہ کرام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی تو اس نماز ہی کو جائز قرار نہیں دیتے جو بلا عذر شرعی بدون جماعت پڑھی جائے۔<sup>۴</sup>

بسا اوقات ائمہ حضرات ضیافت یا کسی تقریب وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں، اور جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے، تو لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ مولوی

۲۔ شامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی طلوع الشمس من مغربہا: ۳۶۶/۱

۳۔ معارف القرآن: ۲۶۶/۱

۴۔ معارف القرآن: ۱۱۰/۱



صاحب موجود ہے، لہذا اسی جگہ پر جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں خصوصاً رمضان المبارک میں مغرب کی نماز میں حلالاں کہ وہاں مسجد نزدیک ہوتی ہے۔

لہذا اگر کرام نہایت ہی ادب اور حکمت سے سمجھائیں کہ مسجد کی جماعت کی نماز نہیں چھوڑنی چاہیے۔

اور جمعہ کے وعظ میں ان کو وہ احادیث مبارکہ جن میں تاریکین جماعت کے لیے وعیدیں آئی ہیں، سنائی جائیں تاکہ وہ جماعت سے نماز پڑھنے کا اہتمام کرنے والے بن جائیں، ذیل میں ہم طوالت کے خوف سے ان ہی احادیث میں سے بعض کا صرف ترجمہ لکھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

احادیث مبارکہ میں ترک جماعت پر سخت وعیدیں آئی ہوئی ہیں۔

① ایک حدیث میں ارشاد ہے: "(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حیرتی جان ہے) میرا ارادہ ہوتا ہے کہ لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں پھر اذان دلوں اور کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔" ۱

② ایک حدیث میں ارشاد ہے اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز قائم کرتا اور اپنے نو جوانوں کو حکم دیتا کہ گھروں کو آگ لگا دیں۔ ۲

③ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ کوئی نماز گران نہیں اگر ان دونوں نمازوں کا (باجماعت پڑھنے کا) ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو یہ سرین کے بل گھسیٹ کر (مسجد) آئیں۔ ۳

۱۔ بخاری، الاذان، باب وجوب صلوٰۃ الجماعة: ۸۹/۱

۲۔ مسند احمد: ۳۶۷/۲، ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ بخاری، الاذان، باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعة: ۹۰/۱

④ ایک حدیث میں ارشاد ہے: جس نے اذان سنی اور باوجود عذر نہ ہونے کے جماعت میں شریک نہیں ہوا تو اس کی وہ نماز جو اس نے پڑھی قبول نہیں۔ پوچھا گیا: "نہ کیا ہے؟" ارشاد فرمایا: "خوف اور مرض (ایسا خوف اور مرض مراد ہے جو مسجد آنے سے مانع ہو)۔" ۴

⑤ ایک نابینا صحابی نے دربار رسالت میں عرض کیا: "مجھے کوئی مسجد لے جانے والا نہیں ہے تو کیا مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت دے دی۔ جب وہ نابینا جانے لگے تو بلا کر آپ رضی اللہ عنہما نے پوچھا: "اذان سنتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں۔" فرمایا: "تو (پھر) حاضر ہونا ضروری ہے۔" ۵

⑥ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو آدمی کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مسلمان بن کر ملنا پسند کرتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اذان کے وقت نمازوں کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی رضی اللہ عنہما کے لیے ہدایت کے وہ طریقے مقرر فرمائے ہیں جو سراسر ہدایت ہیں اور یہ نمازیں بھی ان ہی ہدایت کے طریقوں میں سے ہیں۔ اگر تم بھی اس پیچھے رہنے والے (فلاں شخص) کی طرح گھر میں نماز پڑھو گے تو اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ بیٹھو گے اور یاد رکھو! اگر اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کو ہر قدم پر ایک نیکی ملتی ہے اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے ہمارے زمانہ میں کوئی کھلم کھلا منافق ہی جماعت سے پیچھے رہ سکتا تھا۔ ورنہ مردیش آدمی کو بھی دو آدمیوں کے سہارے لاکر صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ ۶

۱۔ ابو داؤد، الصلوٰۃ باب المنشد فی ترک الجماعة، رقم: ۵۵۱

۲۔ مسلم، المساجد، باب فضل صلوٰۃ الجماعة والتشہید فی التخلیف: ۲۳۲/۱

۳۔ مسلم، المساجد، باب فضل صلوٰۃ الجماعة والتشہید فی التخلیف: ۲۳۲/۱

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہاں نماز کا کیسا اہتمام تھا اس کا کچھ اندازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خط سے ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پورنوں کے نام خطوط لکھوائے اور ان میں لکھوایا۔

”تمہارا سب سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر پابندی کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ دین کے دوسرے احکام کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔“<sup>۱</sup>

اب سوچئے نماز کو ضائع کر کے دین کی حفاظت کیسے ہوگی۔

اب جس مسجد میں آپ امام ہیں اس محلہ میں دین کتنا محفوظ ہے نمازیوں کے مناسب سے سوچ لیجئے۔۔۔۔۔؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خط اپنی میز پر لکھ کر لگا لیجئے، اور اس کے لیے محنت بھی خوب کیجئے اور رات کو تہجد میں اٹھ کر دعا بھی رو رو کر مانگئے کہ اے اللہ! یہ محلہ میں کوئی بے نمازی نہ رہے، ہر نمازی کو اتنا سمجھائیں کہ وہ دوسروں کو نمازی پاتا دیکھ لے۔ اور یقین رکھیے کہ آپ کے محلہ کا ہر رہنے والا شخص نمازی بن گیا۔

## مقتدیوں کو نماز سکھانا

حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے لیکن رکوع سجدہ پورا نہیں کر رہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا: ”کتنے عرصے سے تم ایسی نماز پڑھ رہے ہو؟“

اس نے کہا: ”چالیس سال سے۔“ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لہذا موطا للإمام مالک، وقوت الصلوۃ، باب وقت الصلوۃ، ۵

ان صحیح احادیث کو بار بار پڑھیں اور امت کا حال دیکھیں۔ اپنے اور دوسرے کے احوال کی اصلاح کی فکر کریں۔ دوسری طرف مسجد میں آنے کا ثواب دیکھیں۔ جماعت کی نماز پر اکیلے کی نماز سے ستائیس ۲۷ گنا زیادہ ثواب ہے جس سے جو کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اس نے آدھی رات کا قیام کیا اور صبح کی بھی جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے پوری رات قیام کیا۔

اب ہم میں سے ہر ایک اپنی مسجد کا حال دیکھ لے، کہ جمعہ کے دن کتنے نمازی ہوتے ہیں اور عام دنوں میں کتنے؟ اور جس طرح جمعہ کی نماز میں مسجد بھر جاتی ہے اسی طرح فجر کی نماز میں مسجد متصلوں سے بھر جائے، اس کے لیے ہم میں سے ایک سوچے کہ میں نے کتنی کوشش کی ہے۔

یہ تو مردوں کا حال ہے۔۔۔۔۔ لیکن غور کریں کہ ہمارے محلہ میں یعنی جس محلہ میں بندہ امام ہے اس محلہ میں گھروں میں عورتیں نماز پڑھ رہی ہیں یا نہیں؟

اور جو پڑھ رہی ہیں تو فرائض واجبات کا کتنا اہتمام ہے؟

تجوید کی تصحیح کا کتنا اہتمام ہے؟

تومہ اور جلسہ کی تصحیح کا کتنا اہتمام ہے؟ مسجد میں آنے والے جو ان کے محارم ہیں، ان کے ذریعے امام مسجد ہوتے ہوئے میں نے کتنی کوشش کی ہے، کہ میرے محلہ میں جتنے گھر ہیں ان میں بالغ افراد مسجد میں آئیں اور عورتیں وقت پر اہتمام سے گھروں میں نماز پڑھیں؟

اگر ذرا ہمت کر لیں تو وعید سے بچ جائیں اور بہت بڑے ثواب سے مالا مال ہو جائیں۔ ”اللّٰهُمَّ وَلِّ قَلْبِي وَجَمِيعَ الْأُمَّةِ لِهَذَا“

۱۔ بحاری، الاذان، باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعة، ۹۰/۱

۲۔ مسلم، المساجد، باب فضل صلوۃ الجماعة والتشدید فی التخلّف، ۲۳۲/۱

”تم نے چالیس سال سے ٹھیک نماز نہیں پڑھی اور اگر تم ایسی نماز پڑھتے ہو۔ مگر گے تو تم اس حالت پر نہیں مرو گے جس پر حضرت محمد ﷺ پیدا کیے گئے تھے۔“ پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے نماز سکھانے لگے۔ پھر فرمایا: ”آدمی کو چاہیے کہ چاہے وہ نماز میں قیام مختصر کرے لیکن رکوع سجدہ پورا کرے۔“

حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مسلمان ہوتا تو حضور ﷺ اسے سب سے پہلے نماز سکھاتے تھے۔

حضرت حکیم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں نماز سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو پہلے ”اللہ اکبر“ کہو اور اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ لیکن کانوں سے اوپر نہ لے جاؤ اور پھر یہ پڑھو ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔“

تقریباً: ”اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرا نام برکت والا ہے تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر اس طرح التحیات سکھاتے تھے جیسا کہ استاد مکتب میں بچوں کو سکھاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ”التَّحِيَّاتُ“ سکھائی اور ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ نے بھی ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں التحیات سکھائی تھی ”التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ“

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلوٰۃ، فی الرجل ینقص صلاتہ: ۳۲۳/۱

۲۔ أخرجه الطبرانی من الكبير والبراز قال الهيثمي: ۲۹۳/۱ رجاله رجال الصحيح

۳۔ ابو داؤد، الصلوٰۃ، باب من رأى الإستفاح سبحانك: ۱۱۳/۱

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلوٰۃ، من كان يعلم التشهد: ۳۲۸/۱

فصلوا التحیات، المبارکاتُ لِلَّهِ۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں احادیث نہیں لکھتے تھے مگر استخارہ اور تشہد لکھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے التحیات اس طرح سکھائی جس طرح مجھے آپ ﷺ قرآن کی کوئی سورۃ سکھایا کرتے تھے، اور اس وقت میرا ہاتھ حضور ﷺ کے ہاتھوں میں تھا پھر اس کے بعد ”التَّحِيَّاتُ“ کو ذکر کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں سورتوں کا شروع والا حصہ اور قرآن سکھاتے تھے۔ چنانچہ ہمیں حضور ﷺ نے نماز کا خطبہ اور نکاح وغیرہ کا خطبہ بھی سکھایا۔ پھر ”التَّحِيَّاتُ“ کا ذکر کیا۔

ہمارے استاذ اور جامعہ بخاری ناؤن دارالافتاء کے رئیس مفتی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹ گا می صاحب نے کراچی کی مسجد عثمانیہ میں فجر کے بعد درس دینا شروع کیا۔ درس کا طریقہ یہ ہوتا کہ خوش الحان قاری تلاوت کرتا۔ پھر مفتی صاحب ترجمہ و تفسیر فرماتے۔ اُتر قاری نہ ہوتا تو درس میں بیٹھنے والے سامعین تلاوت کرتے۔ جب مفتی صاحب نے ان سامعین کی تلاوت سنی تو درس روک کر فرمایا کہ اب صبح ہم قرآن کریم ٹھیک سے پڑھنے کی مشق کروائیں گے۔

۱۔ کنز العمال، الصلوٰۃ، الرابع: ۷۲/۸، رقم: ۲۲۳۲۱

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۸/۱

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الصلوٰۃ، من كان يعلم التشهد ويأمر بتعليمه: ۳۲۸/۱

۴۔ مسلم، الصلوٰۃ، باب التشهد في الصلوٰۃ، رقم: ۹۰۱

۵۔ کنز العمال، الصلوٰۃ، الرابع: ۷۲/۸، رقم: ۲۲۳۲۱



آپ اس پر غور کریں گے تو افسوس ہوگا کہ آپ کے پیچھے بیس سال سے نماز پڑھنے والے احباب ہوں گے۔ لیکن ان کی سورتاں ختم ہو گئی۔

لہذا امام صاحب اس کی بھی فکر فرمائیں کہ ہر مقتدی قرآن کریم صحیح پڑھنے والا بن جائے۔ اور ہر مقتدی کے گھر والے، بیٹے بیٹیاں، یہاں تک کہ خاوم خاندانیں باورچی، ڈرائیور، ہر آدمی قرآن کریم کو صحیح طرح پڑھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے "افَرِّوْا الْقُرْآنَ يَلْحُظُونَ الْعَرَبَ" قرآن کریم کو عربوں کے لہجے میں پڑھو۔

## خواب کے بجائے بیداری کی فکر کروائیں

اکثر مقتدی احباب ائمہ حضرات کے پاس خواب کی تعبیر پوچھنے آتے ہیں۔ ان میں بعض تو برے خواب دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اچھے خواب دیکھ کر بہت مطمئن ہو جاتے ہیں۔

خوابوں کے پیچھے بہت زیادہ پڑنا مطلوب اور مقصود نہیں، البتہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن اس پر نجات کا مدار نہیں۔ کیوں کہ غیر اختیاری معاملہ ہے۔ ہمارے طبقے میں ایک بڑی تعداد ہے جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑی ہے۔ دن رات یہی فکر ہے کہ کوئی اچھا خواب آجائے۔ اسی کو منتہا، مقصود سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ پھر یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا خواب اپنے بارے میں دیکھ لیں تو بس یہ سمجھا کہ اب میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہوں۔ خوب سمجھ لیں کہ خواب اپنی ذات میں نہ تو کسی کا درجہ بلند کرتا ہے، اور نہ اجرو ثواب کا موجب ہوتا ہے، بلکہ اصل مدار بیداری کے اعمال پر ہے۔ یہ دیکھو کہ تم بیداری میں کیا عمل کر رہے ہو۔ لہذا اگر کوئی اچھا خواب دیکھے۔

مثلاً اپنے بارے میں کوئی دینی یا دنیوی ترقی دیکھے، تو اس صورت میں اپنے جاننے والے اور اپنے محبت کرنے والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرے، دوسروں کو نہ بتائے، کیوں کہ بعض اوقات ایک آدمی وہ خواب سن کر اس کی الٹی سی جی تعبیر بیان کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے اس اچھے خواب کی تعبیر اس کے مطابق ہو جاتی ہے، اس لیے اپنے محبت کرنے والوں کو وہ خواب بتائے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اور اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلَا يُخْبِرْ بِهَا أَحَدًا وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ"۔

ترجمہ: "تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے (بلکہ) چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے اور (اقل) نماز پڑھے۔"

لہذا ہم ائمہ کو چاہیے کہ لوگوں کو بتائیں کہ خواب کے معاملہ میں وہ درمیانی راستہ موقع مناسبت دیکھ کر اختیار کریں جو ہمیں شریعت نے بتلایا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نبی کریم ﷺ کے نورانی طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سوال اسی زندگی سے متعلق ہوگا، اگر یہ زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں اور رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کے موافق ہو تو چاہے انسان اپنے آپ کو خواب میں کسی بھی حالت اور مقام پر دیکھے تو اسے پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور اگر خدا خواستہ بیداری والی زندگی کے اعمال میں کوتاہیاں ہیں تو خواہ اپنے آپ کو خواب میں اچھے سے اچھے مقام پر بھی دیکھ لے تو

کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ہی اس پر مطمئن ہونا چاہیے۔

”حضرت محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے: ”اَلرُّؤْيَا تَسْرُودُ تَغَرُّ“ خواب کسی انسان کو دھوکے میں نہ ڈالے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بہت پہنچ ہوں اور اس کے نتیجے میں بیداری کے اعمال سے غافل ہو جائے۔“

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے خواب کی تعبیر معروض کرنے کی درخواست کی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ خواب میں کیا رکھنا ہے بیداری کی کوئی بات پوچھو؟

آج کل لوگ خوابوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کثرت سے خطوط میں خواب لکھے ہوئے آتے ہیں۔ میں اکثر یہ جواب لکھ دیتا ہوں کہ

۔ نہ شمع، نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

زغلام آفتاب ہم آفتاب گویم

بیداری کو چھوڑ کر خواب کے پیچھے پڑنا ایسا ہے جیسے کوئی اصل شکار کو چھوڑ کر اس کے سائے کے پیچھے پڑ جائے اور یہ سب آخرت سے غفلت اور حقیقت سے بے خبری کی باتیں ہیں۔

تفسیر صحیح: بہت سے لوگ اس مغالطے اور دھوکے میں ہیں کہ انہوں نے خواب دیکھنے کا نام تصوف سمجھا ہے۔ اور کوئی اچھا خواب دیکھ لیا تو یہ سمجھنے لگے کہ اب ہم ولی ہو گئے۔ خواب کے عجیب و غریب راز ہیں۔ اس کو کوئی پہچان نہیں سکتا۔

اس واسطے حضرت والا رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ خوابوں کی فکر میں زیادہ نہ پڑو۔ بل کہ اپنی بیداری کی حالت کو درست کرو اور اگر کسی نے کیسا بھی برے سے برا خواب دیکھا ہو، لیکن اگر تمہاری بیداری کی حالت صحیح ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔

ورنہ ان فتنوایات میں کیا رکھا ہے، کیوں بے کار وقت کھویا جائے۔ وقت کی

قدر کرنا چاہیے اور ضروری کام میں لگنا چاہیے۔

## ”خواب حجت نہیں“

ایک قاضی تھے، لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مقدمہ سامنے آیا، اور مقدمہ کے اندر گواہ پیش ہوئے، اور شریعت کے مطابق تو انہوں کی جانچ پڑتال کا جو طریقہ ہے، وہ پورا کر لیا، اور آخر میں مدعی کے حق میں فیصلہ کرنے کا دل میں ارادہ بھی ہو گیا، لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ اس فیصلے کا امکان کل کریں گے۔ یہ خیال ہوا کہ کل تک ذرا اور سوچ لوں گا، لیکن جب رات کو سوئے تو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، اور جب صبح بیدار ہوئے تو ایسا یاد آیا کہ خواب میں حضور ﷺ یہ فرما رہے تھے کہ جو تم فیصلہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہو یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ فیصلہ یوں کرنا چاہیے، اب اٹھ کر جو غور کیا تو جس طریقہ سے فیصلہ کرنے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا، وہ کسی طرح شریعت کے دائرے کے مطابق نہیں ہوتا۔

اب بڑے پریشان ہوئے کہ ظاہری طور پر شریعت کا جو تقاضہ ہے، اس کے لحاظ سے تو یہ فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے، لیکن دوسری طرف خواب میں حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ یوں فیصلہ کرو۔ اب معاملہ بڑا سنگین ہو گیا اور یہ جو مقدمہ کی ذمہ داری ہوتی ہے یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے۔ جن لوگوں پر مقرر رہی ہے، وہی اس کو جانتے ہیں، راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ قاضی صاحب نے خلیفہ وقت کو جا کر بتایا کہ اس طرح سے یہ مقدمہ پیش آگیا، اور حضور ﷺ نے خواب میں اس طرح فیصلہ کرنے کو فرمایا۔ آپ علماء کو جمع فرمائیں، تاکہ اس کے بارے میں ان سے مشورہ ہو جائے۔

چنانچہ سارے شہر کے علماء جمع ہوئے، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا کہ

اس طرح یہ مقدمہ درپیش ہے۔ ظاہری طور پر شریعت کا تقاضہ یہ ہے۔ لیکن دوسری طرف خواب میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟

علماء نے فرمایا کہ واقعہ یہ معاملہ بڑا متعین ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے لیکن اس زمانے کے ایک بزرگ جو اپنی صدی کے مجدد کہلاتے تھے۔ حضرت شیخ عزالدین ابن عبدالسلام رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی، وہ بھی مجلس میں حاضر تھے وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں پورے جزم اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ شریعت کے قاعدے کے مطابق آپ جو فیصلہ کرنے جا رہے ہیں، وہی فیصلہ کیجیے اور مہار گناہ، ثواب میری گردن پر ہے۔ خواب کی بات پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ خواب میں ہزاروں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اللہ جانے اپنے دل کی کوئی بات اس میں آگئی ہو۔ اگرچہ حضور ﷺ کی صورت مبارکہ میں شیطان نہیں آ سکتا، لیکن ہو سکتا ہے کہ بیداری کے بعد شیطان نے کوئی دوسرا ڈال دیا ہو۔ کوئی غلط بات دل میں آگئی ہو۔ شریعت نے حضور ﷺ کے بیداری میں سنے ہوئے ارشادات کے مقابلے میں ہمارے خواب کو حجت قرار نہیں دیا۔ اور حضور ﷺ کے جو ارشادات ہم تک سند متصل کے ساتھ پہنچے ہیں وہی ہمارے لیے حجت ہیں۔ ہمیں ان ہی پر عمل کرنا ہے۔ آپ بھی اس پر عمل کیجیے، اور گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔

### مقتدیوں کو فراغت کے نقصان بتلائیں

ہم ائمہ کو چاہیے کہ اپنی مساجد میں مقتدیوں پر ایسی محنت کریں کہ کوئی فارغ نہ بیٹھے۔ مسلمان دین کے کام سے فارغ ہو تو دنیوی کاموں میں صحیح نیت کے ساتھ لگ جائے تو یہ بھی دین بن جائے گا۔

ہم ایسی کوشش کریں کہ ۸۰ سال کا بوڑھا ہو یا ۸ سال کا بچہ ہو، فارغ نہ بیٹھے

۱۔ اصلاحی خطبات، خواب کی شرعی حیثیت: ۹۸/۵

ہوئے اس کا ضمیر اس کو مامت کرے۔ مقتدیوں کو فراغت کے نقصانات بتلائیں اور ان کو سمجھائیں کہ فراغت (سارے) گناہوں کا دروازہ ہے۔ جیسا عربی کا ایک بہترین مقلد ہے "الْفَوَاحِشُ بَابُ الْمُتَعَصِّبَةِ"

اسی طرح انسان جب اپنے آپ کو کسی کام میں پورے طور پر مشغول کر لیتا ہے تو بڑے بڑے حادثات بھی اس کی نظر میں معمولی ہو جاتے ہیں، لیکن جب انسان اپنے کو کسی جائز کام میں مشغول نہ کرے، فضول کاموں، لہو و لعب میں پڑا رہے یا بے کار رہیخار ہے تو یہ چیز انسان کے نقصان کا باعث ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے:

"إِنَّا نَكْمُ وَالْخُلُودَاتِ فَإِنَّهَا تَفْسِدُ الْعُقُولَ وَتَعْقِدُ الْمَخْلُوقَاتِ"

تَرْجُمَہ: "تنبہائی اور بے کاری سے بچو، کیوں کہ ایسا کرنا عقل کو خراب

کر دیتا ہے اور ذہن پر گرہ لگا دیتا ہے، جس سے سوچ و سمجھ کی صلاحیتیں

متاثر ہو جاتی ہیں۔"

فراغت کے نقصان کو سمجھانے کے لیے ایک قصہ عرض کیا جاتا ہے۔ چوں کہ

تین سے بات جلدی سمجھ آ جاتی ہے، اس لیے ائمہ کرام اپنے ہر مقتدی کو یہ قصہ یاد کر دلاتے تھے۔

### اپنا بیج پرندہ.....

حضرت شقیق بلخی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی دونوں ہم زمانہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت شقیق بلخی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اپنے دوست حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے پاس آئے اور کہا:

"میں ایک تجارتی سفر پر جا رہا ہوں، سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات



کروں، کیوں کہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔“

اس ملاقات کے چند دن بعد حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے دیکھا کہ حضرت شفیق مِلّٰی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی دوبارہ مسجد میں موجود ہیں۔ پوچھا:

”آپ سفر پر نہیں گئے؟“

کہا: ”گیا تھا، لیکن راستے میں ایک واقعہ دیکھ کر واپس ہوا۔ ایک غیر آباد پہنچا، وہیں میں نے پڑاؤ ڈالا۔ وہاں میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اڑنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مجھے اس کو دیکھ کر ترس آیا۔ میں نے سوچا کہ ویران جگہ پر یہ چڑیا اپنی خوراک کیسے پاتی ہوگی۔ میں اس سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک اور چڑیا آئی۔ اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ وہ معذور چڑیا کے پاس اتری تو اس کی چونچ کی چیز اس کے سامنے گر گئی۔ معذور چڑیا نے اس کو اٹھا کر کھا لیا۔ اس کے بعد آنے والی طاقت ور چڑیا اڑ گئی۔ یہ مفرد دیکھ کر میں نے کہا: ..... سُبْحَانَ لِلّٰہ تعالیٰ جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح اس کے پاس پہنچا سکتا ہے تو مجھ کو رزق کے لیے شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا کہ کوئی کام نہیں کروں گا فارغ بیٹھوں گا رزق اللہ تعالیٰ دے گا“..... یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے فرمایا:

”شفیق اتم نے اپنا حج پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا؟

تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمہاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنی قوت بازو سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے دوسرے ہم جنسوں کو بھی کھاتا ہے؟“

حضرت شفیق مِلّٰی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے یہ سنا تو حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کا ہاتھ چوم لیا اور کہا: ”ابو اسحاق! تم نے میری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا، وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی ہے۔“

ایک ہی واقعہ ہے جس سے ایک شخص نے فارغ بیٹھنے کا سبق لیا اور دوسرے

بہن نے ہمت اور کام کرنے کا۔“

حضرت عمر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان لوگوں کو جو کامل اور ست بن کر فارغ بیٹھے رہتے تھے، نہ دین کا کام کرتے تھے نہ دنیا کا اور مسجد میں ڈیرہ لگا لیتے تھے، تنبیہ اور زانا پھر فرمایا:

”اُخْرِجُوا وَاطْلُبُوا الرِّزْقَ فَإِنَّ السَّمَاءَ لَا تُمْطِرُ ذَهَبًا وَلَا بِلْعَةً“

ترجمہ: ”(ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو) نکلو اور روزی کے لیے کوشش کرو، آسمان سے تمہارے لیے سونا اور چاندی نہیں برسائے جائیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو پسند فرماتے تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے:

”هَلْ لَهُ حِرْفَةٌ.....؟“ فَإِنْ قَالُوا: ”لَا“ قَالَ: ”سَقَطَ مِنْ عَيْنِي“

ترجمہ: ”مجھے کسی آدمی کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے تو پوچھتا ہوں اس کا پیشہ (ذریعہ معاش) کیا ہے، جب لوگ کہتے ہیں کچھ بھی نہیں تو وہ شخص میری نظروں سے گر جاتا ہے۔“

مومن کی یہ شان ہے کہ وہ ہمہ وقت ایسے کاموں میں مشغول رہتا ہے، جن سے اسے دینی ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے یا کم از کم دنیوی مصالح اسے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی ایسے کام میں مشغول ہو

جس میں اس کے لیے دنیوی فائدہ ہوتا اخروی، یا بالکل فارغ بیٹھا ہو۔

لہذا امام صاحب مقتدیوں کو سمجھائیں کہ اپنے وقت سے فائدہ اٹھائیے اور ایک لمحہ بھی فارغ نہ رہیے، کیوں کہ جس دن آپ فارغ رہیں گے مختلف قسم کے اندیشے اور دوسو سے آپ کو آگھیریں گے، آپ پر غم سوار ہو جائیں گے اور آخر کار وہ غم آپ پریشانیوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔

### مقتدیوں کو والدین سے دعا لینے کی ترغیب دیں

ہر مسلمان کو اپنے والدین کی خدمت کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً اہل علم اور مسلمانوں کے مقتدی اور مسجد کے امام کو اس عمل صالح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، کیوں کہ والدین کی دعاؤں سے ان کے اپنے کام میں مزید ترقی ہوگی۔

حضرت محمد بن منکدر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مشہور تابعی اور راوی حدیث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ساری رات اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا اور میرے بھائی ابوبکر بن منکدر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی رات بھر نماز پڑھتے رہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنی وہ رات ان کی رات سے بدلوں۔

### دعا کی برکت

حضرت یحییٰ بن مخلد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی (متوفی ۳۷۵ھ) اندلس کے مشہور محدثین میں سے ہیں۔ حدیث میں ان کی مسند اہل نظم میں معروف ہے۔ یہ بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ نہایت عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ: ”میرے بیٹے، انیسویں نے قید کر رکھا ہے، اس کی وجہ سے میری راتوں کی نیند حرام ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے، میں چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کروں اور

اسے قید سے چھڑالوں، آپ کسی سے فرما دیجیے کہ وہ میرا گھر خرید لے، اس سے کہ ہرے دل کا سکون اور راتوں کا چین رخصت ہو چکا ہے۔“

حضرت یحییٰ بن مخلد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کی فریاد سنی تو اس سے فرمایا: ”تم باؤں تہرے معاملہ میں غور کروں گا۔“ اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس کی رہائی کے لیے دعا کرتے رہے اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی عورت پھر واپس آئی، اس مرتبہ اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا۔ وہ کہنے لگی:

”اس سے سنئے کہ اس کے ساتھ کیا عجیب واقعہ پیش آیا، حضرت یحییٰ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے واقعہ پوچھا کہنے لگا: ”مجھے بادشاہ افرنگ کے ان قیدیوں میں شامل کر دیا گیا جو پاپہ زنجیر بادشاہ کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن میں اپنی منوضہ خدمت انجام دینے کے لیے جا رہا تھا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی، اچانک چلتے چلتے زنجیر پاؤں سے گر پڑی۔ مجھ پر جو سپاہی متعین تھا، وہ مجھے گالیاں دینے لگا کہ پاؤں سے زنجیر کیوں نکالی؟ میں نے کہا اللہ کی قسم! مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ زنجیر میرے پاؤں سے کیسے نکلی ہے؟ اس پر انہوں نے لوہار کو بلوا کر دوبارہ میرے پاؤں میں پہنا دی اور اس مرتبہ اس کی یمنیں خوب اچھی طرح مضبوط گاڑ دی گئیں، لیکن اس کے فوراً بعد میں اٹھ کر چلتے لگا تو زنجیر پھر گر پڑی۔ انہوں نے پھر اسے باندھا، لیکن پھر چلا تو پھر گر گئی۔“

وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور اپنے راہبوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: کیا اس کی ماں زندہ ہے؟

میں نے کہا ہاں۔

انہوں نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دعا کی ہے اور اس کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ پھر راہبوں نے متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا کہ اب اسے چھوڑ دیا جائے، چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں بلا واسلام میں پہنچ گیا۔

حضرت یحییٰ بن خالد رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے زنجیر کرنے کا وقت پوچھا تو یہ فرمایا: وقت تھا، جب وہ اس کی رہائی کے لیے دعا کر رہے تھے۔

والدین کا درجہ کتنا اونچا ہے، دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے کیا فوائد ہیں، ہمیں اپنی فلاح و سعادت حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمات کی کتنی ضرورت ہے؟

الْحَمْدُ لِلّٰہِ اس موضوع پر ایک کتاب بندہ کی طرف سے والدین کی قدر کیجیے تیار ہو چکی ہے، جس میں واقعات اور قصوں کے ذریعہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کو سمجھایا گیا ہے، اللہ کرے یہ کتاب ہم سب کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے، ہمیں اپنے والدین کے لیے دنیا و آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔

ائمہ حضرات مقتدیوں کو ہر پریشانی کے حل کے لیے نماز حاجت

### پڑھ کر دعا مانگنا سکھائیں

ائمہ حضرات مقتدیوں کو ہر معاملہ میں اللہ سے مدد مانگنا سکھائیں۔ کبھی کوئی پریشانی ہو، کوئی مسئلہ اٹکا ہوا ہو تو بجائے عالموں کے پاس جانے کے صلوة الحاجت پڑھ کر اللہ سے مانگنے کی ترغیب دیں اور انہیں صلوة الحاجت کی دعا یاد کرائی جائے جو ذیل میں ذکر کی گئی ہے اور چار رکعت صلوة الحاجت کی نیت سے پڑھ کر وہ دعا ان میں مانگی جائے۔

پریشان حال لوگوں کو بتایا جائے کہ جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر گڑا گڑا کر، رو رو کر دعا مانگیں، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔۔۔ ضرور قبول ہوگی، وہ دعا اور نماز کی ترکیب یہ ہے۔

۱۔ البدایہ والنہایہ ثم دخلت سنة ست وسبعین و مائتین ۱۱/۱۵

۲۔ والدین کی قدر کیجیے۔ مطبوعہ دارالہدیٰ کسی بھی قریبی دینی کتب خانے یا براہ راست ہم سے منگوائیں۔

”قرات بن سلیمان کہتے ہیں کہ سیدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ کھڑا ہو کر چار رکعت نماز پڑھے پھر ان میں یہ کلمات کہے جو رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے؟

”اَنْتُمْ نَزَرْتُمْ فَهَذَبْتُ فَلَكَ الْحَمْدُ، عَظُمَ جَلْمُكَ فَعَفَوْتُ فَلَكَ الْحَمْدُ، بَسَطْتَ يَدَكَ فَاَعْطَيْتُ فَلَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا، وَجْهَكَ اَكْرَمُ الْوُجُوْهِ، وَجَاهُكَ اَعْظَمُ الْجَاهِ، وَعَظِيْمَتُكَ اَفْضَلُ الْعَظِيْمَةِ، وَاَهْنَأُهَا، تَطْلُعُ رَبَّنَا فَتَشْكُرُ، وَتُعْصِي رَبَّنَا فَتَغْفِرُ، وَتُجِيبُ الْمُضْطَرَّ، وَتُكْشِفُ الضَّرَّ، وَتَشْفِي السُّقْمَ، وَتَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَتَقْبَلُ التَّوْبَةَ، وَلَا يَجْزِي بِالْاِيْنِكَ أَحَدٌ، وَلَا يَنْلُغُ مِنْكَ حَقٌّ قَوْلٌ قَائِلٍ“

ترجمہ: ”آپ کا نور کامل ہے، چٹاں چہ آپ نے ہدایت دی، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے۔ آپ کا علم عظیم ہے، چٹاں چہ آپ نے معاف فرما دیا، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ کو کشادہ فرما کر عطا و بخشش سے نوازا، پس اے ہمارے رب! تمام تعریف آپ ہی کے لیے ہے آپ کا مرتبہ سب سے عظیم اور آپ کا عطیہ افضل و خوش گوار عطیہ ہے، اے ہمارے رب! آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو آپ اس کی قدر فرماتے ہیں (اور ثواب عطا فرماتے ہیں) نافرمانی کی جاتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں، مجبور و بے کس کی دعا سننے اور قبول فرماتے ہیں۔ تکلیف کو آپ ہی دور کرتے اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا اور کسی کی تعریف آپ کی تعریف تک

۱۔ مجمع الروائد، الأدعية، باب فيما يستفتح به الدعاء ۱۱/۱۷۸



نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی ایسی حاجت ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، (جس کا ذکر ابھی کیا گیا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثناء کرے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، شُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَوَازِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدْعُ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَجْتَهُ وَلَا حَاجَةً مِنِّي لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔“

ترجمہ: ”اللہ کے سوا کوئی، لک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے پاک اور مقدس ہے، وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ نہیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ

لینے کا، اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ اے اللہ! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور ہر پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے سب مہربانوں سے بڑے مہربان!“

ترجمہ: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں، اور ”صلوۃ حاجت“ کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتدترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے ”صلوۃ حاجت“ کو خزانۃ الہیہ کی بجائی پایا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن حاجتوں کے لیے بھی ”صلوۃ حاجت“ تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجت کے لیے بھی ”صلوۃ حاجت“ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بل کہ سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہو ابھی دیکھے گا تو اس کے تو حیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔“

تیسری صدی ہجری میں مصر میں چار محدثین بہت مشہور ہوئے چاروں کا نام بڑا تھا اور چاروں علم حدیث کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان میں سے ایک عمر بن نصر مروزی ہیں دوسرے محمد بن جریر طبری تیسرے محمد بن احمد راوری چوتھے محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کا ایک عجیب واقعہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات مشترک طور سے حدیث کی خدمت میں مشغول تھے، بسا اوقات ان علمی خدمات میں انہماک اس قدر بڑھتا ہے کہ فاقوں تک نو بہت پہنچ جاتی ہے۔ ایک دن چاروں ایک گھر میں جمع ہو کر احادیث لکھنے میں مشغول تھے، کھانے کو کچھ نہیں تھا، بالآخر طے پایا کہ چاروں میں سے ایک صاحب طلب معاش کے لیے باہر نکلیں گے تاکہ کھانے وغیرہ کا انتظام ہو سکے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت محمد بن احمد مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکلا۔ انہوں نے طلب معاش کے لیے نکلنے سے پہلے نماز پڑھنی اور دعا کرنی شروع کر دی۔

یہ ٹھیک دو پہر کا وقت تھا اور مصر کے حکمران احمد بن طولون رحمۃ اللہ علیہ اپنی قیام گاہ میں آرام کر رہے تھے۔ ان کو سوتے ہوئے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ”محدثین کی خبر لو، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔“

ابن طولون رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے تو لوگوں سے تحقیق کی کہ اس شہر میں محدثین کون کون ہیں؟

لوگوں نے ان حضرات کا پتہ دیا۔ احمد بن طولون رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت ان کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے اور جس گھر میں وہ خدمت حدیث میں مشغول تھے اسے خرید کر وہاں ایک مسجد بنوا دی اور اسے علم حدیث کا مرکز بنا کر اس پر بڑی جائیدادیں وقف کر دیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

”إِذَا سَأَلْتَ فَسْأَلَ اللَّهُ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعَانَ بِاللَّهِ“۔

ترجمہ: ”جب تو کوئی چیز مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب کوئی مدد طلب کرنی ہو تو اللہ ہی سے مدد طلب کر۔“

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ عجیب بات فرماتے ہیں (جو ہر مسلمان کو خصوصاً اہل علم کو یاد کر لینی چاہیے اور بار بار اس کو پڑھنا چاہیے، تاکہ اس کی حقیقت دل میں اتر جائے فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ ابن آدم سے خطاب کرتے ہیں:

”قَبْلُكَ لِي، فَلَا تُدْخِلْ فِيهِ حُبَّ عَيْبِي وَلِسَانُكَ لِي، فَلَا تُذَكِّرْ بِهِ أَحَدًا عَيْبِي وَبَذَنُكَ لِي، فَلَا تُسْغِلْهُ بِخِدْمَةِ عَيْبِي وَإِنْ أَرَدْتَ شَيْئًا فَلَا تَطْلُبْهُ إِلَّا مِنِّي“۔

ترجمہ: ”(اے آدم کے بیٹے) تیرا دل میرے لیے ہے اس دل میں میرے سوا کسی اور کی محبت داخل مت کر، تیری زبان میرے لیے ہے اس سے میرے سوا کسی اور کا ذکر مت کر، تیرا بدن میرے لیے ہے اس کو میرے حکموں کے سوا کسی اور کی چاہت پر استعمال نہ کر اور جب تیرا دل کسی چیز کو چاہے تو سوائے میرے کسی اور سے مت مانگ۔“

اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِي عَنِ الشُّجُودِ لِغَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِي عَنِ الْمَسْأَلَةِ لِغَيْرِكَ“۔

ترجمہ: ”اے اللہ! جیسا کہ آپ نے میری پیشانی کی حفاظت فرمائی

ہے کہ وہ آپ کے غیر کے آگے جھکے پس آپ میری پیشانی کو (بھی) غیر کے سامنے سوال کرنے سے بچائیں۔“

پریشان حال مقتدیوں کی آمد اور جنات و جادو سے بچنے کی تدبیریں

ہمارے ہاں بہت سے لوگ ائمہ حضرات کے پاس اپنی مختلف پریشانیاں نہ کر آتے ہیں۔ چوں کہ ہمارے معاشرے میں چند دنوں تک پیار رہنے کی بنا پر فورا کوئی صاحب یا صاحبہ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر اثرات ہیں۔۔۔۔۔ کسی نے جادو کر دیا ہے۔۔۔ اور جب آدمی کے ذہن پر ایک چیز سوار ہوتی ہے تو باہر کی دنیا میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں مثلاً ایسے ڈرپوک و بزدل شخص کو گندے انڈے، یا تازہ گوشت اچانک گھر کے باہر نظر آ گیا تو وہ یقینی طور پر سمجھتا ہے کہ ہاں اب تو مجھ پر جادو ہو چکا ہے۔۔۔ یا جنات ہیں۔۔۔ یا سفلی، بھوت۔۔۔ وغیرہ ہے۔

ائمہ حضرات خود بھی اور ایسے آنے والے مریدوں کو بہادر بنائیں ایمان مضبوط کر دہیں کہ جن، جادو یہ سب مخلوق ہے۔ مؤمن مخلوقات سے نہیں ڈرا کرتا۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جنگل کے درندے، سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں سے بھی نہ ڈرے۔ فتح افریقہ کے بعد عقبہ بن نافع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنگل کے جانوروں کو خطاب کر رہے ہیں:

”اَيُّهَا الْحَيَّاتُ وَالسَّبَاعُ اِنَّا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَارِلُوْنَ وَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ قَتَلْنَاهُ“۔۔۔

ترجمہ: ”اے سانپ اور درندو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب

لہ الکامل لابن الاثیر: ۱/۷۲، ولایة عقبہ بن نافع۔۔۔

ہیں اس لیے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد تم میں سے جس کو بھی پائیں گے قتل کر دیں گے۔“

سولہ گویوں نے حیرت ناک منظر دیکھا کہ شیر، بھیڑیے اور سانپ اپنے بچوں کو اٹھائے غول در غول بھاگے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر دشمن کی قوم ”بربر“ کے بہت سے بے مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ابن آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے جس سے ابن آدم ڈرتا ہے۔ اگر ابن آدم اللہ کے سوا کسی چیز سے نہ ڈرے تو اس پر اللہ کے علاوہ اور کوئی چیز مسلط نہ ہو۔ ابن آدم اسی چیز کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس چیز سے اسے نفع یا نقصان ملنے کا یقین ہوتا ہے اگر ابن آدم اللہ کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے تو وہ اللہ اسے کسی اور چیز کے بالکل حوالہ نہ کرے۔

حضرت عبدالقادر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے:

”وَمَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَهْرُبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ مِنْ شَيْءٍ سِوَاهُ“۔۔۔

ترجمہ: ”جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی عظمت و صفات کے ساتھ پہچان لیا تو وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا، صرف اور صرف اللہ کی نافرمانی سے ڈرے گا (یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اسے دنیا کی ہر چیز ڈراتی ہے)۔“

لہذا جنات اور جادو کا خوف دل سے نکال دیجیے اور حتی الامکان کسی آنے والے شخص کو کسی بھی عامل کے پاس نہ بھیجیں۔

لہ کنز العمال، الثانی کتاب الاخلاق، رقم ۵۸۶۶، ۲۶۶ علو الہمة، ص ۲۶۶



بل کہ اس کو مندرجہ ذیل امور کی ترغیب دیں۔

- ۱ پہلے توبہ و استغفار کروائیں، لوگوں پر خصوصاً ماتحتوں پر ظلم کرنے سے بچائیں۔
- ۲ صدقے کی کثرت کی ترغیب دیں۔
- ۳ اچھی طرح ماہر طبیب سے مستقل تشخیص کروا کر علاج کروائیں، بار بار داکٹر حکیم نہ بدلیں۔ اہتمام سے طبیب کی دی ہوئی ہدایات پر عمل کریں۔
- ۴ جنات اور سفلی کا وہم ذہن سے نکالنے کی کوشش کریں اور سمجھائیں کہ خداوند کرے یہ اگر ہوں بھی تو حضور اکرم ﷺ کے بتلائے ہوئے اعمال و اذکار کو اپنی ہیں وہ اعمال و اذکار کچھ آگے ہم لکھتے ہیں۔

ان اعمال و اذکار کے علاوہ کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ ہمیں سب اعمال بتا کر گئے ہیں، شیاطین، جنات، جادو، نظر بد وغیرہ سے حفاظت کے لیے دعائیں سکھا کر گئے ہیں۔

جس شخص کو حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے نعروں سے حفاظت نہ ملے تو وہ سمجھ لے یہ عذاب ہے جو نافرمانی کے وبال میں یا موقوف خدا پر ظلم کرنے کی وجہ سے آیا ہے تو مجھے ظلم کرنا چھوڑ دینا چاہیے اور اللہ کی نافرمانی سے توبہ کر لینی چاہیے اور موت سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے، اگر موت اس مرض میں مقدر ہے تو دنیا کے سارے عالمین مل کر بھی سارے تعویذات اور عوائل کے ذریعہ بچا نہیں سکتے۔

ائمہ حضرات سے ہماری گزارش ہے "آسیب کا علاج" وعظ فقید العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کا مطالعہ ضرور کریں۔

حضرت رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی اس وعظ میں فرماتے ہیں:

در حقیقت یہ آج کے مسلمان پر نافرمانی کا وبال ہے، جنات کے وجود کا انکار نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی انسان پر ان کا تسلط ہو مگر وہ تو شاذ و نادر ہزاروں لاکھوں میں کسی پر ہو تو یہ گھر گھر جن کہاں سے آگئے؟ یہ نافرمانیوں کا وبال ہے، جسے اپنے

دو جنات کا شک گزرے اسے چاہیے کہ نافرمانیاں چھوڑ دے توبہ و استغفار کرے۔

دوسری جگہ حضرت رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

ایک بات بہت عجیب ہے کہ ان عاملوں کو کسی بھی نوعیت کی تکلیف بتائیں کوئی جسمانی مرض ہو..... معاشی پریشانی ہو..... کوئی گھریلو ناچاقی ہو..... کچھ بھی ہو ان کی تشخیص ہر ایک کے بارے میں یہی ہوگی کہ کسی نے سفلی کر دیا ہے..... بندش لگا دی ہے..... اور اتنے اتنے جن ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جو ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں، اچھے خالص پڑھے لکھے دانش ور قسم کے لوگ عاملوں کے سامنے ایسے احمق بن جاتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ دیں ان کی طرف سے "اَمَنَّا وَ حَقَّقْنَا" اللہ کے بندو! کبھی ان بد عمل عاملوں کا امتحان بھی تولے کر دیکھو۔

بہر حال ائمہ کرام کو ایسے مواقع پر فائدہ اٹھاتے ہوئے ان دیکھی لوگوں کو دین دار بنانے کی کوشش کرنی چاہیے ان کو یہ سمجھایا جائے کہ:

### اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا چھوڑ دیں

اس حقیقت سے کسی کو جائے فرار نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی طبیعت اور مزاج مختلف بنائے ہیں۔ طبیعتوں کا اختلاف اور مزاجوں کا سرد و گرم ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ خاندانی زندگی میں دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کا دوسرے سے الجھ جانا انہونی بات نہیں مگر اس الجھاؤ کا طویل ہو جانا خطرناک ہوتا ہے۔

جھگڑے ہوتے ہیں تو لوگ ان کے حل کے لیے تک و دو کرتے ہیں زیادہ تر عیووس فقیروں کے پاس بھاگتے ہیں..... آپ پیروں کے آستانوں پر چلے جائیں آدھے سے زیادہ مرد و خواتین خاندانی جھگڑوں کو ختم کرانے کے لیے تعویذ اور وظیفہ

لینے آئے ہوں گے، ہماری سادگی کی بھی اجتناب ہے کہ ہم قرآنی آیات کے اور کرنے، اور تعویذ لینے، وظیفے پڑھنے اور چلہ کاٹنے کے لیے طرح طرح کی مشقیں برداشت کرتے ہیں۔

اگر کوئی پیر صاحب کہہ دیں کہ چالیس دن تک روزانہ آدھی رات کے بعد قبرستان جا کر فلاں وظیفہ پڑھو گے تو اولاد ہوگی تو اس کے لیے فوراً تیار ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو.....، اپنے مال کی زکوٰۃ دو.....، تقویٰ اور پاکیزگی اختیار کرو.....، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو.....، جو مانگتا ہے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے دو رکعت پڑھ کر مانگو تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ بندہ پورے یقین و اعتقاد سے کہتا ہے کہ اگر کسی گھر میں حرام داخل نہ ہوتا ہو، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا اہتمام ہو، اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو پامال نہ کیا جاتا ہو، اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہو، طہارت و پاکیزگی کا اہتمام ہو، تو اس گھر میں جن، بھوت، پریت اور آسیب کا کبھی ڈیرا نہیں ہو سکتا، نہ ہی اس پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے۔

آج کا انسان جب گھریلو پریشانیوں سے تنگ آتا ہے تو بیروں فقیروں کے پاس بھاگتا ہے کہ وہ کوئی وظیفہ بتائیں، آپ خود بتائیے.....؟ آپ اہل علم ہیں پیر بتائے کہ روز ایک لاکھ مرتبہ ”یا عزیز“ پڑھنا ہے تو کیا اس طرح پڑھ لینے سے مسئلے کا حل ہو جائے گا؟ جب کہ گھر میں فی وی چل رہا ہے، عورتیں بے پردہ ہیں، حرام کی کمانی دھڑا دھڑ پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، منگنی اور شاوی کی دعوت میں وہ بے حیائی جو اللہ کے غضب کو دعوت دے تو کیا وظیفے سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟ ایک

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بعض پریشان حال اور پرانہ لوگ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ پکارتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اس

لے کہ ان کا کھانا حرام، پینا حرام، پہننا حرام یہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدق کیا کرو اس سے باتیں اور بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے بھولے بھالے مسلمان کا عمل یہ ہے کہ وہ تیسوں مسکینوں پر غریبوں کو تو اپنے دروازے سے دھکے دے کر بھگا تا ہے جب کہ ایک تعویذ حاصل کرنے کے لیے عاملوں کی تجوریاں بھرنے تیار رہتا ہے یہ مسلمان کی سادگی نہیں کہ وہ قرآن کی آیتوں کو گھول کر پی گیا، تعویذ بنا کر گلے کا ہار بنالیا، نئی دکان بنائی یا مکان تعمیر کیا تو برکت کے لیے سپارے پڑھوا لیے، گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو گیا تو سورۃ یسین کا ورد کر لیا لیکن اگر کچھ نہ کرے گا تو قرآن کے پیغام پر غور و فکر نہ کرے گا۔

اللہ انہ کرام ان پریشان حال مقتدیوں کو بتائیں کہ اللہ کو ناراض کرنا چھوڑ دیں۔

جب آدمی اللہ کو راضی کر لے گا، تو پریشانیاں دور ہو جائیں گی، علماء سلف میں جن نصیحتیں ایسی تھیں جو باہم ایک دوسرے کو لکھا کرتے تھے، وہ نصیحتیں امام ہر مقتدی کو کرے اور اپنے پاس ہر آنے والے شخص کو ان تین نصیحتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دے، وہ تین نصیحتیں یہ ہیں:

① ..... مَنْ عَمِلَ لِأَخِيَرَتِهِ كَفَاهُ اللَّهُ أَمْرَ دُنْيَاهُ.

② ..... وَمَنْ أَصْلَحَ سَرِيرَتَهُ أَصْلَحَ اللَّهُ عَلاَئِقَتَهُ.

③ ..... وَمَنْ أَصْلَحَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ أَصْلَحَ اللَّهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ.

تَوَجَّهًا: جو شخص آخرت کے لیے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کو خود بخود درست فرما دیتے ہیں، اور ان کی ذمہ داری خود لیتے ہیں۔

جو شخص اپنے باطن کو صحیح کر لے کہ قلب کا رخ سب سے ہٹا کر اللہ کی طرف پھیر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت کو خود بخود درست فرما دیتے ہیں۔  
جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ کو صحیح و درست کر لے اللہ تعالیٰ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان کے معاملات کو خود درست فرما دیتے ہیں۔ (دنیا ذلیل ہو کر اس کے قدموں میں گر جاتی ہے)۔

اسی طرح ایسے مواقع پر امام صاحب کو چاہیے کہ بجائے تعویذ گنڈے کے ان کو تسلی دے، حوصلہ بڑھائے اور ان مسنون اعمال کی طرف متوجہ کرے، مثلاً:

۱) توبہ، استغفار، اللہ کے حقوق ادا کرنے میں جو کوتاہی ہو رہی ہے اس کی طرف توجہ دلائے اور پیار محبت سے سمجھائے کہ گھر کے تمام مرد حضرات مسجد میں جماعت کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھیں، اور عورتیں وقت داخل ہوتے ہی اہتمام سے اطمینان کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھیں۔

اسی طرح اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک ایک پیسے اور دیگر قابل زکوٰۃ اشیاء کا حساب لگا کر پوری پوری زکوٰۃ ادا کرے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

۲) اسی طرح مال کمانے میں بہت احتیاط رکھے، اذان سنتے ہی سیدھا نماز کے لیے چلا جائے اور غلط قسم کا مال جمع نہ ہونے پائے کہ وہ پھر صحیح مال کو بھی لے ڈھتا ہے، بغیر عیب بتاتے ہوئے سود بیچ کر نظر تو یہ آتا ہے کہ دھوکہ یا غلط بیانی کر کے اتنا مال کمالیا، لیکن مستقبل میں وہ مال خود بھی جاتا ہے اور گاہک کی بددعا سے دوسرے

مال کو بھی لے جاتا ہے۔

افرض مصیبتوں سے حفاظت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی آہ نہ لے، کسی کا شرعی حق ضائع نہ کرے، ماتحتوں خصوصاً بیوی بچوں شاگردوں اور ملازموں پر ظلم نہ ہو، اور جس جگہ کام کر رہے ہیں وہاں ساتھیوں پر حسد اور چغل خوری نہ ہو، اس طرح والد کے انتقال کے بعد بہنوں یا چھوٹے بھائیوں کے حق دبانے سے نفی باؤں بیماریوں اور مصیبتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور یہ جو پیسہ بہنوں کا قسیموں کا دایا ہوا ہوتا ہے وہ بہت مالوں یا بدالتوں میں ضائع ہو جاتا ہے۔

۳) مسنون اعمال اور مسنون دعاؤں کی طرف متوجہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب ضرورت پوری کر کے گھر واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں۔

چنانچہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارتا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی۔ میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اندر آ کر میرے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا۔ انہوں نے کہا یہ دھاگہ کیسا ہے؟

میں نے کہا اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ منتر، تعویذ گنڈا یہ سب شرک ہے (بشرطیکہ ان جڑوں کو ہی خود ادا کرنے والا سمجھے) میں نے ان سے کہا: آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ میری آنکھ دکنے آتی تھی میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا





۱۲ اسی طرح ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی عجیب بات فرماتے تھے کہ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِوَبِّ الْفُلْقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ قرآن کریم کی بالکل آخری دو سورتیں ہیں اور ان کو آخر میں لانے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دو سورتوں کی مسلمانوں کو آخری زمانے (قرب قیامت کے دور) میں چوں کہ وہ زمانہ فتنوں سے بھرا ہوا ہوگا، زیادہ ضرورت پڑے گی۔ لہذا ہم سب کو چاہیے کہ اس زمانہ میں خصوصاً ان دو سورتوں کو کثرت سے پڑھنے کا معمول بنالیں۔ اور پریشان حال مقتدیوں کو ان دو سورتوں کے پڑھنے کی مستقل ترغیب دیں۔

۱۳ سورہ بقرہ گھر میں پابندی سے تلاوت کروائیں۔

۱۴ ایسے گھر والوں کو نصیحت کریں کہ ایسا مریض جس کو شیطان یا جنات پریشان کرتے ہوں ان کے کان میں اذان دیں۔ جو شخص کسی رنج و غم میں مبتلا ہو اس کے کان میں اذان دینے سے اس کا رنج و غم دور ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا: ابن ابی طالب! میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا:

جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:

”فَمُرْ بَعْضَ اَهْلِكَ يُوْذِنُ فِيْ اُذُنِكَ فَانَّهُ دَوَاءُ الْغَمِّ“

تَرْجِمَہ: تم اپنے گھر والوں میں سے کسی سے کہو کہ وہ تمہارے کان میں اذان دے کیوں کہ یہ غم کا علاج ہے۔“

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ عمل کیا تو میرا غم دور ہو گیا، اسی طرح اس حدیث کے تمام راویوں نے اس کو آزمایا کر دیکھا تو سب نے اس کو

تَرْجِمَہ پایا۔

۵ ہر مقتدی کو اور ہر پریشان شخص کو یہ نصیحت کریں کہ گھر سے نکلنے کے وقت اور گھر میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لیا کریں کہ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اندرونی اور بیرونی پریشانیوں سے اور بلاؤں سے حفاظت رہے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اِذَا دَخَلْتَ مَنْزِلَكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ تَمْنَعَانِكَ مَدْخَلَ الشَّوْءِ، وَ اِذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ تَمْنَعَانِكَ مَخْرَجَ الشَّوْءِ.“

تَرْجِمَہ: ”جب تم گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو یہ دو رکعتیں تمہیں گھر میں داخل ہونے کے بعد کی برائی سے بچالیں گی۔ اسی طرح گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لیا کرو یہ دو رکعتیں تمہیں گھر سے باہر نکلنے کے بعد کی برائی سے بچالیں گی۔“

جن میاں بیوی میں جھگڑے رہتے ہیں وہ اہتمام سے اس تدبیر پر عمل کریں کہ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھیں۔

حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ”حیاء الصحابہ“ میں اس پر باب باندھا ہے ”اَلَا هِتَمَامٌ بِالْاَوْفَلِ عِنْدَ دُخُوْلِ الْمَنْزِلِ وَالْخُرُوْجِ مِنْهُ“ کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلنے وقت نوافل کا اہتمام۔

اسی طرح ایسے شوہر کو ”تحفہ دولہا“ اور ”مثالی باپ“ نامی کتاب کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں اور بیوی کو ”تحفہ دلہن“ اور ”مثالی ماں“ کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں۔

۱۔ اسی طرح پریشان حال لوگوں کے لیے جامعہ دارالعلوم کراچی کے حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ یہ تین دعائیں کسی بھی وقت کسی بھی ہیئت کے ساتھ پڑھ کر اپنی حاجت ذکر کر کے اللہ سے رورور کر مانگیں اور وہ یہ ہیں:

اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر درج ذیل کلمات پڑھیں:

۱۔ ۵۰۰ مرتبہ آیت کریمہ پڑھیں، آیت یہ ہے:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

۲۔ ۵۰۰ مرتبہ:

﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾

پڑھیں۔

۳۔ ۵۰۰ مرتبہ:

﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ﴾

پڑھیں۔

اس کے بعد گڑگڑا کر دعا کریں۔ نیز روزانہ کسی وقت دو رکعت نفل بھی پڑھ لیں کریں اور اس کے بعد دعا کیا کریں، اور پریشانی دور ہونے تک روزانہ مذکورہ عمل کرتے رہیں اور اوپر لکھا ہوا کلمہ نمبر ۲ چلتے پھرتے زبان پر رکھیں اور دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعا کرتے رہیں، یہ بہت مفید اور مجرب عمل ہے۔

یہ وہ چھ اعمال ہیں، جن کے کرنے کی طرف آپ لوگوں کو آمادہ کریں گے تو دو فائدے حاصل ہوں گے:

۱۔ حوامِ اناس غلط قسم کے عالمین، ... پروفیسرز، ... جوئی، ... اور نجومی ... سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ اس صرح وہ شرک اور کفریہ عقائد سے محفوظ ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے، نہ وہ کسی کو اپنا کرتا دکھائیں گے نہ وہ کسی کو

اپنا ہتھ دکھائیں گے۔ ان پریشان حال لوگوں کا یہ یقین بنائیے کہ ساری دنیا کے جنات قدیم و جدید اور سارے جاوید گرج بھی مل کر اللہ کے حکم کے بغیر آپ کو ڈرہ برابر بھی اتھان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے جنات سے ہرگز ڈرنا نہیں چاہیے یہ ظلوک ہیں، نفع اور ضرر پہنچانے میں اللہ کے حکم کے محتاج ہیں، نافع اور ضار صرف اور صرف اللہ جَعَلَهُ الْاٰثِمَاتِ ہے۔

اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اللہ کو راضی رکھے، اللہ کی مدد کو اپنے ساتھ رکھے، جب اللہ کی مدد شامل حال ہوگی تو پھر کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ ڈرنے کی چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو بل کہ ڈرنے کی چیزیں اللہ کی نافرمانیاں، ... گناہ، ... بندوں پر ظلم، ... لوگوں کی آہیں، ... والدین کو ستانا، ... بیوی، بچوں یا بہو کو ستانا، ... گاہکوں کو دھوکہ دینا، ... ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا، ... رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کرنا، ... بے پردہ پھرتا، ... گھروں میں ٹی وی کی لعنت رکھنا، ... یہ سب چیزیں ڈرنے کی ہیں۔ اس لیے کہ اگر اللہ ناراض ہے اور اس نے اپنی ناراضگی کی بناء پر کوئی عذاب بھیجا ہے چاہے جنات کی شکل میں ہو یا چاہے بے سکونی کی شکل میں ہو تو اس عذاب کو عالمین اور تعویذ دور نہیں کر سکتے۔ اگر ایک جن ظاہر میں دور ہو گیا تو دوسرے دس جن مزید مسلط ہو جائیں گے، اگر ایک روز گارل گیا تو دوسرے دس خرچے مسلط ہو جائیں گے، ایک پریشانی دور ہوئی تو دس اور پریشانیاں مسلط ہو جائیں گی۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اللہ سے صلح کر لو۔

۲۔ دوسرا فائدہ ان مسنون اعمال کی طرف توجہ دلانے کا یہ ہوگا کہ ہر شخص کا تعلق براہِ راست اللہ سے ہوگا جو شریعت کا اصل مقصود ہے۔ ہر ایک خود گناہوں سے بچ کر نیکیاں کر کے دعا مانگ لے گا، دعا مانگنے میں بزرگوں کے پاس جانے کا، یا ان کے مزاروں پر جانے کا خواہش مند نہیں رہے گا۔



مولانا منظور نعمانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ”قرآن آپ سے کیا کہہ“ میں اس پر بہت پیاری بحث فرمائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

### اللہ رب العزت کی مہربانیاں عام ہیں

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی قومیں نَعُوذُ بِاللّٰہِ اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شہنشاہ سمجھا جو قہر اور غضب سے بھر پور ہے، اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑی ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) جس کے پاس گنہگار اور خطا کار بندوں کے لیے بس لعنت ہی لعنت ہے اور غضب ہی غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانیاں کسی خاص نژاد یا خاص نسل اور قوم کے لیے محدود ہیں، باقی ساری دنیا کے لیے وہ بڑا سخت گیر و قہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا ان کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ خدا ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطا کاروں اور گناہ گاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کر سکتا، اس لیے اللہ کی طرف سے تو وہ بالکل ناامید ہو گئے۔

اور شیطان نے ان کے کان میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں، جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے اور انہیں راضی کرنا اللہ کو راضی کرنے کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں

ہے۔ اس لیے ان کے دامنوں میں تم جیسے گناہ گاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے اور ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بھی بچایا جاسکتا ہے۔

بس اسی کو انہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے ناامید ہو کر شیطان کی بتلائی ہوئی ہستیوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے نام کی نذر و نیاز اس امید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرمہ زار ہیں گے اور ان کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بننے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچائے گا۔

الغرض اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتا چلتا ہے کہ شرک میں ان کے جھٹلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور جود و کرم کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صفت قہر و جبر والا اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور شیطان کی بتائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کا قبلہ بنا دیا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسی لیے قرآن مجید میں جو اس دنیا کے لیے آخری ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سنگتوں و جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و رافت اور اور بخشش و غفاریت اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جن خوش بختوں کو قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو ”غَفُورٌ رَّحِيمٌ، رَوْفٌ رَّحِيمٌ، تَوَّابٌ رَّحِيمٌ، خَبِيرُ الرَّاحِمِينَ، أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ“ کی صفات سے یاد کیا گیا ہے یہاں تک کہ ”بِسْمِ اللّٰہِ“ جو

قرآن مجید کا سرنام ہے اس میں اس کی صفت رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

بے خوابی اور برے خواب سے بچنے کے لیے

### مسنون اعمال

اب جو لوگ بے خوابی، اور خوف و ڈر جیسی پریشانیاں لے کر آتے ہیں، یا برے خواب سے پریشان ہوتے ہیں تو انہیں کرام ان تدابیر پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

۱۱ ذہنی دباؤ یا غم کو بھول جائیں، بار بار اسے یاد نہ کریں اور تقدیر پر راضی رہیں۔  
۱۲ رات کا کھانا کھانے کے فوراً بعد نہ سوئیں بل کہ وقفہ رکھیں، کہ پیٹ بھرے ہوئے لیٹنے سے بھی بخارات ذہن پر جمع ہو کر برے خواب نظر آتے ہیں اس لیے رات کو کھانے کے بعد ٹھنڈا آداب میں سے ہے۔

۱۳ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ ذکر و اذکار کر کے با وضو لیٹیں اور بستر پر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں۔

امام طبرانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”طَهِّرُوا هَذِهِ الْأَجْسَادَ طَهَّرَ كُمْ اللَّهُ، فَإِنَّ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَبِيتُ طَاهِرًا إِلَّا بَاتَ مَعَهُ فِي شِعَارِهِ مَلَكٌ لَا يَنْقَلِبُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا.“  
ترجمہ: ”ان جسوں کو پاک کرو اللہ تعالیٰ تمہیں پاکیزگی عطا فرمائے۔ جو بندہ بھی طہارت کی حالت میں سوئے یقیناً ایک فرشتہ اس کے ساتھ

لے قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ص ۴۸

۱۴ الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی ان یتام الانسان طاهرًا ۲۳۱/۱

رات بسر کرتا ہے، جب بھی وہ شخص رات کے کسی وقت کروٹ بدلتا ہے تو وہ فرشتہ (وعا کرتے ہوئے) کہتا ہے ”اے اللہ! اپنے بندے کو معاف فرما، یقیناً وہ حالت طہارت میں سویا تھا۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ بَاتَ طَاهِرًا بَاتَ فِي شِعَارِهِ مَلَكٌ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا.“  
ترجمہ: ”جو شخص حالت طہارت میں سوئے تو اس کے ہمراہ ایک فرشتہ ہوتا ہے جب بھی وہ بیدار ہوتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اپنے بندے کو معاف فرما۔ یقیناً وہ طہارت کی حالت میں سویا تھا۔“

امام ابن حبان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب میں اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

”ذِكْرُ اسْتِغْفَارِ الْمَلِكِ لِلْبَائِتِ مُنْتَظِرًا عِنْدَ اسْتَيْقَظِهِ“  
ترجمہ: ”حالت طہارت میں سونے والے کے لیے بیدار ہونے پر فرشتے کا استغفار کرنا۔“

مذکورہ بالا احادیث سے حالت طہارت میں سونے والے شخص کے بارے میں باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱ ایک فرشتہ اس کے ساتھ رات بسر کرتا ہے۔ فرشتے کی صحبت کا میسر آنا کتنی قیمتی نشان اور جلیل القدر نعمت ہے۔ حالت طہارت میں سونے کی اس کے علاوہ اور کچھ فضیلت بھی نہ ہو تو اس عمل کی عظمت پر دلالت کرنے کے لیے یہی ایک بات

۱۵ الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی ان یتام الانسان طاهرًا ۲۳۰/۱

۱۶ مسیح ابن حبان، الطہارۃ، باب فضل الوضوء ۱۵۰/۲، رقم: ۱۰۴۸

کافی ہے۔

۱۲ رات کو کروٹ بدلتے وقت اور بیدار ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذر کردہ فرشتہ ایسے شخص کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

حالتِ طہارت میں سونے کی صرف یہی فضیلت نہیں۔

ایک حدیث شریف میں اس عمل کی ایک اور فضیلت دعاؤں کی فضیلت بجز بیان کی گئی ہے۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيتُ عَلَى ذِكْرِ طَاهِرٍ فَيَتَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ“ ۱۷

تَرْجُمہ: ”ذکر کرتے ہوئے حالتِ طہارت میں سونے والا مسلمان رات کو بیدار ہونے پر دنیا و آخرت کی جو بھلائی اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے وہ اس کو عطا فرماتا ہے۔“

اس حدیث شریف سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ دعاؤں کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ بندہ ذکر کرتے ہوئے حالتِ طہارت میں سونے اور رات کو بیدار ہونے پر دعا کرے۔ ۱۸

کیوں کہ اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ نے امت کو دی ہے اور معلوم ہے کہ آں حضرت ﷺ دینی باتوں کے متعلق خبر اللہ تعالیٰ کی وحی ہی سے دیتے ہیں۔

اور اگر پھر بھی اس طرح کا کوئی خواب نظر آئے تو درج ذیل تین کام کریں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں شیطان مردود سے اور

۱۷ ابو داؤد، الادب، باب فی الترم علی طہارة: ۳۳۶

۱۸ فرشتوں کا رد و پائے والے ۲۷۱

بیان (العلم نرس)

۱۱) اب کی طرف تھک کر سیں اور

۱۲) کروٹ بدل کر بے فکر ہو کر سو جائیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب برا خواب دیکھو تو اس دعا کو پڑھ لیا

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ وَسَيِّئَاتِ الْأَحْلَامِ فَإِنَّهَا لَا تَكُونُ شَيْئًا“ ۱۹

تَرْجُمہ: ”اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں میں شیطان کے عمل سے اور برے خواب سے کیوں کہ وہ کچھ نہیں ہے۔“

## جادو سے بچنے کے لیے مسنون اعمال

اب جادو کے اثر کو ختم کرنے کے لیے چند مسنون اعمال ذکر کیے جاتے ہیں ان اعمال کو کرنے سے اِنْ شَاءَ اللہ جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔

۱ مدینہ منورہ کی عجمہ کھجور کے سات دانے صبح نہار منہ کھالیں، اگر مدینہ منورہ کی عجمہ کھجور نہ ملے تو کسی بھی شہر کی عجمہ کھجور استعمال کر سکتے ہیں۔

حدیث نبوی میں آتا ہے۔ ”جو شخص عجمہ کھجور کے سات دانے صبح کے وقت کھا لیتا ہے اسے زہر اور جادو کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“ ۲۰

۲ احتیاطی تدبیر وضو ہے، کیوں کہ با وضو مسلمان پر جادو اثر انداز نہیں ہو سکتا اور وہ فرشتوں کی حفاظت میں رات گزارتا ہے۔ ۲۱

۳ مردوں کے لیے باجماعت نماز کی پابندی، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پابندی کی وجہ سے انسان شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں سستی برتنے

۱۹ عمل الیوم والليلة لابن سنی، باب ما یقول إذا رأى فی منامه ما یکره: ۲۵۱

۲۰ بخاری کتاب الطب، باب الدواء بالمعجوة للبحر: ۸۵۹/۲

۲۱ مجمع الزوائد، الطهارة: ۳۱۲/۱، رقم ۱۱۴۶

بیان (العلم نرس)



کی وجہ سے شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے اور جب وہ غالب آ جاتا ہے تو اس میں داخل بھی ہو سکتا ہے اور اس پر جادو بھی کر سکتا ہے، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "کسی بستی میں جب تین آدمی موجود ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر غالب آ جاتا ہے، سو تم جماعت کے ساتھ رہا کرو، کیوں کہ ہمیز یا ای بکری کا ذکر کرتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔"

۱۷ قیام اللیل: جو شخص جادو کے اثر سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہونا چاہتا ہے قیام اللیل ضرور کرنا چاہیے، کیوں کہ اس میں کوتاہی کر کے انسان خود بخود اپنے آپ کو شیطان کو مسلط کر لیتا ہے، اور اس کے مسلط ہونے کی صورت میں اس کے لیے جادو کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہتا ہے اور قیام اللیل کے لیے بیدار نہیں ہوتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔"

۱۸ بیت الخلاء میں جاتے ہوئے اس کی دعا پڑھنا، ناپاک جگہ پر شیطان کا گھر اور ٹھکانہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں کسی مسلمان کی موجودگی کو شیطان غنیمت تصور کرتا ہے، اور خود ایک جن نے بتایا تھا کہ وہ ایک شخص میں داخل ہو جانے میں کامیاب ہو گیا تھا جب اس نے بیت الخلاء میں جاتے ہوئے دخول خلا کی دعائیں پڑھی تھیں، اور ایک اور جن نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک طاقتور اسلحہ عطا کیا ہے جس کے ذریعے تم ہمارا خاتمہ کر سکتے ہو، صاحب کتاب (جادو کا علاج) نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے جواباً کہا کہ وہ مستون اذکار ہیں۔

۱۹ ابو داؤد الصلاح، باب التشديد في ترك الجماعة، رقم: ۵۴۷

۲۰ بخاری، التهجدة، باب إذا نام ولم يصل بال شیطان في أذنه، رقم: ۱۱۵۴

اور رسول اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلاء میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ"

۱ نماز شروع کرتے وقت شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو یہ دعا فرماتے:

"أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ"

ترجمہ: "میں اس اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو ہمیشہ سننے والا جاننے والا ہے، شیطان مردود سے اس کے سوسے اور جھاڑ پھونک سے۔"

۲ سونے سے پہلے وضو کر لیں، پھر آیت الکرسی پڑھ لیں اور اللہ کو یاد کرتے کرتے سو جائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ شیطان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: "جو شخص سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے، صبح ہونے تک ایک فرشتہ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور شیطان اس کے قریب نہیں آ سکتا" یہ بات جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أَمَّا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ"

"اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔"

۳ نماز فجر کے بعد یہ دعا سو مرتبہ پڑھیں:

۱ بخاری، الدعوات، باب الدعاء عند الخلاء، ۹۳۶/۲

۲ الترمذی، الصلوة، باب ما يقول عند افتتاح الصلوة، ۵۷/۱

۳ بخاری، الوكالة، باب إذا وكل رجلاً فترك الوكيل شيئاً، رقم: ۲۳۱۱

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص بھی یہ دعا سو مرتبہ صبح کے وقت پڑھ لیتا ہے اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے لیے سونکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس سے سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور شام ہونے تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔" ۱۷

ایک روایت میں "حِرْزًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوءٍ" ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن نعم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص فجر کی نماز کے بعد (جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اسی طرح) دو زانوں بیٹھے ہوئے بات کرنے سے پہلے دس مرتبہ یہ کلمات پڑھتا ہے:

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُخَبِّرُنِي بِيَدِهِ الْخَبِيرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

تَرَجَمَ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں اکیلے ہیں۔ کوئی ان کا شریک نہیں، سارا ملک دنیا اور آخرت ان ہی کا ہے۔ ان ہی کے ہاتھ میں تمام تر بھلائی ہے اور جتنی خوبیاں ہیں وہ ان ہی کے لیے ہیں۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔"

تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں، دس درجے بلند کر دیے جاتے ہیں، پورے دن ہر ناگوار اور نا پسندیدہ چیز سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ کلمات شیطان سے بچانے کے لیے پہرہ داری کا کام دیتے ہیں اور اس دن

۱۷ بخاری، الدعوات، باب فضل التهليل: ۹۲۷/۲

۱۸ کتب العمال، کتاب الاذکار، الاوّل: ۶۶، ۶۵ و رقم ۳۵۲۵ و ۳۵۲۶

شرک کے علاوہ کوئی گناہ اسے ہلاک نہ کر سکے گا۔" ہر کلمہ پڑھنے پر اس کو حضرت جبریل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور عصر کی نماز کے بعد پڑھنے پر بھی رات بھر وہی ثواب ملتا ہے جو فجر کی نماز کے بعد پڑھنے پر دن بھر ملتا ہے۔

۱۹ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:

"أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِرَّجْهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"

اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو آدمی یہ دعا پڑھ لیتا ہے، شیطان اس کے متعلق کہتا ہے، یہ آج کے دن مجھ سے محفوظ ہو گیا۔" ۲۰

۲۱ مسجد سے نکلنے وقت ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ دعا بھی آئی ہے کہ:

"اللَّهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"

تَرَجَمَ: "یا اللہ! مجھے پناہ میں رکھے شیطان مردود سے۔"

۲۲ صبح و شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

"بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"

۲۳ گھر سے نکلنے ہوئے یہ دعا پڑھیں:

"بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"

۲۴ ابو داؤد، الصلوة، باب ما يقول الرجل عند دخوله المسجد، رقم: ۵۶۶

۲۵ ابن ماجہ، باب الدعاء عند دخول المسجد، ۵۶

۲۶ ترمذی، الدعوات، باب ما جاء في الدعاء اذا أصبح وإذا أمسى، رقم: ۳۳۸۸

۲۷ ترمذی، الدعوات، باب ما جاء ما يقول اذا خرج من بيته، رقم: ۳۴۲۶

کیوں کہ یہ دعا پڑھنے سے آپ کو یہ خوش خبری (اللہ کی طرف سے فرشتوں سے ملتی ہے):

”یہ دعا تجھے کافی ہے، تجھے بچا لیا گیا ہے اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے، اور شیطان تجھ سے دور ہو گیا ہے، اور دوسرا شیطان پہلے شیطان سے کہتا ہے، تو اس آدمی پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے جب کہ اسے ہدایت دے دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کر دی گئی ہے اور اسے بچا لیا گیا ہے؟“

اسی طرح گھر سے نکلنے ہوئے یہ دعا بھی پڑھیں:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أَظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ میں کسی کو بہکاؤں یا مجھے کوئی بہکائے یا میں خود لغزش کیاؤں یا کسی دوسرے کو لغزش دوں، خود کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے اور خود کسی کے ساتھ نادانی کی بات کروں یا کوئی دوسرا میرے ساتھ کرے۔“

صبح و شام یہ دعا مانگا کریں:

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّمَانِيَةِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“

سو یہ ہیں وہ احتیاطی اقدامات جنہیں اختیار کر کے انسان ہر قسم کے جادو سے عموماً قلعہ بند ہو سکتا ہے، بشرط یہ کہ وہ غافل ہو اور اس علاج پر اس کو یقین کامل حاصل ہو۔ لہذا اپنے مقتدیوں کو ان ۱۱۳ اعمال کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔

اسی طرح کتاب ”حقائق الایمان بالملائکۃ والجنان“ کے آخر میں

لے ابو داؤد، الادب، باب ما یقول الرجل اذا خرج من بیتہ: ۳۳۹/۲

لے مسلم، الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء: ۲۷۰۹

مصنف نے ایک ”فائدہ لطیفہ“ کے عنوان کے تحت پانچ اعمال بتائے ہیں جن کے اہتمام سے شیطان اور اس کے حواری کے شر سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں۔

۱۔ کرام ان پانچ اعمال کا بھی اہتمام فرمائیں۔

پہاں چہ فرمایا:

هُنَاكَ عِدَّةٌ سُبُلٌ وَوَسَائِلٌ لِلْإِغْصَامِ بِهَا. بَعْدَ اللَّهِ تَعَالَى. مِنْ الشَّيْطَانِ وَدَفْعِ شَرِّهِ، وَمِنْ هَذِهِ السُّبُلِ الْوَاقِيَةِ، نَذْكُرُ مَا يَلِي:

۱۔ اَلْإِسْتِعَاذَةُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

۲۔ قِرَاءَةُ سُورَتِي الْفَلَقِ وَالنَّاسِ.

۳۔ قِرَاءَةُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَا.

وَبَيَّنَتْ فِي الصَّحِيحِ أَنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَا تَجْعَلُوا يَوْمَ تَكُونُ مَقَابِرُ، وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ الْبَقَرَةُ فِيهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ“

۴۔ قِرَاءَةُ سُورَةِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ بِدَائِئِهَا إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهِي الْمَتِّصِينَ﴾

۵۔ كَثْرَةُ ذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ



لے حم السجدة: ۳۶

لے جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی سورة البقرة، رقم: ۲۸۷۷

لے المؤمن: ۳

لے حقائق الایمان بالملائکۃ والجنان ۳۶۴ نفلا عن تفسیر ابن القيم، ۶۲۲، ۶۲۴



## باب ششم

## ائمہ کرام کی امامت کی ذمہ داریاں

## امامت سے متعلق کچھ اہم ہدایات

حضرت مولانا فضل الرحمن اعظمی صاحب لکھتے ہیں:

امامت بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اس کے لیے صلاحیت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ احتیاط کی بھی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "الْإِمَامُ ضَامِنٌ" امام ذمہ دار ہے۔<sup>۱</sup>

امام کی نماز اگر فاسد ہوئی تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی، امام کی نماز اگر واجب یا سنت چھوڑنے کی وجہ سے مکروہ ہوئی تو تمام مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی۔ سنن و مستحبات کے ترک کی وجہ سے ثواب میں کمی ہوئی تو اس کا وبال بھی امام کے سر پر ہوگا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَ إِنْ أَخْطَأُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ"

یعنی ائمہ تم کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر ٹھیک اور درست پڑھائی تو تم کو اور ان کو پورا ثواب ملے گا اور اگر انہوں نے غلطی کی تو تمہیں پھر بھی پورا ثواب ملے گا اور وبال ائمہ کے سر پر رہے گا۔<sup>۲</sup>

۱۔ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ماجاء ان الامام ضامن ..... ۵۱/۱

۲۔ بخاری، الاذان، باب اذا لم يتم الامام واتم من خلفه: ۹۶/۱

اس لیے ذیل میں چند خاص باتیں بطور یاد دہانی کے لکھی جاتی ہیں، ان کا خاص اہتمام کیا جائے:

۱۔ غسل اور وضو مسنون طریقہ پر کیا جائے۔ اس کے لیے مسائل کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

۲۔ پاکی اور صفائی کا بھی اہتمام کیا جائے کپڑے اور بدن وغیرہ غیر مشکوک طریقے پر پاک ہوں۔ (یعنی پاکی کا ایسا اہتمام ہو کہ شک و شبہ بھی نہ ہو)

۳۔ پانچامہ اور ننگلی کو خوب اچھی طرح منخن سے اوپر رکھا جائے۔ اسی طرح لمبے کرتے کو بھی، اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

۴۔ جماعت کا وقت ہونے سے قبل امام کو مسجد میں حاضر ہو جانا چاہیے۔ سنن و لوافل سے فارغ ہو جانا چاہیے۔

۵۔ سورہ فاتحہ کے ختم ہونے پر سر آ آئین کہنا چاہیے۔ رسول پاک ﷺ ٹھہر کر آمین کہتے تھے۔ اس موقع پر تھوڑی دیر کے لیے سکتے معلوم ہوتا تھا۔<sup>۱</sup>

۶۔ سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھ لینا چاہیے، بہتر ہے۔ "إِنْ سَمِعْتُمْ بَيْنَ الْفَاتِحَةِ وَالشُّوْرَةِ الْمَقْرُوءَةِ سِرًّا أَوْ جَهْرًا كَانَ حَسَنًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ" اور ہر رکعت کے شروع میں بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی چاہیے۔

سورہ فاتحہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا سنت ہے۔<sup>۲</sup>

۷۔ سورہ فاتحہ کے بعد سورت کی قرأت میں سنت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس بارے میں بہت کوتاہی دیکھی جاتی ہے۔ سنت یہ ہے کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل یعنی

۱۔ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ماجاء فی البکتن: ۵۹/۱

۲۔ شلمی، ۳۵۲/۱، مکتب خانہ رشیدیہ کوئٹہ

۳۔ معارف السنن، باب ماجاء فی ترک الجهر ..... بحث سنۃ التسمیۃ و وجوبہا: ۳۷۲/۲

”سورہ حجرات سے سورہ بروج“ تک کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑ جائے۔ ظہر میں ایک روایت کے مطابق اوساط مفصل کی بھی گنجائش ہے۔ عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورہ ”بروج“ سے ”لم یکن“ تک کوئی سورت پڑ جائے اور مغرب میں قصار مفصل یعنی ”لم یکن“ سے آخر قرآن تک کی قرأت پڑ جائے۔

۸ اور سنت یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے۔

۹ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے کہ ایک رکعت میں کسی سورت کا آخری حصہ اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورت کا آخری حصہ پڑھے۔ اسی طرح یہ کہ ہج ٹھیک نہیں کہ ایک رکعت میں کسی سورت کے اوّل یا درمیان سے پڑھے ایسا کرنے سے اگرچہ نماز صحیح رہتی ہے لیکن یہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔

۱۵ سنت کے مطابق قرأت کرتے ہوئے اختصار اور تخفیف کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ احادیث میں ائمہ کو تخفیف صلوة کا تاکید دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب نماز اور فقہاء کے یہاں یہ ہے کہ سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے اختصار سے کام لے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ مسنون سورتوں میں سے مختصر کو پڑھے اور تجوید کی پوری رعایت کرتے ہوئے تیزی سے پڑھے، آج کل یہ عادت ہو گئی ہے کہ تنفس کی خاطر دیر لگائی جاتی ہے جس سے گرائی بھی ہوتی ہے اور مسنون قرأت نہیں ہو پاتی مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے لکھا ہے کہ قرأت میں تنفس کی خاطر دیر لگاؤ تخفیف کے خلاف ہے۔

لہ البحر الرائق: ۱/۳۴۰

۱۰ رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۳۹۰

۱۱ رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب الاستماع

۱/۵۱۶، ۵۱۷

۱۲ تقریر ترمذی، مفتی محمد تقی عثمانی: ۱/۴۹۴

”الحنبلۃ فیہ اِنَّہ یُبغی لِلامام اَنْ یَقْرَأَ بِمِقْدَارَ مَا یُخَفُّ عَلَی الْقَوْمِ وَلَا یَقْلُ عَلَیْہِم بَعْدَ اَنْ یُکُون عَلَی الْعَمَام“<sup>۱</sup> جن سورتوں کو نماز میں پڑھنا ہو اس کی تجویز خصوصی طور پر صحیح کر لینی چاہیے۔<sup>۲</sup> بعض ملاحظوں سے نماز فاسد ہو سکتی ہے۔

۱ بعد کے دن فجر کی نماز میں سورہ ”الم السجدہ“ اور سورہ ”ذہر“ اکثر پڑھنی چاہیے۔ کبھی کبھی چھوڑ دینی چاہیے، تاکہ لوگ واجب نہ سمجھیں، اس حضرت علیہ السلام ان سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ پڑھتے تھے۔ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان نمازوں میں سلام کے بعد مختصر دعا کر لینی چاہیے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اس حضرت علیہ السلام صرف اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں ”اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ قَبَارُکْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ“ پڑھیں۔

اس حدیث کو ہمارے فقہاء نے ان نمازوں پر محمول کیا ہے جن کے بعد سنتیں ہیں، جیسے ظہر، مغرب، عشاء۔ اس لیے مذکورہ دعا سے زیادہ سنتوں میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ“ سے مراد خاص وقت ذکر نہیں بل کہ یہ یا اس کے قریب کوئی ذکر مراد ہے، اس لیے صحیحین میں یہ ذکر بھی آیا ہے:

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطِیْتَ وَلَا

۱۲ رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۱

۱۳ فتح الباری: ۲/۳۷۸

۱۴ مسلم شریف، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة: ۱/۲۱۸

مُعْطَى لِمَا مَنَعَتْ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"۔  
جمع بھی ان نمازوں میں داخل ہے جن کے بعد سنتیں ہیں۔

۱۲ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں سلام پھیرنے کے بعد قوم کی طرف متوجہ ہو کر یا دائیں طرف یا بائیں طرف مڑ کر بیٹھے اور تسبیحات و اذکار کے بعد دعا کرے۔

۱۵ نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کی طرف توجہ کی جائے اور ہر لفظ کو محض یاد سے نہیں بلکہ مستقل ارادہ سے نکالے۔

۱۶ نماز کے مقدمات و مکروہات نیز سجدہ سہو واجب کرنے والے امور کو فدیہ کی کتابوں میں غور سے پڑھنا چاہیے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جو امام اس طرح نماز پڑھائے کہ قوم راضی ہو اس کو قیامت کے دن محک کا ٹیلہ نصیب ہوگا۔

اور آن حضرت ﷺ نے ایسے ائمہ کے لیے یوں دعا فرمائی ہے:

"اللَّهُمَّ ارْشِدِ الْأَئِمَّةَ"۔

۱۔ شباسی: ۳۹۱/۲، مسلم المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة: ۲۱۸/۱  
۲۔ شباسی: ۳۹۲/۲ فرض نمازوں کے بعد احتساب دعاء برفع الایدی پر تفصیلات کے لیے "التحفة المستطوبہ فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد المکتوبہ" (مؤلف میرزا وہ مفتی شمس الدین نور) دیکھیں۔

۳۔ اصلاح القلاب حضرت تھانوی: ۱۱۹

۴۔ ترمذی، صفة الجنة، باب صفة انهار الجنة: ۸۱/۲

۵۔ ترمذی، الصلوة، باب ماجاء ان الامام ضامن: ۵۱/۱

۶۔ ماخوذ از قوما و جلسہ میں الطہیمان کا وجوب اور ان میں اذکار کا ثبوت: ۳۹۰، ۳۸۸، ۳۵۲، ۳۳۳

## صفوں کی نگرانی اور اس سے متعلق احادیث

مصلیٰ پر پہنچتے ہی امام صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں، وہ شریعت کے قوانین پر پوری اترتی ہیں یا نہیں! ایوں تو مقتدی کا فریضہ ہے کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہو، مگر امام کا بھی فریضہ ہے کہ وہ نگرانی کرے۔  
آن حضرت ﷺ بذات خود صفوں کو درست اور برابر فرماتے اور دائیں بائیں سے مطمئن ہو کر تکبیر تحریر کہتے۔

چنانچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

① "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي يَغْنِي صُفُوفَنَا إِذَا قُمْنَا لِلصَّلَاةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ"۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو برابر فرماتے تھے جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور جب ہم برابر ہو لیتے تو آپ ﷺ تکبیر کہتے تھے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

② "إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ أَخَذَهُ بِبِصْمِهِ ثُمَّ التَفَتَ فَقَالَ إَعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ أَخَذَهُ بِبِصْمِهِ فَقَالَ إَعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ"۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو درست کر لو اور بائیں جانب متوجہ ہو کر فرماتے درست ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو ٹھیک کر لو۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ابوداؤد، الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۹۷/۱

۲۔ ابوداؤد، کتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۹۸/۱



۱۳ "سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ" ۱

"وَقَبِي رَوَايَةُ الْبُخَارِيِّ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ" ۲

ترجمہ: "اپنی صفوں کو درست کرو کہ صفوں کی درستگی اتمام نماز میں سے ہے۔"

"اور بخاری کی روایت میں ہے کہ صفوں کی درستگی نماز کی اقامت میں سے ہے۔"

حضرت نعمان بن بشیر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

۱۴ "لَتَسَوُّنَ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وَجُوهِكُمْ" ۳

ترجمہ: "اپنی صفوں کو درست کرو ورنہ تمہارے چہروں کو اللہ تعالیٰ پھیر دیں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۵ "أَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَخَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ

وَلْيَتَوَأَّمُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرْجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللَّهُ" ۴

ترجمہ: "صفوں کو درست کرو اور اپنے کندھوں کو ایک دوسرے کے قریب کرو اور خالی جگہوں کو پر کرو اور اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ

۱۔ مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۸۸۲

۲۔ البخاری، الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلوة: ۱/۱۰۰

۳۔ مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۸۸۲، والبخاری، الاذان، باب الصف الاول: ۱/۱۰۰

۴۔ ابوداؤد، الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۹۷

اور شیطان کے لیے صفوں میں خالی جگہیں مت چھوڑو اور جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے ملائے گا اور جو صف کو کالے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے کالے گا (یعنی محروم کر دے گا)۔"

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا اہتمام صفوف

صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ابجد میں نے اپنے زمانہ میں صفوں کے اہتمام کو باقی رکھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا دستور تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی دیکھ بھال کر لیتے اور صفوں کی درستگی کے بعد نماز شروع کرتے۔

بل کہ آپ نے ایک مستقل آدمی اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا جو صف میں عہدہ کر دیکھتا اور اگر درستگی کی خبر دیتا۔

حضرت امام مالک رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بیان فرماتے ہیں:

"عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ فَإِذَا جَاءَ وَهُوَ فَأُخْبِرُوهُ أَنْ قَدْ اسْتَوَتْ كَبُرَ" ۱

ترجمہ: "حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

صفوں کی درستگی کا حکم دیا کرتے تھے جب ان کو صفوں کی درستگی کی اطلاع دیتے تو پھر تکبیر کہتے۔"

نماز سنت کے مطابق پڑھائیں

حضور ﷺ نے فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" ۲ مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔

نیز فرمایا قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب

۱۔ مؤطا امام مالک، الصلوة، باب ما جاء في تسوية الصفوف: ۱/۱۶۲

۲۔ بخاری، الاذان، باب من قال ليؤذن في الصف: ۱/۸۸

ہوگا۔ اگر نماز ٹھیک نکلی تو وہ آدمی کامیاب اور بامراد ہوگا اور اگر نماز خراب نکلی تو وہ آدمی نامراد اور ناکام ہوگا۔۔۔۔۔

حضرت مولانا رفعت قاسمی صاحب نے مسائل امامت پر ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے، ماشاء اللہ ائمہ کرام کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔  
اس میں مولانا فرماتے ہیں:

”نماز پڑھانے والوں کو اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے کہ نماز سنت کے مطابق پڑھائیں۔ اس لیے کہ قبولیت کے لیے اولین شرط سنت کے ساتھ مطابقت ہے۔ اسی طرح ائمہ کرام مقتدیوں کو نماز کے مسائل سمجھائیں اور ان سے کہیں کہ ایک آدمی نماز پڑھے، محنت کرے، وقت بھی خرچ کرے، لیکن وہ نماز فاسد ہو یا اس میں واجب چھوٹ رہا ہو یا سنت ادا نہ ہو رہی ہو، جس کی وجہ سے غیر مقبول ہو تو یہ بڑے خسارہ کی بات ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں خسارہ اور ناکامی کی وعید نماز نہ پڑھنے پر نہیں ہے، بل کہ نماز کے درست اور ٹھیک نہ ہونے پر ہے۔ اس لیے نمازیوں کو اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہے یا نہیں۔“

## تجوید قرآن کی ضرورت

نماز کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے تمام ارکان فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کا اہتمام کیا جائے۔ نماز کا ایک رکن قرأت قرآن بھی ہے۔ قرآن کو تجوید سے پڑھنا ضروری ہے۔ اس لیے نماز مکمل نہیں ہو سکتی جب تک نماز میں پڑھا جانے والا قرآن درست اور صحیح نہ ہو، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ہے اس کو تجوید کے ساتھ پڑھنا سکھے۔ حروف کو ان کے

سہ ابو داؤد الصلوٰۃ باب قول النبی کل صلاة لا یتعھا صاحبھا رقم: ۸۶۴

سہ بیض القدير: ۹۶/۳ سہ ماخوذ از مسائل امامت ص ۱۶۸، ۱۶۹

خارج سے صفات کے ساتھ ادا کرے۔ جو شخص کوشش نہیں کرے گا اور غلط پڑھتا رہے گا وہ گناہ گار ہوگا، اس کی نماز بھی مکمل نہیں کہلائی جاسکتی۔ عربی زبان بہت بزرگ زبان ہے۔ ذرا حرف بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور معنی کے بدلنے سے نواز فاسد ہو جاتی ہے۔

محققین فقہائے احناف کا اسی پر فتویٰ تھا (کہ فحش غلطی سے معنی بدلنے پر نماز فاسد ہو جاتی ہے) اگرچہ متاخرین نے اس میں سہولت کے خیال سے توسیع کی ہے اور جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن آدمی کوشش نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں کہ تصحیح حروف بقدر امکان اور رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد و اختلال (خلل و نقصان) ہو یہ دونوں امر تو واجب علی العین ہیں (یعنی ہر مسلمان پر ان کی رعایت کرنا ضروری ہے)۔

ضاد اور خاء میں فرق کرنا ایک بہت ہی مشکل امر ہے اس کے بارے میں بھی حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں کہ:

جو لوگ مشق و ریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز (تمیز) نہیں کر سکتے ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ بمعنی عدم اتم معذور ہوں، بل کہ تصحیح میں سعی کرنا واجب ہے۔

یعنی ضاد اور خاء میں فرق کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو غلط پڑھنے پر گناہ ہوگا اگرچہ نماز ہو جائے گی۔ تو طاء اور تاء میں سین اور شین اور صاد میں ذال اور زاء میں مین اور مزہ میں قی اور ک میں اگر فرق کرنے کی کوشش نہ کی جائے باوجود یہ کہ فرق آسان ہے تو بدرجہ اولیٰ گناہ ہوگا۔ فتاویٰ شامی صفحہ ۴۶۲ میں ہے کہ العظیم کی بجائے

سہ شامی الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ و لہ الفاری: ۶۳۰/۱

سہ فتاویٰ امداہ، الصلوٰۃ: ۲۰۰/۱ سہ فتاویٰ امداہ، الصلوٰۃ: ۲۱۴/۱

العزیم زاء سے کوئی پڑھ لے تو نماز نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ پر بہت توجہ کی ضرورت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قاری سے بڑے لوگوں کو تجوید سیکھنے کا انتظام ہو۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ حرمین شریفین میں ایسے خطہ دیکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے یہ سلسلہ ہر مسجد میں قائم ہو۔

ایسے ہی جو دعائیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں ان کا بھی تلفظ صحیح ہونا چاہیے۔ تجوید قرآن سے یہ مقصد بھی حاصل ہوگا۔ نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے اور دعائیں مانگی جاتی ہیں اجمالی طور پر ان کا مفہوم بھی جاننا چاہیے۔ تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اس سے خشوع و خضوع میں مدد ملے گی جو نماز و روح اور جان ہے۔ جس کے بغیر نماز صرف ایک ڈھانچہ ہے جس میں کچھ ملاوٹ نہیں۔

لہذا اپنی نماز کی صحیح کے لیے کسی معتبر کتاب کا مطالعہ اور تعلیم نہایت ضروری ہے۔ اس جگہ ہم چند امور کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن میں عام طور سے غلطی ہوتی ہے۔

## قرأت میں ترتیل

آپ ﷺ کا قرآن پاک پڑھنے کا کیا طریقہ تھا اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن مجید کا یہ فرمان مد نظر رکھنا چاہیے ﴿وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِلاً﴾ جس کا منشاء یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا، جس کی آپ ﷺ پوری پوری پیروی فرماتے تھے۔ تیز پڑھنے کا کبھی بھی آپ کا معمول نہیں ہوتا تھا جس سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات نہ سمجھ سکے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

لے العمل: ۱

﴿تَمَّانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ يَقْطَعُ قِرَاءَةً فَهَآ آيَةٌ آيَةُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ جب تلاوت فرماتے تھے تو ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے تھے۔ ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ پھر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ پھر ”الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ (ایک آیت کو دوسری میں نہیں ملائے)۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آں حضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو دیکھا آپ ﷺ کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رک رک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ فرماتے تھے۔

ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے۔

## قرأت اور تکبیرات میں جہر کی مقدار

امام کو قرأت اور تکبیرات جہر میں درمیانی طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے اور قدر حاجت کے موافق جہر کرنا چاہیے۔ اور یہ فرق اور تفاوت تکبیرات کے درمیان کہ بعض کو جہر مفرط سے ادا کرنا اور بعض کو قدر حاجت سے بھی کم کر دینا مذموم اور بے اصل ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

صرف سلام میں تو فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے سلام کو پہلے سلام سے کچھ پست آواز سے کہے اور اس کے علاوہ اور کسی جگہ جہر میں تفاوت درجات نہیں ہے۔ افضل یہ ہے کہ امام جہری نمازوں میں بلا تکلف اس قدر زور سے پڑھے کہ

لے ابوداؤد، کتاب الحروف والقراءات: ۲۰۰/۶

لے قیام اللیل، باب الترتیل فی القرآن: ۵۱، نفلاً عن اسلام کا نظام مساجد: ۱۳۲

لے رد المحتار، فصل فی القراءات: ۱/۴۹۷، و باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۳



مقتدی قرأت سن سکیں۔ اس سے زیادہ تکلف کر کے پڑھنا مکروہ اور منع ہے اور نہ رہائی ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاةِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾

ترجمہ: ”اور نہ تم اپنی نمازوں میں زیادہ زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اس کے بیچ والی درمیانی راہ اختیار کرو۔“

مفسرین فرماتے ہیں کہ نماز میں درمیانی آواز سے قرأت کرنی چاہیے اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے نہ اس قدر زور سے پڑھے کہ قاری اور سامع دونوں کو تکلیف ہو کہ اس سے حضور قلب میں غلل آجائے۔

مولانا اور لیس کا ندہلوی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی نماز میں نہ تو قرأت کو اتنی بلند آواز سے کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ آپ (ﷺ) کے اصحاب بھی نہ سن سکیں۔ درمیانی راہ اختیار کرو۔ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے معلوم ہوا کہ امام کا کام سنانے کا ہے اور مقتدی کا کام سننے کا ہے نہ کہ پڑھنے کا۔“

امام قرطبی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر ”قرطبی“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”الْمُخَافَةُ خَفَضُ الصَّوْتِ وَالسُّكُونُ“

ترجمہ: ”مخافتہ آواز کو پست کرنے اور سکون والہمیان کو کہا جاتا ہے۔“

۱۱۰: ۱۱۰: خلاصۃ التفسیر: ۳/۶۷، تفسیر فتح المنان: ۹۶/۵

۱۱۰: ۱۱۰: معارف القرآن، لمولانا ادیس کاندھلی: ۵۵۸/۵، بنی اسرائیل: ۱۱۰

۱۱۰: ۲۴۲/۵، بنی اسرائیل: ۱۱۰

فتیاء کرام زور سے پڑھنے میں دو باتیں ضروری قرار دیتے ہیں۔

اول یہ کہ پڑھنے والا اپنے اوپر غیر معمولی زور نہ ڈالے (یہ مکروہ ہے) دوسرے یہ کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو مثلاً تہجد کے وقت کوئی سو رہا ہے یا کچھ لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ آپ ان کے پاس کھڑے ہو کر اتنی بلند آواز سے قرأت کرنے لگے کہ ان کے کام میں غلل ہو تو یہ بھی مکروہ ہے، ان دونوں باتوں کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ جماعت کی کمی زیادتی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بموجب قرأت کریں مثلاً مقتدیوں کی تین صفیں ہیں، آپ اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ تیسری صف تک آواز پہنچتی رہے۔ اس سے زیادہ زور سے نہ پڑھیں کہ باہر تک آواز پہنچے۔ راجح یہی ہے کہ بقدر ضرورت آواز بلند کرے۔ یعنی صرف اتنی آواز بلند کرے کہ تیسری صف تک آواز پہنچے۔ البتہ اگر صفیں زیادہ ہوں تو آواز کو اس سے بھی بلند کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اپنے اوپر زیادہ زور نہ پڑے۔

### امام کو تکبیرات کس طرح کہنی چاہئیں

حضرت سعید بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ہمیں نماز پڑھائی:

”فَجْهَرٌ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَحِينَ سَجَدَ وَحِينَ رَفَعَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ وَقَالَ هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

ترجمہ: ”چنانچہ جب انہوں نے سجدہ سے اچانک اٹھایا اور جب سجدہ میں گئے نیز جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اسی طرح (باواز بلند

۱۱۰: ۵۳۲/۱، مختار فصل فی القراءۃ: ۵۳۲/۱

۱۱۴: ۱۱۴: کتاب الصلوۃ باب یکبر وهو ینھض: ۱۱۴/۱

تکبیر کہتے) دیکھا ہے۔

اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ درمیان تمام تکبیرات باواز بلند کہے۔ یہاں صرف ان تین موقعوں کی تکبیرات کا ذکر ہے اتفاقاً کیا گیا ہے یا پھر کچھ لوگوں نے ان اوقات کی تکبیرات کا انکار کیا ہوگا اس سے راوی نے صرف انہیں تکبیرات کو ذکر کیا۔ ویسے اسماعیل کی روایت میں بقیہ تکبیرات ذکر بھی موجود ہے چنانچہ ان کی روایت کے ابتداء میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے تھے یا کہیں چلے گئے تھے تو (ان کی مدد موجودگی میں) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔ چنانچہ انہیں نے نماز شروع ہونے اور رکوع میں جانے کے وقت تکبیرات باواز بلند کہیں۔ ان کے بعد بقیہ حدیث بیان کی گئی ہے۔“

اکثر و بیشتر اماموں کو دیکھا جاتا ہے کہ نماز پڑھاتے وقت تکبیرات ”انتقالیہ“ حرکت ”انتقالیہ“ کے ساتھ ساتھ نہیں کہتے۔ بل کہ کبھی تو منتقل ہونے کے بعد ثبوت کہتے ہیں اور کبھی دوسرے رکن تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیتے ہیں۔ مثلاً قیام و حالت سے منتقل ہو کر رکوع میں جاتے ہیں تو بعض امام جھکنے کے بعد ”اللہ اکبر“ کہتے ہیں۔ اور بعض امام اس قدر جلد ”اللہ اکبر“ کہتے ہیں کہ رکوع میں پورے طور پر پہنچنے سے پہلے ہی ”اللہ اکبر“ کی آواز ختم ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت بھی کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان دونوں صورتوں میں تکبیر کی سنت کامل ادا نہیں ہوتی، کامل سنت اس وقت ہی ادا ہوتی ہے جب کہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ ساتھ تکبیرات شروع کرے۔ اور جوں ہی دوسرے رکن میں پہنچے

بعض امام اللہ اکبر کو اس طرح کھینچتے ہیں کہ دوسرے رکن میں پہنچنے پہلے کے بعد بھی کچھ دیر تک ان کی تکبیر کی آواز آتی رہتی ہے اس وجہ تکبیر کو کھینچنا مکروہ ہے۔

بعض امام تکبیر کہنے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے کے بجائے ”اللہ اکبار“ کہتے ہیں یعنی ”با“ اور ”را“ کے درمیان الف بڑھا دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض ائمہ حضرات سے شروع میں بے احتیاطی ہو جاتی ہے اور اللہ اکبر کہتے ہیں یہ دونوں صورتیں بالکل غلط ہیں ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر تکبیر تحریمہ میں اس طرح کہہ دیا تو نماز کا شروع کرنا ہی صحیح نہ ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ تکبیر میں اسم ذات ”اللہ“ اور ”اکبر“ کے الف کو کھینچ کر پڑھنا مفسد نماز ہے۔ اور ”لام“ کو اتنا کھینچنا کہ ”الف“ مزید پیدا ہو جائے مکروہ ہے۔ مفسد نہیں۔ اسی طرح ”ہاء“ کو کھینچنا مکروہ ہے ”با“ کی مد کے مفسد ہونے میں اختلاف ہے۔ اور ”را“ پر پیش کھینچ کر پڑھنا مفسد ہے۔

مگر غلبہ جہل کی وجہ سے متاخرین کا یہ فیصلہ ہے کہ اعراب اور مد کی غلطی مفسد نہیں۔ البتہ اگر کوئی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اور غلط خواں کو امام بنانا بہر صورت ناجائز ہے۔ بجز اس مجبوری کے کہ کوئی صحیح پڑھنے والا موجود نہ ہو۔

## تکبیر تحریمہ اور قیام کی اصلاح

بعض ائمہ تکبیر تحریمہ کو اتنا لمبا کر دیتے ہیں کہ مقتدی امام سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔  
تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو نہیں جھکانا چاہیے سیدھا رکھنا چاہیے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک اٹھانا چاہیے۔ بعض لوگ (ادھر ہاتھ اٹھا کر) صرف ذرا سا اشارہ کر دیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔

ہاتھوں کو اٹھائیں تو دونوں ہتھیلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ بعض لوگ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کے بجائے کانوں کی طرف کر لیتے ہیں۔ صحیح نہیں ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھائیں تو انگلیوں کو نہ بالکل ملائیں، نہ دور رکھیں بلکہ بین بین اپنی (درمیانی) حالت پر رکھیں۔

”اللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو بغیر گرائے ہوئے ناف کے نیچے باندھ لیں۔ بعض لوگ پہلے دونوں ہاتھوں کو گراتے ہیں پھر باندھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر رکھیں۔ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے کلائی کو پکڑ لیں اور بقیہ تینوں انگلیوں کو ذراع کلائی پر پھیلا لیں۔ اس طرح کئی حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ بائیں ہتھیلی کو لٹا لیتے ہیں اور بائیں ذراع کو انگلیوں سے پکڑ رکھتے

۱۔ احسن الفتاویٰ، باب الامامة والجماعة: ۳/۳۰۵

۲۔ شامی، مطلب سنن الصلوٰۃ: ۱/۷۵

۳۔ شامی، باب الامامة والجماعة: ۱/۷۶، ۷۵

۴۔ الترمذی، الصلوٰۃ، باب ماجاء فی وضع البین علی الشمال فی الصلوٰۃ: ۱/۵۹

ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

بہتر ہے کہ دونوں پاؤں قریب قریب ہوں۔ چار انگلی کا فاصل ہو۔ یہ اقرب الی الخشوع ہے۔ اور سجدہ کی حالت میں دونوں ایڑیوں کو ملانے میں زیادہ حرکت نہیں کرنی پڑے گی۔ ایڑیوں کا ملنا سنت ہے۔  
قیام کی حالت میں حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

جسم کا زور دونوں پاؤں پر برابر ہو تو بہتر ہے۔ اگر ایک پر زیادہ ہو تو دوسرے پر خم اور میڑھا پن نہیں آنا چاہیے۔

دونوں پاؤں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ منحرف نہ ہوں۔ اور دونوں پاؤں ایک لائن میں ہوں آگے پیچھے نہ ہوں۔

قیام کی حالت میں نگاہ سجدہ گاہ میں ہو، ادھر ادھر نہ دیکھیں، حتیٰ الوسع کھجانے سے پرہیز کریں۔ اگر سخت ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی کم سے کم۔

## رکوع کی اصلاح

رکوع کی حالت میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کر انگلیوں کو پھیلایا کر گھٹنوں کو پکڑ لیں۔ صرف ہتھیلیوں کو رکھ دینا سنت طریقہ نہیں۔

سر پشت اور سرین کو برابر رکھے نہ سر کو نیچا کرے نہ اونچا۔ بازو کو بغل سے جدا رکھے۔ بغل میں گھسا ہوا نہ ہو۔ ہاتھ تپا ہوا ہو۔ اس میں خم نہ ہو۔

پاؤں کو بھی سیدھا رکھے۔ گھٹنے کے پاس خم نہیں ہونا چاہیے۔

۱۔ الشامی، مطلب قراءة البسملة بین الفاتحة والسورة: ۱/۹۳

۲۔ مانعور از ”تہذیب سنت کے مطابق نہ ہونے“

۳۔ الشامی، مطلب القراءة البسملة بین الفاتحة والسورة: ۱/۲۹۳

۴۔ ابناً



اطمینان سے تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" پڑھے۔ اس سے کم نہیں ہے، اس سے زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے بعض علماء رکوع و سجدہ میں تین مرتبہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ پوری تسبیح کی ادائیگی صحیح کرے۔ خصوصاً ظاء کو۔

\* رکوع کی حالت میں بھی پاؤں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں اور دونوں ٹخنے بالمثل ہوں۔ اور نظریں پاؤں پر ہوں۔

\* بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے اپنے کرتے کے پیچھے وامن کو چھوتے ہیں یا یوں کہیے کہ اس کو برابر کرتے ہیں۔ یہ ایک بری عادت ہے۔ بلا ضرورت محض عادت ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ اس سے آگے یہ خطہ ہے کہ کہیں یہ مفید صلوٰۃ نہ ہو۔ کیوں کہ عمل کثیر اس کو کہتے ہیں جس میں دونوں ہاتھ لگائے جائیں اور یہ عمل ایسا ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ لگائے جاتے ہیں اس لیے اس سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ جس کو بھی ایسا کرتے دیکھیں اکرام و احترام کے ساتھ اس پر تنبیہ کریں۔

### سجدہ کی اصلاح

قوم سے سجدہ میں جاتے ہوئے سینہ کو آگے کی طرف نہ جھکائیں بل کہ اس کو سیدھا رکھیں۔ صرف پاؤں موڑ کر نیچے کی طرف جائیں۔ بعض لوگ پہلے سینہ جھکا دیتے ہیں جس سے ایک زاہد رکوع پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ منع ہے۔

جب تک گھٹنے زمین تک نہ پہنچ جائیں اوپر کے حصہ کو جھکانے سے حتی الامکان

بہ ایضاً

بہ ماخوذ از: "نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے"

بہ شامی: ۴۹۷/۱

پریز کریں۔

\* سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ گھٹنے پر رکھیں پھر گھٹنے زمین پر رکھیں۔ پھر ہاتھ پھر سر، سر میں پہلے تاک زمین پر رکھیں پھر پیشانی۔

\* سجدہ میں دونوں ہاتھ رکھیں تو انگلیاں بند ہوں ملی ہوئی ہوں۔ ان کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔

\* سب انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں حتی کہ انگوٹھا بھی۔ اس کا خاص خیال رکھیں۔

\* سجدہ کھل کر کریں یعنی بازو بغل سے دور ہوں، بغلیں کھلی ہوئی ہوں، رانیں پیٹ سے جدا رکھیں، پیٹ ران پر نہ ہو۔

\* کہنیاں زمین پر نہ رکھیں، صرف ہتھیلیاں رکھیں۔

\* فرض نماز میں دونوں کہنیوں کو اتنا نہ پھیلائیں کہ دونوں طرف کے عملوں کو تکلیف ہو جتنی گنجائش ہو اتنا ہی کھولیں۔

\* چہرہ کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اس طرح رکھیں کہ انگوٹھوں کے سرے کانوں کی نوک کے سامنے ہوں۔

\* سجدہ میں جائیں تو دونوں گھٹنے قریب قریب رکھیں۔

\* دونوں پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر قبلہ کی طرف متوجہ کریں۔ صرف سیدھی انگلیاں زمین پر رکھ دینا خلاف سنت ہے۔ انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ ہونا

بہ شامی، باب آداب الصلوٰۃ، مطلب فی اطالة الركوع للجائی: ۴۹۷/۱، ۴۹۸

بہ شامی، مطلب فی اطالة الركوع للجائی: ۴۹۸/۱

بہ ایضاً

بہ شامی، مطلب فی اطالة الركوع للجائی: ۵۰۳/۱

بہ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود: ۶۳/۱

بہ صحیح ابن خزيمة: ۳۲۸/۱

چاہیے۔

بعض لوگ انگلیوں کو قبلہ کے خلاف کی طرف موڑ کر پاؤں کی پشت کو زمین پر رکھتے ہیں یہ بہت غلط بات ہے۔

بعض تو سجدہ کی حالت میں پاؤں کو اٹھا کر رکھتے ہیں۔ زمین پر نہیں رکھتے اگر پورا سجدہ اس طرح کیا تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ خوب خیال سے سنت کے مطابق سجدہ کرنا چاہیے۔

ایک سنت یہ بھی ہے کہ پاؤں کی دونوں ایز یوں کو ملا لیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں پاؤں قریب کر لیے جائیں اور ٹخنے اور ایز یوں کی جائیں۔ دونوں پاؤں سیدھے کھڑے ہوں۔ انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔

دونوں سجدوں میں بھی رکوع کی طرح تین مرتبہ شَبَّحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھنا سنت ہے۔ زیادہ مرتبہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے کم نہ کریں۔

امام رکوع و سجدہ میں کتنی بار تسبیح پڑھے مستحب یہ ہے کہ امام پانچ بار تسبیح پڑھے اگر تین بار کہے تو اس طرح بھر بھر کر کہے کہ مقتدیوں کو تین بار تسبیح کہنے کا موقع میسر آئے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

”أَسْتَجِبُ لِلْإِمَامِ أَنْ يُسَبِّحَ خَمْسَ تَسْبِيحَاتٍ لِّكَى يُذَرِّكَ

بخاری، الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلة يستقبل بالطرف رجله القبلة: ۵۶/۱ و کتاب

ذاتی: ۱۱۲/۱

صحیح ابن عزمہ: ۳۲۸/۱، أعلاه السنن، باب طریق السجود: ۳۲/۳

شامی، باب آداب الصلوٰۃ، مطلب فی إطالة الركوع للجہانی: ۵۹/۱

بیّن (علم نرسٹ)

مَنْ خَلَفَهُ فَلَا تَسْبِيحَاتٍ“

ترجمہ: ”امام کے لیے میں پسند کرتا ہوں کہ وہ پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تین تسبیحات پڑھنے کا موقع میسر آجائے۔“

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کا مقام کتنا اونچا ہے اور پھر ترمذی شریف کتاب کا مقام..... اس مبارک کتاب میں حضرت کا ارشاد ہے کہ امام پانچ مرتبہ رکوع و سجدہ میں تسبیحات پڑھے، امام پانچ مرتبہ پڑھے گا تو مقتدی کم از کم تین مرتبہ پڑھ سکے گا۔

### قومہ اور جلسہ اطمینان سے کریں

سوال: ہمارے امام صاحب رکوع کے بعد قومہ میں سیدھے کھڑے ہوئے بغیر سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور ”سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کے ساتھ ہی ”اللہُ اکْبَرُ“ کہتے ہیں درمیان میں ذرا نہیں ٹھہرتے نہ سانس توڑتے ہیں۔ اسی طرح سجدہ کے بعد جلسہ کی حالت میں، اور یہی حالت ہے سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کی تکبیرات کی، ان تکبیرات میں وقفہ نہیں کرتے، ان کو دیکھ کر مقتدی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ لہذا ایسی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس طرح عادت کر لینا غلط ہے، نماز مکروہ ہوتی ہے اور قابل اعادہ ہو جاتی ہے۔ قومہ اور جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے ”وَيَقْرَأُ مُسْتَوِيًّا“ لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ سُنَّةٌ أَوْ وَاجِبٌ أَوْ فَرَضٌ (ثُمَّ يَكْبِرُ) مَعَ الْخُرُوجِ (وَيَسْجُدُ) وَاضِعًا رُكْبَتَيْهِ أَوْ لَا يَقْرُبُهُمَا مِنَ الْأَرْضِ (قَوْلُهُ ثُمَّ يَكْبِرُ)“

”أَتَى بِشْمٍ لِلإِسْعَارِ بِالْأَطْمِينَانِ فَإِنَّهُ سُنَّةٌ أَوْ وَاجِبٌ عَلَى مَا

ترمذی، الصلوٰۃ، باب ما جاء فی التسبیح فی الركوع والسجود: ۶۰/۱

بیّن (علم نرسٹ)

اخْتَارَهُ الْكَمَالُ (قَوْلُهُ مَعَ الْخُرُورِ) بِأَنْ يَكُونَ ابْتِدَاءُ التَّكْبِيرِ جَدُّ ابْتِدَاءِ الْخُرُورِ وَانْتِهَاؤُهُ عِنْدَ انْتِهَائِهِ شَرْحُ الْمَنِيَةِ وَيَخْرُجُ لِلسُّجُودِ قَائِمًا مُسْتَوِيًّا ۝

وَيَجْلِسُ بَيْنَ الشَّجَدَتَيْنِ مُطْمَئِنًّا قَوْلُهُ (مُطْمَئِنًّا) أَيْ بِغَيْرِ تَسْبِيحَةٍ كَمَا فِي مَتَنِ الذُّرْرِ وَالسَّرَاجِ ۝

ان عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو۔ کیوں کہ یہ قوم سنت ہے۔ اور اس کو واجب اور فرض بھی کہا گیا ہے پھر زمین کی طرف جھکتے ہوئے "اللَّهُ أَكْبَرُ" کہے اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے۔ عبارت میں لفظ "ثُمَّ" آیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ وقفہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے جھکنا شروع کریں۔ یہ تکبیر اس وقت ختم ہو جب جھکنا ختم ہو (اور پیشانی زمین پر رکھی جائے) پھر دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھے۔ یعنی اتنی دیر بیٹھے کہ سُبْحَانَ اللَّهِ کہا جاسکے۔ آں حضرت ﷺ کے قوم اور جلسہ کا طریقہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو اطمینان سے سیدھے کھڑے ہوتے پھر سجدہ میں جاتے۔ اسی طرح سجدہ کے بعد سر مبارک اٹھا کر برابر سیدھا بیٹھ جاتے تب دوسرا سجدہ فرماتے۔

اسی طرح حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت ﷺ کے قوم کا طریقہ بیان فرماتے ہیں "فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ" یعنی جب آں حضرت ﷺ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو برابر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ کمر مبارک کا ہر ایک جوڑ اپنی جگہ ٹھہر جاتا۔

۱/۹۹۷ درمختار مع الثامی، باب آداب الصلوة، مطلب فی إطالة الركوع للجائز ۱/۹۹۷

۲/۵۰۰ درمختار مع الثامی، باب آداب الصلوة، مطلب فی إطالة الركوع للجائز ۱/۵۰۰

۳/ مسلم، الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتح به ویختم به رقم: ۴۹۸

۴/ بخاری، الأذان، باب سنة الجلوس فی التشهد رقم: ۸۲۸

آں حضرت ﷺ کی نماز کے مطابق اپنی نماز ہونی ضروری ہے۔ آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"اَصْلُوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي اَصْلِي ۝"

ترجمہ: "مجھے جس طرح نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو اسی طرح تم نماز پڑھو۔"

نہایت میں اگر ہم ائمہ خود اپنی نماز آں حضرت ﷺ کی نماز کے مطابق ادا کرنے کی کوشش نہ کریں اور آں حضرت ﷺ کے طریقے کے خلاف ادا کرتے رہیں تو پھر مقتدیوں سے کیسے کہیں گے کہ نماز سنت کے مطابق پڑھیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں کیسے قبول ہوگی۔

ہل کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی نماز قیامت کے دن ایک پرانے کپڑے کی صورت میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماری جائے گی۔ اَلْأَمَانُ وَالْحَفِیْظُ۔

لہذا ہمیں خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے، نماز میں جلدی ہرگز نہ کرنی چاہیے کہ ایسی نماز پڑھنے والے ایک شخص کو آں حضرت ﷺ نے دوبارہ اور سہ بارہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

فقہ اور حدیث کی تصریحات کو دیکھئے ان میں بار بار اطمینان کی ہدایت کی گئی ہے۔ (پھر بھی) امام صاحب اگر اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر رکوع، سجدہ توہمہ و جلسہ نہیں کرتا "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" اور "اللَّهُ أَكْبَرُ" ملا کر کہتا رہتا ہے تو حدیث اور فقہ کی تصریحات کے خلاف کرتا ہے۔ جو سر اسرے ادب اور مکروہ ہے کہ مگر صادق

۱/ بخاری، الأذان، باب من قال لیؤذن فی السفر ۱/۸۸

۲/ الترغیب والترہیب، الصلوة، (باب) الترغیب من عدم اتمام اركان السجود ۱/۲۰۰

۳/ بخاری، کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم رقم: ۷۵۷



طَلْحَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے فرمایا: "أَسْرَأُ النَّاسِ سُرْقَةً الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَواتِهِ، قَالَ: لَا يَسْرِقُ رُكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا." ۱

تَرْجَمَتاً: "یعنی بدتر اور سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے ہے۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز میں کس طرح چوری کرتا ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: (نماز میں چوری یہ ہے کہ) رکوع و سجود کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی جو رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔ (نہیں ٹھہرتا) ۲

آں حضرت ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رکوع اور سجدہ پورا ادا نہیں کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

"لَوْ مَاتَ هَذَا لَمَاتَ عَلَى غَيْرِ مِلَّةٍ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ." ۳

تَرْجَمَتاً: "کہ اگر یہ اپنی ہی حالت پر مر گیا تو دین محمدی پر اس کی موت نہیں ہوگی۔"

آں حضرت ﷺ نے رکوع کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

"فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَأْسَكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ، وَتَكُنْ لِرُكُوعِكَ وَامْتَدُّ ظَهْرِكَ، فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاقِمْ صُلْبَكَ

۱۔ مسند احمد ۵/۳۱۰، رقم: ۲۷۱۳۶

۲۔ ترمذی، الصلوة، باب ما جاء فيمن لا يقم صلبه في الركوع والسجود، رقم: ۲۶۵

۳۔ الترغيب والترهيب، الصلوة، (باب) الترهب من عدم اتمام الركوع والسجود

۱/۱۹۹، مجمع الزوائد، الصلوة، باب فيمن لا يتم صلاته: ۲/۲۵۰، رقم: ۲۷۲۹

حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا." ۱

تَرْجَمَتاً: "اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوں پر رکھو، رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو۔ اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آجائیں۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُعِيمُ فِيهَا صُلْبُهُ بَيْنَ رُكُوعِهَا وَسُجُودِهَا." ۲

تَرْجَمَتاً: "اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کو نہیں دیکھتے جو اپنی پیٹھ کو رکوع اور سجدہ کے درمیان درست نہیں رکھتا۔"

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا وہ شخص ہے جو رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔ ۳

حضرت زید بن وہب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود بخوبی ادا نہیں کرتا۔ اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تو مر گیا تو نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہ مرے گا۔ ۴

۱۔ مسند احمد ۴/۳۴۰، رقم: ۱۸۵۱۶

۲۔ مسند احمد ۴/۲۲، رقم: ۱۵۸۴۸

۳۔ الترغيب والترهيب، الصلوة، (باب) الترهب من عدم اتمام الركوع والسجود: ۱/۱۹۹

۴۔ جلیۃ الاولیاء، ذکر طبقۃ من تابعی المدینۃ: ۴/۱۹۲، رقم: ۵۲۲۱

منقول ہے کہ جب بندہ مؤمن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع و سجود کو بخوبی بجالاتا ہے۔ اس کی نماز بشارت اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ وہ نماز اپنے نمازی کے لیے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے "حَفِظَكَ اللَّهُ مَبْنَحَانَهُ كَمَا حَفِظْتَنِي" (اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی) اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا (اور اس کے رکوع، سجود، قومہ و جلسہ کو بجا نہیں لاتا) وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے۔ اور فرشتے اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے اور وہ نماز اس نمازی کے لیے بد دعا کرتی ہے، اور کہتی ہے

"ضَيَعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَعْتَنِي" (اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔) (اللہ تعالیٰ تیرا ناس مارے جیسا تو نے میرا ناس مارا)۔

### قومہ اور جلسہ میں عدم اطمینان ایک بڑی کوتاہی

ایک بڑی کوتاہی جو آج عام طور سے دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان نہیں کیا جاتا۔ حالاں کہ یہ واجب ہے۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی احتیاط کے ہاں راجح قول کے مطابق اعتدال اور اطمینان واجب ہے۔ اگرچہ ایک روایت سنت ہونے کی بھی ہے لیکن حدیثوں کا تقاضا وجوب ہے، اسی لیے محقق علامہ کمال الدین ابن الہمام اور ان کے شاگرد علامہ ابن امیر حاج نے وجوب کو ترجیح دی ہے، بل کہ ابن امیر حاج نے اسی کو درست قرار دیا ہے یعنی دوسرا قول صحیح نہیں ہے جیسا فتاویٰ شامی میں ہے:

"وَالْقَوْلُ بِوُجُوبِ الْكُلِّ هُوَ مُخْتَارُ الْمُحَقِّقِ ابْنِ الْهَمَّامِ وَتَلْمِيزُهُ ابْنُ أَمِيرِ حَاجٍ حَتَّى قَالَ إِنَّهُ الصَّوَابُ وَاللَّهُ

الْمَوْفِقُ لِلصَّوَابِ" ملہ

علامہ صفحہ ۱۲۷۱ (رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى) درمختار میں واجبات کے بیان میں لکھتے ہیں:

"وَتَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ أَيْ تَسْكِينُ الْجَوَارِحِ قَلْدَرُ تَسْبِيحَةٍ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَكَذَا فِي مَقَامٍ مِنْهُمَا عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَمَالُ" ملہ

تَرْجُمَةً: "یعنی نماز کے واجبات میں سے تعدیل ارکان بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ نیز دونوں سے اٹھ کر (قومہ اور جلسہ میں) اعضاء کو ایک تسبیح کے بقدر ساکن رکھنا چاہیے۔ یہی کمال ابن الہمام رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کا پسندیدہ قول ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بحر رائق میں ہے کہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ان چاروں یعنی رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ میں اطمینان واجب ہو اور خود قومہ اور جلسہ بھی واجب ہو اس لیے کہ آن حضرت ﷺ نے ان تمام پر ہمیشہ عمل فرمایا اور جن صحابی نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تھی ان کو ان تمام کا حکم دیا۔ اور قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ اگر بھول کر کوئی رکوع سے نہ اٹھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ محیط میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور جلسہ بین السجدتین کا بھی یہی حکم ہوگا، کیوں کہ قومہ اور جلسہ کا معاملہ ایک ہی ہے۔

علامہ شامی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى آگے لکھتے ہیں کہ شرح منیہ میں ہے۔

دلیل کو نہیں چھوڑا جائے گا جب کہ کوئی (فقہی) روایت اس کے موافق ہو (لہذا وجوب ہی کو اختیار کریں گے) نیز لکھتے ہیں، قاضی صدر نے اپنی شرح میں تمام ارکان کی تعدیل کے بارے میں سخت تاکید کی ہے، اور کہا ہے کہ ہر رکن کو مکمل کرنا،

امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ہاں واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ہاں فرض ہے۔ اس لیے رکوع سجدہ اور ان دونوں کے درمیان قومہ میں اتنا ٹھہرنا چاہیے کہ ہر عضو مطمئن ہو جائے اور ٹھہرنا امام ابو حنیفہ اور امام محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے یہاں واجب ہے۔ اگر کسی نے ان کو بھول کر چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر عمداً چھوڑا تو سخت مکروہ ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہوگا اگرچہ۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ روایت ودلیل کے لحاظ سے تعدیل ارکان واجب ہے۔ قومہ اور جلسہ اور ان کی تعدیل کے بارے میں مشہور بات مذہب میں یہ ہے کہ سنت ہیں۔ لیکن وجوب کی بھی ایک روایت ہے۔ اور یہی دلائل کے موافق ہے۔ اور اسی کو ابن الہمام اور ان کے بعد متاخرین نے اختیار کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد ابن امیر حاج کا قول آپ جان چکے ہیں کہ یہی صواب ہے۔ اور امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ان تمام کی فرضیت کے قائل ہیں۔ اسی کو جمع اور یعنی میں اختیار کیا ہے۔ اور امام طحاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہی قول ہمارے تینوں اماموں سے نقل کیا ہے۔ فیض الباری میں کہا کہ یہی آحوط ہے۔ یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا بھی مذہب ہے۔

مولانا یوسف بنوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ”معارف السنن“ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے تعدیل ارکان کی فرضیت جو منقول ہے اس سے مراد عملی فرضیت ہے۔ ابن الہمام محقق نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ اس طرح ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ختم ہو جاتا ہے (اس لیے کہ واجب پر بھی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے)۔

نیز لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ ہمارے یہاں بھی اتنی دیر ٹھہرنا کہ حرکت بند

ہو جائے فرض ہے۔ پھر ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے۔ اور تین تسبیح کے بقدر سنت۔ علامہ یعنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہی تحقیق پیش کی ہے۔ اور اسی کو امام ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی، صاحبین اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مذہب قرار دیا ہے اور امام طحاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

حقیت: غور فرمائیے محدث عصر شیخ بنوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”تین تسبیح کی مقدار سنت ہے اب جو شخص سنت کے موافق نماز پڑھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ تین تسبیح کی مقدار قومہ وجلسہ کرے۔“

امام طحاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ہمارے تینوں اماموں کی طرف تعدیل ارکان کی فرضیت کو منسوب کیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی تقریر میں ہے کہ امام طحاوی ہمارے مذہب کے سب سے بڑے عالم ہیں جب انہوں نے کوئی اختلاف نہیں ذکر کیا، اس لیے میرے نزدیک بھی اختلاف ثابت نہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ بدائع میں امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے مروی ہے کہ جو شخص تعدیل کو ترک کر دے اس کے بارے میں فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی نماز جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تعدیل کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ تو جس نے ہم احناف کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ یہ لوگ تعدیل کی پرواہ نہیں کرتے اس نے ہم پر بڑا بہتان لگایا۔

مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اس مسئلہ میں بالکل اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ تعدیل اتنی مقدار میں کہ حرکت اشتغالہ منقطع ہو جائے ہمارے یہاں بھی فرض ہے۔ اور شوافع اسی کو رکن کہتے ہیں اور ایک تسبیح کے بقدر واجب ہے اور اس سے زائد سنت ہے۔ اب ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہا۔



جمہور نے تعدیل کو جن روایات کی وجہ سے ضروری قرار دیا ان میں سے ایک  
 غلام بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ والی روایت ہے جو بخاری شریف میں اس  
 طرح مذکور ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد  
 میں تھے کہ ایک آدمی (غلام بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے۔ نماز پڑھی پھر حضرت  
 کے پاس آکر سلام کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:  
 "اِذْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" جاؤ پھر پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی۔  
 چنانچہ انہوں نے پھر نماز پڑھی اور آکر سلام کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی  
 بات ارشاد فرمائی کہ جاؤ پھر نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح تین بار ہوا پھر  
 ان صاحب نے کہا۔

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا!

میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھ کو سکھائیے۔ آں حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کو پھر جو قرآن میسر ہو پڑھو  
 پھر رکوع کرو تو رکوع کی حالت میں اطمینان کرو "ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا  
 ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ  
 حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَوَتِكَ كُلِّهَا" یعنی پھر رکوع  
 سے سر اٹھاؤ یہاں تک کہ کھڑے ہو کر معتدل ہو جاؤ۔ (یعنی کھڑے ہو کر اطمینان  
 کرو)۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں جو مسلم کی سند سے مروی ہے "حَتَّى تَطْمِئِنَّ  
 قَائِمًا" یعنی کھڑے ہو کر اطمینان کر لو، آیا ہے۔

پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ کی حالت میں اطمینان کرو پھر سجدہ سے اٹھو حتیٰ  
 کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھو (یعنی جلسہ میں اطمینان کرو) پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ

کی حالت میں اطمینان کرو پھر پوری نماز میں ایسا ہی کرو۔  
 ترمذی میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی قصہ مروی  
 ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم بھی  
 آپ کے ساتھ تھے۔ ایک صاحب آئے دیہاتی کی طرح (یہ غلام بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 تھے) اور نماز پڑھی اور تکبیر تہم پڑھی "إِلَى آخِرِ الْحَلِيقَةِ" <sup>۱</sup>  
 دیہاتی کی طرح اس لیے فرمایا کہ ان کو نماز کا طریقہ اچھی طرح نہیں آتا تھا۔  
 عین مام طور سے دیہات کے لوگ مسائل سے ناواقف ہوتے تھے ایسے ہی یہ بھی  
 تھے۔ ورنہ دیہات کے رہنے والے نہیں تھے۔

دیکھئے اس واقعہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ مرتبہ اطمینان کا لفظ یعنی  
 "حَتَّى تَطْمِئِنَّ" استعمال فرمایا کہ نماز کے ہر رکن کی ادائیگی میں اطمینان ہو، ہر  
 رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال میں اطمینان ہو۔ جس طرح رکوع اور سجدہ  
 میں اطمینان کا حکم دیا اسی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی اطمینان کا حکم دیا۔ تو اگر رکوع  
 اور سجدہ میں اطمینان فرض یا واجب ہے تو قومہ اور جلسہ میں بھی فرض یا واجب ہوگا۔  
 دونوں میں تفریق صحیح نہیں ہوگی۔ اسی لیے ابن امیر خاق نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔  
 یعنی دوسرا قول سنیت کا صحیح نہیں۔

ائمہ کرام کو چاہیے کہ تعدیل ارکان کا بہت ہی زیادہ اہتمام فرمائیں، مقتدیوں کا  
 جس آہستہ آہستہ زمین بنائیں تاکہ وہ بھی اطمینان سے رکوع سجدہ اور قومہ و جلسہ کو ادا  
 کرنے والے بن جائیں۔ اس لیے کہ تعدیل ارکان نہ کرنے والے کے لیے  
 بہت ہی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

۱ بخاری، الاذان، بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ الَّذِي لَا يَتِمُّ زَمْعُهُ بِالْإِعَادَةِ: ۱۰۶/۱

۲ ترمذی مع عرف الشذی، الصلوٰۃ، باب مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ: ۶۶/۱  
 کہ فتح الباری

ان حدیثوں میں جس اطمینان کو واجب بتایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام مقامات پر اعضاء کو سکون ہو جائے۔ اس کی کم سے کم حد ہمارے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک شیخ مقرر فرمائی کہ جتنی دیر میں ایک مرتبہ تسبیح پڑھی جائے اتنی دیر ٹھہرا جائے تاکہ سکون اور توقف کا تحقق محسوس ہو سکے۔

جو لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ ان کے قومہ اور جلسہ میں ایک تسبیح کے بقدر سکون اور توقف نہیں ہوتا۔ اگر قصد ایسا کرتے ہیں، تو ان کی نماز واجب الاءاءہ ہوتی ہے۔ یعنی پھر سے دوبارہ پڑھنا واجب ہے (اور عام طور سے لوگ قصد ایسی جلدی کرتے ہیں۔ جہالت اور نہ جاننا بھی قصد ایسی کی ایک صورت ہے)۔

اور جو لوگ سہواً ایسا کرتے ہیں، ان پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو اس واجب کے چھوڑنے کی وجہ سے نماز کو دھرانا ضروری ہوگا۔

ذیل میں ہم تعدیل ارکان کی اہمیت کے پیش نظر علامہ محمد آفندی البرکلی کی کتاب "مُعَدِّلُ الصَّلَاةِ" سے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں جو کہ ایک عظیم المنفعت کتاب ہے، اس کے مصنف علامہ برکلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک معتبر حنفی عالم ہیں، ان کی اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سینہ میں ایک درد بھرا دل رکھتے تھے، مسلمانوں کی نمازوں میں کوتاہیوں کو دیکھ کر بڑے درد مند دل کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے، مسائل کو احادیث مبارکہ اور فقہاء احناف کی عبارتوں سے مدلل کیا ہے۔ ترکی کے رہنے والے ہیں جو حنفیہ کا مرکز رہا ہے، بے شمار علماء یہاں سے اٹھے، اور علم دین کی خدمات انجام دیں، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں، جیسا کہ ان کے تذکرہ سے معلوم ہوگا۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے تعدیل ارکان کی بحث میں ان کی کتاب کے مطالعہ کی طرف اہل علم کو ان الفاظ کے ساتھ متوجہ کیا ہے جس سے اس کتاب کی

لے ایضاً

اہمیت اور عظمت کی ہر ہوتی ہے چنانچہ علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"وَلِلْعَلَامَةِ الْبِرْكَلِيِّ رِسَالَةً سَمَّاها (مُعَدِّلُ الصَّلَاةِ) أَوْضَحَ الْمَسْئَلَةَ فِيهَا غَايَةُ الْإِيضَاحِ وَبَسْطَ فِيهَا أَوَّلَةَ الْوُجُوبِ وَذَكَرَ مَا يَتَرْتَّبُ عَلَى تَرْكِ ذَلِكَ مِنَ الْآفَاتِ وَأَوْصَلَهَا إِلَى ثَلَاثِينَ أَقْعًا، وَمِنْ الْمَكْرُوهَاتِ الْحَاصِلَةِ فِي صَلَاةِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَأَوْصَلَهَا إِلَى أَكْثَرِ مِنْ ثَلَاثِ مِائَةٍ وَخَمْسِينَ مَكْرُوهًا فَيَنْبَغِي مُرَاجَعَتُهَا وَمَطَالَعَتُهَا." ۱

ترجمہ: "علامہ برکلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک رسالہ ہے اس کا نام رکھا ہے "مُعَدِّلُ الصَّلَاةِ" اس میں مسئلہ کی بہت تفصیل کی ہے اور وجوب کے دلائل پھیلا کر ذکر کیے ہیں اور تعدیل کے ترک پر جو آفات مرتب ہوتی ہیں ان کو بتایا ہے کہ تیس (۳۰) ہیں اور رات دن کی نمازوں میں جو مکروہات لازم آتے ہیں ان کو بتایا ہے کہ تین سو پچاس (۳۵۰) ہیں، مناسب ہے کہ اس رسالہ کو دیکھا جائے اور مطالعہ کیا جائے۔"

اس کتاب کا اردو ترجمہ عربی عبارت کے ساتھ مولانا فضل الرحمن اعظمی (مقیم آزادول جنوبی افریقہ) نے کیا ہے امید ہے کہ اس کی اشاعت سے علماء کرام اور عام مسلمان مستفید ہوں گے، خاص طور سے قومہ اور جلسہ اور ان دونوں میں اطمینان و اعتدال پر معنف نے بہت زور دیا ہے، اس بحث کو خاص طور سے توجہ سے دیکھنا چاہیے اور جو کوتاہی اپنے اندر یا دوسروں کے اندر دیکھیں اس کی اصلاح کی فکر کریں، غلطی کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے، ایک عادت پڑ جانے کے بعد اس کو بدلنا کافی مشکل ہے، جب تک خصوصی توجہ نہیں دی جائے گی پرانی عادت نہیں بدل سکتی، اس

۱۔ رد المحتار، باب صفة الصلوة، مطلب لا ینبغی ان یعدل - ۱۶۵/۱۶۶

۲۔ دم زم پبلشرز کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔

کو تائی کی وجہ سے بہت نقصان ہے، بہت سے لوگوں کی نمازیں ضائع ہو رہی ہیں، اہل علم اس کی طرف توجہ فرمائیں اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائیں تو امید ہے کہ اس بات پر جائے گی، اور کوشش کرنے والے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارت پر غور فرمائیں کہ انہوں نے سخت وعید ذکر فرمائی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الْهَمَامِ رَحِمَهُ اللَّهُ: سُبُلُ مُحَمَّدٍ عَنْ تَرْكِ الْإِعْتِدَالِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَقَالَ: أَخَافُ أَنْ لَا تَجُوزَ صَلَاتُهُ، وَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ، وَكَذَا رَوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، ذَكَرَهُ ابْنُ شَرَحِ الْمُنْيَةِ.

وَفِي الظَّهْمِيرِيَّةِ: قَالَ الْقَاضِي الْإِمَامُ صَدْرُ الْإِسْلَامِ أَبُو الْيَسْرِ: إِنْ مَنْ تَرَكَ الْإِعْتِدَالَ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ بَلَغَتْهُ الْإِعَادَةُ، وَإِذَا عَادَ يَكُونُ الْفَرَضُ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ، وَذَكَرَ الشَّيْخُ شَمْسُ الْأُيْمَةِ الشَّرْحِي: أَنْ بَلَغَتْهُ الْإِعَادَةُ، وَلَمْ يَتَعَرَّضْ أَنْ الْفَرَضُ هُوَ الثَّانِي أَوْ الْأَوَّلُ، انْتَهَى بِهٖ.

ترجمہ: ”محقق ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ رکوع و سجود میں اطمینان چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اس کی نماز جائز نہیں، اور اسی طرح خلاصہ میں بھی ہے، اور اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے، شرح منیہ میں اس کا ذکر ہے۔

اور قوی ظہیر یہ میں ہے کہ قاضی امام صدر الاسلام ابوالیسر (متوفی ۳۹۳ھ) نے فرمایا: جو رکوع و سجود میں اطمینان چھوڑ دے اس پر دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اور دوسری نماز فرض ادا ہوگی نہ کہ اول۔ اور امام شمس الامتہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے

بھی یہ ذکر فرمایا کہ دوبارہ پڑھنا لازم ہے، لیکن یہ نہیں ذکر فرمایا کہ پہلی نماز فرض ہے یا دوسری ہے۔

فَالْشَّيْخُ أَكْمَلُ الدِّينِ فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ: قَوْلُهُ (ثُمَّ أَرْفَعُ خَنِي تَعْدِيلَ قَائِمًا) يَذُلُّ عَلَى أَنْ تَعْدِيلَ الْأَرْكَانِ فِيهَا وَاجِبٌ. انْتَهَى. وَفِي كَلَامِهِ دَلَالَةٌ عَلَى شُمُولِ تَعْدِيلِ الْأَرْكَانِ لِطَمَإِينِيَةِ الْقَوْمَةِ عَلَى مَا تَقْلَنَاهُ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْأَخْتِيَارِ وَعَلَى رَوَايَةِ الْوُجُوبِ فِيهَا.

وَمِنْهَا: مَا رَوَى الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ الشَّوَاءِ.

ترجمہ: ”شیخ اکمل الدین مشارق کی شرح میں لکھتے ہیں: کہ حضور ﷺ کا ارشاد کہ ”پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ“ یہ بتاتا ہے کہ تعدیل ارکان واجب ہے۔

ان کے کلام سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان کا لفظ قومہ کے اطمینان کو بھی شامل ہے جیسا کہ ہم نے مغرب اور اختیار سے نقل کیا ہے اور اس سے وجوب کی روایت کا بھی پتہ چلا۔

① ایک حدیث براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا رکوع اور سجدہ، اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے رہنا یہ سب تقریباً برابر تھا قیام اور قعود کو چھوڑ کر۔“

يَقُولُ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَةُ اللَّهِ: ”فِي هَذَا الْحَدِيثِ الشَّرِيفِ



ذَلَالَةً عَلَى أَعْلَى مَرَاتِبِ طَمَإِنِّيَةِ الْقَوْمَةِ وَالْجَلْسَةِ، وَهُوَ مَا يَسُغُ بِهِ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ تَقْرِيبًا، إِذَا لَا بُدَّ فِي الْقِيَامِ مِنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَفَلَانِ آيَاتٍ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ يَفْرَأُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ ..... وَالْتَعَوُّذَ وَالْبِسْمَلَةَ، وَأَقْلُ مَرَاتِبِ الْقُرْبِ مِنْ مُسَاوَاتِهَا أَنْ يَزِيدَ عَلَى نِصْفِهَا.

وَمِنْهَا: مَا رَوَاهُ أَيْضًا عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَبْشُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ".<sup>۱</sup> وَالْإِنْتَامُ إِنَّمَا يَكُونُ بِالطَّمَإِنِّيَةِ، فَيَنْدُلُّ عَلَى وَجُوبِهَا.

ترجمہ: ”بندہ ضعیف۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے۔ کہتا ہے کہ اس حدیث شریف میں قوم اور جلسہ کے اعلیٰ درجہ کے اطمینان کی دلیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اتنی دیر نہیں جس میں سورۃ فاتحہ تقریباً پڑھ سکیں اس لیے کہ قیام میں سو رفات اور تین آیتوں کا پڑھنا تو ضروری ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ“ اور تعویذ تسمیہ پڑھتے ہوں گے، اور مساوات کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ نصف سے زائد ہو۔

۳۷ دوسری دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ رکوع و سجود پورا کرو، اور پورا کرنا اطمینان ہی سے ہوگا، لہذا اطمینان واجب ہوا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضور ﷺ ایسا ہمیشہ کرتے تھے۔

### تعدیل ارکان کو چھوڑنے کی آفتوں پر تنبیہ

إِعْلَمَنَّ أَنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ تَرَكُوا الْقَوْمَةَ وَالْجَلْسَةَ فَضْلًا عَنِ الطَّمَإِنِّيَةِ فِيهِمَا فَإِنَّهَا صَارَتْ كَالشَّرِيعَةِ الْمَنْسُوخَةِ.

۱۔ بخاری، الامان والنداء، باب کیف كانت یمن النبی رقم: ۶۶۶۶

۲۔ نقلًا عن معدل الصلوة: ۵۲: ۵۱

بیان (العلمیہ)

فَقَوْلُ: فِيهِ آفَاتٌ كَثِيرَةٌ ظَاهِرَةٌ لَا يَخْتِاجُ إِلَى ذِكْرِهَا إِلَّا جَاهِلٌ تَعَوُّذٌ بِعَادَةِ الْعَوَامِ، أَوْ عَالِمٌ سَكْرَانٌ بِحُبِّ الْجَاهِ وَكَثْرَةِ الْخَطَا، أَوْ غَافِلٌ مَشْغُولٌ بِمَصَالِحِ الْأَنْامِ، وَالَّتِي تَحْضُرُ الْأَنْبِيَاءُ مِنْ ضَرَرِ تَعَوُّذِ تَرْكِ تَعْدِيلِ الْأَرْكَانِ وَآفَاتِهِ ثَلَاثُونَ:

الْأَوَّلُ: إِبْرَاطُ الْقَفْرِ، فَإِنَّ تَعْدِيلَ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ وَتَعْظِيمَهَا مِنْ أَتَوَى الْأَسْبَابِ الْجَالِيَةِ لِلرِّزْقِ، وَالتَّرْكِ وَالتَّهَاقُوتِ مِنَ الْأَسْبَابِ السَّالِيَةِ لَهُ، كَذَا ذِكْرُهُ فِي تَعْلِيمِ الْمُتَعَلِّمِ.

وَالثَّانِي: إِبْرَاطُ الْبَعْضِ لِمَنْ يَرَى مِنْ عُلَمَاءِ الْآخِرَةِ، وَسُقُوطُ الْحُرْمَةِ عَنْهُمْ، فَيَهْوُونَ فِي دِينِهِمْ، وَلَا يَعْتَمِدُونَ عَلَيْهِ فِي الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ.

وَالثَّالِثُ: إِضَاعَةُ حُقُوقِ النَّاسِ بِسُقُوطِ الشَّهَادَةِ، وَأَنَّ مَنْ اغْتَادَ تَرَكَ الْقَوْمَةَ وَالْجَلْسَةَ وَالطَّمَإِنِّيَةَ فِي أَحَدِهِمَا صَارَ مُصِرًّا عَلَى النِّعْصَةِ فَلَا يُعَدَّلُ وَلَا يُزَكَّى.

ترجمہ: ”معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر لوگوں نے سرے سے قوم اور جلسہ ہی کو چھوڑ رکھا ہے ان میں اطمینان کی بات کو جانے دیجئے، اس کی کیا بات کرتے ہیں، یہ اطمینان تو منسوخ شریعت کی طرح ہو گیا، (إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

ہم کہتے ہیں کہ اطمینان کو چھوڑنے میں بہت سی آفتیں ہیں جو ظاہر ہیں، ان کی ضرورت صرف اس جاہل کے لیے ہے جو عوام کی عادت سے دھوکہ میں ہے، یا اس عالم کے لیے ہے جو جاہ اور دنیا کی کثرت کے نشہ میں ہے، یا اس عالم کے لیے ہے جو مخلوق کی مصلحتوں میں مشغول ہے۔

۱۔ تعلیم المتعلم، فصل فی ما یجلب الرزق وما یمنعه۔ ۷۳

۲۔ نقلًا عن معدل الصلوة: ۵۱: ۵۰

بیان (العلمیہ)

ترکب تعدیل کا عادی ہونے سے جو نقصانات اور آفتیں لازم آتی ہیں ان میں سے تیس (۳۰) اس وقت میرے ذہن میں ہیں (مضمون کی طوالت کی وجہ سے یہاں پر صرف تین کو نقل کیا جاتا ہے)۔

۱۱۔ فقر اور محتاجی: نماز کے رکان کی تعدیل و تعظیم روزی لانے، اسلحہ قوی تر اسباب میں سے ہے، اور اس کو چھوڑنے اور اس میں سستی کرنے سے روزی نہیں جاتی ہے، ایسا ہی تعلیم المتعلم میں مذکور ہے (یہ صاحب ہدایہ کے شاگرد یرہان الاسلام زرنوجی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کی تصنیف ہے)۔

۱۲۔ جو شخص تعدیل نہیں کرتا وہ علماء آخرت کی نگاہ میں مہفوض ہو جاتا ہے محترم نہیں رہتا، دین میں بے عزت ہو جاتا ہے، اس کے اقوال و افعال پر اعتماد نہیں کرتے۔

۱۳۔ اس کی شہادت رد کر دی جاتی ہے، اس طرح لوگوں کے حقوق ضائع ہو جاتے ہیں، جو شخص قوم اور جلسہ کو اور ان میں سے کسی کے اندر اطمینان کو ترک کرنے کا عادی ہے وہ محصیت پر اڑا رہے والا ہے، اس کا ترکیب اور تعدیل نہیں کی جاسکتی، (اس لیے گواہی قبول نہیں ہوگی)۔“

### تنبیہ عظیم

ثُمَّ اَعْلَمُ اَنَّهَا الْمُصَلِّيُ التَّارِكُ لِلْقَوْمَةِ وَالْجُلْسَةِ وَالطَّمَانِينَةِ فِيهِمَا اَنِّي اَذْكُرُ لَكَ نَكْمَةً مُؤَثِّرَةً لَعَلَّكَ تَتَعِظُ وَتَسْتَبِيحُ اِنْ كَانَ بِكَ اِنْصَافٌ وَمِثْلٌ اِلَى الْحَقِّ وَعَلَامَةُ صَلَاحٍ.

وَهِيَ: اَنَّكَ اِنْ افْتَصَرْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عَلَى الْفَرَائِضِ وَالْوَاجِبَاتِ وَالسَّنَنِ الْمُؤَكَّدَةِ يَكُونُ عَدَدُ رَكَعَاتِكَ ثِنْتَيْنِ وَثَلَاثِينَ وَفِي كُلِّ رَكَعَةٍ قَوْمَةٌ وَجُلْسَةٌ.

فَلَوْ تَرَكَتَ طَمَانِينَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا يَصِيرُ أَرْبَعَةً وَسِتِّينَ اِلْمَا وَذُنْبًا.

وَلَوْ تَرَكَتَ اَنْفُسَهُمَا اَيْضًا يَصِيرُ مِائَةً وَثَمَانِينَ عَشْرِينَ ذَنْبًا. وَإِذَا تَرَكَ الْقَوْمَةَ صَارَ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ أَرْبَعُ مَكْرُوهَاتٍ: اَوَّلُهَا: تَرَكَ سَمِعَ اللّٰهِ لِمَنْ حَمِدَهُ عَنْ مَوْضِعِهِ وَهُوَ رَفَعَ الرَّأْسَ اِلَى الْقَوْمَةِ.

وَتَالِيَتُهَا: اِتْيَانُهُ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ، وَهُوَ اَلْهَوَى اِلَى السَّجْدَةِ. وَتَالِيَتُهَا: تَرَكَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ عَنْ مَوْضِعِهِ، وَهُوَ طَمَانِينَةُ الْقَوْمَةِ.

وَرَابِعُهَا: اِتْيَانُهُ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ، وَهُوَ اَلْهَوَى اِلَى السَّجْدَةِ. فَبَلَوْمُ تَرَكَ اَرْبَعَ سَنَنِ: اِحْدَاهَا: اِتْيَانُ سَمِعَ اللّٰهِ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ الرَّفْعِ. وَتَالِيَتُهَا: عَدَمُ اِتْيَانِهِ حَالَ اَلْهَوَى.

وَتَالِيَتُهَا: اِتْيَانُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَالَ طَمَانِينَةِ الْقَوْمَةِ بَلْ تَرْجَعُ: ”جو لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ قوم اور جلسہ اور ان میں اطمینان کو چھوڑتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے میں ان کو ایک مؤثر نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں، اگر ان میں کچھ انصاف اور حق کی طرف میلان اور اصلاح کی کوئی علامت موجود ہے تو وہ ضرور اس نکتہ سے نصیحت حاصل کر لیں گے۔

۱۴۔ یہ بت کہ آپ اگر صرف فرائض، واجبات اور سنت مؤکدہ پر اکتفاء کرتے ہیں تو بھی دن اور رات میں آپ کی نماز کی رکعات تیس (۳۲) ہوں گی، اور ہر رکعت میں قوم اور جلسہ ہے:

تو اگر آپ ان میں سے ہر ایک کے اطمینان کو ترک کرتے ہوں تو چوبیس (۶۳) گناہ ہوئے۔ اور اگر قوم اور جلسہ کو بھی چھوڑتے ہوں تو ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) گناہ ہوئے۔

اور اگر قوم کو چھوڑتے ہیں تو ہر رکعت میں چار مکروہ ہوئے:

- ۱ "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اس کی جگہ قوم کی طرف سرکا اٹھانا ہے۔ (اس سے منہ خر کرنا)۔
- ۲ اس کی جگہ کے سوا میں اس کو کہنا، وہ ہے سجدہ کی طرف جانا۔
- ۳ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" جس کی جگہ قوم کا اطمینان ہے اس کو اس کی جگہ سے ہٹانا۔

۴ اور سجدہ میں جانے کے وقت کہنا جو اس کی جگہ نہیں ہے۔

اس طرح چار شقیں پھوٹیں:

- ۱ "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کو رکوع سے سر اٹھانے کے وقت پڑھنا۔
- ۲ سجدہ میں جانے کے وقت نہ کہنا۔
- ۳ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کو قوم کی اطمینان کی حالت میں کہنا۔
- ۴ سجدہ میں جانے کے وقت نہ کہنا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا إِلَى سُنَّةِ الْقَوْمِ وَالْجَلْسَةِ وَالْعَمَائِنَةِ فِيهِمَا ضَارَ نَارُكَ عَذَابًا كَثِيرًا مِنْ سُنَّةِ مُؤَكَّدَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَفِي تَرْكِ كُلِّ سُنَّةٍ عِتَابٌ وَحَرَمَانُ الشَّقَاعَةِ.

فَهَلْ تَرْضَى أَتَيْهَا الْأَخُ الْعَاقِلُ أَنْ تَحْرِمَ شَفَاعَةَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَحَبِيبِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الَّتِي يَرْجُوهَا وَيَطْلُبُهَا كُلُّ الْخَلَائِقِ حَتَّى النَّبِيِّينَ وَالْأَوْلِيَاءِ؟ وَأَيُّ عَمَلٍ مَقْبُولٍ لَكَ يُنْجِيكَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَسَخَوِيهِ وَيُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ إِنْ لَمْ يَنْلِكَ شَفَاعَةَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا.

وَنَسْأَلُ وَنَتَضَرَّعُ إِلَيْهِ أَنْ يُرِيَنَا وَإِيَّاكُمْ أَيُّهَا الْإِخْوَانُ الْحَقَّ حَقًّا وَيُزِقَّنَا وَإِيَّاكُمْ أَقْبَاعَهُ، وَيُرِيَنَا وَإِيَّاكُمْ الْبَاطِلَ الْبَاطِلَ وَبِزُقَّنَا وَإِيَّاكُمْ الْجَنَابَةَ، إِنَّهُ كَرِيمٌ وَحِيمٌ، جَوَادٌ حَكِيمٌ.

تَرْجَمَةٌ: (یہ تو اس صورت میں ہے کہ قوم و جلسہ میں اطمینان کو واجب مانا جائے) اور اگر ہم نیچے اتریں اور قوم و جلسہ اور ان دونوں میں اطمینان کو سنت کہیں تو پھر اتنی ڈھیر ساری مؤکدہ سنتوں کا تارک ہوگا، اور ہر سنت کے ترک میں عتاب اور غضب (علیہ السلام) کی شفاعت سے محرومی ہے۔ "أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا."

تو اے سچے دہر بھائی کیا تو اس پر راضی ہے کہ سید المرسلین حبیب رب العالمین کی شفاعت سے محروم رہے جب کہ اس کو تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء بھی مانگتے اور امید رکھتے ہیں، اگر یہ شفاعت تم کو نہیں ملی تو تیرا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگا جو تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضگی سے بچائے گا اور تم کو جنت تک پہنچائے گا۔

ہم اپنے نفس کی برائیوں اور برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، اور دعا اور التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اے بھائیوں حق دکھا دے اور اس کے اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا دے اور اس سے بچالے بے شک وہ کریم و رحیم، بخشنے والا اور حکیم ہے۔

### تعدیل کی کوتاہی کا علاج

اس کوتاہی کا علاج یہ ہے کہ ان دلوں مقامات پر بھی مسنونہ اذکار جو حدیثوں



میں وارد ہوئے ہیں ان کا اہتمام کیا جائے۔ رکوع سجدہ میں چوں کہ مسنون تسبیح و اہتمام کیا جاتا ہے اس لیے تعدیل اور اطمینان کا تحقیق اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو رکوع اور سجدہ میں تعدیل نہیں کرتے۔ یہ لاپرواہی اور جلد باز لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بکثرت ملیں گے جو قومہ اور جلسہ میں اطمینان نہیں کرتے باوجودیکہ رکوع اور سجدہ اچھی طرح اطمینان سے ادا کرتے ہیں اور دین دار لوگ ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کے اذکار کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں میں اس کا ذکر ہی نہیں۔ بعض لوگ اس سے آگے بڑھ کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مسئلہ کی اچھی طرح تحقیق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے فرائض کی تکمیل کے لیے واجبات مشروع کیے اور واجبات کی تکمیل کے لیے سنن کو مشروع کیا خارج میں بھی اور اندر میں بھی۔ فقہ کی اصطلاح میں کہا گیا ہے "مُكْمِلُ الْفَرَضِ وَاجِبٌ" "وَمُكْمِلُ الْوَاجِبِ سُنَّةٌ" یعنی فرض کی تکمیل واجب سے ہوتی ہے اور واجب کی سنت سے۔ اس جملہ کا صحیح مطلب یہی ہے۔

اس لیے جو سنت کو نظر انداز کرے گا خطرہ ہے کہ واجب کو بھی چھوڑ بیٹھے گا۔  
"اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ"

### قومہ اور جلسہ میں اذکار کا ثبوت

اب ملاحظہ فرمائیے کہ قومہ اور جلسہ میں اذکار صحیح حدیثوں سے فرائض و نوافل دونوں میں ثابت ہیں آل حضرت ﷺ کا ان دونوں جگہوں پر ایک تسبیح سے زیادہ توقف کرنا، مقتدی کا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سے زیادہ ذکر کرنا، اور آل حضرت ﷺ کا اس کی تحسین کرنا، یہ سب صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔ محققین فقہاء

احادیث اور علماء دیوبند نے اس طرح توجہ دلائی ہے۔

① "عَنِ النَّبَاِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِينًا مِنَ السَّوَاءِ"۔

ترجمہ: "یعنی آل حضرت ﷺ کا رکوع اور سجدہ، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے (قومہ) اور دونوں سجدوں کے درمیان (بیٹھنا) یعنی جلسہ (قیام اور قعود کو چھوڑ کر قریب قریب برابر تھا۔"

قیام اور قعود کا استثناء اس لیے ہے کہ ان دونوں میں نسبت رکوع سجدہ، قومہ اور جلسہ کے وراثتی ہے۔ غور فرمائیے قومہ اور جلسہ کو رکوع اور سجدہ کے قریب قریب برابر بتایا جا رہا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قومہ اور جلسہ میں بھی رکوع اور سجدہ کی طرح کچھ (نہ کچھ) ذکر کیا جائے۔

تنبیہ: صحیح مسلم کی ایک روایت میں رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کے ساتھ قیام کا لفظ بھی آگیا ہے۔ یہ راوی کا وہم ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رَجَبِہَا اِنَّہُ تَعَالٰی فَعَلِہُم میں لکھتے ہیں:

"وَالَّذِي يَغْلِبُ عَلَى الظَّنِّ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ هُوَ مَا قَالَهُ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ مِنْ كَوْنِ ذِكْرِ الْقِيَامِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ وَهَذَا اسْتِثْنَاءُ الْقِيَامِ وَالْقُعُودِ هُوَ أَصَحُّ وَأَقْرَبُ إِلَى مَا هُوَ الْمُسْتَقْبُولُ مِنْ صِفَةِ صَلَواتِهِ أَكْثَرَ الْأَحْيَانِ....."۔

ترجمہ: "ظن غالب یہ ہے، جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس

حدیث میں قیام کا ذکر وہم ہے۔ قیام وقعود کا استثناء ہی آں حضرت ﷺ کی نماز کی عام مقول صفت سے زیادہ قریب ہے۔

علامہ النور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی فیض الباری میں اس کو ردولی کا تسمیہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "الظَّاهِرُ أَنَّهُ مُسَامِحَةٌ وَالتَّسْوِیَةُ رَاجِعَةٌ إِلَى الْأَرْبَعَةِ" افظہ

۱۶ "عَنْ أَنَسٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ" ۛ

فَرَجَعْنَا: "آں حضرت ﷺ جب "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے تو کھڑے رہتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہو گیا۔ آپ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ پھر سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے تو ہم سمجھتے کہ بھول گئے۔"

اس روایت میں "حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ يَا نَبِيَّ" کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ ایسا آپ کبھی کبھی کرتے تھے۔ ورنہ بھولنے اور وہم ہونے کا گمان کیوں ہوتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قول اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ کہ قومہ اور جلسہ میں یہ تقویل آپ کی عام عادت شریفہ سے ..... (جس کے دیکھنے کے صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی عادی تھے) زیادہ نہ تھی۔ بل کہ بہت ہی قلیل اور کبھی کبھی تھی۔ ورنہ اگر یہ تطویل سنت

ۛ فیض الباری، الاذان، باب خذ إتمام الركوع - ۳۷۲/۶۱، رقم: ۷۹۲

ۛ مسلم، الصلوۃ، باب اعتدال أركان الصلوۃ، ۱۸۹/۱، بخاری، الاذان، باب الطمانیۃ حين يرفع رأسه من الركوع: ۱۱۰، بلقیث لسی

مستمرہ معروف مانی جائے تو پھر صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے لسیان کا گمان کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوگا۔ جب کہ آں حضرت ﷺ کی قرأت اور رکوع و سجود کی تطویل پر جو اکثر اوقات میں ہوتی تھی صحابہ کرام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو کبھی وہم و لسیان کا گمان نہیں ہوا۔ ہاں مطلق الطمینان اور اتنی دیر تک رکوع، قومہ، دونوں سجدہ سے اور جلسہ میں ٹھہرنا اور جتنا جس کا اعتبار کیا جائے یہ معروف معتاد اور یقینی امر ہے جس کے مؤکد اور حتمی ہونے سے انکار ممکن نہیں۔ اور لوگ اس سے اس زمانہ میں غافل ہیں "وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانِ" ۛ

قاضی شوکانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت براء بن عازب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رکوع اور سجدہ میں جو تسبیح شروع ہے اس سے زیادہ اذکار اعتدال کی حالت میں شروع ہیں اس لیے یہ کہنا (جیسا کہ بعض شوافع نے کہہ دیا) کہ قومہ اور جلسہ کی تطویل مولات اور اتصال کے خلاف ہے غلط ہے۔ اس لیے کہ مولات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ارکان کے درمیان کسی ایسے فعل سے جو اس میں سے نہیں طویل فصل نہ ہو اور شریعت میں جو چیز ثابت ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اس میں سے نہیں صحیح نہیں۔ "وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ" ۛ

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے قاضی شوکانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا یہ کلام بغیر رد و قدح کے نقل کیا ہے اور اس کے بعد معاشی الہند کا مذکورہ کلام، اس سے ظاہر ہے کہ مولانا بھی لوگوں کی اس عام غفلت پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا قومہ ..... اور جلسہ ..... رکوع اور سجدہ کے قریب تھا۔ اگر یہ مانا جائے کہ رکوع اور سجدہ میں تین مرتبہ تسبیحات پڑھتے تھے تو قومہ اور جلسہ میں دو مرتبہ تسبیح پڑھنے کے بقدر ٹھہرتے

ۛ فتح الملہم، الصلوۃ، باب اعتدال أركان الصلوۃ - ۱۶۰۴/۳، رقم: ۱۰۷۱

ہوں گے اور اگر رکوع اور سجدہ میں تین سے زیادہ تسبیح مانئے تو قومہ اور جلسہ میں اس کے قریب توقف مانئے۔ اور دوسری حدیث سے کبھی کبھی طویل توقف کا جواز معلوم ہوا ہے۔

اب آئیے ایسی روایات دیکھئے جن میں اذکار مذکور ہیں اور ظاہر ہے کہ نماز جب تسبیح، ذکر اور قرأت کا نام ہے تو قومہ اور جلسہ کے توقف میں خاموش کیوں رہیں گے۔ ضرور کچھ ذکر کرتے رہے ہوں گے۔

### قومہ کی دعا

۳۳ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشت جب رکوع سے اٹھاتے تو فرماتے:

"سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَاءَ السَّمَوَاتِ وَمِلَاءَ الْأَرْضِ وَمِلَاءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ" ۱  
 "یعنی اے اللہ! تیرے لیے حمد ہو آسمانوں کو بھر کر اور زمینوں کو بھر کر اور ان کے علاوہ جس چیز کو تو چاہے اس کو بھر کر۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلَاءَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلَاءَ بَيْنَهُمَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ" ۲

پھر یہی روایت تقریباً اسی سند سے جلد ثانی میں کتاب الدعوات میں ذکر کی ہے۔ اور وہاں "إِذَا قَامَ الصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ" کا لفظ بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا

۱ مسند احمد: ۳۵۳/۴، رقم: ۱۸۶۲۵، بروایت ابن ابی اوفی

۲ ترمذی، الصلوٰۃ باب ما يقول الرجل إذا رفع رأسه عن الركوع: ۶۱/۱ مع العرف الشاذ

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں بھی اس کو پڑھتے تھے ترمذی نے دونوں جگہوں پر اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔  
 ابو داؤد میں بھی یہ روایت مذکور ہے اور کوئی کلام نہیں کیا۔

۴۴ حضرت رفاعہ زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھایا تو "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہا۔ اس وقت آپ کے پیچھے ایک صاحب (خود حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ کلمات کہے۔ "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ" جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ کس نے یہ کلمات کہے۔ متکلم نے کہا میں نے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تم سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کی طرف بڑھتے سب سے پہلے ان کو نکلیں۔

اس سے مقتدی کا امام کے پیچھے "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" سے زیادہ ذکر کرنا ثابت ہوا۔ یہ اس وقت ہوگا جب امام "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" سے زیادہ توقف کرے۔

### ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کوئی کہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں امام کو فقط "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہنا چاہیے اس سے زیادہ نہیں تو پھر ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی حدیثوں میں جو ذکر آیا ہوا ہے اس کو ایک حنفی کس طرح کہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یہی ہے کہ امام

۱ ترمذی، الدعوات من رسول اللہ: ۱۸۰/۲

۲ ابو داؤد، الصلوٰۃ باب ما يستفتح به الصلوٰۃ من الدعاء: ۱۷۰/۱

کے بخاری، الاذان، باب فضل اللهم ربنا ولك الحمد: ۱۱۰/۱



"رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" بھی کہے یہ امام صاحب کی بھی ایک روایت ہے۔ اسی قول کی طرف فضلی، طحاوی اور متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک . . . عت کا میلان ہے۔ تاہم یہی قدس میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ نور الایضاح میں بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن متون میں امام صاحب کا قول مذکور ہے۔

دلیل کے لحاظ سے صاحبین اور ان کے موافق امام صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہی قوی ہے۔ اس لیے کہ آں حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ سے امامت کی حالت میں "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کے بعد "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" اور اس سے زیادہ پرہیز ثابت ہے۔ اور فقہ کی کوئی روایت اگر دلیل کے مطابق ہو تو اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ "وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَدَّلَ عَنِ الدِّرَاسَةِ أَيْ الدَّلِيلِ إِذَا وَافَقَتْهَا رَوَايَةٌ" امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) میں اس قول کو دلیل سے ثابت کیا ہے۔

### امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیق

امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے طحاوی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ آں حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ امامت کی حالت میں "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کے ساتھ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" بھی کہتے تھے اور لکھا ہے ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

"بَابُ الْإِمَامِ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ هَلْ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقُولَ

سہ شامی، آداب الصلوٰۃ، مطلب فی إبطال الركوع للجائز، ۱/۹۹۷

سہ شامی، باب صلاۃ الصلوٰۃ، مطلب لا یبغی ان یعدل ..... ۱/۲۴۳

سہ طحاوی: ۱/۱۷۲

بَهْدًا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَمْ لَا" بخاری شریف میں بھی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ رکوع سے سراٹھا کر "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے تھے اور کھڑے کھڑے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" بھی کہتے تھے۔

### جلسہ کی دعا

آں حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگتے تھے:

⑤ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي"۔  
 ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما اور رحم فرما اور میری ہدایت دے اور روزی عطا فرما۔"

ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں:

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاعْفِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي"۔

معارف السنن جلد ۳ صفحہ ۳۵۳ میں ہے کہ ذکر چہ جگہوں پر ثابت ہے ان میں قومہ اور جلسہ بھی ہیں فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ میں ایسا ہی ہے بل کہ چہ جگہوں سے زیادہ کا ذکر ہے۔

دوسجدوں کے درمیان اس مختصر دعا میں کتنی اہم چیزیں مانگی گئی ہیں، پانچ مختصر سے جسوں میں کافی حاجتیں اور ضرورتیں مانگ لی گئی ہیں، کاش! ہم لوگ اہتمام سے دل لگا کر ترجمہ کا وہیان رکھتے ہوئے اس دعا کو مانگیں، کہ اے اللہ معاف کر دے، اور مجھ پر رحم فرما دے، جس کے کاموں میں اللہ کی رحمت شامل ہوگی

سہ طحاوی: ۱/۱۷۰

سہ بخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الركوع: ۱/۱۰۹

سہ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ما یقول بین السجدين: ۱/۱۲۳

سہ ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب الدعاء بین السجدين: ۱/۱۲۳

اس کا بیڑا پار ہے۔

اور اے اللہ! مجھے عافیت عطا فرما، یقین کے بعد سب سے بڑی دولت عافیت کی ہے۔

اور پھر ہدایت طلب کی گئی ہے، ہم تو ہر کام میں ہر وقت ہر آن اور ہر گزری ہدایت کے محتاج ہیں، اس کے بعد رزق کی دعا مانگی گئی ہے اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما۔

### ایک سنت کو زندہ کیجیے

امام طحاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی دوسری کتاب (مشکل الآثار) میں یہ باب قائم کیا۔ "بَابُ بَيَانِ مَا كَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَيَّنَّ سَجْدَتَيْهِ فِي صَلَاتِهِ هَلْ هُوَ ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ سُكُوتٌ، بَلَا ذِكْرٌ"۔

ترجمہ: "یہ باب ہے رسول اللہ ﷺ کے دو سجدوں کے درمیان ذکر کرنے کے بیان میں، کیا اس میں ذکر کیا جائے گا یا خاموش رہا جائے گا۔"

پھر اس باب میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فعل ذکر کیا کہ وہ بین السجدتین "رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي" کہتے تھے۔ اور لکھا ہے کہ صرف بعض محدثین اس کے قائل ہیں۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ قول اچھا ہے اور اس میں آل حضرت ﷺ کی ایک سنت کو زندہ کرنا ہے ہم اس کی طرف جاتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ "وَهَذَا عِنْدَنَا مِنْ قَوْلِهِ حَسَنٌ، وَاسْتَعْمَلَهُ إِخْيَاءُ لِسَانِهِ مِنْ سُنَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِلَيْهِ، نَذْهَبُ وَإِيَّاهُ نَسْتَعْمِلُ" پھر اپنی عادت کے مطابق فکر سے اس کو مؤید کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

نماز میں تکبیر ہے۔ اور نماز میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، قعدہ ہے، ان تمام جہوں پر ذکر ہے۔ نماز میں دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ بھی ہے تو جیسے اور تمام جہوں پر ذکر ہے جلسہ میں بھی ذکر ہونا چاہیے۔

### علامہ ابن عابدین شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی تحقیق

علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ بین السجدتین مغفرت کی دعا کرنا (جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ کَبْرًا) مستحب ہونا چاہیے اس لیے کہ امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے استغفار کو ترک کرنے سے نماز کو فاسد کہتے ہیں اور اختلاف کی رعایت کرنا ہمارے یہاں مستحب ہے۔ تاکہ اختلاف سے نکل جائیں۔ اس اصول کے تحت استغفار کو مستحب ہونا چاہیے اگرچہ یہ جزئیہ میں نے صراحت کہیں نہیں دیکھا۔

نیز علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حلیہ شرح منیہ سے ابن امیر حاج محقق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو اذکار قومہ اور جلسہ میں وارد ہوئے ہیں اگر فرض میں ان کا ثبوت ہو تو اس کو مفرد پر محمول کریں گے، یا پھر ایسی جماعت پر جس میں مقتدی متعین معلوم ہوں جن کو ان اذکار سے گرائی تو نہیں ہوتی جیسا کہ شوافع نے اس کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ ہمارے مشائخ نے اس کی تصریح نہیں کی لیکن اس کو ماننے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ قواعد شرعیہ اس سے انکار نہیں کرتے۔ نماز تسبیح، تکبیر، قراءت، ہی کا نام ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

درمیان میں اگرچہ یہ لکھا ہے کہ قومہ اور جلسہ میں ہمارے یہاں ذکر مسنون نہیں اور جو اذکار حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں وہ نقل پر محمول ہیں۔ لیکن علامہ شامی نے وہیں لکھ دیا ہے کہ مسنون نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا

کہ جائز بھی نہ ہو جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا۔ اس کے اختلاف سے نکلنے کے لیے دونوں سجدوں کے درمیان مغفرت کی دعا مستحب ہوئی چاہیے الخ۔

ہمارے خیال میں سنت کی نفی اور اس سے انکار بھی نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ ترمذی میں مکتوبہ اور فرائض کی تصریح موجود ہے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بخاری اور مسلم کی حدیث جس میں لفظ ”اَوْھَمَ یَانَسِیَ“ آیا ہے وہ بھی بتاتی ہے کہ کبھی کبھی قومہ اور جلسہ میں آپ طویل ذکر کرتے تھے۔ اور براء بن عازب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی متفق علیہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قومہ اور جلسہ رکوع اور سجدہ کے قریب ہوتا تھا یہ اسی وقت ہوگا جب کہ ان دونوں جگہوں پر ذکر کو سنت اور ثابت مانا جائے۔

اس لیے محقق بات وہی ہے جو محقق ابن امیر حاج نے فرمائی اور جس کو علامہ شامی جیسے محقق حنفی نے تائید کے لیے پیش کیا کہ جو اذکار حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں وہ ہمارے یہاں بھی جائز ہیں البتہ حدیثوں میں امام کو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم ہے اس لیے جو اذکار گرائی کا باعث ہوں ان کو امام نہ پڑھے۔ ہم نے اوپر جو اذکار نقل کیے ہیں ان کو اختیار کرنے سے کوئی گرائی نہیں ہوگی پسمانی لوگ اس کا تحمل کر لیں گے۔ اور اس سنت کو اختیار کرنے سے قومہ اور جلسہ میں ایک تسبیح کی مقدار واجب اطمینان خوب اچھی طرح اداء ہوگا جس کے چھوٹنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نماز واجب الاعادہ رہتی ہے۔ جو بہت بڑا نقصان ہے۔ ان اذکار کا بالکل انکار کر دینے سے یا صرف نوافل پر محمول کر کے فرصت لینے سے یہ نقصان ہوا کہ انفرادی نماز اور سنن و نوافل سے بھی یہ اذکار غائب ہو گئے۔ کتنے لوگ ہیں جو سنن و نوافل میں ان اذکار پر عمل کرتے ہیں؟

لے ایضاً سے یہ حدیث صفحہ ۳۹۶ پر گزر چکی ہے۔

باوجودیکہ علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی نے سنن و نوافل میں اس کو سنت مانا ہے۔ لکھتے ہیں:

"الْقَوْلُ أَنَّهُ مَصْلَى النَّافِلَةِ وَلَوْ سُنَّةٌ يُسْنُّ لَهَا أَنْ يَأْتِيَ بَعْدَ التَّخَمُّبِ بِالْأَذْعِيَةِ الْوَارِدَةِ نَحْوُ مِلَاءِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ"۔

ترجمہ: "یعنی فقہاء نے فرمایا کہ نفل پڑھنے والے کے لیے خواہ سنت ہی کیوں نہ ہو مسنون ہے کہ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کے بعد جو دعائیں آئی ہوئی ہیں ان کو پڑھے جیسے "مِلَاءُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" والی دعا۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي" والی دعا۔"

صاحب در مختار نے بھی کہا کہ یہ اذکار نوافل پر محمول ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل میں سنت ہیں۔ لیکن اس طرح کی تعبیر سے یہ نقصان ہوا کہ یہ اذکار بالکل متروک ہو گئے۔ اس لیے صحیح بات وہی ہے جو محقق ابن امیر بن الحاج نے کہی۔ ایک طرف بہت سے ائمہ کرام قرأت میں ترحیل (ترتیل اصطلاحی) کی وجہ سے کرائی پیدا کرتے ہیں۔ زیادہ وقت صرف ہونے کے باوجود سنت قرأت نہیں ہو پاتی۔ جب کہ بہت (ہی زیادہ) اطمینان کے ساتھ قرأت کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس تجوید کے ساتھ صاف صاف قرأت کافی ہے جو روانی سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح قرأت کرنے سے مسنون قرأت کی مقدار بھی پوری ہو جائے گی۔

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے، اخلاص کی علامت یہ ہے کہ جس طرح فجر میں قرأت کرتا ہے اسی طرح ظہر میں بھی کرے اور جس طرح عشا میں اسی طرح عصر میں کیوں کہ دونوں میں اللہ ہی کے لیے پڑھ



رہا ہے۔ اور دونوں میں مسنون قرأت کی مقدار برابر ہے۔ لہذا ایسا نہ ہو کہ جہری نماز میں تو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور سری میں جلدی جلدی ..... اسی طرح ایسا بھی نہ ہو کہ جہری میں حد سے زیادہ ٹھہر کر پڑھے کہ جہاں چالیس آیات کی مقدار تک پڑھے مسنون ہو وہاں دس ہی پڑھی جاسکیں۔

دوسری طرف قومه اور جلسہ کا اطمینان بالکل ناقابل اطمینان درجہ کا کرت ہیں۔ اس کو بقدر ایک نتیجہ کہنا بھی مشکل ہے۔ ایک طرف وہ افراط تو دوسری طرف یہ تفریط۔ اگر مستون اذکار کی عادت ڈال لی جائے اور قرأت روانی کے ساتھ ہی جائے تو اتنے ہی وقت میں نماز سنت کے مطابق ہوگی۔

### علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی تحقیق

ہمارے محققین علماء دیوبند نے بھی عام لوگوں کی اس غفلت پر تنبیہ فرمائی ہے۔ حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ لوگ اس زمانہ میں اس سے غافل ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ترمذی شریف کی تقریر میں تنبیہ ضروری کے عنوان سے یہ مسئلہ ذکر کیا کہ محقق ابن امیر حاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی (تلمیذ ابن الہمام) نے حلیہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ جو اذکار احادیث میں وارد ہوئے ہیں وہ ہمارے یہاں فرض میں اور نفل دونوں میں جائز ہیں بشرطیکہ فرض میں لوگوں کی گرائی کا باعث نہ ہوں ہمارے عام معتقین نے اس کو گوشہ قبول میں ڈال دیا ہے جس سے ناظرین یہ سمجھتے ہیں کہ احناف کو اذکار سے مطلب نہیں۔ اور نفل میں پڑھنے کی بات جو احناف نے ذکر کی ہے اس کا انشاء یہی ہے کہ قوم کو گرائی نہ ہو۔

شاہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے صحیح بخاری کی تقریر میں اس کو اور تفصیل سے

فرمایا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: محقق ابن امیر حاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے ہم نے نقل کیا ہے کہ تمام دعائیں اور اذکار مرویہ تمام نمازوں میں جائز ہیں، فرائض میں جی بشرطیکہ قوم کو گرائی نہ ہو۔ فرائض کی بناء چوں کہ تخفیف پر ہے (جیسا کہ فرائض میں اس پر عمل نہیں حتیٰ کہ کتابوں میں اس کو لوگوں نے ذکر بھی نہیں کیا)۔ برخلاف نفل کے کہ وہ مصلیٰ کی رائے پر ہے جتنی چاہے طویل کرے۔ مبسوط سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض میں ناجائز ہے۔

دوسری جگہ رقم طراز ہیں۔ شمس الامم کی مبسوط میں جو یہ مذکور ہے کہ فرائض میں اذکار جائز نہیں یہ میرے نزدیک متروک ہے۔ پسندیدہ بات وہ ہے جو ابن امیر الحاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بیان فرمائی ہے۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں۔ قومه کی دعائیں صحیحین میں وارد ہوئی ہیں اور جلسہ کی سنن میں مذکور ہیں کچھ مناقشہ کے ساتھ۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کا معاملہ جلسہ میں قومه کی نسبت خفیف ہے۔ امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے یہاں جلسہ میں دعا کہ فرض ہے۔ کم از کم ایک مرتبہ "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي" کہنا چاہیے۔ میں (یعنی حضرت شاہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) کہتا ہوں کہ حنفی کو بھی اس کا اہتمام کرنا پڑے اس لیے کہ رکوع اور سجدہ میں ان تسبیحات کی وجہ سے جو ان میں پڑھی جاتی ہیں کوتاہی نہیں ہوتی۔ لیکن قومه اور جلسہ میں کثرت سے کوتاہی واقع ہوتی ہے۔ اس سے میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں بھی اذکار کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فیض الباری کی بات یہ ہے:

"فَلَمْ يَنْبَغِي الْإِعْتِنَاءُ بِهَا لِلْحَنَفِيِّ أَيْضًا لِأَنَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ لَا يَأْتِي فِيهِمَا التَّقْصِيرُ لِمَكَانِ ذَلِكَ الْأَذْكَارِ الْمَوْضُوعَةِ فِيهِمَا، بِخِلَافِ الْقُومَةِ وَالْجُلُوسَةِ، فَإِنَّ

التَّقْصِيرَ بَاتِي فِيهِمَا كَثِيرًا، وَلِذَا أَقُولُ بِإِعْتِنَاءِ الْأَذْكَارِ فِيهِمَا  
أَيْضًا۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: "میں کہتا ہوں" احناف کو بھی قومہ وجلسہ میں اس کا اہتمام کرنا  
چاہیے۔ "جہاں تک رکوع وسجدہ کا تعلق ہے وہاں متعین تسبیحات کے  
پڑھنے کی بناء پر کوتاہی (جلد بازی) نہیں ہوتی جبکہ قومہ وجلسہ میں  
اعضاء کے اطمینان میں اکثر کوتاہی برتی جاتی ہے اس لیے میں کہتا ہوں  
کہ قومہ وجلسہ میں اذکار مذکورہ کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔"

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی بات فرض نمازوں ہی سے متعلق  
ہے۔ ورنہ سنن ونوافل میں احناف بھی اذکار کو تسلیم کرتے آرہے ہیں۔ علامہ کشمیری  
رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی یہ بات ہمارے خیال میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آپ نے  
عام احناف کی نمازوں کو دیکھ کر احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ تصحیح فرمائی ہے۔ اسے  
ہمیں ضرور قبول کرنا چاہیے۔

علامہ یوسف ہوری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی "معارف السنن" میں لکھتے ہیں:  
"وَذَكَرَ الْقَاضِي ثَنَاءُ اللَّهِ الْفَائِي فِتْنِي فِي كِتَابِهِ "مَالًا بَدَّ  
مِنْهُ" أَنَّهُ يَقُولُ فِي الْجَلْسَةِ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ  
وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ۔

قَالَ الشَّيْخُ: وَهُوَ حَسَنٌ عِنْدِيْ خُرُوجًا عَنِ الْخِلَافِ  
وَبِالْأَخْصِ فِي هَذَا الْعَصْرِ الَّذِي قَسَمَا يَغْتَنِيْ فِيهِ  
بِالْأُطْمِئْنَانِ فِي الْجَلْسَةِ۔<sup>۲</sup>

<sup>۱</sup> شفاء الباری، الأذان، باب المکث بین السجدتین، ۲/۳۸۹، رقم: ۸۲۶

<sup>۲</sup> معارف السنن، ۳/۶۸، مستدرک للحاکم، الصلاة، ۱/۳۹۵، رقم: ۱۰۰۶

ترجمہ: "قاضی ثناء اللہ پانی پتی (جن کو بہت ہی وقت کہا گیا ہے) نے اپنی

کتاب المایہ منہ میں لکھا ہے کہ جلسہ میں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ  
وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ" کہے۔ شیخ (علامہ انور شاہ کشمیری  
رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی) نے فرمایا۔ اس کا پڑھنا میرے نزدیک حسن ہے تاکہ اختلاف  
سے نقل جائیں (امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے) خاص  
طورت اس زمانہ میں جب کہ جلسہ میں بہت کم اطمینان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔"

نور سمجھیے۔ امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا اختلاف فرض ہی میں ہے۔ نفل میں تو  
سب کے نزدیک اذکار ہیں۔ علامہ کشمیری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا فیصلہ فرض ہی سے  
متعلق ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی نفل کی قید نہیں لگائی جس  
سے ظاہر ہے کہ فرض میں بھی وہ پڑھنے کو فرما رہے ہیں۔<sup>۱</sup>

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ انور شاہ  
کشمیری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا کلام تقریر ترمذی میں نقل فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ  
بھی ان اذکار کے پڑھنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔<sup>۲</sup>

### خلاصہ کلام از مولانا فضل الرحمن اعظمی صاحب

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سنن ونوافل اور انفرادی ہر نماز میں قومہ اور  
جلسہ میں ہتھی دعائیں معتبر حدیثوں میں آئی ہوئی ہیں ان تمام کو پڑھ سکتے ہیں۔ ان  
کا پڑھنا مستحب اور سنت ہوگا اس سے نماز کا لطف دوہلا ہوگا۔

ہاں فرض نماز میں امام ہونے کی صورت میں چون کہ امام کو ہنگامی نماز پڑھانے کا  
تکلم ہے اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ قومہ اور جلسہ میں طویل دعاؤں سے پرہیز

<sup>۱</sup> مالا بدمنہ مترجم: ۶۲

<sup>۲</sup> درس ترمذی، الصلوٰۃ، باب ما یقول بین السجدتین: ۵۱/۲

کرنا چاہیے اس لیے کہ عام طور سے لوگ تحمل نہیں کر سکیں گے۔ البتہ مختصر دعائیں پڑھ کر جو اوپر نقل کی گئیں ان کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں وہ جائز ہیں۔ بل کہ وہ زمانہ میں چوں کہ عام طور سے اس میں کوتاہی پائی جاتی ہے اور جلسہ میں امام ائمہ از ضیل رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے یہاں ایک مرتبہ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَیْ" پڑھنا واجب ہے ساتھ ہی اختلاف کی رعایت مستحب ہے اس لیے مذکورہ بالا دعاؤں کا پڑھنا بہتر اور مستحب ہوگا اور اس سے واجب مقدار کی ادائیگی یقینی طور پر ہو سکے گی۔

امام طحاوی، علامہ ابن عابدین شامی اور علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی وغیرہ کا یہی فیصلہ ہے اور آں حضرت عَلَیْہِ السَّلَام کا ان دعاؤں کا فرض میں پڑھنا منقول اور ثابت ہے، اس لیے ان کو سنت کہنا بھی صحیح ہے، گو مؤکد نہ کہا جائے۔ اس لیے اس کو زندہ کرنا ایک سنت کا زندہ کرنا ہے۔

امام طحاوی رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا ہے:

"وَأَسْتَعْمَلُهُ إِحْيَاءَ لِسْنَةٍ مِّنْ سُنَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِلَيْهِ نَذْهَبُ، وَإِيَّاهُ نَسْتَعْمِلُ"۔

اور مردہ سنت کو زندہ کرنے سے سوشہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

اس لیے اس سنت کو زندہ کرنے کی سعادت حاصل کیجیے اور دوسروں کو مناسب طریقہ سے اس کی ترغیب دیجیے۔

تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمارے مقتدیوں میں سے جو عمرہ اور حج کے لیے جاتے ہیں۔ جب وہ وہاں کے ائمہ کرام کے قومیہ اور جلسہ کی دعاؤں کا اہتمام اور رکوع و سجدہ میں اطمینان دیکھتے ہیں تو ان مقتدیوں کی بھی رکوع، سجدہ،

ملہ مشکل الانار: ۱۹۱/۲

ملہ مشکوٰۃ: الايمان باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۳۰/۱

ملہ ماخوذ از: "قومیہ اور جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور ان دونوں میں الکار کا ثبوت" ۳۳۴۱۷

قومیہ اور جلسہ اطمینان سے گرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔

ہم ائمہ کی جماعت ابھی سے آہستہ آہستہ مقتدیوں کو بھی یہ دعائیں یاد کروادیں تو پھر کوئی گرائی بھی نہیں ہوگی، اور سب کی نماز اس مبارک سنت کے ساتھ ادا ہوتی جائے گی، اور جب سب کی سنتیں زندہ کرنے کا ذریعہ امام بنا تو امام کو سب کی سنتیں زندہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

اسی طرح مسجد میں مکتب / یا مدرسہ ہو تو بچوں کو ابھی سے قومیہ اور جلسہ کی دعائیں یاد کروالیں تاکہ بچپن سے قومیہ اور جلسہ مسنون طریقہ کے موافق ادا کرنے کی مبارک عادت پڑ جائے۔

اسی طرح قومیہ اور جلسہ کے اذکار کو نہ پڑھنے کے ان کے نقصان پر بھی غور کر لیں۔

(۱) کہ آج ہمارے معاشرہ میں اکثر نمازیوں کی عادت یہ ہو گئی ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد سیدھا سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔

(۲) بل کہ یہ جلدی کی عادت بسا اوقات امام صاحب سے پہلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو محبت اور شفقت کے ساتھ اکیلے میں سمجھا کر یہ دعائیں یاد کروائی جائیں اور امام صاحب یہ دونوں ارکان کی دعائیں چھوٹے کارڈ میں بڑے حروف کے ساتھ لکھ کر مقتدیوں میں یہ کارڈ تقسیم کر دیں کہ اس کو خوب یاد کر لیں اور اس کا ترجمہ سمجھ لیں تو پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے میں لطف دوہا محسوس ہوگا، اور نماز میں احتضار کی کیفیت پیدا ہوگی اور بین السجدتین دعائیں مانگتے ہوئے مانگنے کی کیفیت بھی پیدا ہوگی۔

دونوں سجدوں کے درمیان اور قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ

دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان کرنے کی تاکید گزر چکی ہے اس کا خیال



رکھیں۔ جلسہ کی بھی دعا پڑھیں۔ اس سے اطمینان بخوبی ادا ہوگا۔

✽ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور داہنا پاؤں کھڑا کر کے انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھیں۔

✽ بعض لوگ دونوں ایزیاں کھڑی کر کے اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعض دونوں پاؤں ایک دوسرے پر رکھ کر اس پر بیٹھتے ہیں۔ یہ سب خلاف سنت ہے۔

✽ قعدہ اولیٰ اور اخیرہ میں بھی بیٹھنے کا مسنون طریقہ وہی ہے جو دونوں سجدوں کے درمیان ہے۔ اس موقع پر بھی بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں۔

✽ قعدہ میں اور بین السجدتین ہاتھوں کے رکھنے کا مشہور طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھے جائیں کہ انگلیاں گھٹنے کی طرف لگی ہوئی نہ ہوں، بل کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ یعنی انگلیوں کے آخری سرے گھٹنوں کے ابتدائی کنارہ تک پہنچ جائیں۔ لیکن مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنہ مبارک کو بائیں ہاتھ کا لقمہ بناتے تھے۔ اس لیے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو گھٹنوں پر لٹکائے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

✽ داہنے ہاتھ کو بھی شروع میں ران پر یا گھٹنے پر رکھ لیں گے۔ اور انتہیات پڑھیں گے جب ”اَشْهَدُ اَنْ“ پڑھیں گے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنا لیں گے۔ اور چھوٹی انگلی اور اس کے بعد والی کو بند کر لیں گے۔ اور شہادت کی

سہ بخاری، الاذان، باب سنة الجلوس في التشهد: ۱۱۴/۱، شامی: ۵۰۸/۱

سہ شامی، مهم فی عقد الاصابع عند التشهد: ۵۰۸/۱

سہ مسلم، المساجد، باب سنة الجلوس في الصلوة: ۲۱۶/۱

سہ شامی، مهم فی عقد الاصابع عند التشهد: ۵۰۸/۱

انگلی سے قبلہ کی طرف اٹھا کر اشارہ کریں گے۔ ”اَشْهَدُ اَنْ لَا“ پڑھاٹھیں گے اور ”اِلَّا لِلّٰہِ“ پر جھکا دیں گے۔ باقی انگلیوں کی ہیئت آخر تک اسی طرح برقرار رکھیں گے۔

✽ شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف نہیں اٹھائیں گے۔ صرف قبلہ کی طرف اٹھائیں گے۔

## سلام و دعا کی اصلاح

سلام پھیرتے وقت دونوں طرف اتنی گردن موڑیں کہ پیچھے کے لوگوں کو رخسار نظر آجائیں۔

✽ داہنی طرف سلام پھیر کر چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ کریں، پھر یہاں سے بائیں طرف سلام پھیریں۔ بعض لوگ داہنی طرف چہرہ رکھتے ہوئے ہی سلام کی ابتداء کرتے ہیں اور بائیں طرف لاتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔

✽ دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے اس طرف کے انسانوں اور فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

✽ دعا کے وقت دونوں ہاتھ اتنے اٹھائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہو۔ دونوں ہاتھوں کو بالکل ملائیں نہیں۔ نہ ایک دوسرے پر رکھیں۔ نہ منہ پر رکھیں۔

سہ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشهد لابن عابدین الشامی: ۵۰۹/۱

سہ طحاوی: ۲۱۸

سہ ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب فی السلام، رقم: ۹۹۶

سہ شامی، مطلب فی ادراك فضيلة الافتتاح: ۵۲۷، ۵۲۶/۱

سہ تباوی عالمگیری، الباب الرابع فی الصلوة والتسبیح وقراءة القرآن: ۳۱۸/۵، ماخوذ از

”کناز فی پابندی اور اس کی حفاظت“: ۱۹ تا ۲۱

## نماز کے بعد انحراف امام کی ہیئت

حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام یا ائمہ ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے، اس لیے امام اپنی ہیئت تبدیل کرے، جس کی مختلف صورتیں ہیں۔ یعنی یا تو مصلے سے اٹھ کر چلا جائے، یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھے۔

اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو ادا کرنے کے لیے مصلے سے آگے پیچے دائیں یا بائیں ہٹ کر پڑھے۔ امام کے اسی ہیئت پر قبلہ کی طرف رہنے میں آنے والوں کو جماعت باقی رہنے کا اشتباہ ہو سکتا ہے، خطرہ ہے کہ کوئی اقتداء کر لے اور اس کی نماز صحیح نہ ہو، اس لیے امام کا ہیئت نہ بدلنا مکروہ ہے۔

امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا سنت ہے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہو تو اس کے سامنے بیٹھنا مکروہ ہے۔ لہذا اس صورت میں دائیں یا بائیں ہو کر بیٹھے۔ اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہو تو اس کا سامنا کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ علامہ ستاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔

لہذا جن نمازوں کے بعد سنت مکروہ نہیں ہیں ان میں امام کو تینوں طرح بیٹھنا درست ہے۔ یعنی دائیں جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف۔ البتہ کسی ایک کا التزام درست نہیں، داہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہوا ولی ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ ﷺ داہنی طرف پھرتے تھے۔

۱۔ مآخذ احسن الفتاویٰ، باب الإمامة والجماعة، انصراف الإمام إلى جهة الأمام: ۳/۲۷۳

۲۔ فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوة، جن نمازوں کے بعد اول نظر نہیں: ۴/۱۳۴

۳۔ مسلم، صلاة المالکین، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال رقم: ۷۰۸

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بار بار رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے۔

پس معمول یہ رکھنا چاہیے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے اور کبھی کبھی بائیں طرف کو پھر جایا کرے۔

ظہر، مغرب اور عشاء کے فرضوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دعا کرنا خلاف سنت ہے۔

## نماز کے بعد دعا

آہستہ دعا کرنا افضل ہے اگر نمازیوں کو حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے تو جائز ہے۔ ہمیشہ زور سے دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ روایات میں جہر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔

اگر دعا کی تعلیم مقصود ہو تو بلند آواز میں بھی مضائقہ نہیں۔ مگر اس بلند آواز سے جس سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو۔ نماز سلام پر ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد دعا نماز کا جز نہیں۔

اسی طرح امام دعا کے الفاظ کو اپنے ساتھ مخصوص نہ کرے اگر وہ دعا زور سے کر رہا ہے۔ اس قسم کی دعا کرنا خیانت ہے۔ احادیث میں جو منفر د الفاظ آئے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، کیوں کہ مقتدی بھی اپنے لیے دعا کر رہے ہیں اس طرح

۱۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، الباب الرابع، صفة الصلوة، سنن وکلیات نماز: ۱۹۲/۲

۲۔ بحوالہ غنیۃ المصلی: ۱/۲۳

۳۔ احسن الفتاویٰ، باب الامامة والجماعة: ۳/۳۱۵

۴۔ فتاویٰ رحبیہ، فتاویٰ مسائل نماز کے بعد دعا: ۱/۱۸۳

۵۔ فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوة، دعا زور سے مانگا: ۲/۱۷۳

نفس و دعا میں سب شریک ہو جائیں گے۔

بعض جگہ دستور ہے کہ ختم دعا پر جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو اس وقت فکر طیبہ پڑھتے ہیں، حالاں کہ یہ بدعت ہے، کیوں کہ دعا کے آخر میں درود شریف اور آمین کے سوا کچھ اور پڑھنا ثابت نہیں۔

ائمہ کرام اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ بسا اوقات مقتدی آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرمادیں تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ آپ کی کیا حاجت ہے، فوراً مانگیں کہ وہ حاجت ناجائز بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت ﴿يُنْخَبِطُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کر لے کہ جس کام کی دعا کر رہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں، مشتبہ حالت میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا، تفسیر روح البانی میں بحوالہ قاضی بیضاوی نقل کیا ہے کہ جب اس آیت سے مشتبہ الحال کے لیے دعا کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی تو جس معاملہ کا ناجائز حرام ہونا معلوم ہو اس کے لیے دعا کا ناجائز ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ آج کل کے مشائخ میں جو یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جو شخص کسی دعا کے لیے آیا اس کے واسطے ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا کر دی حالاں کہ اکثر ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس مقدمہ کے لیے یہ دعا کر رہا ہے اس میں یہ خود ناحق پر ہے یا خالص ہے، یا کسی ایسے مقصد کے لیے دعا کر رہا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں، کوئی ایسی ملازمت اور منصب ہے جس میں یہ حرام میں مبتلا ہوگا یا کسی کی حق تلفی کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔ ایسی دعائیں حالت معلوم ہونے کی صورت میں تو حرام و ناجائز ہیں ہی، اگر حالت اشتباہ کی

حالت بھی ہو تو حقیقت حال اور معاملہ کا جائز ہونے کا علم حاصل کیے بغیر دعا کے لیے اقدام کرنا بھی مناسب نہیں۔

## خشوع و خضوع

مولانا محمد منظور نعمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ملفوظات میں لکھتے ہیں:

”مولانا الیاس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک موقع پر فرمایا کہ اقامت صلوٰۃ ساری زندگی کو درست کرنے والی شے ہے لیکن اقامت صلوٰۃ کی تکمیل ہوگی ان اوصاف کے پیدا کرنے سے جن کا ذکر نماز کے سلسلہ میں قرآن مجید میں متفرق طور پر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ الَّذِينَ هُمْ لِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۱﴾

اور سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ کے بعد

فرمایا گیا ہے ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ”خشوع فی الصلوٰۃ“ بھی ”اقامت صلوٰۃ“ میں داخل ہے اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے ”مقیمین الصلوٰۃ“ نہیں ہیں اور نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی ترکیب و تدبیر کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کے یقین کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔

﴿وَأَنَّهُمَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ

مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُم إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۲﴾

فرمایا کہ ”ملقوا ربہم کو آخرت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ کے



بندوں کو نماز کی حالت میں جو حضوری نصیب ہوتی ہے وہ بھی اس کی صداق ہے۔  
فرمایا کہ ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾  
میں جس فلاح اور کامیابی کا وعدہ ہے اس کو صرف فلاح اخروی ہی میں منحصر کر لے لی  
کوئی وجہ نہیں، بل کہ دنیا میں کامیابی و کامرانی بھی اس میں داخل ہے اور مطلب یہ  
ہے کہ جن لوگوں میں یہ ایمانی اوصاف ہوں ہماری غیبی مدد دنیا میں بھی ان کا راستہ  
صاف کرنے اور فلاح و کامرانی تک ان کو پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔“

آج ہماری نماز میں سب سے زیادہ کمی خشوع و خضوع کی ہے، حالاں کہ نماز  
اور کامیابی کا وعدہ اسی کے لیے ہے جو نماز میں خشوع و خضوع کرے۔ خشوع پیدا  
کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ہر نماز کو آخری نماز سمجھیں نبی کریم ﷺ نے ایک  
شخص کے پوچھنے پر فرمایا ”فَصَلِّ صَلَوةَ مُؤَقِّعٍ“ رخصت کرنے والے کی نماز  
پڑھو۔ یہ سوچو کہ معلوم نہیں اس کے بعد زندگی میں نماز پڑھنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔  
یہ سوچے کہ رب ذوالجلال کے سامنے کھڑا ہوں اسے میرے دل و دماغ کے خیالات  
کا بھی علم ہے۔ وہ ﴿عَلَيْهِمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ہے اگر میں اس کی طرف دل سے  
متوجہ نہ ہوں گا تو اس کی توجہ مجھے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ میں اس کا محتاج  
ہوں وہ میرا محتاج نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

خشوع سکون کا نام ہے۔ نماز میں اعضاء کا سکون بھی مطلوب ہے اور وہ یہ ہے  
کہ ارادہ سے ہاتھ پاؤں عبث نہ ہلائے، ادھر ادھر گردن یا نظر سے التفات نہ  
کرے، سر کو اوپر نہ اٹھائے، بالوں اور کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے اور بلا ضرورت  
بدن نہ کھجلائے نہ کھٹکھارے۔

قلبی خشوع یہ ہے کہ ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے اور خود خیال آ جائے تو

خشوع کے معنی نہیں۔ معلوم ہوا کہ خشوع اختیاری فعل ہے عادتاً حال نہیں ہے۔  
ہاں ارادہ اور توجہ کی ضرورت ہے۔

خشوع حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ نماز میں منہ سے جو الفاظ نکلے  
متن یاد سے نہ نکلے، بل کہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کر کے اس کو منہ سے نکالے۔  
جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہے گی تو لامحالہ دوسرے خیالات بند ہو جائیں گے۔ اس  
مرتبہ کو اذل سے آخر تک بالاتزام کرے۔ اول تو ان شاء اللہ کوئی خیال نہیں آئے گا  
اگر بالفرض آ جائے تو پھر اس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے  
یہ سوچ بھی خیال غیر ہے، بل کہ اسی طریقہ مذکورہ کو دوبارہ زندہ کرے۔ ان شاء اللہ  
خطرات دفع ہو جائیں گے۔

اہل کرام لوگوں کو بھی سمجھائیں کہ اگر خشوع و خضوع نماز میں پیدا نہ ہو تو بھی نماز  
نہیں چھوڑنی چاہیے۔ خشوع و خضوع کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اگر نماز چھوڑ دی  
تو فرض کا ذمہ سر پر رہے گا۔ شیطان ہر طرح سے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ کبھی یہی سمجھاتا  
ہے کہ تمہاری نماز ہی کیا۔ ایسی نماز نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حاشا و کلاماً نماز  
ہر حال میں پڑھنا فرض ہے خواہ دل لگے یا نہ لگے۔ خشوع و خضوع ہو یا نہ ہو، ہاں  
کو تابی ہو جائے ادھر ادھر ذہن منتقل ہو جائے تو توبہ اور استغفار کرے اور اچھی نماز  
پڑھنے کا ارادہ کرے ان شاء اللہ اصلاح ہوتی جائے گی۔

ہم میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ میری زندگی اچھی ہو جائے میرے  
مقتدیوں اور شاگردوں کی تربیت ہو جائے، میری اولاد کی تربیت ہو جائے ان کی  
حاجتیں پوری ہو جائیں۔

ان سب باتوں کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنی نماز کو خوب احسن و بہتر طریقے سے  
ادا کرنے کی کوشش کریں اور اپنے مقتدیوں شاگردوں کی بھی نماز پر محنت کریں۔

بسا اوقات مدرسہ اسکول میں ہم بچوں کی شرارتوں سے تنگ آ جاتے تھے۔ نمازوں پر محنت شروع کی، جو طالب علم اپنی نماز اچھی بنا لیتا تھا، وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا تھا اور نماز کی خاصیت ہی یہی ہے کہ وہ برائیوں سے بچانے کا سبب بنتی ہے، اسی سے بزرگوں کا مقولہ ہے۔

”نماز بقدر زندگی اور زندگی بقدر نماز“

جس کی جتنی نماز اچھی ہوگی اسی قدر زندگی اچھی ہوگی، اور نماز خشوع و خضوع سے پڑھنے کے لیے نماز سے پہلے کی سنتوں کا بھی خوب اہتمام کیا جائے۔ مثلاً رات کو اٹھے تو اٹھنے کی دعاء، پھر گھر سے نکلنے کی دعاء، مسجد جانے کی دعاء، الغرض مسنون اعمال اور مسنون دعاؤں کا اہتمام معاون اور مساعد ہوگا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگتے رہیں:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ الرُّضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلٰوَةِ وَتَمَامَ رِضْوَانِكَ وَتَمَامَ مَغْفِرَتِكَ۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے پورا وضوء کرنے، پوری نماز ادا کرنے، پوری رضامندی اور تیری پوری بخشش کا سوال کرتا ہوں۔“

## خشوع و خضوع پیدا کرنے کا طریقہ

ہم ائمہ کو چاہیے کہ ہم اپنی نمازوں پر خوب محنت کریں۔ اچھی سے اچھی اور بہتر سے بہتر نماز بنانے کی فکر کریں۔ اس کے لیے ہمیں تین باتوں کا اہتمام کرنا ہوگا۔

۱۔ لمبی لمبی نمازیں پڑھ کر مشق کرنی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے ہوں گے۔ جس میں قیام بھی لمبا ہو اور رکوع و سجود بھی طویل ہوں۔ مثلاً مغرب کے بعد اذانین کا اہتمام اور اذان ہوتے ہی نوافل اور دعاؤں کا اہتمام، ویسے بھی جو اپنی

۱۔ کنز العمال، الخامس، الطہارۃ، اذکار الوضوء، رقم: ۲۶۸۸

حاجت اور ضرورت ہو تو اذان اور اقامت کے درمیان اللہ تعالیٰ سے مانگ لینا چاہیے کہ حدیث میں آتا ہے۔ ”لَا یُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔“<sup>۱</sup> اور ہماری سب سے بڑی حاجت اور ضرورت اپنی نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ سے جو دعائیں نماز کے اندر منقول ہیں ان دعاؤں کو نماز میں اہتمام سے مانگا جائے کہ نماز مناجات کا نام ہے اور مناجات باب مفاعلہ سے ہے جس کے معنی سرگوشی کرنے کے ہیں۔ سرگوشی کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا آپس میں اس طرح بات کرنا کہ کسی تیسرے کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

ہدایہ میں ایک روایت ہے۔ ”لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّیُّ مَنْ یُّنَاجِیْ مَا التَفَتَ“<sup>۲</sup> ترجمہ: ”اگر نمازی یہ جان لے کہ میں کس کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہوں تو وہ (اللہ) کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔“

لہذا نمازوں کے اندر دعائیں خوب مانگی جائیں، بعض دعائیں ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر (آخری) کہتے پھر یہ دعاء پڑھتے:

وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحِیَّاتِیْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْعَلِیْکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ، ظَلَمْتُ نَفْسِیْ، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ،

۱۔ ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب فی الدُّعَاءِ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ: ۷/۷۷

۲۔ ہدایہ اولین، الصلوٰۃ، فصل: ۱۴۰

فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، وَالْمُؤْمِنِينَ  
لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَاتِي  
لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَاتِي إِلَّا أَنْتَ، لِيَبْكَ وَتَعْدِيكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيمَنْ  
بِيَدِكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، أَنَا بِكَ وَ إِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ  
وَاسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جو آسمانوں اور زمین کو  
پیدا کرنے والا ہے، میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا ہے زار ہوں اور میں ان  
لوگوں میں سے نہیں ہوں جو شرک کرتے ہیں، میری نماز، میری عبادت میری زندگی  
اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی  
شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم کیا گیا ہے اور میں مسلمانوں (یعنی فرماں  
برداروں) میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو  
ہی میرا رب ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں اپنے  
گناہوں کا اقرار کرتا ہوں (چوں کہ تو نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں کا  
اعتراف و اقرار کرتا ہو میری بارگاہ میں آئے میں اسے بخش دوں گا) لہذا تو میرے  
تمام گناہوں کو بخش دے، کیوں کہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا اور بہترین  
اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر، کیوں کہ بجز تیرے اور کوئی بہترین اخلاق کی  
طرف راہنمائی نہیں کر سکتا اور بدترین اخلاق کو مجھ سے دور کر دے، کیوں کہ تیرے  
سوا اور کوئی بد اخلاقی سے مجھے نہیں بچا سکتا، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور تیرا  
حکم بجالانے پر تیار ہوں، تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری جامع  
سے منسوب نہیں کی جاتی، میں تیرے ہی سبب سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع  
کرتا ہوں، تو بابرکت ہے اور اس بات سے بلند ہے (کہ تیری ذات و صفات کی

میلے کہ نہ تک کسی عقل کی رسائی ہو سکے) میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور  
تیرے ہی سامنے توبہ کرتا ہوں۔“

اور جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔  
”اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ، وَبِكَ أَمِنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَكَ  
سَمْعِي وَبَصَرِي، وَمُنِيخِي وَعَظْمِي وَعَصَبِي۔“<sup>۲</sup>  
ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان  
لایا اور تیرے ہی لیے اسلام لایا اور میری سماعت، میری پیشانی، میرا  
سفر میری ہڈی اور میرے پٹھے تیرے ہی لیے جھکے ہوئے ہیں۔“  
اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔

”اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَّةَ السَّمَوَاتِ وَمِلَّةِ الْأَرْضِ  
وَمِلَّةَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلَّةَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔“<sup>۳</sup>  
ترجمہ: ”اے اللہ! رب ہمارے اے تیرے ہی لیے حمد ہے آسمانوں اور  
زمینوں کے برابر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے برابر اور اس چیز  
کے برابر جو بعد کو تو پیدا کرے یعنی آسمانوں اور زمین وغیرہ کے بعد جو  
معدوم چیزیں تو پیدا کرنا چاہے۔“

اور جب سجدہ میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔  
”اللَّهُمَّ! لَكَ سَجَدْتُ، وَبِكَ أَمِنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ  
وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، تَبَارَكَ  
اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے تیرے لیے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا اور  
تیرے ہی لیے اسلام سے بہرہ ور ہوا، میرے منہ نے اسی ذات کو سجدہ



کیا جس نے اس کو پیدا کیا اس کو صورت دی، اس کے کان کھولے اور اس کی آنکھ کھولی۔ اللہ بہت بابرکت اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔  
اور پھر رسول اللہ ﷺ کی سب سے آخری دعا جو ”التَّحِيَّاتُ“ اور سلام پھیرنے کے درمیان ہوتی یہ ہے۔

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ۔“

”اے اللہ! میرے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے پوشیدہ اور علانیہ کیے ہیں اور (اس) زیادتی کو بخش دے (جو میں نے اعمال اور مال خرچ کرنے میں کی ہیں) اور ان گناہوں کو بھی بخش دے جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے اور تو اپنے بندوں میں جس کو چاہے عزت و مرتبہ میں آگے کرنے والا اور جس کو چاہے پیچھے ڈالنے والا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے (یعنی باوازا بلند نہ پڑھتے تھے، چناں چہ میں نے (ایک دن) عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ پر میرے مال باپ قربان ہوں، آپ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہوئے کیا پڑھا کرتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ (دعا) پڑھا کرتا ہوں:  
”اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ

۱/۲۶۳، رقم: ۷۷۱

۱/۵۸۸، رقم: ۵۵۸

وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنْقَى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالطَّلَجِ وَالْمَاءِ وَالْبُرْدِ۔“

”اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی دُوری پیدا کر دے جیسا کہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان بعد پیدا کر رکھی ہے (یعنی میرے گناہوں کو کمال بخش عطا کر) اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑے سے میل (کچیل) دور کیا جاتا ہے (یعنی مجھے گناہوں سے کمال پاکی عطا کر، اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔“

”دعاء کے آخری جملہ (اے اللہ! میرے گناہوں، برف اور اولوں سے دھو ڈال) سے یہ مراد ہے کہ الہ العالمین! میرے گناہوں کو اپنے فضل و کرم کے مختلف طریقوں سے بخش دے۔“

### لباس کی اصلاح

اکثر مقتدی حضرات روزمرہ زندگی میں شرعی لباس کی رعایت نہیں کرتے اور یہ عادت ان کی اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ نماز میں بھی شرعی لباس کی رعایت کا اہتمام اور اس کا خیال تک نہیں آتا، لہذا امام صاحب کی یہ ذمہ داری ہے کہ (حکمت اور پیار محبت کے ساتھ) وہ مقتدیوں کو اس کا باقاعدگی سے پابند کر آئیں اور بتائیں کہ:  
نماز میں ستر عورت تو شرط ہی ہے۔ ستر عورت کے بعد بھی کچھ چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔ مردوں کا کپڑا ریشمی نہ ہو۔ جان دار کی تصویر والا نہ ہو اتنا چست نہ ہو کہ اعضاء کی ساخت نمایاں ہو۔ کرتا یا پاجامہ یا لنگی ٹخنے سے نیچے نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی کپڑا اگر ٹخنے سے نیچے ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

۱/۲۶۳، رقم: ۷۷۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نماز پڑھی ان کا پا جامہ یا لنگی ٹخنے سے نیچے تھی حضور ﷺ نے ان کو نماز اور ہر دونوں کے لوٹانے کا حکم دیا۔ پوچھا گیا: ”حضرت آپ نے وضو لوٹانے کا حکم کیوں دیا؟“ فرمایا: ”اس نے لنگی نیچے کر کے نماز پڑھی اور جو ایسا کرتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔“

معلوم ہوتا ہے کہ وضو لوٹانے کا حکم بطور سزا کے دیا، تاکہ پھر ایسی غلطی نہ کریں۔ نماز کے لوٹانے کا حکم تو ظاہر ہے کہ اس لیے دیا کہ ایسی نماز مکروہ ہوتی ہے، بارگاہ الہی میں قبول نہیں ہوتی۔

اور یہ مضمون تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو تکبر کے ساتھ لنگی یا نجامہ ٹخنے سے نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نارائگی کی وجہ سے نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھیں گے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ ایسا تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے تو کم از کم متکبرین کے ساتھ مشابہت تو پائی جاتی ہے۔ یہی کیا کم ہے؟

حدیث شریف میں یہ بھی تو آیا ہے: ”مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ متکبرین سے مشابہت اچھی بات ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور آدمی کو اس بیماری کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے ایک صحابی سے آن حضرت ﷺ نے فرمایا: ”وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

۱۔ ابو داؤد، الصلوۃ، باب الاسبال فی الصلوۃ، رقم: ۶۳۸

۲۔ بخاری، اللباس، باب من جز لوبہ من الخیلاء، رقم: ۵۷۸۸

۳۔ ابو داؤد، اللباس، باب فی لیس الشہرۃ، ۲/۲۰۳

تَحْقِيقُ الْإِسْلَامِ

یعنی لنگی پیچی کرنے سے پرہیز کرو اس لیے کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتے۔ ایک اور حدیث میں ہے ”مَنْ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَتَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ“

یعنی جو کپڑا ٹخنے سے نیچے ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ کپڑا تو دنیا ہی میں اتار لیا جاتا ہے مطلب یہ کہ کپڑے والا جہنم میں جائے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ“

جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ اس کی طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے اس میں عام طور سے غفلت برتی جاتی ہے۔

یہ ممانعت مطلقاً ہے۔ نماز کے اندر بھی اور باہر بھی، جب یہ حالت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو ایسی حالت میں نماز کیسے قبول ہوگی۔ بہت سے لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نماز کے وقت تو پا نجامہ یا پینٹ موڑ لیتے ہیں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو نیچے کر لیتے ہیں۔ یا کام کرنے کے وقت ٹخنے سے نیچے رکھتے ہیں۔ ائمہ کرام ایسے لوگوں کو سمجھائیں کہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت ناپسند ہے۔ پھر ہم نماز کے باہر جسی اللہ تعالیٰ کی نارائگی کیوں مول لیتے ہیں۔ اسی حال میں موت آجائے تو کیا ہوگا۔ ”اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ“

بعض ائمہ کرام کا بھی بے احتیاطی سے پا نجامہ ٹخنوں سے نیچے ہوتا ہے۔ بعض میں وضع قطع کے اعتبار سے کمی پائی جا رہی ہوتی ہے، تو بعض ائمہ کرام

۱۔ ابو داؤد، اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، رقم: ۴۰۸۴

۲۔ بخاری، اللباس، باب ما أسفل من الکعبین، رقم: ۵۷۸۷

۳۔ ترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی الکبر، ۲۰/۲۰

۴۔ سار کی، پابلیک اور اس کی حفاظت، ۲۱ تا ۲۲

نماز سکون و اطمینان سے نہیں پڑھتے۔

اور یہ ایسی عادات ہیں کہ جن کو مقتدی ائمہ کے حق میں کسی حال میں بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، کیوں کہ ہر مقتدی یہ چاہتا ہے کہ میں جس امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھوں اس کا لباس، اخلاق، نماز، وضع قطع غرض ہر کام شریعت اور سنت کے عین مطابق ہو۔

لہذا ائمہ کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ ایسی صفات ہرگز اختیار نہ کر لیں جن کو دیکھ کر مقتدی غلط تاثر لیں اور مقتدیوں کے دلوں میں امام کے لیے نفرت پیدا ہوں۔

### تصویر اور نقش و نگار والے کپڑوں میں نماز پڑھنا

بعض لوگ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں جس پر جاندار کی تصویریں ہوتی ہیں، بعض لوگوں کے شرٹ کے انگلی یا پچھلے حصے پر فلمی اداکاروں کی تصویریں وغیرہ ہوتی ہیں اور وہ لوگ بے احتیاطی میں اس میں نمازیں پڑھتے ہیں، لہذا ائمہ مساجد لوگوں کو پیار و محبت اور حکمت کے ساتھ انفرادی طور پر سمجھائیں کہ ایسے پینٹ شرٹ اور ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس پر جاندار کی تصویر بنی ہو۔

اسی طرح ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا بھی ناپسندیدہ ہے جس پر جاذب نقش و نگار بنا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کی خود یا کسی دوسرے کی اس پر نگاہ پڑے گی اور اس کے دیکھنے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جائے گی جو خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے آں حضرت ﷺ کو ایک نقش چادر ہدیہ کی، آپ ﷺ نے اس میں نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوتے ہی اس کو نکال دیا اور فرمایا: ”قریب تھا کہ یہ مجھے نماز سے غافل کر دیتی یہ ابوجہم کو (جنہوں نے دی تھی)

سہ شامی، باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا: ۱/۶۲۷

اپنی سرور اور ان کی انجانی چادر (جو سادی تھی اس پر نقش و نگار نہیں تھے) لاؤ۔“ اس سے معلوم ہوا کہ جو کپڑا یا مصلیٰ ایسا جاذب نظر ہو جو مصلیٰ کی توجہ کو ہٹا دے اس کو استعمال کرنا نماز کی حالت میں مناسب نہیں بل کہ مکروہ ہے۔ لہذا مسجد میں قالین، بچھانا ہو تو ایسا سادہ قالین بچھائیں، جس پر نقش و زینت نہ بنی ہوئی ہو، ایک ہی رنگ کا سادہ قالین ہو۔

اسی طرح مسجد کے سامنے کی دیوار بھی سادی ہو، بہتر ہے کہ سفید رنگ لگا ہوا ہو تاکہ نمازیوں کی توجہ رنگین پتھروں میں یا قالین کے پھولوں اور زینت میں نہ لگ جائے۔

### عورتوں کی نماز

اس کے بعد خواتین کی نماز کا مختصر طریقہ لکھا جاتا ہے، تاکہ ائمہ کرام اپنے وعظ و درس میں مرد حضرات کو بتائیں اور پھر وہ اپنی محرم عورتوں کو سکھا کر ان کی نمازوں کو درست فرمائیں۔

مرد حضرات تو اپنی نماز کے بارے میں ائمہ کرام سے جمعے کے وعظ اور درس وغیرہ میں سنتے رہتے ہیں اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو براہ راست ان سے پوچھ سکتے ہیں، لیکن خواتین براہ راست ائمہ کرام سے نہیں پوچھ سکتیں اور اگر اپنے محرم مرد یا شوہر سے پوچھتی ہیں تو ان کو خواتین کی نماز کا طریقہ آتا نہیں، لہذا ائمہ کرام اس بارے میں مرد حضرات کو فکر مند فرمائیں اور مندرجہ ذیل طریقے پر ان کو نماز پڑھنا سکھائیں۔

عورتوں کی نماز مردوں سے بعض جگہوں پر ذرا مختلف ہے:

① عورتوں کو نماز شروع کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے سوا تمام جسم کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔ بعض عورتیں اس طرح نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے بال کھلے ہوتے ہیں۔ بعض کے کان بعض کی

سہ بخاری، الصلاة، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام ونظروا الی علیہا، رقم: ۳۷۳

سہ شامی، باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا: ۱/۶۵۸



کلائیاں کھلی ہوتی ہیں۔ بعض کے دوپٹے اتنے باریک ہوتے ہیں کہ بالِ نقر سے ہیں۔ یہ سب طریقے ناجائز ہیں۔ نماز کے دوران عورت کا کوئی عضو چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے سوا اگر اتنی دیر کھلا رہے جس میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" پڑھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اور اگر اس سے کم کھلا رہا تو نماز ہو جائے گی۔ مگر مرد ہوگی اور گناہ ہوگا۔

۲۰ عورتیں جتنا گھر کے اندر نماز پڑھیں بہتر ہے۔ کمرے میں نماز پڑھنا برا ہے۔ میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور برا ہے میں پڑھنا محکم میں پڑھنے سے افضل ہے۔

۳۳ عورتوں کو نماز شروع کرنے کے وقت ہاتھ کانوں تک نہیں بلکہ سر پر کندھوں تک اٹھانے چاہیے اور وہ بھی دوپٹے کے اندر۔ ہاتھ باہر نہ نکالیں۔

۱۲۷ عورتیں ہاتھ صرف سینہ پر اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی پتیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دیں۔ انگلیاں خوب ملی ہوئی ہوں (عورتوں کے لیے واجب ہے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑنا نہیں ہے۔ یہ مردوں کا طریقہ ہے)۔

۵ غورتیں اس طرح کھڑی ہوں کہ دونوں پاؤں ملے ہوں۔ پاؤں کے درمیان فصل نہ ہو۔ رکوع میں بھی یہی حالت رہنی چاہیے۔

۶ نماز کی نیت کر کے اللہ اکبر کہہ کر، ہاتھوں کو سینہ پر رکھنے کے بعد شاپڑھے پھر "أَعُوذُ بِاللّٰهِ" اور "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھ کر "الْحَمْدُ شَرِيف" پڑھے۔ "وَلَا الضَّالِّينَ" کے بعد آمین کہے۔ پھر "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھ کر کوئی سورت پڑھے پھر "اللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر رکوع میں جائے۔

۷ عورت رکوع میں صرف اتنا جھکے کہ ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھ دے۔ (مردوں کی

سأله مصنف ابن أبي شيبة: الصلاة في الحر إذا انشأت الجسادة ١٧٠/١٠٠٠

سید طحطاوی علی المراقی: ۱۵۰، سعایه: ۱۵۶/۲

شخصیت الانسانی  
 طرح کرا اور پیشہ کو برابر نہیں کرتا ہے۔ یعنی مردوں سے کم جھکتا ہے (دونوں ہاتھ کی  
 انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے، انگلیاں پھیلی ہوئی نہ ہوں۔)

دو دنوں بازو پہلو سے خوب ملائے رکھے اور دونوں سیدھے رکھنے ملائے رکھے۔  
 عورتوں کو رکوع میں اپنے پاؤں بالکل سیدھے نہ رکھنے چاہئیں، بل کہ گتھنوں کو  
 کسی طرف ذرا سا خم دے کر کھڑا ہونا چاہیے۔

۱۷ رکوع میں تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" پڑھے۔ ظاء کا تعلق صحیح کرے اور "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہہ کر سر اٹھائے اور اطمینان سے کھڑی ہو۔ اور "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ" پڑھے یا یہ پڑھے "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ شُثْرِ مَضَىٰ بَعْدُ. (رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" پڑھنا بھی کافی ہے)۔

۱۱ عورتوں کو مجدد اس طرح کرنا چاہیے کہ پیٹ رانوں سے بالکل مل جائے اور بازو بھی پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔ دونوں بائیں (فوراہین) زمین پر بچھا دے۔

۱۲ دونوں ہاتھوں کو سینے کے برابر میں رکھے۔ ناک اور پیشانی دونوں رکھے ہاتھ کی انگلیاں بند ہوں اور قلبہ کی طرف متوجہ ہوں۔ انگوٹھا بھی قلبہ کی طرف متوجہ ہو۔

۱۳) دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال دے، کمر اتار رکھے۔ البتہ انگلیاں قبلہ طرف متوجہ ہوں۔ اور تین یا پانچ بار ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھے۔

۱. طحاوی، ۱۵۰، بیعتی زیور ۳۳/۱۱  
۲. طحاوی، ۱۵۰، بیعتی زیور غافل ۳۳/۱۱  
۳. شامی، آداب الصلوة ۴۹۴/۱

١١٠/١ باب فضل اللهم ربنا ولك الحمد  
 ٢٦٣/١ باب صلوة المسافرين وقصرها  
 ٣٠٤/١ باب صلاة المرأة كيف تكون في سجودها  
 ١٨/٢٢ باب سجعة الطير

ملہ صاحبزادی، ۱۹۵۰، پبلیٹی زہور: ۳۳/۱۱

٢٣/١١

ج۵: فاسر و آداب الصلوة: ۹۹۴/۱

3. من دعا إلى الإلحاد مات ميتة جاهلية، اللهم ربنا ولك الحمد 11/1

باب صلوة النبي ﷺ ١٦٢/١

٣٠٢/١

۱۸/۳۶: معجم الطبرانی

۱۴ پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھے اور اطمینان سے بیٹھے۔ بائیں سرین کو زمین پر رکھ دے۔ دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال دے۔ اور دائیں ران کو بائیں ران پر رکھ دے۔ اور دائیں پنڈلی کو بائیں پنڈلی پر رکھے۔

۱۵ دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دے۔ اور انگلیاں خوب ملا کر رکھے۔ عورتوں کے لیے یہی طریقہ ہے کہ رکوع سجدہ، دو سجدوں کے درمیان اور قعدوں میں انگلیاں بند رکھے ان میں فاصلہ نہ ہو۔ (جب کہ مردوں کے لیے حکم یہ ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول کر رکھیں۔ سجدے میں بند رکھیں۔ اور بقیہ افعال میں اپنی حالت پر رکھیں نہ بند نہ کھلی بل کہ بین بین)۔

۱۶ دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں یہ دعا بھی پڑھے:

”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ“ آں حضرت علیؓ یہ دعا پڑھتے تھے۔ فرض نفل ہر نماز میں پڑھے۔

۱۷ پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسرا سجدہ کرے۔ اس میں بھی پہلے سجدہ کی طرح کرے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑی ہو جائے زمین پر ہاتھ ٹیک کر نہ اٹھے۔ پھر ”بسم اللہ“ اور سورۃ فاتحہ پڑھے۔ سورۃ فاتحہ کے اختتام پر پہلی رکعت کی طرح آمین کہے۔ اور ”بسم اللہ“ پڑھ کر کوئی سورۃ پڑھے۔

۱۸ دو رکعت پوری ہونے پر قعدہ کرے۔ اس میں بیٹھنے کا وہی طریقہ ہے جو دونوں سجدوں کے درمیان بتایا گیا ہے۔ اور ہر قعدہ میں وہی طریقہ ہے پھر قعدہ میں التبیات پڑھے۔ جب ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پر پہنچے تو داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور اس سے ملی ہوئی انگلی بند کرے (اس کو عقد کہتے ہیں) اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا

سہ طحاوی علی الصراف: ۱۴۶ بہشتی زیور مدلل: ۳۲/۱۱

سہ مسلم، الذکر والدعاء، التوبة والاستغفار، باب فضل التهليل والتسبيح رقم: ۲۶۹۷

سہ ماخذ بہشتی زیور: ۱۳۷

۱۹ جہت بنائے اور شہادت کی انگلی اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرے۔ اور ”أَلَا اللَّهُ“ پراگڑا دے۔ لیکن عقد و حلقہ کو آخر تک باقی رکھے۔

۲۰ اگر دو رکعت والی نماز ہے تو سلام تک یہی ہیئت باقی رکھے درود شریف اور دعائے مأثورہ پڑھ کر سلام پھیرے۔ اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہے تو التبیات پڑھ کر فوراً اٹھ جائے۔

۲۱ تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ فرض نماز ہو تو سورۃ فاتحہ کے بعد رکوع کرے۔ وتر، سنت اور نفل میں بسم اللہ پڑھ کر سورت بھی پڑھے۔

۲۲ قعدہ اخیرہ (جس میں سلام پھیرنا ہے) میں اس طرح سلام پھیرے کہ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے منہ دائیں طرف پھیرے۔ قبلہ کی طرف سے شروع کرے۔ دائیں طرف منہ کر کے ختم کرے۔ پھر منہ قبلہ کی طرف اور السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے بائیں طرف منہ پھیرے۔ اور دونوں طرف سلام کرتے ہوئے، فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کرے۔ بائیں طرف سلام پھیرنے کی ابتدا منہ کو قبلہ کی طرف کرنے کے بعد کریں گے۔ دائیں طرف سے نہیں۔

عورتوں کے لیے جماعت کرنا مکروہ ہے۔ ان کو اکیلی نماز پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسے میں مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے برابر میں ہرگز کھڑی نہ ہوں۔

عورتوں کو چاہیے کہ جب تک کہ نماز، نماز تراویح اور وتر منفرداً (تہاتبا) پڑھیں۔ ان کے لیے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

سہ ماخذ بہشتی زیور: ۱۳۸

سہ فتاویٰ رحیمیہ، تراویح اور وتر کے متعلق متفرق مسائل: ۳۴۷/۱، شامی، باب الامامة: ۵۶۵/۱

نماز کی پابندی اور اس کی حفاظت: ۲۹ تا ۳۳

## باب ہفتم

## اتفاق کی اہمیت

حضرت مولانا حاجی محمد شریف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا واقعی بڑا کمال تھا کہ صحیح مسلک سے ذرہ بھر نہ ہٹا اور کسی کی کبھی دل آزاری تک نہ کی۔ ایسا کرنا بڑا مشکل کام ہے بل صراط کی طرف نازک معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب حق بات ایسے پیارے عنوان سے فرما جاتے تھے کہ اختلاف مسلک رکھنے والوں کو بھی ناگوار نہ گزرتا۔ حق پرستی و حق جوئی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی مخالف بھی ایسی بات کہتا کہ شرعاً معمولی بھی گنجائش ہوتی تو فوراً بلاتل قبول فرما لیتے اور اپنی رائے پر اصرار نہ فرماتے۔ بڑے دکھ سے فرمایا کرتے تھے کہ "اکابر دیوبند میں مختلف مشربوں کے نام سے جو تفریق پیدا ہو گئی ہے۔

دینی مقاصد کی بہتری کا تقاضا یہ ہے کہ اسے حتی الامکان مٹایا جائے۔ مذاق سلیم کو شبہت انداز میں پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کسی مسلک کا نام لیے بغیر یوں بات کہنی چاہیے کہ ہمارے اکابر کا طرز یہ تھا ان کا مزاج و مذاق یہ تھا اور اسی کو ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔

فرمایا کرتے تھے: تخریب سے بچتے ہوئے، دوسرے مزاج و مذاق کے حضرات میں گھلاما جائے اور مناسب موقع پر انہیں اکابر کے صحیح مذاق کی دعوت دی جائے۔ صرف اس حیثیت سے کہ وہ ایسی تعبیر ہے، جسے ہمارے اکابر نے اوفق بالذہن سمجھ کر

تعمیر کیا ہے۔ تہذیب و اکابر اسی کے حامل تھے۔ اس طرح امید ہے کہ ان شاء اللہ رفتہ رفتہ ہفتی گوار تفرق ختم ہوگا اور بل جل کر خدمتِ دین کا جذبہ بیدار ہوگا۔  
شیخ عبد اللہ بن حسین الموحان اپنی کتاب "تجاسد العلماء" میں لکھتے ہیں:  
وَقَدْ امْتَلَأَ الْقُرْآنُ الْكَرِيمُ بِالذُّعُوفِ إِلَى الْاجْتِمَاعِ وَالْإِثْلَافِ،  
وَالرَّخْصَةِ وَالْإِخَاءِ، وَحَدَرَ أَشَدَّ التَّحْذِيرِ، مِنَ الْفُرْقَةِ وَالشَّقَاقِ،  
وَالشَّرَاقِ وَالْبُخْصَامِ فَقَالَ سُبْحَانَهُ:

﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾<sup>۱</sup>  
وَقَالَ جَلَّ شَانُهُ:

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾<sup>۲</sup>  
﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾<sup>۳</sup>

وَقَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّ تَقْسِيمَ النَّاسِ إِلَى طَوَائِفٍ مُتَنَاجِرَةٍ،  
وَمُتَخَصِمَةٍ إِنَّمَا هُوَ مِنْ خُطَايَةِ الظَّالِمِينَ، وَمَكَايِدِ الْأَعْدَاءِ  
الْفَاشِيِينَ ..... قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ  
وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ﴾<sup>۴</sup>

كَمَا بَيَّنَّ سُبْحَانَهُ أَنَّ الْمُخْتَلِفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ هُمْ يَبْعِدُونَ عَنِ  
اللَّهِ، وَأَنَّ غَيْرَ الْمُخْتَلِفِينَ هُمْ الْمَرْخُومُونَ الْقَرِيبُونَ مِنْهُ عَزَّ وَجَلَّ.  
فَقَالَ: ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۚ إِلَّا مَنْ رَجَعُ رَبَّكَ ۖ وَلَدِّلِكَ  
خَلْقُهُمْ﴾<sup>۵</sup>

قَالَ الْمُرْنِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - قَدَّمَ اللَّهُ الْإِخْتِلَافَ وَأَمَرَ عِنْدَهُ  
بِالرُّجُوعِ إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَلَوْ كَانَ الْإِخْتِلَافُ مِنْ دِينِهِ مَا دُمَّتْ،



وَلَوْ كَانَ التَّارُعُ مِنْ حُكْمِهِ مَا أَمَرَهُمْ بِالرُّجُوعِ عِنْدَهُ إِلَى الْكُتُبِ وَالسُّنَّةِ.

وَعَضِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ اخْتِلَافِ أَبِي بِنِ كَتَبِ وَالْأَمْرِ مَسْعُودٍ فِي الصَّلَاةِ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ إِذْ قَالَ أَبِي: "الْعَلَاةُ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ حَسَنٌ جَمِيلٌ". وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: "إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ وَالْيَتَابُ قَلِيلَةً". فَخَرَجَ عُمَرُ مُغَضِبًا فَقَالَ: "اخْتَلَفَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعْنَى يُنْظَرُ إِلَيْهِ وَيُؤْخَذُ عَنْهُ، وَقَدْ صَدَّقَ أَبِي، وَلَمْ يَأَلِ ابْنُ مَسْعُودٍ وَلِكَيْتَى لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَخْتَلِفُ فِيهِ بَعْدَ مَقَامِي هَذَا إِلَّا فَعَلْتُ بِهِ كَذَا وَكَذَا".

وَقَدْ عَمِلْتُ عِدَّةَ أُمُورٍ عَلَى وَقُوعِ التَّافِرِ وَالْخِصَامِ بَيْنَ الْمُتَمَذِّهِينَ بِالْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ، وَاسْتِحْكَامِ الْعَادَاةِ وَالْبَعْضَاءِ بَيْنَ ذَلِكَ "التَّعَصُّبُ الْمَذْهَبِيُّ، وَالْجَهْلُ وَالْجُمُودُ، وَعَمَلُ أَهْلِ كُلِّ مَذْهَبٍ عَلَى نَشْرِ مَذْهَبِهِمْ فَقَدْ أَدَّتْ هَذِهِ الْأُمُورُ إِلَى طَعْنِ الْمُتَمَذِّهِينَ فِي بَعْضٍ، وَإِنْ تَقَاصُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا".

لَقَدْ كَانَ مِنْ نَتِيجَةِ هَذِهِ الْحَمَلَاتِ الْعَدَائِيَّةِ انْتِشَارُ الْكُرَاهِيَّةِ الشَّدِيدَةِ، بَلْ وَالْعَدَاءُ الْمُسْتَحْكَمُ الْبَعِيدُ جِدًّا عَنْ هَذِهِ الْإِسْلَامِ وَسَمَاحَتِهِ، وَغَلَبَةُ هَذَا الْجَوِّ الَّذِي بَاضَ فِيهِ التَّعَصُّبُ وَفَرَّخَ وَلَا تَبْعُدُ إِذَا قُلْنَا: "إِنَّ ذَلِكَ كَانَ مِنَ الْأَسْبَابِ الْكُبْرَى لِسُقُوطِ الْمُسْلِمِينَ وَغَلَبَةِ أَعْدَائِهِمْ عَلَيْهِمْ".

اسی طرح مولانا ایک اور جگہ رقم طراز ہیں کہ مذہبی تعصب کی وجہ سے لوگوں

۱۔ بدعتہ التعصب المذهبي: ۲۰۱، ۲۰۲، نقلًا عن تحاسد العلماء: ۲۴۳

۲۔ تحاسد العلماء: ۲۴۳ ۳۔ تحاسد العلماء: ۲۴۷

میں تینوں اور خرابیوں کا ظہور ہوتا ہے۔

"فَمِنْ ذَلِكَ مَا ذَكَرَهُ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ أَنَّ عَزِيزَ مِصْرَ وَهُوَ الْمَلِكُ الْأَفْضَلُ بْنُ صَلَاحِ الدِّينِ كَانَ قَدْ عَزَمَ فِي السُّنَّةِ الَّتِي تُؤْفَى فِيهَا وَجِي سَنَةَ ۵۹۵ هـ عَلَى اخْرَاجِ الْحَنَابِلَةِ مِنْ بِلَدِهِ وَأَنْ يَكْتُبَ إِلَى بَنِي إِخْوَتِهِ بِاخْرَاجِهِمْ مِنَ الْبِلَادِ وَمِنْهَا مَا ذَكَرَهُ أَيْضًا مِنْ وَقُوعِ فِتْنَةٍ كَبِيرَةٍ بِبِلَادِ خُرَاسَانَ، بِسَبَبِ وَفُودِ فَخْرِ الدِّينِ الرَّازِيِّ إِلَى مَلِكِ غَزَنَةِ الَّذِي أَكْرَمَهُ وَبَنَى لَهُ مَدْرَسَةً فِي هَرَاتٍ، وَلَكِنْ أَهْلُ الْبِلَادِ الَّذِينَ كَانُوا عَلَى مَذْهَبِ ابْنِ كِرَامٍ أَبْغَضُوهُ وَسَعَوْا بِهِ، وَنَظَرُوهُ، وَانْتَهَبَ الْمُنَظَرَةَ إِلَى السَّبِّ وَالشَّتْمِ، وَخَطَبَ أَحَدُهُمْ فِي الْجَامِعِ مُسْتَكْبِرًا أَقْوَالَ الرَّازِيِّ وَأَنَارَ النَّاسَ، فَأَمَرَ الْمَلِكُ بِاخْرَاجِ الرَّازِيِّ مِنْ بِلَادِهِ".

کما رَوَى ابْنُ كَثِيرٍ فِتْنَةً أُخْرَى وَقَعَتْ فِي دِمَشْقِ بِسَبَبِ عَبْدِغَنِی الْمُقْدِسِيِّ الَّذِي كَانَ يُدْرَسُ فِي مَقْصُورَةِ الْحَنَابِلَةِ بِالْجَامِعِ الْأُمَوِيِّ، فَتَعَرَّضَ لِمَسْأَلَةِ صِفَاتِ اللَّهِ، فَغَضِبَ أَتْبَاعُ الْمَذَاهِبِ الْأُخْرَى وَغَقَدَ لَهُ الْأَمِيرُ صَارِمُ الدِّينِ بَرْعَشَ مَجْلِسًا وَنَظَرَهُ الْفُقَهَاءُ فَلَمْ يَنْفَقُوا فَأَمَرَ الْأَمِيرُ بِنَفْيِهِ مِنَ الْبِلَدِ، وَأَرْسَلَ الْأَسَارَى مِنَ الْقِلْعَةِ، فَكَسَرُوا مَنَرِ الْحَنَابِلَةِ وَتَعَطَّلَتْ يَوْمَئِذٍ صَلَاةُ الظُّهْرِ فِي مِحْرَابِ الْحَنَابِلَةِ، وَأُخْرِجَتِ الْخَرَائِنُ وَالصَّنَائِقُ الَّتِي كَانَتْ هُنَاكَ وَجَرَتْ خُبْطَةٌ شَدِيدَةٌ".

وَمِنْ ذَلِكَ أَنَّ الْخَلِيفَةَ الْعَبَّاسِيَّ الْقُدُورَ بِاللَّهِ ..... نَقَلَ الْقَضَاءُ عَنِ الْحَنَفِيَّةِ إِلَى الشَّافِعِيَّةِ فَأَشْتَهَرَ ذَلِكَ وَصَارَ أَهْلُ بَغْدَادَ حَزْبَيْنِ نَارَتْ

۱۔ تحاسد العلماء: ۲۴۹

بَيْنَهُمَا الْفِتْنُ، فَاضْعَلُوا الْخَلِيفَةَ إِلَى جَمْعِ الْأَشْرَافِ وَأَخْرِجُوا رِسَالَةً خَلَّاصَتُهَا أَنَّ الْأَسْقَرَايْنِي قَدْ أَذْخَلَ عَلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَذْخَلًا وَأَوْهَمَهُ فِيهَا النُّصْحَ وَالْأَمَانَةَ.....

وَمِنْهَا مَا رَوَاهُ ابْنُ الْأَثِيرِ فِي حَوَادِثِ سَنَةِ ۵۳۲۳ قَالَ وَبِهِ عَظَمُ أَمْرِ الْحَنَابِلَةِ بَعْدَازٍ وَقَوِيَتْ شَوْكَتُهُمْ وَصَارُوا يَكْسِبُونَ مِنْ دَوْرِ الْقَوَادِ وَالْعَامَّةِ، وَإِنْ وَجَدُوا نَبِيذًا أَرَاقُوهُ، وَإِنْ وَجَدُوا مَغِيْبًا ضَرَبُوهُمَا وَكَسَرُوا آلَةَ الْغَنَاءِ، وَاعْتَزَّضُوا فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، وَنَسَرَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ، فَإِذَا رَأَوْا ذَلِكَ سَأَلُوهُ عَنِ الَّذِي مَعَهُنَّ هُوَ فَإِنْ أَخْبَرَهُمْ وَإِلَّا ضَرَبُوهُ وَحَمَلُوهُ إِلَى صَاحِبِ الشَّرْطَةِ وَشَهِدُوا عَلَيْهِ بِالْفَاحِشَةِ، فَأَرْهَجُوا بَعْدَازٍ، فَرَكِبَ يَذُرُ الْخُرَشُشَ - وَهُوَ صَاحِبُ الشَّرْطَةِ - عَاشِرَ جَمَادَى الْآخِرَةِ وَنَادَى فِي جَانِبِ بَعْدَازٍ فِي أَصْحَابِ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْبَهَارِيِّ الْحَنَابِلَةَ لَا يَجْمَعُ مِنْهُمْ اثْنَانِ، وَلَا يَنَظُرُونَ فِي مَذْهَبِهِمْ، وَلَا يُصَلِّي مِنْهُمْ إِمَامًا إِلَّا إِذَا جَهَرَ "بِيسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَالْبُعْثَاءُ بَيْنَ لَمْ يَفِدْ فِيهِمْ وَزَادَ شَرُّهُمْ وَفِتْنَتُهُمْ، وَاسْتَظْهَرُوا بِالْعُمَيَّانِ الَّذِينَ كَانُوا يَأْوُونَ الْمَسَاجِدَ، وَكَانُوا إِذَا مَرَّ بِهِمْ شَافِعِي الْمَذْهَبِ أَغْرَوْا بِهِ الْعُمَيَّانِ فَيَضْرِبُونَهُ بِعَصِيهِمْ، حَتَّى يَكَادَ يَمُوتُ، فَخَرَجَ تَرْفِيعَ الرَّاغِبِي بِمَا يُقْرَأُ عَلَى الْحَنَابِلَةِ يُكَبِّرُ عَلَيْهِمْ فِعْلَهُمْ وَيُؤَيِّدُهُمْ بِاعْتِقَادِ الشُّبُهَةِ وَغَيْرِهِ.....

ملہ نظرۃ تاریخیۃ فی حدوث المذاهب وانتشارها: ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹،

ہے، پس اگر یہ اختلاف کرنا دین کا حصہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی مذمت نہ کرتا اور یہ لڑنا جھگڑنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اختلاف کے لئے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ کرتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک موقع پر بہت غصہ ہوئے اور یہ موقع تھا، جب حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اختلاف ہوا۔

لہذا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اچھا اور مستحسن ہے“ جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”یہ تو اس وقت ہے جب کسی کے پاس کپڑے کم ہوں“ اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے کی حالت میں نکلے اور فرمایا:

”افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں (پھر فرمایا) صحیح بات تو ابی بن کعب کی ہے، مگر اجتہاد میں ابن مسعود نے بھی کوئی جی نہیں کی، لیکن آج کے بعد اگر میں نے کسی کو ایسے مسائل میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو بہت سخت سزا دوں گا۔“

چند مذہبوں صفات کی بناء پر مذاہب اربعہ میں انتہائی نفرت اور تنازع پایا جاتا ہے اور جن کی بناء پر ان میں دشمنی اور بغض مستحکم ہو گیا ہے۔

ان صفات مذمومہ میں سے ایک صفت مذمومہ مذہبی تعصب، جہالت اور اپنی غلط بات پر ڈٹ جانا ہے، جس پر ان لوگوں نے عمل کر کے اپنے اپنے مذہب کو عام کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ بات ایک دوسرے پر طعن وتشنیع اور ایک دوسرے کی تنقیص کرنے تک پہنچ گئی۔

ان کے اس مذہبی تعصب کی وجہ سے ان پر بغض و رخصد غالب آ گیا۔ اور یہی

مذہبی تعصب اور اختلاف ماضی میں مسلمانوں کے سقوط اور ان پر دشمنوں کے غالب آنے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

ان مذہبی تعصبات میں سے ایک تعصب کا وہ واقعہ ہے جو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عزیر مصر بادشاہ افضل بن صلاح الدین نے اپنے ملک سے حنبلیہ کو نکالنے کا عزم کر لیا، یہ وہ سن تھا جس میں ان کا انتقال ہو گیا تھا یعنی سن ۵۹۵ھ اور انہوں نے یہ بھی عزم کر لیا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں (بادشاہوں) کو لکھ دے کہ وہ بھی ان کو اپنے ملک سے نکال باہر کر دیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بلا و خراسان میں جو بڑے بڑے فتنے برپا ہوئے تھے، وہ امام فخر الدین رازی کے وفد کے سبب سے واقع ہوئے تھے جو غزنہ کے بادشاہ کے پاس آیا تھا، غزنہ کے بادشاہ نے ان کا بڑا اکرام کیا اور ان کے لیے ہرات میں ایک مدرسہ بنوایا، لیکن ہرات کے رہنے والے سارے کے سارے ابن کرام کے مسلک پر تھے۔

چنانچہ وہ امام فخر الدین رازی سے بغض کرنے لگے، یہاں تک کہ ان سے مناظرہ کیا اور آخر کار مناظرہ گالی گلوچ پر جا کر ختم ہوا، اہل ہرات میں سے ایک نے جا کر جامع مسجد میں ان کے خلاف تقریر کر کے ان کے اقوال کا انکار کیا اور لوگوں کو ان کے خلاف برا بھلا کرنے پر آمادہ کیا، تو بادشاہ نے امام رازی کی جلا وطنی کا حکم صادر کر دیا۔

جیسا حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ دمشق میں دوسرا بڑا فتنہ عبدالحق مقدسی کے سبب سے برپا ہوا، جو بنو امیہ کی جامع مسجد میں درس دیا کرتے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق کوئی مسئلہ چھیڑ دیا، جس سے دوسرے مذاہب کے قبیحین مشتعل ہو گئے اور جنب انہوں نے ان کے ساتھ اختلاف شروع کر دیا تو امیر صرام الدین نے فقہاء کو بلا کر ان کے ساتھ مقام رعش میں مناظرے کی ایک مجلس منعقد کر دی اور جب یہ کسی بات پر متفق نہیں ہوئے یعنی مناظرے سے ہار



جیت کا کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا تو امیر نے شہر سے عبدالغنی مقتدی کی جلا وطنی کا حکم صادر کر دیا اور انہوں نے قلعہ سے قیدیوں کو بھیج دیا تو قیدیوں نے حنابلہ کے منبروں کو توڑ ڈالا اور اس دن حنابلہ کی محراب میں ظہر کی نماز نہ پڑھی جاسکی اور وہاں کے سارے خزانوں اور صندوقوں کو نکال لیا گیا، یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔

ان مذہبی تعصبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عباسی خلیفہ قادر باللہ نے قضاۃ عہدہ احناف سے لے کر شوافع کو دے دیا، تو اس بات کی پورے بغداد میں شہرت ہو گئی، جس سے اہل بغداد دو ٹوٹیوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

ان میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے، جس کو ابن اثیر نے سن ۳۲۳ھ کے حوادث میں روایت کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بغداد میں حنابلہ کا مولد بڑا دشوار اور سنگین ہو گیا اور اہل بغداد کی شان و شوکت اپنے عروج پر آگئی تو وہ حنابلہ کے ہر خاص و عام کے گھر میں گھس جاتے، اگر وہ ان گھروں میں نیند (کھجور کا عرق) پالیتے تو اس کو بہا دیتے اور اگر کسی گانے والی (گلوکارہ) کو دیکھ لیتے تو اس کو مارتے اور گانے بجانے کے آلات کو توڑ دیتے، خرید و فروخت میں نکتہ چینی کرتے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مرد چلتے اور جب وہ یہ پوچھتے کہ وہ کون تھا اگر وہ بتا دیتے (تو چھوڑ دیتے) ورنہ اس کی پٹائی کرتے اور پولیس کے حوالے کر دیتے اور اس کے خلاف فحاشی کی گواہی دیتے۔ انہوں نے بغداد میں بڑا فساد کیا، یہاں تک کہ دس جمادی الاخریٰ کو بدر خشنی پولیس نے سوار ہو کر بغداد کے دونوں اطراف "ابو محمد بر بھاری حنبلی" کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آواز لگائی کہ ان میں سے نہ دو شخص اکٹھے ہوں، ورنہ اپنے مسلک کے بارے میں مناظرہ کریں گے، اور ان میں سے کوئی امام نماز بھی نہ پڑھائے، مگر اس صورت میں پڑھا سکتا ہے جب وہ فجر اور مغرب و عشاء کی نمازوں میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جہر سے (آواز بلند) پڑھے۔

گھر پرچہ بھی فائدہ اس اعلان کا نہ ہوا بلکہ ان کا شر و فساد اور زیادہ پھیل گیا اور حنابلہ نے ان ناپسند لوگوں سے جنہوں نے مساجد میں پٹا لیا ہوئی تھی مدد حاصل کی، جہاں چہ جب ان ناپسند لوگوں پر کسی شافعی ائمہ سب کا گزر ہوتا تو وہ سب اکٹھے ہو کر اس پر حملہ کرتے اور اپنی لائیوں سے اس کی پٹائی کرتے یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب ہو جاتا، پھر خلیفہ راضی کی طرف سے مہر لگا ہوا ایک خط آیا جو حنابلہ کو سنایا گیا جس میں ان کے اس "اعتقاد تشبیہ" کے فعل کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی تھی۔

### تفرق کے نقصانات

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں:

قرآن وحدیث میں تجاذز عن الحدود کا نام تفرق ہے، جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے۔ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

تَفَرَّقُوا: اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور بچوٹ نہ ڈالو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وصیت کا ذکر ہے جو تمام انبیاء سابقین کو کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِیْہِ﴾

تَفَرَّقُوا: کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں بچوٹ نہ ڈالنا۔

امام تفسیر ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے فرمایا کہ اقامت دین سے مراد اخلاص ہے اور "لَا تَتَفَرَّقُوا" کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں عداوت نہ کرو، بھائی بھائی بن

اس وصیت کے بعد قرآن میں بنی اسرائیل کے تفرق کا بیان کر کے ابراہیم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے طریقہ پر نہ جائیں۔ اس بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ﴾  
 تَوَجَّهَتْ: "ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا  
 (اور وہ بھی) باہمی ضد (و بحث) ہے۔"

حضرت ابو العالیہ (رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ "بَيْنَهُمْ" میں اشارہ ہے کہ ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ و جدل تک پہنچنا کبھی دین کے سبب سے نہیں ہوتا بلکہ "بَغْيًا عَلَى الدُّنْيَا وَمُلْكُهَا وَزُخْرُفُهَا وَزِينَتُهَا وَسُلْطَانُهَا"۔<sup>۱</sup>

یعنی یہ عداوت جب بھی غور کرو تو اس کا سبب دنیا..... حب مال..... یا حب جاہ ہوتا ہے، جس کو نفس و شیطان خدمت دین کا عنوان دے کر مزین کر دیتا ہے۔ ورنہ اس طرح کے مسائل میں اختلاف رائے کی حد وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مثبت طور پر اپنے عمل کے لیے ایک جانب کو اصل سمجھ کر اختیار کر لیں۔ اور اس سے مختلف مسلک رکھنے والوں سے لڑتے نہ پھریں۔ جس طرح دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے اپنے معالجہ کے لیے کسی ایک حکیم یا ڈاکٹر کا انتخاب کر کے صرف اسی کے قول پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کی ہدایات پر عمل کرتا ہے، مگر دوسرے ڈاکٹروں کو برا بھلا کہتا نہیں پھرتا۔ ایک مقدمہ آپ کسی ایک شخص کو وکیل بنا کر اس کے سپرد کر دیتے ہیں مگر دوسرے وکلاء سے نہیں لڑتے پھرتے، مجتہدانہ مختلف فیہ مسائل میں بھی ٹھیک یہی آپ کا طرز عمل ہونا چاہیے۔

## امت کی پریشانی کا علاج

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رَوَدَ اللہُ مَرْقَدَہُ کا ماہنامہ "بینات" راجپوت کے لیے تحریر کردہ ایک فکر انگیز ادارہ ہے جو آپ نے پاکستان کے دولت ہونے کے بعد تحریر فرمایا تھا۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

تمام امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہے۔ نہ تادم انوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے، جو ضرر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں، ان ہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جا رہا ہے، ماسکو ہو یا دانشمندان، تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرور کو نہیں دیکھتا، مدینہ کا راستہ جو سر اسر نجات و سعادت کا اصلی ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے، جو صراطِ مستقیم جنت کو جا رہا ہے، اس سے بھٹک گئے ہیں، نہ معلوم کہ ارباب عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟

ارباب فکر آخرت سے کیوں غاری ہو گئے، آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس کے لیے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جا رہی ہے؟ خاتم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکنیکی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف اور صریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ دار نہیں، کوئی دین و مسلک قابل قبول نہ ہوگا، نجات اسی دین اور اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح و سعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت و ہلاکت اور تباہی و بربادی کے راستے ہیں، اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا

جا رہا ہے کہ:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ حَتَّىٰ يَتُوبَ﴾  
 ترجمہ: "اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اور سورہ عصر میں تاریخ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عمل صالح، تواضعی بالحق اور تواضعی بالصبر، یہ چار باتیں نہیں ہوں گی، ان کا انجام تباہی و بربادی ہے۔ کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک پانچ کروڑ آبادی، چھوٹا سا ملک بن گیا؟

کیا بلکہ دیش کے قصبہ سے دونوں طرف کے مسلمان مذاہب الہی میں جتنا نہیں ہوئے؟ اسلامی روابط، اتحاد و اخوت ختم کر کے کیا دولت عظمیٰ؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران و تباہی بھی دیکھ لی۔

افسوس! کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دہرایا جا رہا ہے۔ وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پشتون کے ملعون نعرے یہاں بھی اُتار رہے ہیں، اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کے غصب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں۔ طاغوتی طاقتیں جن کا دُور باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئی ہیں۔ "فَانَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ"

گزشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جو طریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا، وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کیے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کیے گئے، جھنڈے بھی

دھانسنے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، ایکشن بھی لڑے گئے، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب تھارخانے میں طوطے کی آوازیں بن کر رہ گئے۔ قوم سے چندہ کیے گئے کروڑوں روپے خرچ بھی کیے، لیکن قوم جہاں تھی کاش دین رہتی، ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث اور ضیاع وقت ہے، لیکن اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ پورا علاج نہیں اور نہ ہی یہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہو سکا۔

بہر حال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس بات کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربہ بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں، اگرچہ ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور "کوہ کندن، کاہ برآوردن" والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں لیکن تاہم اگر آپ کا ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاح معاشرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام اور مصلحین امت کے طریقوں پر آسانی ہدایت کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی و اجتماعی اصلاح امت پر خرچ کریں، گھر گھر بستی بستی پہنچ کر "دعوت الی الخیر" کا ربانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لیے، جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، رسائل ہوں تو اسی کام کے لیے اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لیے اور کاش اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہو سکتی ہے۔

بہر حال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائل نشر و

نہ ایسا کام کرنا جس میں مشغول زیادہ اور لاکھ کچھ نہ ہو۔



اشاعت ہیں، وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نورانیت جلوه گر ہو، ان کے ذریعہ اصلاح ہو، اب ضرورت اس کی ہے کہ آج کی نسل خدا تر بن جائے، ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو، تو تمام وسائل نشر اشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعت اسلام و تہذیب اخلاق کے سرچشمے ہوں، پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابل اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے، تو کل کرسی صدارت یا کرسی وزارت، یا منصب سفارت ہو یا وسائل نشر اشاعت ہوں، یہ سب کے سب تعلیم اسلام و تعلیم دین کے مراکز بن سکیں گے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ اللہ کے لیے اٹھو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ اور سفینہ حیات کو ساحل مراد تک پہنچانے کی پوری جدوجہد کرو۔

خدا را یہ جو آگ لگ چکی ہے جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم، ملک اس کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا۔ افسوس و تعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ اسے فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے، کوئی کوتاہی نہیں کرتا، لیکن دین اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، صدیوں کا جمع یا ہوا ذخیرہ نذر آتش ہونے کے قریب ہے لیکن ہم اطمینان سے بیٹھ کر خاموش تماشا کی بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے ملک میں جو بحران عرصہ سے چل رہا ہے، وہ مشرقی پاکستان کو موت کی نیند سلا دینے کے بعد بھی تھکنے نہیں پایا بل کہ اس کا سارا زور سمت کر اب نیم جان مغربی پاکستان پر لگا ہوا ہے۔ مرئیس کے حالات اتنے غیر یقینی اور مستقبل اتنا ہمیالک ہے کہ اسے ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں، ہم علماء سے طلباء سے حکام سے صحافیوں سے وکلاء سے، کسانوں سے، مزدوروں سے، اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے خدا کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کی اور خود اپنی زندگی کچھ دین اور مطلوب ہے،

اگر ہمارے دل پتھر، ہمارے ذہن مفلوج، ہمارے دماغ ماؤف اور ہمارے اعتناء شل نہیں ہو گئے ہیں۔

اور ہمارے بدن میں زندگی کی کوئی رمتی اور ہماری آنکھ میں عبرت و غیرت کا پتھر پانی ابھی موجود ہے تو سارے دھندے چھوڑ کر، سارے کام ملتوی کر کے اور سارے مشاغل سے ہٹ کر چند دن کے لیے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہوگا، اس کے لیے سب کو فکنا ہوگا، سب کے پاس جانا ہوگا، در بدر کی ٹھوکریں کھانی ہوں گی۔

اگر ملک کا معتد بہ حصہ اس فرض کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا تو حق تعالیٰ شانہ اس ملک کی اور اس کے ساتھ ہماری بقا کا فیصلہ فرمادیں گے اور پھر بشارت اور روس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ہم بدستور اپنی اپنی سہلے میں مست و راستہ اپنے کام میں مگن رہے اور دعوت الی اللہ کے کام کے لیے اپنے اوقات، اپنے مال اور اپنی جان کو خرچ کرنے کی ہمت نہ کی تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس فرض ناشناسی کی پاداش کن کن شکلوں میں ظاہر ہوگی، ہماری تدبیریں، ہماری ٹکوتیں، ہماری اسمبلیاں، ہمارے وسائل خدا کے فیصلے کو نہیں بدل سکتے۔

میں سن گئیں یا نے ....، عائدین کو جمع کرنے ....، اتحاد کے نعرے لگانے .... اور مشرکہ لائحہ عمل تیار کرنے .... پر بہت وقت ضائع کیا جا چکا ہے۔ اب وقت ہمیں ایک لمحہ کی مہلت دینے کو تیار نہیں۔ نہ دعوت و اصلاح کے خاکے مرتب کرنے پر مزید اشاعت وقت کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) والی تلمیذی تحریک ہی بس امید کی آخری کرن ہے، اپنے ذوق، اپنے تقاضوں اور اپنے اختیارات کو ایک طرف رکھ دینیجی، ملت کی شکست کشی کے ٹوٹے ہوئے اس تجزیہ کو، جس پر سات کروڑ نفوس سوار ہیں، اگر بچانا ہے تو بس یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم سب اخصاص کے ساتھ اس کام کو کریں اور یکجہاں، ہم ایک بار علماء اور دانشور طبقہ سے عرض کریں گے کہ خدا را مقتضائے حال کو سمجھو۔

ہمارے موجودہ مشاغل ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جائیں گے۔ اگر محمد مصطفیٰ کی امت کے لیے دولت و اصلاح کی محنت والا کام نہ سنبھالا گیا اور ہماری پہنچائی، ماہروابی اور بے انتہائی کی یہی کیفیت رہی جواب تک ہے تو وقت کا فیصلہ بڑا ہی شدید اور بھیسا تک ہوگا۔ مشرق (یعنی سابقہ مشرقی پاکستان) والوں کو اس تجربہ و چکا ہے اور ہمیں اسی سے عبرت پکڑ لینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ملت پیشاء کی حفاظت کی توفیق امت کو نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) ۱۰

## افتراق امت کے اسباب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے طبقات اہل دین و اصلاح اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے مابین جو تفرقہ آج پایا جاتا ہے وہ عموماً انہیں حقائق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ اب میں ان اسباب و عوامل کو پیش کرتا ہوں جو میرے غور و فکر کی حد تک مسلمانوں میں باہمی آویزش اور شقاق و جدال کا سبب بنے ہوئے ہیں اور فسون اس کا ہے کہ اس کو خدمت دین سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

غلو: میرے نزدیک اس جنگ و جدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تخریب و تعصب اور اپنی اختیار کردہ راوی عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا۔ اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں

کے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کی اتباع کریں۔ اور جن لوگوں نے اپنے کس کو ازادی اور ہوا پرستی سے روکنے کے لیے دینی مصلحت سمجھ کر کسی ایک امام مجتہد کا اتباع اختیار کر لیا ہے وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی اور ملی آسائیوں کے لیے ہو تو نہ صرف اس میں کوئی مضائقہ ہے نہ کوئی تفرقہ اور نہ ملت کے لیے اس میں مضرت۔

۱) مضرت رساں اور تباہ کن ایک منفی پہلو تو اس کا یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ و جدل..... اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو..... کہ سارا علم و تحقیق کا زور..... اور بحث و تجسس کی طاقت..... اور عمر کے اوقات عزیز..... ان ہی بحثوں کی نذر ہو جائیں۔ اگرچہ ایمان و اسلام کے بنیادی اور قطعی اجتماعی مسائل مجروح ہو رہے ہوں، کفر و الحاد و دنیا میں پھیل رہا ہو۔ سب سے صرف نظر کر کے ہمارا علمی مشغلہ یہی فروعی بحثیں بنی رہیں، جن کے متعلق مذکورۃ السدر تفصیل میں ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان میں ہزار تحقیقات کے بعد بھی بات اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ یہ رائج ہے اور اس کے خلاف مرجوح اور اس رائج مرجوح کا بھی یقینی فیصلہ نہ دنیا میں ہو سکتا ہے نہ برزخ میں ان کا سوال ہوگا نہ محشر میں اس رائج مرجوح کا اعلان ہوگا۔

۲) اسی طرح نہ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں پر تکبر کرنا درست ہے نہ ان کو خٹانا کر مجرم ٹھہرانا صحیح ہے۔ اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علماء فقہاء کا خصوصاً جو تعلیم و تصنیف میں مشغول ہیں، ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی و عمل کی ساری توانائی ان ہی فروعی بحثوں میں تھک دو نظر آئے گی۔

## لمحہ فکریہ

ان میں بعض حضرات کا غلطو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف دین رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارک قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں، جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور ان دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ حضرات اسلام کی بنیادوں پر چاروں طرف سے حملہ آور طوفانوں سے باخبر نہیں یا جان بوجھ کر اغماض کرتے ہیں۔ اس وقت جب کہ اللہ طرف تو کھلے ہوئے کفر، عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف کفر نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکار حدیث کے عنوان سے کہیں مغرب سے لائی ہوئی اباحت اور تمام محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اور یہ الحاد، کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لیے زیادہ خطرناک ہے کہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے، جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے، ہمارے نوجوان یافتہ نوجوان یہ کثرت اس لیے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادی علوم و فنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔ اور کھلے چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فاشی، عربیائی، ننگے ناچ، رقص و سرور کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو کے ذریعہ فحشی گانوں اور سینماؤں کی

ذریعہ فحشی گانوں سے کون ہے جو بچ سکے؟

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بد اخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سود، قمار سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں، ہندو نہیں، اسلام کے نام لیوا ہیں۔ ہمارے سرکاری محکمے رشوت، ظلم و جور، کام چوری، بے رحمی اور سخت دل کی تربیت کا کرسینے ہوئے ہیں۔ اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں نہ ہندو، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام لینے والے۔ روز آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں۔ ہمارے عوام دین سے گورے، چہلتنوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض و واجبات سے بے کاف، مشرکانہ رسوم اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم ﷺ کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے۔ میری امت اس بد حالی میں مبتلا تھی۔ تم وراثت نبوت کے دعویدار کہاں تھے؟ تم نے وراثت کا کیا حق ادا کیا؟

کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلے پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل و محصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دل چسپ تقریریں کی تھیں یا صحیفہ نہ زور قلم اور فقرہ بازی کے ذریعے دوسرے علماء و فضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا؟

## اصول اسلام کی حفاظت کی فکر کریں

فردی اور اجتہادی مسائل میں بحث و تمحیص گو مذموم چیز نہیں۔ اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لیے ہوتی۔ لیکن جہاں ہم اسلام و ایمان کی بنیادیں



مترزل کر دینے والے فتنوں کی خبر سنتے ہیں۔ اللہ و رسول کے احکام کی خلاف ورزی بل کہ استہزاء و تمسخر اپنے آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں۔ مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ فروغی ہمیشہ ہر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے کر رہے ہیں۔

اگر ان میں کچھ نلہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروغ سے زیادہ اصول اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے۔ ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہیں فروغی مباحث میں منحصر رکھا ہے اور سعی و عمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے۔ اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی چھوڑ دیا ہے۔ لڑنا کس محاذ پر چاہیے تھا اور ہم نے طاقت کس محاذ پر لگا دی۔ ”إِنَّا لِلّٰہِ وَ إِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ یہ تو تخریب و تعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق و تشقت اور جنگ و جدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر و استہزاء تک پہنچ جاتا ہے، جو کسی شریعت و ملت میں روا نہیں، اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمتِ علم دین کے نام پر کیا جاتا ہے اور جب یہ معاملہ ان علماء کے قبیحین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو ایک جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست و بازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر و الجاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں ملے۔

لہذا ائمہ حضرات آج سے یہ فیصلہ فرمائیں کہ فروغی مسائل میں غلو نہیں کریں گے اور فقیہ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی اس تحریر کو پڑھ کر دو رکعت پڑھ کر گڑگڑا کر دعا مانگئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس و شیطان کے شرور سے

طاقت فرما کر فروغی مسائل میں حدود سے زیادہ الجھنے سے حفاظت فرمائے۔

## ہر دینی کام کرنے والے کو اپنا شریک کار سمجھیں

ہماری دینی جماعتیں جو تعلیم دین یا ارشاد و تلقین یا دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے لیے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء و صلحاء اور مخلصین کام کر رہے ہیں اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکان کی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامتِ دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں تو یہ مختلف جماعتیں اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک ”تکیم الشان طاقت“ بن سکتی ہیں اور تقسیمِ عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ نظام عمل بنایا ہے۔ عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں۔ گو زبان سے نہ کہیں دوسری جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشقت پایا جاتا ہے۔

غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگرچہ دین کی اشاعت، حفاظت اور مسلمانوں کی علمی، عملی اخلاقی اصلاح ہی ہے لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کسی نے ایک دارالعلوم قائم کر کے تعلیم دین کی اہم خدمات انجام دیں۔ کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد و ہدایت کا فرض ادا کیا۔ کسی نے کوئی انجمن بنا کر احکام دین کی نشر و اشاعت کا تحریری انتظام کیا۔ کسی نے فتویٰ کے

ذریعہ خلق خدا کو ضروری احکام بتانے کے لیے دارالافتاء قائم کیا۔ کسی نے اسلام سے مخالف طحاہ تلبسات کے جواب کے لیے تصنیفات کا یا ہفتہ واری، ماہ واری رساں اخبار کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ سب کام اگرچہ صورت میں مختلف ہیں۔ مگر درحقیقت ایک ہی مقصد کے اجراء ہیں۔ ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کا نظام عمل مختلف ہوگا۔ اس لیے ہر جماعت نے بجا طور پر سہولت کے لیے اپنے اپنے مزاج و مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظام عمل اور اس کے اصول و قواعد بتا رکھے ہیں۔ اور ہر جماعت ان کی پابند ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن و سنت سے ثابت ہے اس سے انحراف کرنا قرآن و سنت کی حدود سے نکلنا ہے۔ لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظام عمل اور اس کے تنظیمی اصول و قواعد نہ منصوص ہیں، نہ ان کا اتباع از روئے شرع ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ بل کہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولت عمل کے لیے ان کو اختیار کر لیا ہے۔ ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام عمل بنا لینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا۔ مگر اس میں غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظام عمل کو مقصد منصوص کا درجہ دے دیا گیا۔ جو شخص اس نظام عمل میں شریک نہیں اگرچہ مقصد کا کتنا ہی عظیم کام کر رہا ہو اس کو اپنا بھائی اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا۔ اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے اس غلو کے نتیجہ میں وہی تحزب و تعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دین دار

وہوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جو جاہلی عصبیتوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ لے

ذمہ دار علماء سے حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی

کی درو مندانه گزارش

ذیل میں حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی ایک درو مندانه گزارش درج کی جاتی ہے۔

اگر کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر خوب گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے اس مضمون کو ہمارے دلوں کی گہرائی میں اتار دے اور عملی طور سے ہمیں عوام میں دین پھیلانے کا ذریعہ بنادے اور ہماری مسجد کے آس پاس تمام گھروں میں پورا کا پورا دین زندہ فرما دے، فرمایا:

”سیاسی اور اقتصادی میدان اور اعزاز و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو سروسرست ہمارے بس میں نہیں، لیکن خود دین و مذہب کے لیے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اور نظامی اختلافات اشتراک مقصد کی خاطر معتدل کیے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور اتحاد دینی کے سیلاب کی مدافعت کے اہم مقصد کو صحیح معنوں میں مقصد اصلی سمجھ لیں تو یہ دو نقطہ مدد دے گا۔ ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی مؤثر انجام پا سکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصد اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اس لیے ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے۔ وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں، ... اور

اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر و الحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی ہے حیاتی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی، آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے۔

اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لیے پکارتا ہے وہ عداوت و دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا نظر آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے۔ اعمال و اخلاق برباد ہیں۔ معاملات و معاہدات میں فریب ہے۔ سود، قمار، بازی، شراب، خنزیر، بے حیائی، اور بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا قصہ آتا ہے، اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟ اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے، وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟

ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیان مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء علیہم السلام اور نزول قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ اور جس نے غیروں کو اپنا بنایا جس نے اولادِ آدم کو نبییت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ یکوش بنایا۔ کیا وہ صرف یہی مسائل تھے، جن میں ہم الجھ کر رہ گئے۔

جس اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغامبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟

إِنَّمَا بُنِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تُخَشَّعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۖ

تَفْهِمًا: ”کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کیے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔“

آخر وہ کون سا وقت آئے گا، جب ہم اپنے نظریات اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے۔ ملک میں سیاست اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے، قادیانیت کے، انکارِ حدیث اور تحریفِ دین کے لیے قائم شدہ اداروں کا پیغامبرانہ دعوت و اصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں۔

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور پیارے رسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ سوال فرمایا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے۔ اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جا رہا تھا۔ میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی۔ قرآن و سنت کی کھلے طور پر تحریف کی جا رہی تھی۔ خدا اور رسول کی نافرمانی اسلامیہ کی جا رہی تھی۔ تم مدعیانِ علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے جھگڑے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا۔ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا؟

راہِ عمل

اس لیے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے



حضرات علماء سے میری (یعنی حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) دورِ مہمانہ گزارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں، جس کی حفاظت کے لیے قرآن و حدیث آپ کا رہے ہیں۔

۱۱) علماء کرام اس بات کا عہد بھی کیجیے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لیے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

۱۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حق درس..... اور تصنیف و تالیف..... اور فتوے تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں..... اخباروں..... اشتہاروں..... باہمی مناظروں..... اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے۔ ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول و دعوت و اصلاح کے تابع دل خراش عنوان اور طعن و تشنیع، استہزاء و تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

۱۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لیے دل نشین عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

۱۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریفِ قرآن و سنت کے مقابلہ کے لیے پیغمبرانہ اصول و دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں..... مشفقانہ نصیحتانہ بیانیوں..... اور دل نشین دلائل کے ذریعہ..... ”مَجَادَلَةٌ بِاللُّبِّيْ هِيَ أَحْسَنُ“ کے ساتھ اپنے زورِ زبان اور زورِ قلم کو وقف کر دیں گے۔“

### اختلافاتِ اُمت اور ان کا حل

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ مالٹا کی جیل میں چار سالہ قید سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے

ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رَحِمَةُ اللہِ تَعَالٰی سے واقف ہیں، وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگِ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کے لیے امت کی صلاح و فلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور تنہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جو جملہ ان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔

”الحمد للہ بمصیبتے گرفتار، نہ بمعصیت، جیل کی تنہائی میں ایک روز مغموم و کھوکھلا بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا:

اس تکلیف کا کیا غم ہے، جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے؟ غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں۔“

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعدِ عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں روایت سیکھے ہیں۔

یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمت تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اتنی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے:

ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔

دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم

کے مکاتب بہستی بہستی میں قائم کیے جائیں۔ یزوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایام زندگی میں ضعف و علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی۔ بذات خود درس قرآن شروع کرایا۔ جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے۔ عوام بھی، اس ناکارہ (یعنی حضرت مشتقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعہ کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔

### اختلاف رائے کی حدود

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں۔ اگر اپنی حدود کے اندر ہو۔ انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقا و ارتقا کے لیے ضروری ہے۔ مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کے لیے رکھا ہے۔ اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے، خواہ اس لیے کہ دشمن کو پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے۔ بہر حال جب دشمن کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے قرآن کریم نے مؤمن کے لیے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرما دیا ہے:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۖ﴾

شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کے غصے اور لڑائی کا مصروف صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں۔ جب

اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے جو اعظم عبادات میں سے ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے "لُذُوۃُ سَنَامِہِ الْجِبَادِ"۔<sup>۱</sup>

یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے؛ لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے، جس سے بچانے ہی کے لیے اللہ کے سارے رسول اور کتا میں آئی ہیں۔ شکل و صورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ کائنات جہاں سے یہ لائیں بدلتی ہیں، صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔

وہ قومی نظریہ، جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمہ اسلام ماننے والے ایک متحد قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک نکتہ یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر و غضب اور مدافعت کا مادہ جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پر نالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

### صلح اور جنگ کس سے

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آتی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر و الحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی و عیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے۔ اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔

انسانی رواداری، اخلاق، مروت کا سارا زور کفر والی اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعتناء و جوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطہ اختلاف ہو تو اس کو بلا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں۔ اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ظالم جو جل رہا ہے وہ حیرا ہی گھر نہ ہو۔

سیاست ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے، جہاں دیکھو "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ" کا سبق پڑھنے والے آپس میں عقیم سمجھا ہیں، قرآن حکیم نے جہاں عفو و درگزر اور حلم و بردباری کی تلقین کی تھی وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ "فَاللّٰهُ الْمُشْتَكٰی وَ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ"

اسمیلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست، حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت و تجارت میں مقابلہ اور کمپی ٹیشن، جائدادوں اور زمینداروں کی کش مکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے، جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہے۔ وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے۔ اور جو ہے وہ عموماً قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے الغماض کر کے جزوی اور فروغی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جہاد بنا ہوا ہے۔ جس کے پیچھے غیبت..... جھوٹ..... ایذائے مسلم..... افترا و بہتان..... تسخر و استہزا..... جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جہاد و قتال اور لڑائیاں ہیں، نو بہت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی

ہوئی ہے۔

ان دین داروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں، جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔

کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں ہے، جس کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو اور جس کے لیے دوسروں کی غیبت و بہتان، تذلیل و تحقیر روا ہو۔

### اصلاح حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نو تعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں، جو دین و مذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں۔ اور وہ صرف اسی اختلاف کو مٹانے کے لیے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی غرض کے لیے لڑی جا رہی ہیں، جن کے لیے ایک دوسرے کی جان، آبرو اور مال سب کچھ خال سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب اُسٹڈ آتے ہیں۔ مگر ان کو چوں کہ نئی تہذیب و شرافت کا نام دے دیا ہے۔

اس لیے نہ وہ قوم کے لیے کوئی مرض رہا نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف و لڑائی میں صرف ملایا ہی بدنام ہے۔ اسی کا علاج زیر غور ہے۔ حالاں کہ دین و مذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں، اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود و تجاویز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ وہ کوئی برادری کا نو نہیں بن سکتے۔ وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں ایثار کیا جاسکے۔ بل کہ قرآن و سنت کی تعبیر کے



اختلافات ہیں۔ جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد ان ہی اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترک مذہب بنالیا جائے۔ پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہو، تاکہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔

مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن۔ ہاں خالص دنیوی معاملات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو، وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے۔ اس لیے باہمی جنگ و جدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلاف رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریے کا پابند کر دیا جائے۔

### اختلافِ رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل و بصیرت پر غنی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں، جن میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان میں اختلاف کرنا عقل و دیانت کا عین متقنی ہوتا ہے۔ ان میں اتفاق صرف دو صورتوں سے ہو سکتا ہے۔ یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت اور اہل رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا۔ اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت و مروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر فیصلہ صادر کر دیا۔ ورنہ اگر عقل و دیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے۔ اور یہ اختلاف کبھی کسی حال پر مضرت بھی نہیں ہوتا۔ بل کہ دوسروں کے لیے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزب اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن و سنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح و تعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو رحمت کہا گیا ہے۔ جو اسلام کے عہدِ اول سے صحابہ و تابعین اور پھر ائمہ

مجتہدین میں چلے آئے ہیں۔ ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیش آچکے ہیں، ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہو سکتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے، جو قصود حدیث اور احادیث قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی لیے حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔

### صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل

اسی کے ساتھ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت جو ان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ و جدل کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔

سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ کا فتنہ ٹکونی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا۔ آپس میں تلواریں بھی چل گئیں۔ مگر عین اسی فتنہ کی ابتدا میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے زورے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ:

"إِذَا هُمْ أَحْسَنُوا فَأَحْسِنُوا مَعَهُمْ وَإِنْ هُمْ أَسَاءُوا فَلَا تُجَافُواهُمْ"

یعنی جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو۔ اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو۔ اس ہدایت کے ذریعے اپنی

جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی سَ وَکَ تَعَاوَنُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کی صحیح تفسیر بتادی۔ اور باہمی انتشار و افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان میدان جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی، جو تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا تھا، اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت اختلاف رائے جو صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے تو وہ بلاشبہ رحمت ہی ہے۔ اس کا کوئی پہلو نہ پہلے مسلمانوں کے لیے مضرت ثابت ہوا اور نہ آج ہو سکتا ہے۔ بشرط یہ کہ وہ ان ہی حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

### جدال اور اصلاح

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرونِ اولیٰ کے بعد بدعت و سنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعبیر میں اصولی سمجھ کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنا لیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیے یہ

اختلافات بلاشبہ تفریق و افتراق تھے، جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی۔ مگر قرآن حکیم نے اس کا بھی ایک خاص طریقہ بتا دیا ہے۔ جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر سے اور پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے۔ اور آخر میں "مُجَادَلَةٌ بِاللَّيْنِ هِيَ اَحْسَنُ" یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور معلمین نے ان اصول کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء و تمسخر اس کو زیر کرنے کے لیے جھوٹے سچے، ناجائز..... جائز..... ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا۔ جس کا لازمی نتیجہ جنگ و جدال اور جھگڑا فساد تھا۔

### اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اپنی مزمومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے، بل کہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے۔ تو اس باہمی جنگ و جدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمے دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں، کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، جن کے لیے قرآن نازل ہوا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ان کے لیے وقف کر دی۔ اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے، جس ملک میں ایک طرف عیسائی

مشرعیاں اپنی قوت اور دنیاوی چمک و بک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے سے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے، جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لیے قرآن اور اسلام آیا تھا۔ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ و رسول کریم ﷺ کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کے لیے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ، کوئی جماعت جب ذرا اپنے فنی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر مدامت ہوگی۔

### صحیح اور غلط طرزِ عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں۔ سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں۔ اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے۔ لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشکیک و متوجہ کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی ناکہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لیے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشکیک و متوجہ پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکٹروں حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال

نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑ دو۔ اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ یہ بھی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے؟ ایک مثال اور لیجیے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا تو کوئی اور آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے۔ خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آیا، کرے۔ بل کہ ہوتا یہی ہے مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابلِ اعتماد ہے۔ اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے۔ اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا۔ برا بھلا نہیں کہتا۔ اس سے لڑنا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا؟ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے، وہ آپ کو ضرور پہنچے گا۔ مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں، بل کہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔ اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔



بی۔ بی۔ ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطلب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفا یاب ہوتے ہیں، مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے، کرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

## باہمی جنگ وجدال کے دور کن

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دور کن ہیں۔ ایک ہر فرقہ اور ہر جماعت کے علماء۔ دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء (وائٹ کرام) اپنی تحقیق و تنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسرے کی تنقیص و توہین سے پرہیز کریں۔ اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہیں مسائل سے متعلق ہیں، اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں۔ اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتائیے کہ ان میں اشکال کیا ہے؟

سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدال ختم ہو سکتا ہے۔ جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرز عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔

کاش میری یہ آوازاں بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں! اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت

کے لیے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں اور ہمارا پورا ماشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے ان سے نجات مل جائے۔

## عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم و تلقین سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہے۔ خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔ ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام و تفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رکھنا چاہیے۔ لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کرلو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام و تفہیم قرآنی اصول حکمت و موعظت ”مُجَادَلَةٌ بِالْحَقِّ هِيَ أَحْسَنُ“ کو نظر انداز نہ کریں۔ مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے، وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لیے دوسرے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دے۔ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے راستے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں تو اس کے لیے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ڈولیں بھی نہیں ہو سکتیں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رِضْوَانِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ إِنْ كَانَ

مُحَقَّقًا، ۱۰۰

تَرْجَمَہ: ”میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔“

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جیل کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے۔ مگر نقد ان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر اٹال کر باہر دیکھیں اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے ان کی صدا سنیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمادیں۔

”اللَّهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا نَحِبُّ وَتَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ. وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَصَفْوَةِ رُسُلِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ“ ۱۰۰

قوم مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جائے

یہ ایک قسم کا عذاب ہے کہ قوم مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام کی آیت نمبر ۶۵ میں عذاب الہی کی تین قسموں کا ذکر فرمایا ہے، اس میں تیسری قسم عذاب کی جو اس آیت میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے: ”أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا“ یعنی تمہاری مختلف پارٹیاں بن کر آپس میں بھڑ جائیں اور باہم ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جائیں۔

۱۰۰ ابو داؤد، الادب، باب فی حسن الخلق: ۳۰۵/۲

۱۰۰ ماخوذ از اختلاف امت اور ان کا حل: ۶۳ تا ۶۴

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَوَاسِتُ

اس میں لفظ ”يَلْبَسَكُمْ“ لباس کے مادہ سے بنا ہے، جس کے اصلی معنی چھپا لینے اور ڈھانپ لینے کے ہیں۔ اسی معنی سے لباس ان کپڑوں کو کہا جاتا ہے، جو انسان کے بدن کو ڈھانپ لے۔ اور اسی وجہ سے التباس بمعنی شبہ و اشتباہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کلام کی مراد مستور ہو صاف اور کھلی ہوئی نہ ہو۔

اور لفظ ”شِيعًا“ شِيعَةُ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کا پیرو اور تابع۔ قرآن مجید میں ہے ”وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ“ یعنی نوح علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

اسی لیے عرف و محاورہ میں لفظ شیعہ ایسی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی خاص غرض کے لیے جمع ہوں۔ اور اس غرض میں ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ جس کا با محاورہ ترجمہ آج کل کی زبان میں فرقہ یا پارٹی ہے۔

اسی لیے آیت کا ترجمہ یہ ہو گیا کہ عذاب کی ایک قسم یہ ہے کہ قوم مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جائے، اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

”لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفْرًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ“ ۱۰۰

تَرْجَمَہ: ”یعنی تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ہمارا گزر مسجد نبی معاویہ پر ہوا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ہم نے بھی دو رکعت ادا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ دعاء میں مشغول ہو گئے اور بہت دیر تک دعاء کرتے رہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔

۱۰۰ مسلم، الايمان، باب بیان معنی قول النبی لا ترجعوا بعدی: ۵۸/۱

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَوَاسِتُ

ایک یہ کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ دوسرے یہ کہ میری امت کو قحط اور بھوک کے ذریعہ ہلاک نہ کیا جائے یہ بھی قبول فرمائی۔ تیسری دعا یہ کہ میری امت آپس کے جنگ و جدل سے تباہ نہ ہوں مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، جس میں تین دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے کہ میری امت پر کسی دشمن کو مسلط نہ فرما دے جو سب کو تباہ و برباد کر دے۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ اور آپس میں نہ بھڑ جائیں اس دعا کو منع کر دیا گیا۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اس قسم کے عذاب تو نہ آئیں گے، جیسے پچھلی امتوں پر آسمان یا زمین سے آئے جس سے ان کی پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ لیکن ایک عذاب دنیا میں اس امت پر بھی آتا رہے گا۔ وہ عذاب آپس کی جنگ و جدل اور فرقوں اور پارٹیوں کا باہمی تصادم ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فرقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہو کر باہمی آویزش اور جنگ و جدل سے منع کرنے میں انتہائی تاکید سے کام لیا ہے۔ اور ہر موقع پر اس سے ڈرایا ہے کہ تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب اس دنیا میں اگر آئے گا تو آپس ہی کی جنگ و جدل کے ذریعہ آئے گا۔

سورہ ہود کی ایک آیت میں یہ مضمون اور بھی زیادہ وضاحت سے آیا ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّجِعَ رَبُّكَ﴾

تَرْجِعُهُمْ: "وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے سوائے ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے۔"

ملہ سند احمد: ۱/۱۷۵، رقم: ۱۵۶۹، بروایت سعد بن ابی وقاص

ملہ ابن ماجہ: الفتن، باب ما یكون من الفتن رقم: ۳۹۵۱

ملہ ہود: ۱۸۸

اس سے واضح ہوا کہ جو لوگ آپس میں (بالوجہ شرعی) اختلاف کرتے ہیں، وہ رحمت خداوندی سے محروم یا بعید ہیں۔

ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿رَاعَتْصُمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

تَرْجِعُهُمْ: "اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔"

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾

تَرْجِعُهُمْ: "اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔"

ان تمام آیات و روایات کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف بڑی منہوس اور مذموم چیز ہے۔ آج دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں کی ہستی اور بربادی کے اسباب پر غور کیا جائے تو اکثر مصائب کا سبب یہی آپس کا اختلاف اور تشقت نظر آئے گا۔ ہماری بد اعمالیوں کے نتیجہ میں یہ عذاب ہم پر مسلط ہو گیا کہ وہ قوم جس کا مرکز اتحاد ایک کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تھا۔ اس کلمہ کو ماننے والا زمین کے کسی خطہ میں ہو..... کسی زبان کا بولنے والا ہو..... کسی رنگ کا ہو..... کسی نسل و نسب سے متعلق ہو..... سب بھائی بھائی تھے، کوہ و دریا کی دشوار گزار منازل ان کی وحدت میں حائل نہ تھیں۔ نسب و خاندان، رنگ و زبان کا تفاوت ان کی راہ میں رکاوٹ نہ تھا۔ ان کی قومی وحدت صرف اس کلمہ سے وابستہ تھی۔ عربی..... مصری..... شامی..... ترکی..... ہندی..... چینی..... کی تقسیمیں صرف شناخت اور

ملہ آل عمران: ۱۰۵

ملہ آل عمران: ۱۰۳



تعارف کے لیے تھیں اور کچھ نہیں۔ بقول اقبال مرحوم:

سہ درویشِ خدامت نہ شرقی ہے نہ غربی  
گھر اس کا نہ دلی نہ صفا بان نہ سر قد

آج دوسری قوموں کی دسیہ کاریوں اور مسلسل کوششوں نے پھر ان کو نسلی، لسانی اور وطنی قومیتوں میں بانٹ دیا۔ اور پھر ان میں سے بھی ہر ایک قوم و ہمازن اپنے اندر کی بھی تششت اور انتشار کا شکار ہو کر مختلف پارٹیوں میں بٹ گئی۔

وہ قوم جس کا شعار غیروں سے بھی غفور و درگزر اور ایثار تھا اور جھگڑے سے بچنے کے لیے اپنے بڑے سے بڑے حق کو چھوڑ دیتی تھی۔ آج اس کے بہت سے افراد و زرا و راسی حقیر و ذلیل خواہشات کے پیچھے بڑے سے بڑے تعلق کو قربان کر دیتے ہیں۔ یہی وہ اغراض و اہواء کا اختلاف ہے جو قوم و ملت کے لیے منکس اور اس دنیا میں نئے عذاب ہے۔

ہاں اس جگہ یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ وہ اختلاف جس کو قرآن میں عذاب الہی اور رحمت خداوندی سے محرومی فرمایا گیا ہے وہ وہ اختلاف ہے جو اصول اور عقائد میں ہو یا نفسانی اغراض و اہواء کی وجہ سے ہو۔ اس میں وہ اختلاف رائے داخل نہیں جو قرآن و سنت کے بتلائے ہوئے اصول و اجتہاد کے ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے اندر قرن اول سے صحابہ و تابعین میں ہوتا چلا آیا ہے۔ جن میں فریقین کی حجت قرآن و سنت اور اجماع سے ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن و سنت کے احکام کی تعمیل ہے۔ مگر قرآن و سنت کے جمل یا مبہم الفاظ کی تعبیر اور ان سے جزوی فروعی مسائل کے استخراج میں اجتہاد اور رائے کا اختلاف ہے۔ ایسے ہی اختلاف کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے۔

جامع صغیر میں بحوالہ نصر مقدسی و تہذیبی و امام الحرمین یہ روایت نقل کی ہے کہ:

”اِخْتِلَافُ اُمَّتِي رَحْمَةٌ“۔

”میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔“

امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت اس لیے اختیار فرمائی گئی کہ اس امت کے علماء حق اور فقہاء متقین میں جو اختلاف ہوگا وہ ہمیشہ اصول قرآن و سنت کے ماتحت ہوگا اور صدق نیت اور للہیت سے ہوگا۔ کوئی نفسانی غرض جاہ و مال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہوگی۔ اس لیے وہ کسی جنگ و جدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔ بل کہ علماء عبد الرؤف مناوی شارح جامع صغیر کی تحقیق کے مطابق فقہاء امت کے مختلف مسلک کا وہ درجہ ہوگا، جو زمانہ سابق میں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کی مختلف شرائع کا تھا کہ مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اللہ ہی کے احکام تھے۔ اسی طرح مجتہدین امت کے مختلف مسلک اصول قرآن و سنت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سب کے سب احکام خدا و رسول ﷺ ہی کہلائیں گے۔

### دو مذہبوں کے درمیان مناظرہ و مناقشہ کی کثرت

حضرت عبداللہ بن حسین الموحان مدنی تعصب کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَمِنْ الْمَظَاهِرِ الْخَطَرِيَّةِ لِذَلِكَ الْجَوُّ الْمَشْحُونُ بِالْعَدَاءِ  
وَالْكِرَاهِيَةِ بَيْنَ الْمَذْهَبَيْنِ تِلْكَ الْمُنَظَّرَاتُ الْكَثِيرَةُ الَّتِي كَانَتْ تُعَقَّدُ  
بَيْنَ عُلَمَاءِ الْمَذَاهِبِ، وَتُشَوِّعُهَا لِدَرَجَةِ كِبَرِهِ وَحُضُورِ الْكِبَرَاءِ  
وَالْوُزَرَاءِ مَجَالِسِهَا، وَمِنْ الْغَرِيبِ وَالطَّرِيفِ نَقَرًا فِي بَعْضِ كُتُبِ  
التَّرَاجِمِ أَنَّ الْعَادَةَ قَدْ جَرَتْ فِي بَعْضِ الْمُدُنِ كَبَغْدَادَ مَثَلًا عَلَى  
إِنْعِقَادِ الْمُنَظَّرَاتِ بَيْنَ فُقَهَاءِ الْمَذْهَبَيْنِ فِي مَجَالِسِ الْعُرَاءِ، وَذَلِكَ  
لِيَسْتَوْا الْمُصْطَابَ عَنْ مُصِيبَةٍ، وَيُخَفِّفُوا مِنْ لُوعَتِهِ ۱۱

۱۱ جامع صغیر: ۵۹/۸۰ رقم: ۲۸۶۸۲، قبض القدیر: ۲۷۰/۱، رقم: ۲۸۸ حرف الہمزة

۱۲ معارف القرآن: ۳/۳۶۱ تا ۳۶۶، الانعام: ۶۵

وَقَدْ اختلفت اُمُرُ الْمُنَاقَشَاتِ الْفِقْهِيَّةِ عَمَّا كَانَ عَلَيْهِ الْحَالُ لِي زَمَنِ الْقُرُونِ الْاُولَى اِخْتِلَافًا كَثِيرًا، اِذْ صَارَ دَافِعُ الْفُقَهَاءِ عَلَيْهَا مِنْ حُبِّ الظُّهُورِ وَالْغَلْبَةِ اَمَامَ الْأَمْراءِ وَالْوُجَهَاءِ وَلَيْسَ بِقَصْدِ الْوُصُولِ إِلَى الْحَقِّ. ۱۱

ترجمہ: ”آپس کی دشمنی اور ناپسندیدگی کی فضا پیدا کرنے کے مظاہر پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کو وہ مجالس نظر آئیں گی، جو علماء مذاہب کے درمیان مناظرہ کے لیے منعقد کی جاتی تھیں۔ یہ مجالس مناظرہ اس درجہ عام تھیں کہ ان میں وزراء اور طبقہ اشراف بھی شرکت کرتے۔ دور دراز اطراف سے لوگ اس میں حاضر ہوتے اور اس پر مزید یہ کہ بعض شہروں مثلاً بغداد وغیرہ میں تو یہ عادت جاری تھی کہ وہاں فقہاء مذاہب کے درمیان مناظرہ کے لیے بڑی بڑی مجالس کا انعقاد کیا جاتا جن میں معززین و مقررین شرکت کرتے اور ان مناظروں کا تو مقصود یہ تھا کہ وہ کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتے، اور کسی پریشان حال سے اس کا بوجھ ہلکا کرتے اور بعد میں تو یہ اختلاف قرون اولیٰ کے مناقشات و مناظرات سے بھی بڑا سنگین صورت حال اختیار کر گیا حتیٰ کہ فقہاء کا مقصد اس سے حصول جاہ و امراء کے پیش نظر غلبہ کا حصول رہ گیا اور وصول الی الحق مقصد نہ رہا۔“

### مروجہ مجادلات کی دینی اور دنیوی مضرتیں

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اصل مقصود و شرع

دعوت الی اللہ ہے، جس کے دو اصول ہیں۔

۱۱ حکمت.....

۱۲ موعظہ حسنہ.....

مجادلہ کی صورت کبھی سر آ پڑے تو اس کے لیے بھی احسن کی قید لگا کر اجازت

دست دی گئی ہے، مگر وہ حقیقہ دعوت کا کوئی شعبہ نہیں، بل کہ اس کے منفی پہلو کی ایک تدبیر ہے جس میں قرآن کریم نے ”بِالْبَيِّنَاتِ هِيَ أَحْسَنُ“ کی قید لگا کر جس طرح یہ جملہ دیا ہے کہ وہ نرمی..... خیر خواہی..... اور ہمدردی..... کے جذبے سے ہونا چاہیے اور اس میں دلائل واضحہ مخاطب کے مناسب حال بیان کرنا چاہیے، مخاطب کی توہین و تمجید سے کلی اجتناب کرنا چاہیے، اسی طرح اس کے احسن ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود شکم کے لیے مضرت نہ ہو جائے، کہ اس میں اخلاقِ رؤیہ..... جسدِ بغض..... تکبر..... چاہ پسندی وغیرہ پیدا نہ ہو جائیں، جو باطنی گناہ کبیرہ ہیں اور آج کل کے بحث و مباحثہ مناظرہ، مجادلہ میں شاذ و نادر ہی کوئی اللہ کا بندہ ان سے نجات پائے تو ممکن ہے ورنہ عاۃً ان سے بچنا سخت دشوار ہے۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ جس طرح شراب ام الخبائث ہے کہ خود بھی بڑا گناہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ بھی ہے، اسی طرح بحث و مباحثہ میں جب مقصود و مخاطب پر غالب پانا..... اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہو جائے..... تو وہ بھی باطن کے لیے ام الخبائث ہے۔

جس کے نتیجہ میں بہت سے روحانی جرائم ہوتے ہیں، مثلاً حسد، بغض، تکبر، خبیثت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اس کی برائی سے خوش اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا..... قبول حق سے استکبار..... دوسرے کے قول پر انصاف و اعتدال کے ساتھ غور کرنے کے بجائے جواب دہی کی فکر، خواہ اس میں قرآن و سنت میں کیسی ہی تاویلات کرنا پڑیں۔ ۱۳

یہ تو وہ مہلکات ہیں جن میں باوقار علماء ہی مبتلا ہوتے ہیں اور یہ معاملہ جب ان کے متبعین میں پہنچتا ہے تو دست و گریبان اور جنگ و جدال کے معرکے گرم ہو جاتے ہیں، ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“۔

حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

”علم تو اہل علم و فضل کے مابین ایک رحم متصل (رشتہ اخوت و برادری) ہے، تو وہ لوگ جنہوں نے علم ہی کو عداوت بنالیا ہے، وہ دوسروں کو اپنے مذہب کے اقتدار کی دعوت کس طرح دیتے ہیں، ان کے پیش نظر دوسرے پر غلبہ پانا ہی ہے تو پھر ان سے باہمی انس و موافقت اور مروت کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے اور ایک انسان کے لیے اس سے بڑھ کر شر اور برائی اور کیا ہوگی کہ وہ اس کو منافقین کے اخلاق میں مبتلا کر دے اور مؤمنین و متقین کے اخلاق سے محروم کر دے۔“<sup>۱</sup>

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کر لیتا ہے یا پھر اس مقام سے گرتا ہے جو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے، اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے، کیوں کہ جو علم نافع نہ ہو وہ عذاب ہی ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعَهُ اللَّهُ بِعِلْمِهِ“<sup>۲</sup>

تَرْجَمَہ: ”سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہ بخشا ہو۔“  
ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے:

”لَا تَعْلَمُوا الْعِلْمَ لِيُبَاهُوا بِهِ الْعُمَمَاءُ أَوْ لِيُتَمَارَوْا بِهِ السُّفَهَاءُ أَوْ لِيَتَصَرَّفُوا وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ“<sup>۳</sup>

۱۔ ایضاً: ۷۱/۱۔ ۲۔ شعب الایمان، باب فی نشر العلم ..... ۲۷۴/۳، رقم: ۱۶۴۲

۳۔ ابن ماجہ، المقدمة، الانفعال بالعلم والعمل بہ ص ۲۳

تَرْجَمَہ: ”علم دین کو اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ دوسرے علماء کے مقابلہ میں فخر و عزت حاصل کرو، یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو، یا اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کر لو اور جو ایسا کرے گا وہ آگ میں ہوگا۔“

اسی لیے ائمہ فقہاء اور اہل حق کا مسلک اس معاملے میں یہ تھا کہ علمی مسائل میں جھگڑا اور جدال ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے، دعوت حق کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھے، اس کو نرمی اور خیر خواہی کے عنوان سے دلائل کے ساتھ اس کی خطا پر متنبہ کر دے، پھر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے، جھگڑے اور بدگوئی سے کلی احتراز کرے۔

ائمہ کرام کا سنت پر عمل میں کوتاہی کے وقت طرزِ عمل

حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے:

”كَانَ مَالِكٌ يَقُولُ الْمِرَاءَ وَالْجِدَالَ فِي الْعِلْمِ يَذْهَبُ بِنُورِ الْعِلْمِ عَنْ قَلْبِ الْعَبْدِ وَقِيلَ لَهُ رَجُلٌ لَهُ عِلْمٌ بِالسُّنَّةِ فَهَلْ يُجَادِلُ عَنْهَا؟ قَالَ لَا وَلَكِنْ يُخْبِرُ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ قِيلَ مِنْهُ وَإِلَّا سَكَتَ“<sup>۱</sup>

تَرْجَمَہ: ”امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو، کیا وہ حفاظتِ سنت کے لیے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں، بل کہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے، پھر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے۔“

۱۔ اوجز المسالك شرح مؤطا امام مالك ۱۵/۱، معارف القرآن: ۴۳۰/۵



امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے اس قول پر سب ائمہ کرام کو عمل کرنا چاہیے کہ اگر کسی مقتدی کو کوئی خلاف سنت کام کرتے ہوئے دیکھیں تو اس کو اچھی نصیحت اور حکمت و بصیرت کے ساتھ خلوت میں سمجھائیں کہ بھائی آپ جو کام کر رہے ہیں یہ خلاف سنت ہے، ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مسلمان ہیں اور ہمارے دین میں یہ گناہ ہے، اگر وہ قبول کریں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے ہدایت دے دی اور آپ کے لیے ذخیرہ آخرت بن گیا اور اگر وہ آپ سے بحث و مباحثہ شروع کریں اور دلائل پوچھیں تو آپ ان سے کہیں کہ بھائی میں نے آپ کو مسئلہ بتا دیا باقی آپ کسی دارالافتاء سے رابطہ کریں جو فتویٰ وہ مفتیان کرام دیں گے اس پر میں بھی عمل کروں گا اور آپ بھی کریں۔

## اختلافی معاملات میں فضول بحثوں سے

### اجتناب کیا جائے

رسول کریم ﷺ کو جو تعلیم دی گئی ہے وہ درحقیقت علماء امت کے لیے اہم رہنما اصول ہیں، وہ یہ کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے تو جس قدر ضروری بات ہے اس کو واضح کر کے بیان کر دیا جائے۔ اس کے بعد بھی لوگ غیر ضروری بحث میں الجھیں تو ان کے ساتھ سرسری گفتگو کر کے بحث ختم کر دی جائے، اپنے دعوے کے اثبات میں کاوش اور ان کی بات کی تردید میں بہت زور لگانے سے گریز کیا جائے کیوں کہ اس کا کوئی خاص فائدہ تو ہے نہیں، مزید بحث و تکرار میں وقت کی ضاعت بھی ہے اور باہم تکی پیدا ہونے کا خطرہ بھی۔

دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ وحی الہی کے ذریعہ سے قصہ اصحاب کہف کی جتنی کافی معلومات آپ کو دی گئی ہیں ان پر قناعت فرما دیں زائد کی تحقیقات اور

لوگوں سے سوال وغیرہ میں نہ پڑیں۔ دوسروں سے سوالات کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی جہالت یا ناواقفیت ظاہر کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے سوال کیا جائے۔ یہ بھی اخلاق انبیاء کے خلاف ہے، اس لیے دوسرے لوگوں سے دونوں طرح کے سوال کرنا ممنوع کر دیا گیا، یعنی تحقیق مزید کے لیے ہو یا مخاطب کی تجلیل و رسوائی کے لیے ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے جملہ میں یہ فرمایا تھا کہ مختلف قوموں کے مختلف قبلے ہیں، کوئی ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس لیے اپنے قبلہ کے حق ہونے پر ان لوگوں سے بحث فضول ہے، اس جملے کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہے کہ اس بحث سے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، تو پھر اس فضول بحث کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگ جانا چاہیے اور وہ کام ہے..... نیک کاموں میں دوڑ دھوپ اور آگے بڑھنے کی کوشش اور چوں کہ فضول بحثوں میں وقت ضائع کرنا اور "مسابقت الی الخیرات" میں سستی کرنا، عموماً آخرت سے غفلت کے سبب ہوتے ہیں، جس کو اپنی آخرت اور انجام کی فکر و درخیش ہو وہ کبھی فضول بحثوں میں نہیں الجھتا، اپنی منزل طے کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

## نزاع سے بچنے کے لیے صبر ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَنَفْسُكُمُ وَاللَّهِ رَئِیْسُكُمْ وَأَصْبِرُوا﴾

اس میں صبر پہلوؤں پر تنبیہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت ہے اور وہ صبر پہلو جو جنگ کی کامیابی میں مانع ہوتا ہے باہمی نزاع و اختلاف ہے۔ اس لیے فرمایا "وَلَا تَنَازَعُوا"۔

تَنَازَعُوا یعنی آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو۔ ورنہ تم میں بڑی پھیل جائے گی اور تہباری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کیے گئے ہیں:

ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔

دوسرا یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔

باہمی کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اس میں کمزوری اور بزدلی آ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی ایکلی قوت رہ گئی ہے۔ وہ ظاہر ہے جنگ و قتال کے میدان میں کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا "وَاصْبِرُوا" یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو مگر افراد انسانی کی طبعی خصوصیات اور ضروریات مختلف ہوا کرتی ہیں، نیز کسی مقصد کے حصول و کوشش میں اہل عقل و تجربہ کاروں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے۔ اس لیے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خیاں طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھے اور اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے۔ آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بری چیز ہے مگر اس سے بچنے کا جو گرہ وہ یہ کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے۔ اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے۔ یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے اتحاد و اتفاق کے سارے

بہت دھند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آدمی کو دوسروں سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر خود دوسرے کی بات مان لینا اور اس کو نہ ماننے کو کم از کم نزاع سے بچنے کے لیے سکوت کر لینا تو بہر حال اختیار میں ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تاکہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ اختلاف کو ختم کر کے اتحاد قائم نہیں ہوتا۔ اتحاد ہمیشہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ کچھ لوگ اپنے اختلاف کو صبر کے خانے میں ڈالنے پر راضی ہو جائیں۔ کسی سے اختلاف، جھگڑا ختم کرنا چاہیں تو صبر، حکمت اور اعراض کا سہارا لینا ہوگا۔ شخص مفاد اور وقتی جذبات سے اوپر اٹھ کر قربانی دینی ہوگی۔ اتحاد کی خاطر ہر ناگواری کو گوارہ کرنا پڑتا ہے۔ اختلافات اور جھگڑوں سے بچنے کے لیے ہر امام اور معلم کو اپنے ساتھ ایک مجازی قبرستان لے کر چلنا ہوگا جس میں جاہلوں کی بابائہ باتیں، طعن و تشنیع، شریر کے شر اور قہقہے کے فتنے کو حاسد مقتدی کے حسد کو دفنا دینا ہوگا اور دفن کر بھول جانا ہوگا نہ اس کا تیجہ نہ چالیسواں منانا ہوگا کہ فلاں مقتدی نے فلاں وقت مجھے یہ بات کہی تھی یا فلاں کو میرے بارے میں یہ کہا تھا، بل کہ ان کو دفن اس طرح کر دیں کہ دفن کا اعلان بھی نہ ہو۔ امام کو چاہیے کہ اپنی میز پر یہ بات لکھ لے۔

آپس میں اختلافات دشمن کا ہتھیار ہے، آپس میں لڑنا گویا اپنا دشمن آپ بننا ہے، یہ اس تخریبی کام کو خود اپنے ہاتھوں انجام دینا ہے جس کو دشمن اپنے ہاتھوں سے انجام دینا چاہتا ہے۔

دوسروں سے نہ لڑنے کے لیے اپنے آپ سے لڑنا پڑتا ہے، چوں کہ لوگ اپنے آپ سے لڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس لیے دوسروں سے ان کی لڑائی بھی ختم نہیں

اتحاد اور اتفاق کی قیمت اتنی سستی اور عام ہے کہ ہر شخص، مرد ہو یا عورت، عالم ہو یا جاہل اتحاد کو خرید سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو دبائے، شکایت اور تنگی برداشت کر لے، اپنے مفاد کی بربادی پر راضی ہو جائے، دوسروں کی ترقی پر خوش ہونے کا حوصلہ پیدا کرنا سیکھ لے، گھمنڈ اور کبر کے جذبات کو تواضع کے جذبات میں تبدیل کر لے، آدمی اگر ایسا کر لے کہ وہ اتحاد کو توڑنے والے جذبات کو اپنے سینے میں دبائے تو وہ معاشرے کے اندر اتحاد کو باقی رکھے گا۔ اگر وہ ان جذبات کو نگاہ ہونے کے لیے کھلا چھوڑ دے گا اور نفسِ امارہ کی اطاعت کرتے ہوئے جذبات کو آزادی دے گا تو گھر سے لے کر مسجد، مدرسہ، بازار اور پورے معاشرے کا اتحاد برباد ہو جائے گا۔

لہذا ہم ائمہ کو چاہیے کہ خود بھی اپنے آپس کے نزاع اور جھگڑوں سے بچیں اور اپنے مقتدیوں اور عوام الناس کو بھی اس بات کی تلقین کریں کہ سارے مسلمان اپنے آپس میں اخوت و وحدت اور محبت پیدا کریں اور ان کو یہ مشہور دعا سکھائیں:

”اللَّهُمَّ آلفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“

ترجمہ: ”اے اللہ! تو ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دے اور ہماری آپس کی رنجشوں کی اصلاح فرما دے اور ہم کو سلامتی کے راستے دکھا دے اور نور عطا فرما کر تاریکیوں سے نجات دے۔“

## مسلمانوں کی جماعت میں اتحاد کی اہمیت

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری کے وقت جو کوسالہ

بنی کا فتنہ پھوٹا اور ان کے تین فرقے ہو گئے حضرت ہارون علیہ السلام نے سب کو دعوتِ حق دی، مگر ان میں سے کسی فرقہ سے کلی اجتناب اور بیزاری و علیحدگی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک اعلان نہیں کیا۔ اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہراس ہوئے تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ میں تشدد کرتا تو بنی اسرائیل کے قتل ہو جاتے ان میں تفرقہ پھیل جاتا ﴿إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتُ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي﴾ یعنی میں نے اس لیے کسی بھی فرقہ سے علیحدگی اور بیزاری کا شدت سے اظہار نہیں کیا کہ کہیں آپ واپس آ کر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری ہدایت کی پابندی نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے عذر کو غلط قرار نہیں دیا، بل کہ صحیح حلیم کر کے ان کے لیے دعاء و استغفار کیا۔ اس سے یہ ہدایت نکلتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ سے بچنے کے لیے وقتی طور پر اگر کسی برائی کے معاملے میں نرمی برتی جائے تو درست ہے ”وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ“

## مصائب اور آفات کا سب سے بڑا سبب

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب فرماتے ہیں: اختلاف کا سب سے بڑا سبب کم ظرفی اور تنگ نظری ہے، سینے اور دل اتنے تنگ ہو چکے ہیں کہ کوئی گروہ بھی دوسرے گروہ کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، ہر گروہ نے قرآن پر، حدیث پر، مذاہب، رسول پر، کعبے پر، جنت پر قبضہ جما رکھا ہے، ہر گروہ یہ کہتا ہے کہ:

خدا اور رسول ہمارے ہیں۔

قرآن ہمارا ہے۔

حدیث ہماری ہے۔



مکہ مدینہ ہمارا ہے۔

صحابہ ہمارے ہیں۔

اولیاء ہمارے ہیں۔

جنت ہماری ہے۔

مغفرت اور شفاعت صرف ہمارے لیے ہے۔

تمہارے پاس کیا ہے؟ کنگلے کہیں کے

اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو بریلوی بن جاؤ، دیوبندی بن جاؤ، اہلحدیث بن

جاؤ، چشتی، نظامی اور قادری، سہروردی بن جاؤ۔ اس کے بغیر جنت میں جانا محال

ہے۔ اسی قسم کی باتیں یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو کہتے تھے۔

قرآن حکیم میں ہے:

تَنْزِيحًا: ”اور یہود و نصاریٰ یوں کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ

جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان لوگوں کے جو

نصاری ہوں، یہ خالی دل بہلانے کی باتیں ہیں، آپ ان سے یہ تو کہیے

کہ اچھا، اپنی دلیل لاؤ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو، ضرور دوسرے لوگ

جاویں گے کیوں کہ جو کوئی شخص اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکائے اور

وہ شخص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر

اور نہ ایسے لوگوں پر قیامت میں کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ اس روز

مغھوم ہونے والے ہیں، اور یہودی کہنے لگے کہ نصاریٰ کا مذہب کسی

بنیاد پر قائم نہیں اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں

حالاں کہ یہ سب لوگ آسمانی کتابیں بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں، اسی

طرح یہ لوگ بھی جو کہ محض بے علم ہیں ان کا سا قول کہنے لگے سو اللہ

تعالیٰ ان سب کے درمیان عملی فیصلہ کر دیں گے قیامت کے روز ان

تمام مقدرات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔“

فرتوں اور گردو ہوں کے نام جو ہم نے رکھے ہوئے ہیں اور ان کے لیے لڑ کر

رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ناموں کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَتْهُمَا أَنْتُمْ وَإِبَادُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَى ۝﴾ اَمْ لِيْلَا نَسَانِ مَا تَمْنَى

﴿لِللَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى ۝﴾

تَنْزِيحًا: ”یہ معبودات مذکور نہ، نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے

باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی

دلیل بھیجی نہیں، بل کہ یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اپنے نفس کی

خواہش پر چل رہے ہیں حالاں کہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب

ست (بواسطہ رسول) ہدایت آچکی ہے، کیا انسان کو اس کی ہر تناسل جاتی

تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمارا تو صرف ایک نام رکھا ہے:

﴿هُوَ سَمِعُكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝﴾

تَنْزِيحًا: ”اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا نزول قرآن سے پہلے

بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے قابل شہادت اور معتبر ہونے

کے لیے رسول ﷺ گواہ ہوں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اہل نظر و فکر سے یہ

”یا رسول اللہ“ کی اور ایک کانفرنس ہو رہی ہے محمد رسول اللہ کی یہ جینے کی باتیں نہیں، اس موقع پر اقبال کا شعر مجھے یاد آ رہا ہے۔

کے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے  
نفیقہ و صوفی شاعر کی ناخوش اندیشی

### ایمان اور اتحاد کی طاقت

حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان متحد رہے، انہیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکی، مسلمانوں کو جب بھی شکست ہوئی آپس کی خانہ جنگیوں اور اختلافات کی وجہ سے ہوئی ہے۔

تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایمان پر  
تمہاری زندگی موقوف ہے تقیل قرآن پر  
تمہاری فتح یا بے فتحی مختصر ہے فضل یزداں پر  
نہ قوت پر نہ شکوت پر نہ کثرت پر نہ سماں پر

چنانچہ جب تک مسلمانوں میں اخوت و محبت اور اتفاق و اتحاد کا یہ رشتہ برقرار رہا، وہ ساری دنیا پر چھائے رہے، اور جب سے انہوں نے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور ایک دوسرے کو گرانے کا عمل شروع کیا ہے، وہ اقوامِ عالم میں ذلیل و خوار ہوتے جا رہے ہیں۔

افرادِ اعتبار سے دیکھئے تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، وسائل کے اعتبار سے دیکھئے تو پٹیرول جیسے سیال سونے کے کنوئیں زیادہ مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، معدنیات کے ذخائر اور کامیں بھی اسلامی ممالک میں

زیادہ ہیں، مالی اعتبار سے نظر ڈالیں تو اکثر اقوامِ عالم سے مسلمان قوم زیادہ مال دار ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کمزور اور مغلوب ہیں، آخر کیوں؟

اس کی بڑی وجہ ایمانی کمزوری اور آپس کے لڑائی اور جھگڑے ہیں۔ پہلے مسلمانوں کے پاس سونے چاندی کی دولت نہیں تھی، بل کہ ایمان کی دولت تھی۔

ان کے پاس پیٹرول اور معدنیات کے ذخائر نہیں تھے، البتہ اللہ کی ذات پر یقین اور اعتماد کا عظیم ذخیرہ ان کے پاس تھا۔

ان کے پاس جدید اسلحہ اور ساز و سامان کی طاقت نہیں تھی، لیکن آپس کے اتفاق و اتحاد کی قوت ان کے پاس تھی۔

وہ نہتے تین سو تیرہ تھے، مگر انہوں نے ایک ہزار مسلح اور تجربہ کار لشکر کو شکست دے دی اور ایسا بھی ہوا کہ مسلمان تین ہزار تھے اور انہوں نے دولاکھ کے لشکر کو شکست دے دی۔

آپ نے کبھی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں سنا کہ اتنے چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے چودہ گنا بڑے مسلح لشکر کو شکست دی ہو؟ مگر مسلمانوں! تمہیں اپنی تاریخ پہ ناز بھی ہونا چاہیے اور سبق بھی حاصل کرنا چاہیے کہ جب تمہارے اندر اتفاق تھا تو تمہارے اکابر نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں شام کے میدانوں میں دولاکھ رومیوں کو ان کے اپنے گھر میں جا کر شکست فاش دی۔

اللہ کے بندو! آج تمہاری کمزوری کی وجہ ساز و سامان کی کمی نہیں، تمہاری کمزوری کی وجہ تو پ و تشنگ اور گولہ بارود کا فقدان نہیں۔ تمہاری کمزوری کی وجہ تربیت یافتہ فوجوں کی قلت نہیں۔

تمہاری کمزوری کی وجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا عدم حصول نہیں، تمہاری کمزوری کی وجہ مال و دولت اور سیم و زر کی قلت نہیں۔

بل کہ تمہاری کمزوری کی وجہ ایمان و یقین اور اتفاق و اتحاد کا فقدان ہے۔ کفر کی بڑی بڑی طاقتیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کے ساز و سامان اور اسلحہ کی وجہ سے نہیں ڈرتی تھیں، بل کہ ان کے یقین حکم اور بے مثال اتحاد کی وجہ سے ڈرتی تھیں جب مسلمانوں میں یہ چیز باقی نہ رہی تو ان کا رعب اور دبدبہ بھی باقی نہ رہا۔

### اندلس میں کیا ہوا!

اندلس جس کے ساحل پر مشہور اسلامی جرنیل طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔

جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے انتہائی شان و شوکت سے حکمرانی کی۔

جہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ پر آنسو بہا رہی ہے۔

جہاں کی نہریں، باغات، محل و رکھیاں آج بھی اپنے معماروں کو یاد کرتی ہیں، آپ جانتے ہیں وہاں کیسے اور کب زوال آیا!

وہاں اسی وقت زوال آیا جب مسلمانوں نے کلام اللہ کو پس پشت ڈال دیا تھا، اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بت گئے تھے، وہ ایک دوسرے پر فتوے لگا رہے تھے اور اسلام کے بجائے اپنے خاندانوں اور قومیتوں پر فخر کرتے تھے، ایک مسلمان سردار دوسرے مسلمان سردار کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا، بل کہ ایک دوسرے کے خلاف عیسائیوں سے بھی مدد طلب کر لیتے تھے، مسلمانوں نے خود عیسائیوں کے ہاتھوں سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا، جس کی وجہ سے عیسائیوں کے دل سے اسلام اور مسلمانوں کا وقار اور رعب ختم ہو گیا۔

### غیر ضروری مسائل عوام کے سامنے لانے کے نقصانات

غیر مسلموں نے اور خصوصاً عیسائیوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے

یہ جس قسم کے فروغی مسائل کھڑے کیے، ان میں سے ایک مسئلہ سمجھانے کے لیے عرض کیا جاتا ہے، جس کو مولانا محمد اسلم شیخ پوری صاحب نے اپنی کتاب عدائے منبر و محراب میں ذکر فرمایا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک منظم سازش کے تحت ایک بہت بڑا عیسائی رئیس ایک مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں کچھ اشرفیاں ہدیہ کے طور پر پیش کیں اور اس کے بعد مولانا کے تبحر علمی اور دینی خدمات کی تعریف کی، بہر حال ان سے دوستی لگائی، اس کے بعد کہنے لگا کہ حضرت ایک اہم مسئلہ ہے جس کو آج تک کوئی عالم دین حل نہیں کر سکا، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس مسئلے کا حال نکال سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا؟

اب ظاہر ہے کہ مولانا کے تبحر علمی کی بے انتہا تعریف ہو چکی تھی، انہوں نے انگلی سے کہہ دیا کہ جناب اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سفید تھا، عیسائی رئیس نے خوب داووی کہ حضرت آپ نے تو ایسا مسئلہ حل کر دیا جو آج تک بڑے بڑے عالم دین بھی حل نہیں کر سکا تھا۔ پھر ان سے گزارش کی کہ حضرت بہت سارے مسلمان اس مسئلے سے ناواقف ہیں اور ناواقفیت ہی کی حالت میں وہ مر رہے ہیں ازراہ کرم اسلئے جمعہ کو یہ مسئلہ ذرا کھول کر بیان فرمادیں۔ حضرت نے فوراً وعدہ کر لیا اور کہا کہ ہمارا کام ہی حق بات کو بیان کرنا ہے۔

اس کے بعد وہ ایک دوسرے مشہور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا ان کو بھی ہدیہ پیش کیا اور ان کی وسعت علمی اور دینی خدمات کی تعریف میں زمین و آسمان کے قابو نہ ملا دیئے، ان پر بھی اپنی دوستی کا سکہ بٹھا دیا، پھر ان سے بھی مؤذبانہ دریافت کی کہ حضرت! اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا؟

انہوں نے انگلی سے کہہ دیا کہ اس کا رنگ کالا تھا۔ عیسائی رئیس نے ان سے بھی مؤذبانہ گزارش کی جمعہ کے بیان میں اس اہم مسئلے کی وضاحت فرمادیں تاکہ



دیا بلوں کے علم میں اضافہ ہو۔

مولوی صاحب نے اس کو تسلی دلائی کہ جناب آپ مطمئن رہیں، میں اپنے خطبات جمعہ میں اس مسئلہ کے ہر گوشے کو واضح کروں گا۔

چنانچہ اپنے اپنے خطبات جمعہ میں دونوں علمائے کرام نے اس فضول مسئلہ کو اپنے من گھڑت دلائل سے خوب واضح کیا، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر دونوں علامہ صاحبان کے مقتدی جب ایک چوک میں اکٹھے ہوئے تو ایک گروہ نے کہا کہ ہمارے حضرت نے آج ایک ایسا مسئلہ حل کر دیا، جسے اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی عالم حل نہیں کر سکا تھا، وہ یہ کہ اصحاب کھف کے کتے کا رنگ کالا تھا۔ دوسرا گروہ کہنے لگا کہ نہیں اس کا رنگ تو سفید تھا، بات بڑھتے بڑھتے گالم گلوچ تک جا پہنچی، پھر منظرے ہونے لگے، دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر قوتے لگانے شروع کر دیئے کہ جو شخص اصحاب کھف کے کتے کو کالا کہے گا اس کے چپچپے نماز نہیں ہوگی، ادھر سے جواب آیا کہ جو اس کتے کو گورا کہے گا اس کے چپچپے نماز نہیں ہوگی۔

یہ واقعہ محض ایک مثال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے، جن مسائل نے مسلمانوں کو الجھا رکھا تھا، وہ اسی قسم کے تھے، اور انہیں مسائل میں الجھنے اور ٹکرانے کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کمزور ہو گئی تھی اور کفار کو غالب آنے کا موقع مل گیا تھا۔

رہا اندلس، جہاں اذانوں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، اب وہاں قصر حرام چاند کی صلیب بلند ہو رہی ہے۔

توحید کے پرستار افسردہ تھے اور تثلیث کے پیہاری شاداں و فرحاں تھے، آٹھ سو سال تک پورے کروفر (شان و شوکت) کے ساتھ حکومت کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

مام حکم جاری کر دیا گیا کہ ہر مسلمان عیسائی بن جائے ورنہ اس کو جہاں کہیں پایا گیا قتل کر دیا جائے گا۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اللہ واحد کا نام لینے والے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

جو مسلمان اللہ سے زیادہ کسی کو طاقتور نہیں سمجھتے تھے، آج ان ہی کا سربراہ ابو عبد اللہ عیسائی بادشاہ کے سامنے جھک کر شہر کی کنجیاں پیش کر رہا تھا اور کبر رہا تھا اسے طاقتور بادشاہ اب ہم تیری رعایا ہیں۔ یہ شہر اور تمام ملک ہم تیرے سپرد کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ جلیل القدر کی یہی مرضی تھی ہمارے آپس کے اختلافات نے ہم سے نصرت الہی کو دور کر دیا۔

جس اندلس کو طارق بن زیاد نے تھوڑے سے لشکر کے ساتھ اجنبی ہونے کے باوجود فتح کیا تھا، اس اندلس کو ہزاروں مسلمان بے پناہ وسائل کے باوجود نہ بچا سکے۔

آخر ایسا کیوں ہوا؟

صرف اور صرف ایمان کی کمزوری اور (مسلمانوں کے ذمہ جو دین پھیلانے کا کام تھا، اس کو چھوڑ دیا گیا) اور آپس کی نا اتفاقی کی وجہ سے، عیسائی متحد تھے اور مسلمان ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے، مثال نے مرکز سے بغاوت کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی ٹھنی منی خود مختار حکومتیں قائم کی ہوئی تھیں۔

بغداد میں کیا ہوا؟

آپ جانتے ہیں کہ بغداد مسلمانوں کا ایک بڑا علمی مرکز رہا ہے۔ وہاں بڑے بڑے فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے۔

مہم کاام، علم فقہ، منطق، ریاضی اور کیمیا پر اتنی کتابیں لکھی گئیں کہ کتب خانے بھر گئے، وہاں مسلمانوں کی بڑی مضبوط حکومت قائم تھی۔ لیکن جب مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تار یوں کو مسلط کر دیا

اور فتنہ تاتار وہ فتنہ ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے آج بھی رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہلاکو خان کی فوج کے ہاتھوں سے بغداد اور اس کے مضافات میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے، انہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ دیا گیا، شاہی کتب خانے کی کتابیں دجلہ میں پھینک دی گئیں۔

کتابیں اس قدر تھیں کہ دجلہ میں ایک بند سا بن گیا، اور دجلہ کا پانی کئی دن تک اتنا سیاہ رہا کہ دو باتوں میں سیاہی ڈالنے کی ضرورت نہ رہی، کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ پر تاتاریوں کا اس وقت اتنا عجب چھا گیا تھا کہ اگر ایک تاتاری عورت مسلمان مرد کو بازار میں روک لیتی اور کہہ دیتی تم یہیں مظہر میں گھر سے تلوار لے کر تمہیں قتل کرتی ہوں تو اس مسلمان پر اتنا خوف چھا جاتا کہ اسے وہاں سے ایک قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور عورت اسے قتل کر دیتی۔

آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ ذلت کیوں اٹھانی پڑی؟ آپس میں نہ مانے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے اور جو اصل کام اللہ جل جلالہ نے خیر الامت ہونے کی وجہ سے اس امت کے ذمہ لگایا تھا، اس کام سے غفلت برتنے کی وجہ سے نہ کرنے کے کاموں میں یہ امت لگ گئی، بغداد کے خلیفہ نے اپنے حریف خوارزم شاہ کو کمزور کرنے کے لیے تاتاریوں کو خود مشورہ دیا کہ خوارزم شاہ پر حملہ کرے تاتاریوں نے خوارزم شاہ کی سلطنت تو ختم کر دی مگر اس کے بعد بغداد کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

اندازہ لگائیے ہمارے بھول پن اور سادگی کا کہ ہمیں اس بات کی تو فکر ہے کہ کوئی شخص اولیٰ کو چھوڑ کر غیر اولیٰ کام نہ کرے۔

شافعیہ کو چھوڑ کر حنفی نہ بن جائے، حنفیہ کو چھوڑ کر شافعی نہ بن جائے۔

رفع یدین کا انکار نہ کر دے یا اقرار نہ کر لے۔

تراویح میں نہ پڑھ لے۔

اذان بغیر صلوٰۃ کے نہ کہہ دے۔

لیکن اگر کوئی نماز ہی چھوڑ دے۔

وہ نہ بیس پڑھے، نہ آٹھ۔

وہ اذان ہی کا انکار کر دے۔

وہ طہر بن جائے۔

وہ سو شلٹ ہو جائے۔

وہ قادیانیت کی گود میں چلا جائے۔

وہ دشمنان صحابہ کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو جائے۔

وہ صیہونیوں کے جال میں پھنس جائے۔

جب کہ ان اختلافات کا حال تو یہ ہے کہ اکثر اختلافات رائج اور غیر رائج، افضل اور غیر افضل کے ہوتے ہیں، ان مباحثوں اور مناظروں میں حد سے زیادہ مصروفیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ فراتے اور گروہ جن کے عقائد صراحتہ کفریہ ہیں اور جو دن رات امت کو گمراہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں، ان کے خلاف ریسرچ اور مطالعہ کا نہ تو طلبہ کو موقع ملتا ہے، اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی دل چسپی ہوتی ہے گویا ہم نے ان گمراہ فرقوں اور جماعتوں کو گمراہی پھیلانے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔

ہمارے چند دوست تھے، وہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک جگہ گئے، گشت پر

لکھتے تو چند مسلمانوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دی، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، غالباً ان ساتھیوں نے اپنے خطیب سے آٹھ اور بیس رکعت تراویح کا جھگڑا سنا ہوگا، انہوں نے ان تبلیغی دوستوں سے کہا:

”ہم مسجد میں تو بعد میں چلیں گے پہلے ہمارے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کرو کہ

تراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس۔“ ان دوستوں نے بہت پیارا جواب دیا۔ کہنے لگے:

”بھائی جو ہمیں رکعتیں پڑھتے ہیں، وہ کچھ زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور جو آٹھ رکعتیں پڑھتے ہیں وہ کچھ کم پڑھ لیتے ہیں، لیکن پڑھتے دونوں ہیں ہم آپس میں الجھنے اور وقت ضائع کرنے کے بجائے کیوں نہ ان بے نمازوں کے پاس چلیں جو نہ آٹھ پڑھتے ہیں نہ بیس پڑھتے ہیں، وہ دوسرے سے نمازی سے محروم ہیں۔“

## لاحاصل اختلاف

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس سلسلہ میں ایک عبرت انگیز واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں:

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا: حضرت کیسے مزاج ہیں؟

کہا: ہاں ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کد و کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حقیقت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

سے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر بربادی؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی حاکم کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور دوسرے مسلک کے فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطا (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں، اور دوسرے کے مسلک کو خطا محتمل الصواب (خطا مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں، تدقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم، تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر تکبیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا، آئین بالجہ حق تھی یا بالسر حق تھی، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ تھے۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو رسوا کر دے گا نہ امام ابو حنیفہ



رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کو، نہ امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کو، نہ امام احمد بن حنبل رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن نے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے ہدایت کو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رہا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے صحیح کہا تھا یا شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے غلط کہا تھا یا اس نے برعکس، یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور کبھی کے مابین جو مسائل مشفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات تھیں، جن کی نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو منہ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں، کمرہائی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروغی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا: یوں غمگین ہیشماہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

آپ اگر مسلمانوں کی پستی، خزل اور ذلت کے اسباب پر غور فرمائیں گے تو آپ کو بڑے بڑے یہی دو اسباب نظر آئیں گے: امت آپس میں دست و گریبان

ملے مراد حضرت شیخ البندردہ اللہ کا بیان ہے جو ماقبل عنوان "اختلاف امت اور ان کا حل" کے تحت لکھا ہے۔

ہے، ہر شخص الگ جماعت بنانے کی فکر میں ہے، کئی جماعتیں ایسی ہیں کہ ان میں مدد اور سکرٹری کے علاوہ آپ کو تیسرا شخص نہیں ملے گا، مگر نعرے ایسے انقلابی لگائے جاتے ہیں، گویا یہی ایک جماعت ہے جو جگڑی ہوئی امت میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ کام سے زیادہ پروپیگنڈہ اور تشہیر کی جاتی ہے۔

قرآن کو چھوڑ کر امت نے لیسن مارکس، مائوزے تنک اور نہ جانے کون کون سے لادین لیڈروں کی کتابوں کو اپنا لیا ہے۔ اپنی معیشت، سیاست، حکومت غرضیکہ ہر چیز کے بارے میں ان ہی گمراہ کن کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

قرآن کو خوب صورت غافوں میں لپیٹ کر طاقتوں کی زینت بنا دیا گیا ہے۔ قرآن کا مقصد اب صرف یہ رہ گیا ہے:

کہ کبھی کبھار برکت کے لیے پڑھ لیا جائے۔

یا کوئی مر جائے تو قرآن سے ایصالِ ثواب کر دیا جائے۔

یا کبھی جھگڑا ہو جائے تو قرآن کی قسم اٹھالی جائے۔

تعویذات لکھ لکھ کر بیماروں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ میں لائل پور کے جلسہ میں اپنے وعظ "وحدتِ امت" میں ایک واقعہ ارشاد فرمایا جو ہم سب کے لیے قابلِ عمل و قابلِ عبرت ہے، وہ یہ ہے کہ:

حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"اِخْتَلَفَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ یُنْتَظَرُ اِلَیْہِ وَیُؤْخَذُ عَنْہُ"

لے دوائے صبر و محراب: ۱/۱۸۶ تا ۱۹۱

کہ افسوس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص یا ہم جنھوں نے ہیں، جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں۔ پھر ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اسی طرح فرمایا کہ:

”قَدْ صَدَّقَ ابْنُ رَضِيَّ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَلَمْ يَأْلُ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ“<sup>۱</sup>

”یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے اچھی نہیں کی۔“

پھر فرمایا کہ مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوں کسی کو نہ دیکھوں اور نہ سخت مزادوں کا۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل و اختلافات میں ایک قول صواب و صحیح ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں، مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف و اختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدا یا بن اہل علم کے لیے مناسب نہیں، جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع و جدال کے خطرات پیدا ہو جائیں۔

”وَفِيْ هٰذَا مِنْ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰی تَرْكِ تَخَاطُبِ الْمُجْتَهِدِيْنَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِذْ كُلٌّ وَّاحِدٌ مِنْهُمْ فَذٰ اٰدٰى مَا كُفِّلَتْ بِاجْتِهَادِهِ“<sup>۲</sup>

”امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطا وار نہ قرار دے کیوں کہ ان میں سے

۱۔ جامع العلم: ۸۲/۲، تحفۃ العلماء: ۲۸۳

۲۔ ماخذہ کتاب الام: ۳۰۲/۲، باب ابطال الاستحسان

ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطا وار نہ کہا جائے یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو۔ آج کل کا ساجا جانا اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن و حدیث سے اس کا رابطہ بھی نہیں رہا۔ اردو، انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن و حدیث پر مشق شروع کر دی۔ ایسا اجتہاد خود ایک کنہ عظیم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف و شقاق ہے جس پر تکبر واجب ہے۔

## سنت و بدعت کی کش مکش میں صحیح طرز عمل

ہمارے معاشرہ میں مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت و سنت کے عنوان سے پیدا ہوا کہ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعمیر میں اصول صحیح کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے اس قسم کے اختلافات بلاشبہ تفرق و افتراق ہیں، جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتلایا ہے، جس کے ذریعہ تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے یہ وہی اصول دعوت الی الخیر ہیں، جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم قابل قبول عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلایا ہے اور آخر میں ”مُجَادَلْهُ بِاللَّيْنِ هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی ایسے غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء اور تمسخر اور اس کو زیر کرنے کے لیے

جھوٹے، سچے جائز و ناجائز رہے استعمال کرنا اختیار کر لیا، جس کے نتیجہ میں جنگ و جدال کا بازار تو گرم ہو گیا مگر اصلاح خلق کا کوئی پہلو نہ نکلا۔

### اکابر کے صبر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ

ہمارے اکابر رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِمْ جھگڑوں سے کس قدر دور رہتے تھے باوجود خود حق پر ہونے کے کس صبر و ضبط سے کام لیتے تھے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے منور فرمائے اور ان کی سچی اتباع ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے، دارالعلوم دیوبند پر سخت سے سخت وقت آئے، بڑی بڑی شورشیں اٹھیں، لیکن میں نے اس بندہ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا، انہوں نے دارالعلوم میں خلاف اصول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا اور اپنے حسن تدبیر سے در سے کو بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی جس کا ایک واقعہ یاد آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو مثالی ضبط و تحمل عطا فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند کی زمین سے متصل کسی دیوبند کے رئیس کی زمین تھی، اس کا کچھ حصہ دارالعلوم کے لیے خرید لیا گیا تھا اس رئیس کے انتقال کے بعد اس کے ایک وارث نے ایک روز دارالعلوم کے محن میں پہنچ کر اس زمین کی حق داری کا دعویٰ کیا اور حضرت مولانا

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کو خطاب کر کے باواز بلند بہت برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کا رد و انکشاف اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ حضرت مولانا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کے بعض خدام کو بھی فطری طور پر اشتعال ہوا اور انہوں نے بھی اس کو اسی زبان میں جواب دینے کا ارادہ کیا۔

لیکن حضرت مولانا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے ان کو روکا اور ان صاحب سے فرمایا کہ: ”شیخ صاحب! آپ فضول ناراض ہو گئے ذرا اندر تشریف لائیے اطمینان سے بات کریں گے۔“

مگر وہ صاحب بدستور غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہے۔ مولانا نے کچھ دیر بعد پھر فرمایا اندر چل کر بیٹھے تو سہی، وہاں بات کریں گے اور پھر انہیں زبردستی دفتر اجتماع میں لے گئے، ان کی خاطر تواضع فرمائی اور جب وہ ذرا ٹھنڈے ہو گئے تو حضرت مولانا اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے ایک الماری کھولی، اس میں سے کچھ کاغذات لے کر آئے اور ان صاحب کے سامنے پھیلا دیئے کہ دیکھئے یہ زمین آپ کے مورث نے فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس کی رجسٹری بھی ہو چکی ہے، ان صاحب نے کاغذات دیکھے تو بے حد شرمندہ ہوئے اور مولانا نے جس صبر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ فرمایا اس سے بے حد متاثر ہو کر گئے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔“

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:



وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۚ  
تَنْتَصِرُونَ“ اور جب ان پر ظلم (وزیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں۔“

حضرت اشرف المصنف نے بیان القرآن میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مؤمنین، مفلحین اور صالحین کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں۔  
”هُمْ يَنْتَصِرُونَ“ میں تو یہ بتلایا کہ یہ غصہ میں مغلوب نہیں ہوتے بل کہ تم و کرم ان کے مزاج میں غالب رہتا ہے معاف کر دیتے ہیں اور ”هُمْ يَنْتَصِرُونَ“ میں یہ بتلایا کہ یہ بھی انہیں صالحین کی خصوصیت ہے کہ اگر کبھی ظلم کا بدلہ لینے کا داعیہ ان کے دل میں پیدا بھی ہوا اور بدلہ لینے لگیں تو اس میں حق سے تجاوز نہیں کرتے، اگرچہ معاف کر دینا ان کے لیے افضل ہے۔

لہذا اگر کرام کو چاہیے کہ ایسے جاہل لوگوں کی باتوں کا جواب نہ دیں ان کے منہ نہ لگیں۔ اگرچہ وہ وہی ظلم ہی کہلاتے ہوں۔۔۔ کیوں کہ بسا اوقات شیطان ان ہی کی زبان سے ایسی باتیں کہتا ہے، جس سے امام صاحب کو غصہ آئے اور وہ تردید میں کچھ جواب دیں۔۔۔ پھر محلے میں یہ مشہور ہو جائے کہ امام صاحب نے یوں کہا۔۔۔ یوں کہا۔۔۔ پھر دونوں اہل ظلم لڑتے رہیں اور محلے کے بے دین عوام خوش ہوتے رہیں اور شیطان کی خوشی کا تو کیا ہی کہنا۔ لہذا ایسے اوقات میں بہت ہی حکمت سے کام لیتے ہوئے اور ”اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے خوب مدد مانگتے ہوئے شیطان اور اس کے حواریں کے جال سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔

یا تو اس مجلس سے چلا جائے۔۔۔ یا کہہ دے کہ کسی دارالافتاء سے اس مسئلہ میں رجوع فرمالیں یا صاف کہہ دے یہ مسئلہ منبر و محراب پر بیان کرنے کا نہیں ہے جس کو جس قدر ضرورت ہو وہ کتابوں سے رجوع کر لے۔۔۔ یا کوئی صاحب بے جا

نہ کر رہے ہیں تو صبر و ضبط کرتے ہوئے ان کو سمجھائیں، یا کہہ دے کہ اس مسئلہ کے متعلق بعد میں بات کر لیں گے۔

## مسلمانوں کی خون ریزی اور فتنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان حضرات میں سے ہیں جو مشاجرات کے زمانے میں کسی فریق کی موافقت یا مخالفت سے یکسو رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان سے درخواست کی گئی کہ آپ میدان میں آئیے، ہم آپ کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت لیں گے، لیکن آپ نے باہمی خانہ جنگی کے خطرے سے انکار فرمایا، آپ کو دھمکیاں بھی دی گئیں، لیکن آپ اپنے موقف پر قائم رہے۔ ایک مرتبہ مشاجرات کے دوران لوگوں نے آپ سے آکر کہا کہ ”آپ خلافت سنبھال لیجیے سب لوگ آپ کی خلافت پر راضی ہو جائیں گے۔“ آپ نے فرمایا کہ ”اگر مشرق کے کسی شخص نے مخالفت کی تو کیا ہوگا؟“

لوگوں نے کہا کہ ایسا شخص مار ڈالا جائے گا اور پوری امت کی بہتری کے لیے ایک شخص کا قتل کیا حیثیت رکھتا ہے؟  
آپ نے فرمایا کہ ”اللہ کی قسم! اگر ساری امت کے ہاتھ میں نیزے کا قبضہ اور میرے ہاتھ میں اس کی نوک ہو تب بھی میں ساری دنیا و مافیہا کے بدلے کسی مسلمان کا قتل پسند نہیں کر سکتا۔“

چنانچہ مشاجرات کے زمانے میں آپ نے فریقین کے ساتھ تعلقات رکھے، لیکن کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ ان کے اور ان کے مخالفین دونوں کے چہچہے نماز پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ ”آپ دونوں فریقوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک دوسرے کو قتل

کر رہے ہیں؟“ آپ نے حکیمانہ جواب دیا، فرمایا کہ: ”جب کوئی شخص ”حَتَّى عَلَيَّ الصَّلَاةُ“ (نماز کے لیے آؤ) کہہ کر مجھے بلاتا ہے تو میں اس کی دعوت قبول کر لیتا ہوں۔ جب کوئی شخص ”حَتَّى عَلَيَّ الْفَلَاحُ“ (فلاح کی طرف آؤ) کہہ کر پکارے گا ہے تو اس کی بات بھی مان لیتا ہوں لیکن جب کوئی شخص ”حَتَّى عَلَيَّ قَتْلُ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ“ (اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کے لیے آؤ) کہہ کر مجھے دعوت دیتا ہے تو میرا جواب ہوتا ہے کہ نہیں۔“

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو ان مشاجرات میں عملی حصہ لینے کی دعوت دی، قرآن کریم کے جہاد کے احکام یاد دلوائے، آپ نے جواب میں فرمایا:

”إِنَّا قَاتَلْنَا حَتَّى كَانَ الدِّينُ لِلَّهِ وَلَمْ نَكُنْ فِتْنَةً وَ إِنَّا قَاتَلْنَا حَتَّى كَانَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللَّهِ، وَحَتَّى كَانَتْ فِتْنَةٌ“۔<sup>۱</sup>  
 ترجمہ: ”ہم نے قتال کیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو گیا اور فتنہ باقی نہ رہا اور تم لوگوں نے قتال کیا، یہاں تک کہ غیر اللہ کا دین غالب ہو گیا اور فتنہ پیدا ہو گیا۔“

### جھگڑوں کے نقصانات

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”دَبَّ إِلَيْكُمْ ذَاءُ الْأَمَمِ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ تَخْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلِقُ الدِّينَ“۔<sup>۲</sup>  
 ترجمہ: ”تم سے پہلی امتوں کی پیڑری تمہارے اندر سرایت کر گئی۔ وہ

۱۔ طبقات ابن سعد: ۱۲۰/۴

۲۔ ایضاً: ۱۱۵/۴

۳۔ الترمذی، صفۃ القیامۃ، باب فی فضل صلاح ذات البین رقم: ۲۵۹۰

بیِّنَاتُ الْعِلْمِ رُبُّنَا

بیماری حسد و بغض ہے جو موٹو دینے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو موٹو نے والی ہے بل کہ یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے (کہ اس بیماری کی وجہ سے انسان کے اخلاق تباہ و برباد ہو جاتے ہیں)۔“

اگر کسی امام کے خاموش رہنے سے، استغفیٰ دینے سے، معافی مانگنے سے آپس کے اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہو تو ضرور ایسے امام کو یہ کڑوا گھونٹ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو متحد و مجتمع کرنے اور اس کو بکھیرنے سے بچانے کے لیے پی لینا چاہیے۔

اندازہ لگائیے! اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھ کر ایک معصوف کی یہ عبارت جو اس نے اپنی کتاب ”مذہب و سائنس“ میں لکھی ہے، پڑھئے کہ:

”اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو چارلس مارشل کی تلوار نے نہیں روکا، بل کہ ان کے باہمی اندرونی فساد سے یورپ کو ان کے ہاتھ سے نجات ملی۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا تُجَادِلُوا فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّ جَدْلًا فِيهِ كُفْرٌ“۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”قرآن میں مت جھگڑو کیوں کہ اس میں جھگڑنا کفر ہے۔“

یہی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو کچھ لوگ قرآن کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس باہم جھگڑ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو چہرہ انور کا رنگ متغیر ہوا، پھر فرمایا:

”يَا قَوْمِ بِهِذَا أَهْلِكْتُ الْأُمَمَ وَإِنَّ الْقُرْآنَ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ

۱۔ سیرت مولانا محمد علی مونگیری: ۱۱۱ مثالی استناد: ۳۲۰/۱

۲۔ شعب الایمان، فصل فی ترک المسارعة فی القرآن: ۵۲۶/۳، رقم: ۲۰۶۱

بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضُهُ بَعْضٌ ۝۱۷

ترجمہ: ”اے میری قوم! تم سے پہلے کی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ قرآن تو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے تم کیوں اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہو؟“

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ہم حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس بیٹھ کر باہم الجھ رہے تھے کہ ایک کہہ رہا تھا یہ آیت اس طرح ہے اور دوسرا کہہ رہا تھا اس طرح، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں نکلے کہ گویا آپ کے چہرے پر انار کے دانے چھوڑے گئے ہوں۔ (یعنی غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”يَا هَؤُلَاءِ بَهَذَا بُعِثْتُمْ؟ أَمْ بِهَذَا أُمِرْتُمْ؟ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ۝۱۸“

ترجمہ: ”اے لوگو! کیا اسی لیے تم بھیجے گئے ہو یا اسی چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ میرے بعد تم کہیں کفر کی طرف نہ لوٹ جاؤ اور ایک دوسرے کی گردن مارنے نہ لگو۔“

حضرت عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد اور دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا تُجَادِلُوا بِالْقُرْآنِ وَلَا تُبَدِّلُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضُهُ بَعْضٍ فَوَاللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُجَادِلُ بِهِ فَيَغْلِبُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ لَيُجَادِلُ

۱۷ مجمع الزوائد، العلم، باب فی العمل بالكتاب والسنة، ۱/۲۳۱، رقم: ۷۹۳

۱۸ مجمع الزوائد، العلم، باب ماجاء فی المرأة، ۱/۲۹۱، رقم: ۷۰۵

بِهِ فَيُطْلَبُ ۝۱۹

کہ قرآن میں مت جھگڑو اور کتاب اللہ کو بعض سے بعض کو مت بدلو، کیوں کہ مسلمان ایسا کرنے سے مغلوب ہوگا اور منافق ایسا کرنے سے غالب ہوگا۔ (یعنی ایسا کرنے میں ایمان خراب ہوگا تو اس صورت میں مؤمن کے لیے نقصان ہے منافق مؤمن کے ایمان کو خراب کر کے خوش ہوگا)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ الشُّفَهَاءَ، وَيَصْرِفَ بِهِ وَجْهَهُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ ۝۲۰“

ترجمہ: ”جو علم اس لیے حاصل کرتا ہے تاکہ علما سے مباحثہ کرے یا چالوں کی اہانت کرے اور اس (فساد) کے ذریعے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔“

اچھی خاصی ہدایت یافتہ قوم میں جب جھگڑا پیدا ہو جائے سمجھ لو کہ وہ گمراہی کے راستہ پر چل پڑی۔

ترمذی کتاب التفسیر میں ہے:

”مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هَذِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أَوْفُوا الْجَدَلَ ۝۲۱“

ترجمہ: ”کوئی بھی ہدایت یافتہ قوم جب گمراہ ہوتی ہے تو سب سے پہلے ان میں جھگڑا وجود میں آتا ہے۔“

قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَا يُبْهِمُ دُخَ الْأُمَرَاءَ فَإِنَّ نَفْعَهُ قَلِيلٌ وَهُوَ يَهَيِّجُ الْعَدَاوَةَ بَيْنَ الْأَخْوَانِ ۝۲۲“

۱۹ کنز العمال، الاول، الاذکار، ۱/۳۰۷، رقم: ۲۸۵۶

۲۰ ترمذی، العلم، باب ماجاء فی من يطلب بعلمه الدنيا، ۱/۹۱، رقم: ۲۶۵۴

۲۱ ترمذی، التفسیر سورة الزخرف، ۱/۱۶۱

۲۲ دارمی، باب من قال: العلم الخشية وتقوى الله، ۱/۱۰۲، رقم: ۳۰۳



تَرْجَمَہ: "حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا "اے بیٹے! جھگڑنا چھوڑ دے کیوں کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں ہے اور اس سے دو بھائیوں کے درمیان عداوت بنتی ہے۔"

عَنْ زَيْدِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ: قَالَ لِيْ عُمَرُ: هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْرُمُ الْإِسْلَامَ؟ قَالَ: لَا قَالَ: يَهْرُمُهُ رَلَّةُ الْعَالِمِ، وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ، وَحُكْمُ الْأُتَمَّةِ الْمُضِلِّينَ۔

تَرْجَمَہ: "زیاد بن حدیر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "جانتے ہو اسلام کو کس چیز نے سب سے زیادہ کمزور کیا؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا "علماء کی لغزش، منافق کا کتاب اللہ کے معاملے میں جھگڑنا اور گمراہ ائمہ کے احکامات نے۔"

اور فرمایا:

إِنَّهُ سَيَأْتِي نَاسٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِشِبْهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذُوهُمْ بِالسِّنَنِ، فَإِنْ أَصْحَابُ السِّنَنِ أَعْلَمَ بِكِتَابِ اللَّهِ۔

تَرْجَمَہ: "ایک وقت ایسا آئے گا کہ کچھ لوگ قرآن مجید کے ہم اور غیر واضح احکامات لے کر تم سے جھگڑیں گے۔ تم ان کی تشریح احادیث سے کیا کرو۔ کیوں کہ حدیث کا جاننے والا قرآن کو زیادہ جانتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ایاس بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

إِنَّكَ إِنْ بَقِيتَ سَبَقَرَأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ: فَصِنْتُ لِلَّهِ، وَصِنْتُ لِلْجِدَالِ، وَصِنْتُ لِلدُّنْيَا، وَمَنْ طَلَبَ بِهِ أَذْرَكَ۔

لے نصرة النعيم، الجدال والمراء، ۳۴۷/۹

لے سنن الدارمی، باب التورخ عن الجواب، ۱/۶۲، الرقم: ۱۱۹

لے دارمی، فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، ۲/۵۲۶، رقم: ۳۲۲۹

تَرْجَمَہ: "اگر آپ زندہ رہے تو میں قسم کے لوگوں کو قرآن مجید پڑھنے سے روک دیکھیں گے۔"

بعض ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھیں گے۔ بعض لوگ لڑائی جھگڑوں کے لیے دلیل بنا کر پڑھیں گے اور بعض صرف دنیا حاصل کرنے کے واسطے پڑھیں گے اور جس نے مجھے قرآن مجید کے ذریعے کوئی چیز طلب کی تو وہ اس کو ملے گی۔"

ویسے تو جھگڑا اتنی بری چیز ہے کہ جہاں یہ ہوتا ہے وہاں سے بھلائیاں دور ہو جاتی ہیں اور شرور کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ جیسے سے بھری ہوئی ہالٹی کے اندر پیشاب و خون کا ایک قطرہ پڑ جائے تو پورا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جھگڑا سارے اسباب خیر کے اندر زہر ان سارے خیر سے لوگوں کو محروم کر دیتا ہے۔

ہمارے اکابر و اسلاف نے بہت سختی سے اہل علم کو جدال و خصومت سے روک دیا ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "علمائے سلف" میں لکھتے ہیں۔

بس ہمارا حال اور خیال اگر حضرات سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے تو ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم راہ صواب سے دور جا چکے ہیں۔ بات طریقہ سے بعید ہوگی کہ ہم ان سے شیوے کو اپنے مسلک کے مخالف قرار دے کر ان کو باطلین یا کفار کہیں اور اپنے ہی خیال یا ظن کو عین حقیقت قرار دے کر ان کو باطلین کہیں اور اپنے حق سمجھیں اور اپنے حق کو باطل کہیں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"إِيَّاكُمْ وَالْخُصُومَةَ فِي الدِّينِ فَإِنَّهَا تَشْغَلُ الْقَلْبَ وَتُؤْخِرُ الْيَقَاقَ،" لے

تَرْجَمَهُ: "وین میں جھگڑا کرنے سے بچو اس واسطے کہ وہ دل کو کام کی باتوں سے باز رکھتا ہے اور اتفاق پیدا کرتا ہے۔"

ملک شام کے مقتد امام اوزبی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ شَرًّا اَلَزَمَهُمُ الْجِدَالَ وَمَنَعَهُمُ الْعَمَلَ" ۱

تَرْجَمَهُ: "جب کسی قوم کی برپادی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو ان پر جھگڑا لازم کر دیتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے جس اوار سے اور قوم میں ناحق جھگڑے ہوں ان پر شرکا دروازہ کھل گیا۔ اور اب کام کا دروازہ بند ہوتا چکے گا۔

امام حجاج بن اطاق رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"مَا خَاصَمْتُ قَطُّ وَلَا جَالَسْتُ اِلَى قَوْمٍ يَخْتَصِمُونَ" ۲

تَرْجَمَهُ: "میں نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور نہ کبھی ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا جو جھگڑا لو ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حجاج بن اطاق رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک کسی شخص سے یا جماعت سے بے زاری اور ان کی مجلس سے تفرق ہونے کی وجہ جھگڑا ہے۔  
شیخ عبد اللہ بن حسین الموحان فرماتے ہیں:

فَالْمِرَاءُ وَالْجِدَالُ مِنْ نَتَائِجِ الْحَسَدِ وَثَوَدَيَانِ اَيْضًا اِلَى الْحَسَدِ  
فَالْمِرَاءُ وَالْجِدَالُ مِنْ اَجْلِ اِنْبَاتِ الذَّاتِ وَاعْلَاءِ النَّفْسِ وَ اِظْهَارِ  
الْحِكْمَةِ وَالذِّكَاةِ وَقُوَّةِ الْعِلْمِ وَتَقْدِيمِ الْاَدْلَةِ وَ اِذْ خَاصِ الْخَصِمِ  
فَقَدْ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی  
اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَیَّ اللّٰهُ الْاَلَدُ الْخَصِمَ ۳

۱۔ تفسیر التعلیم، الجدال والبراء: ۴۳۸/۹  
۲۔ علماء سلف: ۸۹

۳۔ أخرجه المسلم، العلم، باب فی الالذ الخصم: ۳۳۹/۲

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: مَنْ جَادَلَ فِیْ خُصُومَةٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَمْ يَزَلْ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنْزِعَ

قَالَ بَعْضُهُمْ اِيَّاكَ وَالْخُصُومَةُ فَاِنَّهَا تَسْخُو الدِّیْنِ، وَيُقَالُ: مَا خَاصَمَ وَرَعَ قَطُّ فِی الدِّیْنِ

وَقَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ: مَرَّبِيْ بَشْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ يَكْرَةَ فَقَالَ: مَا يُجْلِسُكَ هُنَا؟ قُلْتُ: خُصُومَةٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَ ابْنِ عَمِّ لِيْ، فَقَالَ: اِنَّ لَكَ عِنْدِيْ يَدًا وَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَجْرِيْكَ بِهَا وَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اَذْهَبَ لِلدِّیْنِ وَلَا اَنْقَصَ لِلْمُرُوَّةِ وَلَا اُضْيَعَ لِلدُّنْیَا وَلَا اَشْغَلَ لِلْقَلْبِ مِنَ الْخُصُومَةِ، قَالَ: فَقُمْتُ لِاَنْصَرِفَ فَقَالَ لِيْ خَصِمِيْ: مَا لَكَ؟ قُلْتُ: لَا اُخَاصِمُكَ، قَالَ: اِنَّكَ عَرَفْتَ اَنْ الْحَقَّ لِيْ، قُلْتُ: لَا وَلَكِنْ اَكْرَمُ نَفْسِيْ عَنْ هَذَا، قَالَ: فَاِنِّيْ لَا اَطْلُبُ مِنْكَ شَيْئًا هُوَ لَكَ ۴  
فَاَمَّا الْمَظْلُوْمُ الَّذِيْ يَنْصُرُ حُجَّتَهُ بِطَرِیْقِ الشَّرْعِ مِنْ غَيْرِ لَدُوْ وَ اِسْرَافٍ وَ زِيَادَةِ لَحَاجٍ عَلٰی قَدْرِ الْحَاجَةِ وَمِنْ غَيْرِ قَصْدٍ عِنَادٍ وَ اِيْذَاءٍ، فَلَيْسَ بِحَرَامٍ وَلَكِنْ الْاَوَّلٰی تَرَكُّهُ مَا وَجَدَ اِلَیْہِ سَبِيْلًا فَاِنَّ حُبْطَ اللِّسَانِ فِی الْخُصُومَةِ عَلٰی حَدِّ الْاَعْيَادِ مُتَعَذِّرٌ وَالْخُصُومَةُ تُؤْغِرُ الصَّدْرَ وَتُهَيِّجُ الْغَضَبَ، وَ اِذَا هَاجَ الْغَضَبُ بَقِيَ الْحَقُّ بَيْنَ الْمُتَخَاصِمِيْنَ حَتّٰی يَفْرَحَ كُلُّ وَاحِدٍ بِمَسَانَةِ صَاحِبِہِ ۵

تَرْجَمَهُ: "الرائی جھگڑا یہ حسد کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسی سے حسد کا مستقل سلسلہ چل پڑتا ہے اور یہ لڑائی جھگڑا ہوتا ہی اسی لیے ہے کہ خود کو ظاہر کرے اور بڑا ثابت

۴۔ إحياء علوم الدين، آفات اللسان، الألة الحامسة الخصومة: ۱۶۱/۳

۵۔ تحاسن العلماء: ۱۷۲ تا ۱۷۴

کرے۔ اپنے تجربے اور ذکاوت کا اظہار کرے، اپنا علم منوائے اور دلیل پیش کرے اور لڑائی میں کود پڑے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغض آدمی جھگڑا لوستہ ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلا وجہ جھگڑنے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لیتا ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: جھگڑے سے اجتناب کرو، کیوں کہ یہ دین کو مٹا دیتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے جھگڑا شخص میں دین داری قائم نہیں رہتی۔

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بشر بن عبد اللہ بن ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: آپ یہاں کیسے؟ میں نے کہا، میرے اور میرے چچا کے بیٹے کے درمیان ایک جھگڑے کا معاملہ ہے، اس وجہ سے بیٹھا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: تمہارے والد کا مجھ پر ایک احسان ہے، میں تمہیں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ والد! میں نے دین سے دوری، مروت سے عاری، لطف سے بری، اور دل کی تنگی کا سبب جھگڑے سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ یہ سنتے ہی میں لوٹ کر چلنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ میرے فریق نے مجھ سے کہا: بھائی کہاں چل دیئے اور تمہیں کیا ہوا؟

میں نے کہا: میں تم سے اب نہیں لڑوں گا۔ اس نے کہا (شاید) آپ سمجھ گئے کہ میرا حق آپ پر ہے۔ میں نے کہا: نہیں، ایسی بات نہیں ہے میں حق پر ہوں، تاہم اپنے نفس کے اکرام کے سبب اب آئندہ مخالفت نہیں کروں گا۔ اور اپنے حق کو تجھ پر قربان کرتا ہوں اس نے کہا: میں بھی آپ سے اپنے حق کا آئندہ کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔

بہر حال ہم جھگڑوں، جدال اور خصومت سے بچنے کی اس طرح کوشش کریں

جس طرح سانپ اور بچھو سے بچا جاتا ہے۔

## جھگڑوں کے نتائج

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھر گیا ہے، اس کی بے برکتی اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں، کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہیں تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے، کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے، کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے، کہیں مسجدوں میں جھگڑا ہے، آپس میں مقتدیوں میں جھگڑا ہے مقتدی اور امام میں جھگڑا..... اور تو اور علماء کرام کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں، جس کے نتیجے میں دین اور علم کا نور ختم ہو چکا ہے۔

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے، جس میں ہاتھ پاؤں ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھ لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے، وہ ہے مجادلہ..... مناظرہ..... اور بحث و مباحثہ.....

ایک عالم نے ایک بات پیش کی۔ دوسرے نے اس کے خلاف بات کی۔ اس نے ایک دلیل دی۔ دوسرے نے اس کی دلیل کا رد لکھ دیا۔ سوال و جواب اور رد و قدح کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ اس کو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ اس کی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الْعِمْرَاءُ يَذْهَبُ بِنُورِ الْعِلْمِ“

سہ اوجہ المالك شرح موطا الامام مالك: ۱۵/۱



تَرْجَمَہ: ”یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں۔“

دیکھئے، ایک تو ہوتا ہے ”مذاکرہ“ مثلاً: ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا، دوسرے عالم نے کہا: اس مسئلے میں مجھے فلاں اشکال ہے۔ اب دونوں بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ہے ”مذاکرہ“ یہ برا اچھا عمل ہے، لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے عالم کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی، اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی، دوسرے عالم نے اس کے خلاف تقریر کر دی اور یوں مخالفت برائے مخالفت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ ہے ”مجادلہ اور جھگڑا“ جس کو ہمارے بزرگوں نے ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلے پر بحث و مباحثہ کے لیے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اس کو لاجواب کر دیتے تھے۔ بل کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں اور اسلام کے کسی بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو ان شاء اللہ یہ ناکارہ و دھمٹ میں ان کو لاجواب کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ: میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہے۔“

چنانچہ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلے پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے کبھی ہندوؤں سے، اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے۔ چوں کہ نیا نیا فارغ ہوا تھا۔ اس لیے شوق اور دھوش میں یہ مناظرے کرتا رہا، لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کر لی۔

کیوں کہ تجربہ یہ ہوا کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا بل کہ اپنی باطنی کثرت پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ بہر حال جب ہمارے بزرگوں نے حق و باطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر، یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرماتے ہیں۔ یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔

### جھگڑے کس طرح ختم ہوں

اس سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک ملحوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں، جو بزازرین اصول ہے، اگر انسان اس اصول پر عمل کرے تو امید ہے کہ پچھتر (۴۷) فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو جائیں، چنانچہ فرمایا کہ:

”ایک کام یہ کرو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو، جب امید چھوڑ دو کہ تو ان شاء اللہ پھر دل میں بھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئے گا۔“

دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہیے تھا، اس نے نہیں کیا، جیسی میری عزت کرنی چاہیے تھی، اس نے ایسی عزت نہیں کی، جیسی میری خاطر مدارت کرنی چاہیے تھی، اس نے ویسی نہیں کی۔ یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا، اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا وغیرہ وغیرہ۔

یہ شکایتیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ اور جب وہ توقعات پورے نہیں ہوئیں تو اس کے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا، اور دل میں شکایت پیدا ہو گئیں۔ ایسے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جا کر کہہ دو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے، تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، مجھے بری لگی، پسند نہیں آئی، یہ کہہ کر اپنا دل صاف کر لو، لیکن آج کل بات کہہ کر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا، بل کہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آگئی، ایک گرہ اور پڑ گئی۔

چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں، وہ پھر بغض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس لیے حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جزا اس طرح کا نو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو۔ کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کیے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دے دے گا، فلاں یہ کام کر دے گا۔ توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے۔ بل کہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملے گی۔ اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ کا شکر اور احسان ہے۔ اور اگر برائی ملے تو

پھر خیال کر لو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی، تو اب اس کے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہوگا اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی، نہ جھگڑا ہوگا۔ لہذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

## بدلہ لینے کی نیت نہیں کرنی چاہیے

اسی طرح حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا کہ جب تم کسی دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو، یا اچھا سلوک کرو، تو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کرو، مثلاً: کسی کی مدد کرو یا کسی شخص کی سفارش کرو، یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، یا کسی کی عزت کرو، یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے یہ برتاؤ کر رہا ہوں، اپنی آخرت سنوارنے کے لیے یہ کام کر رہا ہوں۔ جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کرو گے۔ اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا، مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کے ساتھ نہیں دیا اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔ تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا، لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو تعالیٰ راضی کرنے کے لیے کیا تھا تو اس صورت میں اس کی طرف سے بڑے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی۔

اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کر لیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقُّ بَيْنِي لَهُ فِي وَسْطِهَا (بَغْنِي الْجَنَّةِ)“۔

جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو اس شخص کے لیے جنت کے پتھوں بچ گھر بنا دیا جائے گا۔

اسی طرح حضرت ابودرداء، حضرت ابوامامہ، حضرت عثمان بن اشعث اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ:

”خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَنَحْنُ نَتَمَارَى فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ فَغَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا لَمْ يَغْضَبْ مِثْلَهُ ثُمَّ انْتَهَرَنَا فَقَالَ: مَهْلًا يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا، ① ذُرُوا الْمِرَاءَ لِقِلَّةِ خَيْرِهِ، ② ذُرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُمَارِي، ③ ذُرُوا الْمِرَاءَ، فَإِنَّ الْمُمَارِي قَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهُ، ④ ذُرُوا الْمِرَاءَ فَكَفَى إِنْمَاءً أَنْ لَا تَزَالَ مُمَارِيَةً، ⑤ ذُرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ الْمُمَارِي لَا أَشْفَعُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ⑥ ذُرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّا رَعِينُمْ بِفَلَاةٍ أَلْيَا فِي الْجَنَّةِ فِي رُبَاضِهَا - أَيْ أَسْفَلِهَا - وَأَوْسَطِهَا وَأَعْلَاهَا لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ صَادِقٌ، ⑦ ذُرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ مَا نَهَانِي عَنْهُ رَبِّي بَعْدَ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ.....“۔

تَرْجُمہ: ”ایک مرتبہ ہم باہم دین کے ایک معاملہ میں الجھ رہے تھے

۱۔ ترمذی، البر والصلة، باب ما جاء في المراء: ۲/۲

۲۔ اصلاحی خطبات: ۱۵۳/۶

۳۔ مجمع الزوائد، العلم، باب ما جاء في المراء: ۱/۲۰۹، رقم: ۷۰۶

بیاد (العلم نرس)

اسنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو آپ ایسے غضب ناک ہو رہے تھے کہ اس سے پہلے ہم نے آپ کو کبھی اس طرح غضب ناک ہوتے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ڈانٹا پھر فرمایا: اسے چھوڑو اے امت محمدیہ! تم سے پہلے والے اسی سبب سے ہلاک ہوئے۔ ① جھگڑے کو چھوڑو اس میں بہتری کم ہے۔ ② جھگڑے کو چھوڑو کیوں کہ مؤمن لڑا کو نہیں ہے۔ ③ نزاع کو چھوڑو کیوں کہ نزاع کرنے والا ہمیشہ نقصان میں ہوتا ہے۔ ④ جھگڑے کو چھوڑو کیوں کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو جھگڑنے والے کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔ ⑤ جھگڑے کو چھوڑو کیوں کہ جھگڑنے والے کی قیامت کے دن شفاعت نہیں ہوگی۔ ⑥ جھگڑے کو چھوڑو کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے پھر بھی جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس کو جنت کے باغات کے تین درجہ کے مٹلوں کی ضمانت دیتا ہوں۔ زمینی، درمیانی اور اعلیٰ کی۔ ⑦ جھگڑے کو چھوڑو کیوں کہ میرے رب نے سب سے پہلے جس گناہ سے روکا ہے وہ شرک اور شراب پینے کے بعد جھگڑے کے گناہ سے روکا ہے۔“

جھگڑے سے بچنے میں اکابر کا طرز عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پور زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ جھگڑا کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ان کا ایک واقعہ سنا تا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ دارالعلوم جو اس وقت کوئٹہ میں قائم ہے۔ پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا، جب کہ

بیاد (العلم نرس)



زیادہ ہوا تو اس کے لیے وہ جگہ تنگ پڑ گئی، وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی۔

جہاں آج کل اسلامیہ کالج قائم ہے۔ جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے۔ یہ کشادہ جگہ دارالعلوم کراچی کے نام الاٹ ہو گئی، اس زمین کے کاغذات مل گئے، قبضہ مل گیا، اور ایک کمرہ بھی بنادیا گیا، ٹیلیفون بھی لگ گیا، اس کے بعد دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا، جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء کرام اور تمام اسلامی ممالک کے سرفراہ حضرات تشریف لائے۔

اس جلسہ کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دارالعلوم کو نہیں ملنی چاہیے تھی، بل کہ فلاں کو ملنی چاہیے تھی۔ اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسی بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کر لیا، جو حضرت والد صاحب کے لیے باعث احترام تھیں۔ والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے، لیکن وہ ختم نہیں ہوا۔ والد صاحب نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہو رہا ہے، تو اس مدرسے میں کیا برکت ہوگی؟

چنانچہ والد صاحب نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی۔

دارالعلوم کی مجلس منتظر نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب سے کہا: حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کر رہے ہیں؟

اتنی بڑی زمین، وہ بھی شہر کے وسط میں، ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے۔ اب جب کہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے۔ آپ کا اس پر قبضہ ہے۔ آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہو رہے ہیں؟

حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا: میں مجلس منتظرہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مجلس منتظرہ درحقیقت اس زمین کی مالک ہو چکی ہے۔ آپ حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں۔ میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کروں گا، اس لیے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جا رہی ہو، اس مدرسے میں مجھے برکت نظر نہیں آتی۔ پھر حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اس کو جنت کے پتوں بیج گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے پتوں بیج ایسی زمین کہاں ملے گی، لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیج میں گھر دلواؤں گا۔

یہ کہہ کر اس زمین کو چھوڑ دیا۔ آج کے دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے، لیکن جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کامل یقین ہے، وہی یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی گنا بڑی زمین عطا فرمادی، جہاں آج دارالعلوم قائم ہے۔ یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی۔ ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا۔ ہاں البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھنسا ہی لے، اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو وہ الگ بات ہے۔ ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی، فلاں نے ایسا کیا تھا۔ اب ہمیشہ کے لیے اس کو دل میں بٹھالیا، اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ جھگڑا انسان کے دین کو موٹا دیتا ہے، اور انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس لیے خدا کے لیے

آپس کے جھگڑوں کو ختم کر دو، اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

## جھگڑوں سے بچنے کے لیے شیطان سے پناہ مانگنا

آپس کے جھگڑے مسلمان کو دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں سے محروم کر دیتے ہیں، ساری برائیوں کے منبع بنتے ہیں، سارے فسادات کی ابتداء کا ذریعہ یہی آپس کے جھگڑے بنتے ہیں، سب و شتم..... لعن، طعن..... قطع تعلق.....، ناچاقیاں..... وغیرہ اسی سے شروع ہوتی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ دو آدمیوں سے شروع ہو کر سو آدمیوں تک پہنچتا ہے۔ جھگڑوں سے بچنے کے لیے شیطان سے پناہ مانگنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَأَمَّا يَنْزِعَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسرا آنے لگے تو اللہ سے پناہ مانگ لیں، وہ نزع والا جاننے والا ہے۔“

درحقیقت یہ آیت بھی اپنے ماقبل آیت (نمبر ۱۹۹) کے مضمون کی تکمیل ہے، کیوں کہ اس میں جو ہدایت دی گئی ہے کہ ظلم کرنے والوں اور جہالت سے پیش آنے والوں کی خطا سے درگزر کریں، ان کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں، یہ بات انسانی طبیعت کے لیے سب سے زیادہ بھاری اور شاق ہے، خصوصاً ایسے مواقع میں شیطان اچھے بھلے انسان کو بھی غصہ دلا کر لڑنے جھگڑنے پر آمادہ کر ہی دیتا ہے، اس

لیے دوسری آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر ایسے صبر آزما موقع میں غصہ کے جذبات زیادہ مشتعل ہوتے نظر آئیں تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لو۔

حضور اکرم ﷺ کے سامنے دو شخص لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک شخص غصہ میں بے قابو ہو رہا تھا، آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہے تو اس کا یہ اشتعال جاتا رہے، فرمایا: وہ کلمہ یہ ہے: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“

﴿أَخْذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

امام تفسیر ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس جگہ ایک عجیب بات یہ لکھی ہے کہ پورے قرآن میں تین آیتیں اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تلقین کے لیے جامع آئی ہیں اور تینوں کے آخر میں شیطان سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔ ایک تو یہی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۰ ہے، دوسری سورہ مؤمنون کی یہ آیت ہے:

﴿إِذْ فَعَّ بِالْإِنْسَانِ خَسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ﴾  
﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ﴾  
﴿وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ﴾

ترجمہ: ”یعنی دفع کرو برائی کو بھلائی سے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے دباؤ سے اور اے میرے پروردگار! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔“

تیسری آیت سورہ حم جمد کی یہ ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُرٌّ حَظٍّ عَظِيمٍ ۚ وَمَا يَنْزِعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

ترجمہ: "یعنی نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کریں، پھر یا ایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی، وہ ایسا ہو جائے گا، جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات نہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو بڑے مستقل مزاج ہیں۔ اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے، جو بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجیے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔"

ان تینوں آیتوں میں غصہ دلانے والوں سے غفور و درگزر اور برائی کے بدلہ میں بھلائی کرنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسانی جھگڑوں سے خاص دل چسپی ہے۔ جہاں جھگڑے کا کوئی موقع پیش آتا ہے، شیاطین اس کو اپنی شکار گاہ بنا لیتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑے بردبار باوقار آدمی کو غصہ دلا کر حدود سے نکال دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب غصہ قابو میں نہ آتا دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ شیطان مجھ پر غالب آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے پناہ مانگیں۔ تب

مکرم اخلاق کی تکمیل ہو سکے گی۔ اسی لیے بعد کی تیسری اور چوتھی آیت میں بھی شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

کتاب "حقائق الایمان بالملائکۃ والجان" میں شیخ خالد بن محمد علی الحاج نے شیطان سے پناہ مانگنے کی اہمیت کے بارے میں اور خصوصاً قرآن کریم کی قرأت سے پہلے شیطان سے پناہ مانگنے کی چھ وجوہات لکھی ہیں۔ اسی طرح امام ابن جوزی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے "تلبیس ابلیس" میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ کرام کو چاہیے کہ امام ابن جوزی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی اس تصنیف کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اس کتاب کے بارے میں کسی نے کہا ہے:

"بِعَ الْقَمِيصِ وَاشْتَرِ التُّلَيْسَ تَنْتَصِرَ عَلَى ابْلِيسَ"۔  
ترجمہ: "قمیص بیچ کر، تلبیس خرید لو تو ابلیس کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جائے گی۔"

یعنی یہ کتاب اتنی اہم ہے کہ اگر پیسہ نہ ہو تو اس کتاب کو قمیص بیچ کر بھی خرید لو تاکہ تم ابلیس کی چالوں اور مکر و کید سے واقف ہو کر اس سے بچ جاؤ۔ اور بعض نے کہا:

"بِعَ الْعَالِي وَالنَّفِيسَ وَاشْتَرِ التُّلَيْسَ تَقْتَلِعَ جَزُورَ الشَّرِّ وَتُطَهِّرَ الْأَرْضَ مِنْ رُسُلِ ابْلِيسَ"۔  
ترجمہ: "ہر مہنگی اور عمدہ چیز بیچ کر، تلبیس خرید لو، برائی کو بڑے کاٹ کر زمین ابلیس کے نمائندوں سے پاک کر لو۔"

ائمہ کرام کو چاہیے کہ اس کتاب کا اور "إِحَافَةُ اللَّهْفَانِ مِنْ مُضَاهِدِ



الشَّيْطَانُ "ان دو کتابوں کا ہدایت و اصلاح کی نیت سے ضرور مطالعہ فرمائیں۔

### ائمہ حضرات کے لیے چند ضروری کتابیں

ہر امام کو چاہیے کہ کتاب دوست بننے کی کوشش کرے، کتابوں سے سب پڑھ لے اور لگاؤ ہو، کتاب پڑھیں تو آسانی سے نیند آ جائے، طبیعت ایسی بن جائے کہ مطالعہ کیے بغیر نیند نہ آئے۔

خوش بختی کے اسباب میں سے یہ چیزیں بھی ہیں کہ آدمی کو مطالعہ کے لیے یکسوئی، پڑھنے کا اہتمام اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والے فائدوں سے دانش مندی حاصل ہو جائے۔

امام جاحظ (رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ) (جو کہ عربی ادب کی مشہور و معروف شخصیت ہیں) غم و پریشانی دور کرنے کے لیے کتابیں پڑھنے کی تاکید کرتے ہوئے کتاب کی خصوصیات اور فوائد پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"کتاب ایسی چیز ہے کہ نہ (حد سے زیادہ تعریف کر کے) خوش فہمی میں ذاتی ہے۔ نہ کبھی دھوکہ دیتی ہے۔ نہ کبھی آدمی اس سے بے زار ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ ایسی سخت ہے کہ اپنے پڑھنے والے سے کچھ نہیں چاہتی۔۔۔۔۔۔ کبھی مالِ مٹول سے کام نہیں لیتی۔۔۔۔۔۔ چاہوی اور خوشامد نہیں کرتی۔۔۔۔۔۔ کہ مجھے کچھ (مال وغیرہ) مل جائے۔۔۔۔۔۔ نہ کبھی جھوٹ یا دو غلطے پن سے پیش آتی ہے۔۔۔۔۔۔ کتاب کبھی سوتی نہیں اور نہ ہی جاننے سے تھکتی ہے۔۔۔۔۔۔ کتاب ایسی معلم ہے کہ آپ جب فائدہ اٹھانا چاہیں یہ حاضر ہوگی۔۔۔۔۔۔ کتاب کے ہوتے ہوئے کسی کی ضرورت نہیں اور کتاب کی موجودگی کی وجہ سے تنہائی کی وحشت دور ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ آدمی تنہائی سے جان چھڑا کر بری صحبت کے عذاب میں گرفتار ہونے سے بچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ کتابیں پڑھنے کے یہ فائدے ہیں:

۱۔ صلاحیتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ ذہن تیز ہو جاتا ہے۔

۳۔ زبان کھل جاتی ہے (یعنی لوگوں کو سمجھانا آ جاتا ہے)۔

۴۔ ذخیرۃ الفاظ بڑھ جاتا ہے۔

۵۔ مزاج معتدل اور خوش گوار ہو جاتا ہے۔

۶۔ سینہ مختلف علوم سے بھر جاتا ہے۔

۷۔ انسان عام لوگوں کی عزت کرنا اور بڑوں سے بچی بات کہنا سیکھ جاتا ہے۔

۸۔ بعض چیزیں اور باتیں جو لوگوں کے ساتھ رہ کر بڑے عرصے میں سیکھی جاتیں ہیں تو وہ انسان صرف چند دنوں میں مطالعہ سے حاصل کر لیتا ہے۔

لہذا زیادہ سے زیادہ وقت کتب خانہ میں گزاریں، اخبارات پڑھنے کے بجائے اکابر و اسلاف کی سوانح مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ اکثر اخبارات غیبت اور جھوٹ کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اخبار پڑھنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان پڑھنے کے بعد جب تک دوسروں کو نہ بتائے جھین نہیں آتا، تو غیبت اور جھوٹ پھیلانے کا گناہ الگ سر پر ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے حالات معلوم کر کے اس پر رد و رد دعائیں نہ کرنے کا وبال الگ مخلوق سے ہونے کا تذکرہ پڑھ کر آدمی کے ایمان و یقینیت میں کمزوری آتی ہے کہ فلاں ملک کے حاکم نے یوں کہا ہے اور یوں کہا ہے کہ میں یوں کر دوں گا اور میں یوں کروں گا۔۔۔۔۔۔ وغیرہ۔

اخبارات میں تصاویر ہوں تو اس کا الگ گناہ۔ لہذا اخبارات سے خوب بچیں، خود بھی کتاب دوست بنیں اور اپنے مقتدیوں کو بھی کتاب دوست بنائیے۔

ذیل میں چند کتب کے نام لکھے جاتے ہیں، وہ آپ اپنے مطالعے میں رکھیے اور مقتدیوں کے لیے بھی چند کتب کے نام لکھے جاتے ہیں، ائمہ کرام ان کو بھی

ترغیب دیں کہ وہ بھی یہ کتابیں اپنے مطالعے میں رکھیں۔

کتاب کا نام مولف کا نام

محاسن علم و ذکر..... (شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب).... (مکتبہ فاروقیہ کراچی)  
اصلاحی خطبات..... (مفتی محمد تقی عثمانی).... (مبین اسلامک پبلشرز کراچی)  
آداب المتعلمین..... (مولانا قاری صدیق احمد).... (مجلس نشریات اسلام)  
کتابوں کی درسگاہ میں..... (مولانا ابن الحسن عباس).... (مکتبہ عمر فاروق کراچی)  
حیاء الصغیر..... (مولانا محمد یوسف کاندھلوی).... (کتاب خانہ فیضی لاہور)  
اشرف السوانح..... (خواجہ عزیز الحسن مجذوب).... (مکتبہ سید احمد شہید لاہور)  
تذکرۃ الخلیل..... (سوانح مولانا خلیل احمد سہارنپوری).... (مکتبہ شیخ کراچی)  
آپ بختی..... (مولانا محمد ذکریا کاندھلوی).... (مہذب الخلیل الاسلامی)  
حیات طیبہ..... (سوانح مولانا عبدالغفار ایداد پوری).... (دارالاشاعت کراچی)  
مثالی استاذ (مکمل دو حصے)..... (محمد حنیف عبد المجید).... (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)  
البلاغ نمبر..... (مرتبہ مفتی محمد تقی عثمانی).... (مکتبہ دارالعلوم کراچی)  
پرانے چراغ..... (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی).... (مجلس نشریات اسلام کراچی)  
تذکرۃ الرشید..... (سوانح مولانا رشید احمد گنگوہی).... (دارالاشاعت کراچی)  
سیرت مولانا محمد علی مونگیری.. (سوانح مولانا محمد علی مونگیری).... (دارالاشاعت کراچی)  
تراشے..... (مفتی محمد تقی عثمانی).... (ادارۃ المعارف کراچی)  
شرح اسمائے حسنی..... (اساتذہ بیت المعم).... (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)  
تختہ العلماء..... (مولانا اشرف علی تھانوی).... (ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)  
معارض وقت اور کاروان علم..... (مولانا ابن الحسن عباسی).... (مکتبہ عمر فاروق کراچی)  
سوانح مولانا محمد عمر یان پوری (مفتی محمد پالن پوری).... (زمزم پبلشرز)

تاریخ دعوت و عزیمت..... (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی).... (مجلس نشریات اسلام کراچی)  
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین..... (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی).... ( )

## مقتدیوں کے لیے کتب

نقدش رنگاں..... (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب).... (ادارۃ المعارف کراچی)  
شلی باپ..... (محمد حنیف عبد المجید).... (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)  
کمرلیو جھگڑے اور ان کا حل..... (ابن فرید).... (زمزم پبلشرز کراچی)  
پریشانی کے بعد راحت..... (مترجم ظیل الرحمن).... (مکتبہ بیت العلم کراچی)  
اکابر کا مقام عبادت..... (مولانا محمد امداد اللہ انور).... (مکتبہ دارالمعارف ملتان)  
مظلوم کی آہ..... (مترجم ظیل الرحمن).... (مکتبہ بیت العلم کراچی)  
نفاکل رمضان..... (شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا).... (مکتبہ شیخ بہادر آباد کراچی)  
موت کی یاد..... (مولانا محمد ذکریا).... (مکتبہ شیخ بہادر آباد کراچی)  
اللہ سے شرم کیجیے..... (مفتی محمد سلمان منصور پوری).... (مکتبہ المصباح لاہور)  
دنیا کی حقیقت (حصہ اول دوم)..... (مولانا محمد یوسف لدھیانوی).... (مکتبہ لدھیانوی کراچی)  
ملفوظات عارفی..... (ڈاکٹر عبدالحی عارفی کے ملفوظات).... (مکتبہ لدھیانوی کراچی)

## مقتدیوں کے گھر والوں کے لیے کتب

ایک منٹ کا مدرسہ..... (مولانا محمد حکیم اختر صاحب).... (کتاب خانہ مظہری، کراچی)  
معرفت الہیہ..... (مولانا محمد حکیم اختر صاحب).... (کتاب خانہ مظہری، کراچی)  
جنتی عورت..... (مولانا محمد ارشاد صاحب).... (زمزم پبلشرز، کراچی)  
ہندوستان کی بیس بڑی خواتین..... (مولانا محمد حسن صدیقی).... (زمزم پبلشرز، کراچی)  
مثالی ماں..... (محمد حنیف عبد المجید).... (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
اپنی نمازیں درست کیجیے..... (مولانا اشرف علی تھانوی).... (ادارۃ المعارف، کراچی)

خواتین اسلام کے ایمان افروز واقعات.. (مولانا محمد حسین صدیقی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 شرعی پردہ کیوں اور کیسے..... (مولانا محمد حسین صدیقی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 ہدیہ خواتین..... (مولانا عثمان نوری والا)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 مستند معمولات صبح و شام..... (ابو محمد زمزی صاحب)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 تحفہ دلہن..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 تحفہ زوجین..... (مولانا اشرف علی تھانوی)۔ (مکتبہ رشیدیہ، کراچی)  
 تحفہ خواتین..... (مولانا محمد عاشق الہی)۔ (دارالاشاعت، کراچی)  
 بہادر خواتین اسلام..... (مولانا سید سلیمان ندوی)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)

### مقتدیوں کے بچوں کے لیے کتب

پرنور دعائیں..... (مفتی محمد تقی عثمانی)۔ (ادارۃ المعارف، کراچی)  
 اصلاحی خطبات جلد ۱۳..... (مفتی محمد تقی عثمانی)۔ (مکین اسلامک، پبلشرز)  
 اخلاق سلف..... (مولانا حکیم محمد اختر)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں اور ان کا شکر..... (مولانا عبدالعزیز صاحب)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 صحابہ کرام کے واقعات..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (دارالہدی، کراچی)  
 تابعین کے واقعات..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (دارالہدی، کراچی)  
 صحابہ کی زندگی..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 حافظ قرآن کا مقام..... (مولانا عبدالرحمن کوثر صاحب)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 حصول علم کے آداب..... (مولانا ارشاد احمد قاروقی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 فتنہ فی وی..... (مولانا مفتی محمد ارشاد قاسمی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 اسٹوری ٹائم حصہ اول و دوم..... (اساتذہ بیت العلم)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 ذوق و شوق حصہ اول تا اخیر..... (اساتذہ بیت العلم)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)

ملی نورانی قاعدہ حصہ اول تا سوم (مولانا محمد عمران برمی)۔ (مکتبہ دارالہدی، کراچی)  
 کہانی حکمران کہانیوں کی دنیا..... (مولانا محمد سعد)۔ (مکتبہ دارالہدی، کراچی)

### اردو ادب سے دل چسپی رکھنے والے مقتدیوں کے لیے

قراردل..... (مولانا مفتی رضا الحق صاحب)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 اصلاح دل..... (مولانا حاجی محمد شریف صاحب)۔ (ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان)  
 شیاطین سے حفاظت..... (مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 بہترین چیز..... (مولانا محمد عاشق الہی بیگم)۔ (مکتبہ دارالہدی، کراچی)  
 اسلامی آداب..... (مولانا محمد زبیر صاحب)۔ (مکتبہ دارالہدی، کراچی)

### انگریزی جاننے والے مقتدیوں کے لیے

وشید (Two Martyr)..... (مفتی محمد شفیع صاحب)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 کتاب استفادہ (انگریزی)..... (مولانا اشرف علی تھانوی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 اخلاق سلف (انگریزی)..... (مولانا حکیم محمد اختر)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 رحمت والے اعمال (انگریزی)..... (مولانا محمد عبداللہ درخواسی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 الرسول المعلم (انگریزی)..... (شیخ ابوالفتح ابونعده)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 طریقہ وصیت (The Will)..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 ملفوظات مولانا محمد الیاس (انگریزی)..... (مولانا محمد منظور نعمانی)۔ (زمزم پبلشرز، کراچی)  
 اصلاحی خطبات (انگریزی)..... (مفتی محمد تقی عثمانی)۔ (مکین اسلامک، پبلشرز، کراچی)  
 مثالی استاذ (حصہ اول انگریزی)..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)  
 مثالی ماں (انگریزی)..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (دارالہدی، کراچی)  
 مثالی باپ (انگریزی)..... (محمد حنیف عبد المجید)۔ (دارالہدی، کراچی)



## باب ہشتم

## ائمہ کرام کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں

مسلمانوں کی جماعت وہ جماعت ہے، جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا، اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ویسے تو جماعت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے، لیکن ائمہ کرام پر یہ ذمہ داری عوام کے نسبت کچھ زیادہ ہی عائد ہوتی ہے، کیوں کہ ائمہ کرام وارثین انبیاء علیہم السلام ہیں۔

لہذا اس حال میں ائمہ کرام کا فرض زیادہ بنتا ہے کہ وہ مصلحین امت بن کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں، کیوں کہ تسمیہ تبلیغ و دعوت امر بالمعروف، نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو کامل مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی بنانا ہے، حق یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن کی یہ ندا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا﴾ اے مسلمانو! مسلمان بنو۔

کو پورے زور و شور سے بلند کیا جائے، شہر شہر گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفا کشی، وہ محنت کشی اور

## ائمہ حضرات کے لیے چند عربی کتب

کتاب الزهد والرفائق ..... (عبد اللہ بن مبارک) .... (دارالکتب العلمیہ بیروت)  
راد المعاد فی ہدی خیر العباد . (علامہ ابن قیم) ..... (دارالکتب العلمیہ بیروت)  
الفوائد ..... (علامہ ابن قیم) ..... (دارالکتب العلمیہ بیروت)  
قیمۃ الزمن عند العلماء ..... (شیخ عبدالفتاح ابو غلہ) ..... (دارالکتب بیروت)  
صفحات من صبر العلماء .. (شیخ عبدالفتاح ابو غلہ) ..... (دارالفکر بیروت)  
اسرار الصلاة ..... (علامہ ابن قیم) ..... (ریاض سعودی)  
مدارج السالکین ..... (علامہ ابن القیم) ..... (مطابع القصیم بالریاض)  
حیاء الصحابہ .... (مولانا محمد یوسف کاندھلوی) ... (کتب خانہ فیضی لاہور)  
تفسیر ابن کثیر ..... (علامہ ابن کثیر) ..... (دارالسلام للنشر والتوزیع)  
رسالة المرتشدین .... (شیخ محمد حارث المحاسبی) ..... (دارالفکر بیروت)



وہ ہمت اور وہ قوت مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیا دار لوگ دنیا کے عز و جان اور حصول طاقت میں صرف کر رہے ہیں، جس حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لیے ناقابلِ تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے کوشش سے کوشش سے، جان و مال سے ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنوں کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے اس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

### علماء و ارث انبیاء ہیں

انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو اللہ کی طرف لانے والے تھے تو انبیائے کرام علیہم السلام کے جو نائبین ہیں ان کا کام بھی وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کا کام تھا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ساری دنیا کے انسانوں کو مادی چیزوں سے ہٹا کر انکارِ اللہ کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں۔ ساری دنیا کے انسانوں کو دین کی طرف دعوت دینے والے بنیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا دین سکھائیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾

ترجمہ: ”ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے۔“

تفسیر ابن کثیر میں ہے ”أَيُّ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“

آپ بھی اپنی قوم کو دعوت کے ذریعہ ہدایت پر لا سکتے ہیں۔ لہذا خود بھی دائی بنئے اور تمام مقتدیوں کو داعی بنائیے۔

خالد ابن عبد اللہ القرظی اپنی کتاب.....

”تَرْبِيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ“ میں لکھتے ہیں:

”وَلَمْ يَخْتَفِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ يَأْمُرَ أَصْحَابَهُ بِتَعْلِيمِ الْعِلْمِ دَاخِلَ الْمَدِينَةِ فَقَطْ. بَلْ كَانَ يَبْعَثُ بَعْضَهُمْ إِلَى خَارِجِ الْمَدِينَةِ لِكَيْ يَقُومُوا بِتَعْلِيمِ أُمُورِ دِينِهِمْ تَفْقِيهِمْ أَحْكَامَهُ. فَفِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ مِنَ الْهَجْرَةِ قَدِمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَعْرَكَةِ أُحُدٍ، رَهْطٌ مِنْ عُضَلٍ وَالْقَارِ، فَقَالُوا: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فِينَا إِسْلَامًا فَاذْبَعْ مَعَنَا نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَفْقَهُونَا فِي الدِّينِ وَيَتَرَوُّونَا الْقُرْآنَ، وَيُعَلِّمُونَا شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ.“ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ نَفَرًا سِتَّةً“

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف مدینہ کے اندر ہی دین سکھانے اور سکھانے (تعلیم و تعلم) کے حکم دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا، بل کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر بھی بھیجتے تھے، تاکہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور ان کو دین کے احکام سمجھائیں۔“

چنانچہ ۳ھ میں غزوہٴ احد کے بعد قبیلہٴ عضل و القار کے ایک وفد نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم مسلمان ہیں آپ ہمارے ساتھ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت بھیج دیجیے، جو ہمیں دین سمجھائیں، قرآن مجید پڑھائیں اور اسلام کے شرائع کی تعلیم دیں، تو نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ چھ آدمی بھیج دیئے۔“

ہم نے اگر ہر آدمی کو اپنے مقتدیوں میں سے داعی بنا دیا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم سو رہے ہوں گے، کنارہ بہ ہوں گے اپنے دوسرے تقاضوں میں ہوں گے یہاں تک کہ ہم انتقال کر جائیں گے، لیکن دعوت چلتی رہے گی، مثلاً آپ نے عشاء کے بعد ۱۰ منٹ مقتدیوں کو درس دیا اور یہ ترغیب دی کہ ۱۵ منٹ آپ لوگ دوساتھی

امیر صاحب سے مشورہ کر کے فلاں فلاں کے گھر جائیں اور ان کو نماز میں آنے کی اور درس میں بیٹھنے کی دعوت دے آئیں، اور یہ باتیں دوسروں تک پہنچائیں، اب آپ گھر جا کر صبح کے لیے مطالعہ کر رہے ہیں اور دعوت چل رہی ہے، آپ صبح مدرسہ میں جا کر بچوں کو دین سکھا رہے ہیں، آپ کا ایک مقتدی کراچی سے حیدر آباد جا رہا ہے اور وہ بس میں دعوت دے رہا ہے، اپنے پڑوسی کو بیار محبت سے دوستی کر کے اس بات پر آمادہ کر لیتا ہے، بھائی! میری سورۃ فاتحہ سن لو اس نے سنی، پھر کہا تم بھی سناؤ! پھر اس کی سورۃ فاتحہ ٹھیک کروائی اور اس کو کہا کہ مزید اپنی مسجد کے امام صاحب سے ٹھیک کروائیں اور اپنی اہلیہ کی بھی کسی ماہر مقلد سے سورۃ فاتحہ اور نماز ٹھیک کروائیں اس طرح لمبا سلسلہ بناتے جائے۔

### بچوں کے لیے دینی و اخلاقی تربیتی کورس

ہر قوم و نسل میں بچوں کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے، کیوں کہ یہی بچے بڑے ہو کر اس قوم کی ہاگ و سرسبز بناتے ہیں۔ لہذا سمجھ دار قومیں اپنی نئی نسل پر خاص توجہ دیتی ہیں۔ ہمیں اپنی نئی نسل پر خاص توجہ دینی ہوگی، کیوں کہ جو چیز بچے کے ذہن و ذہن پر بچپن سے نقش کر دی جاتی ہے وہ بڑھاپے تک ذہن میں رہتی ہے۔ اگر بچپن میں ان معصوم بچوں کی تربیت صحیح دینی اور اخلاقی ماحول میں ہوگی تو وہ بڑے ہو کر جب مختلف مہدوں پر فائز ہوں گے تو پھر ہر ادارہ ان کی برکت سے پاکیزہ اسلامی ماحول اور اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کرے گا، ہر شعبے کے ادارہ نام کو صحیح طور پر انجام دیا جائے گا اور پھر ساری دنیا کے لوگوں کے سامنے اسلام کی صحیح شکل آئے گی اور اسے اپنے لیے قبول کرنا آسان ہو جائے گا۔

جس طرح چمن کی آبیاری میں چمن کا مالی نازک نازک کو نیلوں اور کوئل بلیوں کی نگہداشت پر زیادہ توجہ دیتا ہے اسی طرح سمجھ دار قومیں اپنی نئی نسل کی اخلاقی

تربیت پر خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ اگر ان نرم و نازک کو نیلوں کو ایمان و عمل، سیرت و کردار اور اخلاق و گفتار کے صحیح رخ پر ڈال دیا جائے تو آگے چل کر یہ ایسا تناور درخت بن جاتی ہیں جن پر ایمان سوز ہواؤں کے جھکڑ اور ماحول کی اخلاقی آلودگی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اگر ہماری نئی نسل میں بچپن ہی سے قرون اولیٰ کے مسلمان بچوں جیسی صفات مثلاً: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، مکمل اتباع، سچ بولنے کی عادت، بڑوں کا ادب اور دین پھیلانے کا جذبہ پیدا ہو گیا تو کسی بھی شعبے میں مادی اشیاء کی چکا چوند یا مصنوعی کشش ان کے کردار کو متزلزل نہ کر سکی گی۔

اس سلسلے میں مساجد کے ائمہ کرام کی خدمت میں نہایت ہی اوج سے عرض ہے کہ ہر سال گرمیوں کی آمد پر عصری تعلیم گاہوں (اسکول و کالج) میں سالانہ تعطیل ہوتی ہے اور یہ تعطیل تقریباً دو ماہ کی ہوتی ہے، ان دو ماہ میں بچوں کے فارغ اوقات کو کسی اچھے مصرف میں لگا دیں، کیوں کہ محلہ کے بچے، نو جوان، مرد اور عورتیں ہماری رعیت میں داخل ہیں، اس کے بارے میں ہم عند اللہ مسئول ہو سکتے ہیں، اس لیے ہمیں اپنی رعیت کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے، ہر لمحہ اور ہر موقع پر فکر ہو کہ میرے محلہ کے ہر شخص کی تربیت ہو جائے، اس کے لیے جو چند تجربے ہمیں ہوئے اور جن مواقع سے فائدہ اٹھایا جاسکا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، آپ بھی اپنی مساجد میں حسب موقع اور حسب حال ایسے اسباق شروع کریں تو ان شاء اللہ آپ کے محلہ کے ہر ایک بچے کو فائدہ ہوگا اور یہ بچے کئی لغویات، فسولیات اور معاصی سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بچے گھروں میں پابند تورہ نہیں سکتے لازماً باہر نکلیں گے جس کے نتیجے میں ان کے بے دینی اور آلودگی کے ماحول سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے کیوں کہ بچے یا تو دیو کی دکانوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، یا فٹ پاتھ اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر اور یا گیت بند ہلا ہاتھ میں لے کر پڑوسیوں اور راہ گیروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔



حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ماحول پر محنت نہیں کرو گے تو تمہاری اولاد بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ ہمارے بچے کچھ محلہ کے بچوں کے ساتھ ویسے ہی زبان بولنے لگ جائیں گے جو محلہ کے آوارہ بچے بولتے ہیں۔ ان ہی کا لباس پسند کریں گے، ان ہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کریں گے۔

لہذا ہمیں اپنے بچوں اور محلہ کے بچوں کی دین داری کی فکر کرنی ہوگی۔

حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ العالی بچوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی کتاب ”ذوق و شوق“ کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

”اس دور کا مشکل ترین کام اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ بچے کھانے پینے کی چیز نہیں جنہیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے فریج میں رکھا جائے یا دیگر انتظامات کیے جائیں۔ بچے فقط سونے چاندی کی طرح بھی نہیں کہ انہیں تجوری میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر دیا جائے۔

یہ امر ضروری ہے کہ بچوں کو تحصیل علم و تجربے کی خاطر گھروں سے باہر نکال کر درس گاہوں میں بھیجا جائے۔ ان کی جسمانی نشو و نما کے لیے انہیں باغات اور میدانوں میں بھیجا جائے۔ سماجی ضرورت کی خاطر ان کا رشتہ داروں اور احباب سے ملنا جلتنا ابتدا ہی سے ہوتا رہے۔ ان کی ذہنی ترقی کے لیے ان کے ذاتی دوستوں کا وجود ضروری ہے۔ مگر یہ ضرورتیں ایسی ہیں جن کو پورا کرنے کے دوران بچوں کے بگڑ جانے کا پورا پورا اندیشہ باقی رہتا ہے۔ کیوں کہ درس گاہوں میں، باغات میں اور سماجی تقریبات میں یہ بچے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ گھلتے ملتے ہی ہیں اور برائی و با کی مانند پھیلتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی کم عمری اور نا سمجھی کے باعث یہ بچے ”اچھوں“ اور ”بروں“ میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔ لہذا والدین کی ساری تربیتی کوششوں پر پانی پھر جانے کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔

اس ساری صورت حال کے باعث سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ اس سوال کا آسان اور قابل عمل جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور الحاج و زاری کے ساتھ دعا کرنے کے علاوہ عملی نمونہ اپنی سیرت و کردار سے پیش کیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے بچوں پر اچھے اثرات پڑتے ہوں اور برے اثرات سے ان کی حفاظت ہوتی ہو اور بس! بظاہر ظاہر خدائے ربیبی یہی ہے کہ جو کچھ انسان کے بس میں ہو وہ کر ڈالے تو جو کچھ انسان کے بس میں نہیں ہوتا اس کا انتظام اللہ تعالیٰ فرمادیتے ہیں؛ لیکن یہ انتظام بقدر جذبہ و کوشش ہوا کرتا ہے۔ جتنی کوشش انسان نے کی ہوگی اور جتنا اخلاص انسان کے اندر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اسی کے بقدر آئے گی۔

### تربیتی کورس کے فوائد

۱ اس کورس میں بچوں کو ضروری شرعی مسائل اور دیگر دینی معلومات سکھائی جاتی ہیں، جو کہ نہ صرف ہماری اور ہماری اولاد کی شرعی ضرورت ہے، بل کہ ہمارے فرائض میں بھی داخل ہے۔

۲ بچے جب کچھ عرصہ اپنے مذہبی مرکز (مسجد) سے جڑے رہیں گے تو ان کا دینی شعور برقرار و بیدار رہے گا، ورنہ خدا نخواستہ وہ غیروں کی تعلیم و تربیت کا اثر لے کر ہمارے درمیان ان کے نمائندہ کا کردار ادا کریں گے اور وہیں سے بے زاری آہستہ آہستہ ان کا شعار بن جائے گی۔

۳ قرآن و واجبات اور اعمال صالحہ کی عادت اور رجحان نصیب ہوگا، کیوں کہ اس ”کورس“ میں صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت قرآن اور نمازوں کی عملی مشق کا خاصا اہتمام کرایا جاتا ہے۔ اس اہتمام کی بدولت والدین اس ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ

لے ذوق و شوق حصہ اول ”کہانی کہانی میں“ ۲۰۱ بیت علم ٹرسٹ

ہو سکتے ہیں جو بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ان پر شریعت کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔

۱۴ چالیس روز تک مسجد کے ماحول میں دینی باتوں کا مذاکرہ طبعیت اور مزاج میں فطری طور پر تبدیلی لانے اور دینی ذوق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، چنانچہ ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں کہ اس ”کورس“ میں شریک ہونے والے متعدد طلباء دینی مدارس میں باضابطہ داخلہ لے کر حفظ قرآن اور دینی علوم کے زیور سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

۱۵ تعلیم و تعلم سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ چند دنوں کا غفل اور وقفہ تعلیمی مزاج پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے اور چشمیوں کے بعد اس سلسلہ کے نشاط اور لگاؤ کے دوبارہ بحال ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے، اگر ہمارے بچوں کی تعطیلات کا بیشتر حصہ اس ”کورس“ میں گزرے گا تو ان کا یہ مزاج برقرار رہے گا اور تعطیلات کے بعد تعلیمی ماحول سے وابستہ ہونے میں زیادہ گرانی بھی محسوس نہیں ہوگی۔

۱۶ اگر کسی بچے کو چالیس دن کے محدود وقت میں اس قدر فوائد اور برکات و ثمرات نصیب ہو جائیں تو زہے نصیب! اور اگر خدا نخواستہ کوئی اس عظیم نعمت کو حاصل نہ بھی کر سکے گا اور بظاہر محروم رہا، تو اچھی صحبت و پاکیزہ ماحول کی نعمت عظمیٰ سے ہم کنار رہنے والا تو بہر حال شمار ہوگا، ظاہر ہے کہ اچھی صحبت اپنا اثر رکھتی ہے، صالحین کا ہم نشین غیر ارادی طور پر بھی ان کی صحبت سے حصہ پائی لیتا ہے۔

۱۷ خیر کے ان تمام پہلوؤں سے قطع نظر مسجد کا ماحول ان تمام فضولیات، لغویات اور معاصی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے جو اس ماحول سے باہر پائی جاتی ہیں، کیوں کہ یہی بچہ اگر مسجد کے ماحول سے باہر ہوتا ہے تو نہ معلوم کن کن کاموں میں لگا رہتا، جتنی دیر

یہ بچہ مسجد میں رہے گا کم از کم اتنی دیر تو ان بڑے کاموں سے محفوظ رہے گا جو اس جیسے دوسرے بچے مسجد سے باہر کر رہے ہوں گے۔

اس تربیتی کورس میں نصاب کی کوئی قید نہیں، ہر مسجد کے امام صاحب ”کورس“ کے شرکاء کی تعلیمی و ذہنی سطح کے مطابق کچھ بھی نصاب مقرر فرما سکتے ہیں کیوں کہ مقصد محض دینی شعور اور شوق بیدار کرنا ہے۔ یہ تعلیم و تربیت جس طرح بچوں کا حق ہے اسی طرح بچیوں کا بھی حق ہے، چنانچہ حتی الوسع بچوں اور بچیوں ہر دو کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہونا چاہیے۔ بچیوں کے لیے گھر میں ”چالیس روزہ کورس“ امام صاحب اپنی اہلیہ یا محلہ کی دین دار عورتوں کے ذریعہ بنائیں تاکہ اسکول و کالج کی بچیوں میں دین داری پیدا ہو سکے کہ یہ امت کی مستقبل کی مائیں ہیں۔

ایک عورت کو تعلیم دینا گویا پورے خاندان کو تعلیم دینا ہے۔

اس کی ترتیب یہ ہے کہ یہ کورس دو گھنٹوں یا تین گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ صبح گیارہ (۱۱) تا دو (۲) بجے یا شام چار (۴) تا چھ (۶) بجے۔

اور اگر نصاب میں مندرجہ ذیل کتابیں اس ترتیب سے وضع کی جائیں تو ان شاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا:

۱ پہلا گھنٹہ: نورانی قاعدہ یا ناظرہ اور حروف کی تصحیح مخارج کا اہتمام اس کے لیے کسی اچھے قاری کی خدمات یا تجربہ کار جمعیت تعلیم القرآن کا کورس کیے ہوئے شخص کی خدمات لی جائیں جو اس طرح نورانی قاعدہ پڑھائے کہ غبی سے غبی بچہ بھی ناظرہ قرآن اچھی طرح پڑھ سکے۔

۲ دوسرا گھنٹہ: احادیث اور دعائیں، اس میں مندرجہ ذیل کتب لی جاسکتی ہیں۔

مسنون و دعائیں (مولانا محمد عاشق الہی صاحب)  
پرنور دعائیں (مولانا محمد تقی عثمانی)

ہدیۃ الاطفال میریز (مکمل پانچ حصے) (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)

تیسرا گھنٹہ:

تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحب)

آسان دینیات حصہ اول تا پنجم (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)

تعلیم الاسلام جدید (مرتبہ مدرسہ عثمانیہ کراچی)

چوتھا گھنٹہ:

تعلیم اللغة العربیہ (مرتبہ دارالعلوم کراچی)

طریقہ جدیدہ (مرتبہ دارالعلوم کراچی)

(یا آسان عربی)

## سکنڈری کے بچوں کے لیے

اسی طرح اگر ائمہ مساجد سکنڈری کے بچوں کے تربیتی کورس کے لیے مندرجہ ذیل نصاب وضع کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ محلے کے بچوں کو بڑا فائدہ ہوگا۔

۱ پہلا گھنٹہ:

تجوید (جمال القرآن) (مولانا اشرف علی تھانوی صاحب)

۲ دوسرا گھنٹہ:

آسان نیکیاں (مرتبہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

۳ تیسرا گھنٹہ:

عربی کا معلم حصہ اول (مؤلفہ مولانا عبدالستار خان) یا طریقہ عصریہ حصہ اول

(مطبوعہ بنوری ٹاؤن کراچی)

۴ چوتھا گھنٹہ:

اصلاحی خطبات (تیرہویں جلد) (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

بیگم (بیت العلم ٹرسٹ)

۵ پانچواں گھنٹہ:

فقہ، دینی بہشتی زیور (مرتبہ بیت العلم ٹرسٹ کراچی)

(بنات کے لیے) (عام بہشتی زیور، یا خواتین کے فقہی مسائل) (مرتبہ بیت

العلم ٹرسٹ کراچی)

ہدیۃ خواتین (مولانا محمد عثمان صاحب)

حیثیت: اپنے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ۴۵ منٹ کا گھنٹہ رکھیں یا کم و بیش کوشش کی جائے کہ ایک نماز کا وقت اس میں داخل ہو جائے تاکہ بچے نماز کے عادی بنیں اور ۴۰ احادیث اور ۴۰ دعائیں حفظ یاد کروانے کی کوشش کی جائے۔ گھر میں مطالعہ کے لیے ایسی دل چسپ کتب جس کی وجہ سے مطالعہ کا بوجھ بھی نہ ہو اور ان کی تربیت کے لیے مفید بھی ہوں ایسی کتب کے ہم ذیل میں نام لکھتے ہیں وہ بھی ان کو دی جائیں:

۱ ذوق و شوق ..... حصہ ۱ تا ۵ (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)

۲ اسٹوری ٹائم ..... (بیت العلم ٹرسٹ کراچی) یہ کتاب انگریزی میں بچوں کی اصلاح و تربیت کے لیے لکھی گئی ہے، انگریزی پڑھنے والے بچوں کو یہ کتاب دی جا سکتی ہے۔

الحمد للہ ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بعض اساتذہ نے اس کورس کو اپنی مساجد میں شروع فرمایا اور اس کا ایک نصاب بھی مرتب فرمادیا جو ”تعلیم و تربیت“ کے نام سے طبع ہو چکا ہے کراچی میں مجلس دعوت تحقیق اسلامی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے پتہ سے منگوا یا جاسکتا ہے۔

## مردوں کے لیے چار ماہ کا کورس

ہماری کراچی کی بعض مساجد میں عشاء کے بعد اور بعض میں فجر کے بعد یہ

بیگم (بیت العلم ٹرسٹ)



کورس شروع ہوا، جس سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ بعض مساجد میں سو (۱۰۰) سو (۱۰۰) آدمیوں نے شرکت فرمائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ عوام میں کافی طلب ہے، لیکن ہماری طرف سے کی ہے، ماشاء اللہ دنیاوی اداروں کے پڑھے لکھے حضرات نے بھی پھر پور شرکت فرمائی۔ آپ عوام کی طلب کا حال دیکھیں کہ ہمارے ہاں بیت المکرم میں سال کا کورس شروع ہوا جس میں ہر اتوار کو آنا ہوتا تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس میں بھی سو (۱۰۰) سے زیادہ آدمی شریک ہوتے تھے اور کئی حضرات سے معذرت کرنی پڑی اور اس کورس میں تو باقاعدہ فیس لی جاتی ہے، اس کے باوجود لوگ آرہے ہیں، حالاں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ان ملازم پیشہ لوگوں کی ہفتہ میں ایک ہی دن چھٹی ہوتی ہے یہ کیسے شریک ہو سکتے ہیں، لیکن یہ ملازم پیشہ حضرات بھی شریک ہوئے۔

مرد حضرات کے اس کورس کی ترتیب بھی اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے دو کورسوں کی ہے، اس میں جو کتب آپ کے لیے معاون ہو سکتی ہیں وہ یہ ہیں۔

- ۱) معارف الحدیث ..... (مولانا منظور نعمانی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی)
  - ۲) منهج الرجال ..... (مطبع مدرسہ ابن عباس گلستان جوہر کراچی)
  - ۳) تفسیر معارف القرآن ..... (مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی)
  - ۴) لسان القرآن ..... (مطبع مدرسہ عائشہ صدیقہ گلستان جوہر کراچی)
  - ۵) اسوہ رسول اکرم ﷺ ..... (مولفہ اکر عبدالحی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی)
  - ۶) تعلیم الدین ..... (مولفہ مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی)
- چوں کہ عوام کے اندر تفسیر کا شوق ہوتا ہے تو ایک گھنٹہ آپ تفسیر کا رکھ کر عوام کے اندر دین داری کی فضاء پیدا کر سکتے ہیں۔

دین کی بات سمجھانے میں مخاطب کو شرمندگی

سے بچانا چاہیے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کو دعوت و اصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی نیکی یا رسوائی نہ ہو، اسی لیے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور برے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہ راست خطاب کرنے کی بجائے مجمع عام کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

”مَا هَٰؤُلَاءِ أَقْوَامٌ يَفْعَلُونَ كَذًا وَكَذَا“۔

”لوگوں کو کیا ہو گیا کہ فلاں فلاں کام کرتے ہیں؟“

اس عام خطاب میں جس کو سنا اصل مقصود ہوتا وہ بھی سن لیتا، اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کو چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی عام عادت یہ تھی کہ مخاطب کو شرمندگی سے بچاتے تھے، اسی لیے بعض اوقات جو کام مخاطب سے سرزد ہوا ہے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے اصلاح کی کوشش فرماتے، سورہ یٰسین میں ہے:

”وَمَا لِيَ لَا آعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي“۔

”یعنی مجھے کیا ہو گیا کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں؟“

ظاہر ہے کہ یہ صدر رسول تو ہر وقت عبادت میں مشغول تھے، سنا اس مخاطب کو تھا جو مشغول عبادت نہیں ہے، مگر اس کام کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

اور دعوت کے معنی دوسرے کو اپنے پاس بلانا ہے، مجلس اس کے عیب بیان کرنا

نہیں اور یہ بلانا اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ منکلم اور مخاطب میں کوئی اشتراک ہو، اسی لیے قرآن عزیز میں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کی دعوت کا عنوان اکثر ”یَقُولُوا“ سے شروع ہوتا ہے، جس میں برادرانہ رشتہ کا اشتراک پہلے جتلا کر آگے اصلاحی کلام کیا جاتا ہے کہ ہم تم تو ایک برادری کے آدمی ہیں، کوئی منافرت نہیں ہونی چاہیے، یہ کہہ کر ان کی اصلاح کا کام شروع فرماتے ہیں۔

تعلیمات رسول اللہ ﷺ پر دھیان دیا جائے تو ہر تعلیم و دعوت میں اسی کے آداب و اصول ملیں گے، آج کل اول تو دعوت و اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف دھیان ہی نہ رہا اور جو اس میں مشغول بھی ہیں انہوں نے صرف بحث و مباحثہ اور مخالف پر الزام تراشی، فقرے کسے اور اس کی تحقیر و توہین کرنے کو دعوت و تبلیغ سمجھ لیا ہے، جو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کبھی مؤثر و مفید نہیں ہوتا، وہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور حقیقت میں وہ لوگوں کو متفر کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

جس کو دین کی طرف بلایا جائے اس کا جائز اکرام

مسنون ہے

رسول کریم ﷺ نے جو دعوت کا خط ہر قل شاہ روم کے نام بھیجا، اس میں تو شاہ روم کو ”عظیم الروم“ کے لقب سے یاد فرمایا، جس میں اس کا جائز اکرام ہے، کیوں کہ اس میں اس کے عظیم ہونے کا اقرار بھی ہے، مگر رومیوں کے لیے، اپنے لیے نہیں، اس کے بعد ایمان کی دعوت اس عنوان سے دی گئی:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا

تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ

تَقْوَمَتُكُمْ: ”اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف جلدی سے آ جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔“

جس میں پہلے آپس کا ایک مشترک نقطہ وحدت ذکر کیا کہ توحید کا عقیدہ ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، اس کے بعد عیسائیوں کی غلطی پر متنبہ فرمایا۔ اسی طرح جو خود دین سیکھنے آئے تو اس کا اکرام و احترام بھی مسنون ہے جیسے حضرت صفوان بن عسال المرادی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ حضور ﷺ مسجد میں ایک سرخ چادر کو فیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔

میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں علم طلب کرنے حاضر ہوا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ إِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ تَحْفَتُهُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا، ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغُوا السَّمَاءَ الدُّنْيَا مِنْ مَحَبَّتِهِمْ لِمَا يَطْلُبُ.“

تَقْوَمَتُكُمْ: ”علم طلب کرنے والے کے لیے خوش آمدید۔ پھر فرمایا: طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پر پچھاتے ہیں، پھر اس کے علم کی طلب کرنے کی محبت میں فرشتے ایک دوسرے کے اوپر بیٹھ کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔“

داعی حق کو کوئی ایذا پہنچائے تو بدلہ

جائز، صبر، بہتر ہے

اگر داعی کو کسی سے تکلیف پہنچے، تو وہ اس پر صبر کرے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾<sup>۱</sup> یہاں سے دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو خاص ہدایات دی گئی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں بلکہ صبر اور احسان سے کام لیں ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ﴾<sup>۲</sup>

یعنی داعیان حق کی خصلت یہ ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریق احسن سے دور کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینا اور معاف کر دینا تو عمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا اس آیت میں حکم یہ ہے کہ:

”مَنْ خُصَّ بِكَ تَمْرٌ بِرِغْصَةٍ كَاظْهَارَ كَرَمٍ، تَمَّ اس کے مقابلہ میں صبر سے کام لو جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے ہمیں ستایا اس کو معاف کر دو۔“<sup>۳</sup>

بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کسی شخص نے گالی دی یا

<sup>۱</sup> لہ حذہ السحدۃ: ۳۴، ۵۴ ایضاً

<sup>۲</sup> تفسیر مظہری: ۲۹۶/۸، حتم فُصِّلَتْ: ۳۴

برا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم و خطا ور اور برا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے، اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے۔<sup>۱</sup>

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ایک سچے داعی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو نیکی، ہدی کے اور ہدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی، دونوں کی تاثیر جدا گانہ ہے چونکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک ہدی دوسری ہدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔

لہذا ایک مؤمن قانت اور خصوصاً ایک (امام مسجد) داعی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری..... گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی..... اور سختی کے جواب میں نرمی..... اور مہربانی..... سے پیش آئے۔

اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لو گے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گھبرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا، بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں کے بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔<sup>۲</sup>

بعض اوقات ایسے سخت دل جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور

<sup>۱</sup> لہ تفسیر قرطبی: ۲۶۲/۸، حتم فُصِّلَتْ: ۳۴

<sup>۲</sup> تفسیر عثمانی، حتم فُصِّلَتْ: ۳۴، تبلیغ کے آداب میں تعلیم: ۱۹۷/۲



خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے وہ اس پر بھی مشتعل ہو جاتے ہیں، زبان درازی کر کے ایذا پہنچاتے ہیں، اور بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کر کے ان کو جسمانی تکلیف پہنچاتے ہیں، بل کہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں دعوت حق دینے والوں کو کیا کرنا چاہیے۔

اس کے لیے ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْذِبْتُمْ بِهِ﴾ اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا۔ میں ایک تو ان حضرات کو قانونی حق دیا گیا کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ کو بھی اس سے اپنا بدلہ لینا جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو، جتنا ظلم اس نے کیا ہے، اتنا ہی بدلہ لیا جائے اس میں زیادتی نہ ہونے پائے۔

اور آخر آیت میں مشورہ دیا کہ اگرچہ آپ کو انتقام لینے کا حق ہے، لیکن صبر کریں اور انتقام نہ لیں تو یہ بہتر ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے، غزوہ احد میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر کے ملہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی، صحیح بخاری کی روایت اسی کے مطابق ہے۔ دارقطنی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے کہ:

”غزوہ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ستر اکابر کی لاشیں سامنے آئیں، جن میں آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، چوں کہ مشرکین کو ان پر بڑا غیظ تھا، اس لیے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے، پیٹ چاک کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدلے میں مشرکین کے ستر

آدمیوں کا اسی طرح ملہ کروں گا، جیسا انہوں نے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورتیں ٹنگین نہ ہوتیں اور میرے بعد لوگ اس کو سنت نہ بناتے تو میں حمزہ کو ایسا ہی چھوڑتا یہاں تک کہ قیامت کے دن یہ درندوں اور پرندوں کے بیٹوں میں سے ٹھٹھا۔

پھر آپ ﷺ نے ایک چادر منگوا کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ڈال دی، چوں کہ چادر چھوٹی تھی تو پاؤں کھلے رہ گئے آپ ﷺ نے پاؤں پر گھاس ڈالی، پھر آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی، جب ان کو دفن کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْخَسَنَةِ﴾ ..... تا ﴿وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾

تو آپ ﷺ نے صبر فرمایا اور کسی کا ملہ نہیں کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بھی ان خالموں نے اسی طرح کا معاملہ (ملہ کرنے کا) کیا تھا۔

اس میں چوں کہ رسول کریم ﷺ نے فرط غم سے بلا لحاظ تعداد ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بدلے میں ستر مشرکین کے ملہ کرنے کا عزم فرمایا تھا، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس اصول عدل و مساوات کے مطابق نہ تھا، جس کو آپ ﷺ کے ذریعہ دنیا میں قائم کرنا منظور تھا، اس لیے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے، مگر اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے، بلا لحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں۔

دوسرے آپ کو مکارم اخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا، اس لیے یہ نصیحت کی گئی کہ

براہر برابر بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے، مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے، کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

غزوہ احد میں حضور ﷺ کو تکالیف پہنچنے اور ان پر صبر کرنے کے بارے میں صاحبِ شفاء تحریر فرماتے ہیں:

کہ جب غزوہ احد میں حضور ﷺ کے سامنے کے دو دانت شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک زخمی ہوا تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت گراں گزرا اور ان کو دلی کوفت پہنچی، تو آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ آپ ان کفار و مشرکین کے لیے بددعا فرمائیں جب حضور ﷺ نے فرمایا:

"إِنِّي لَمْ أَهْبُ لَعْنًا وَلَكِنِّي بُعِثْتُ ذَا عِيَا وَرَحْمَةً  
اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ" ۱

ترجمہ: "میں بددعا دینے نہیں بھیجا گیا ہوں، بل کہ میں دین حق کی دعوت دینے اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ نہیں سمجھتے۔"

فتح مکہ کے موقع پر جب یہ تمام مشرکین مغلوب ہو کر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قبضہ میں تھے، یہ موقع تھا کہ اپنا وہ عزم و ارادہ پورا کر لیتے جو غزوہ احد کے وقت کیا تھا، مگر آیات مذکورہ کے نزول کے وقت ہی رسول اللہ ﷺ اپنے ارادے کو چھوڑ کر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس لیے فتح مکہ کے وقت ان آیات کے مطابق صبر کا عمل اختیار کیا گیا، شاید اسی بناء پر بعض روایات میں

۱۔ تفسیر مظہری: ۳۹۲/۵، النحل: ۱۶۶ - ۱۶۸

۲۔ کتاب الشفاء: ۱/۱ بحوالہ عن مرشد الدعاة: ۲۱۳

یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو، اول غزوہ احد میں نازل ہوئیں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں جب آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (کہ ایسا شخص کون ہوگا جو اللہ کو اچھا قرض دے گا) نازل ہوئی، جس میں ایک بلیغ عنوان میں صدق و خیرات اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر کیا ہے، اور اس بلیغ عنوان میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ یہاں دو گے اس کا بدلہ آخرت میں ایسا یقینی ہو کر ملے گا، جیسے کسی کا قرض ادا کیا جاتا ہے۔

ایک جاہل یا معاند یہودی نے اس کو سن کر یہ الفاظ کہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ (کہ اللہ غریب ہے اور ہم مال دار ہیں) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس گستاخی پر غصہ آیا اور یہودی کو طمانچہ

رسید کیا، یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَتُبْلَوْنَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ (کہ ضرور تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں سے آزمایا جائے گا) جس میں مسلمانوں کو متلا یا گیا ہے کہ دین کے لیے

جان و مال کی قربانیوں سے اور کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی بدزبانی کی ایذاؤں سے گھبراننا نہیں چاہیے، یہ سب ان کی آزمائش ہے، اور اس میں ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیں اور اپنے اصل مقصد تقویٰ کی تکمیل میں مصروف رہیں ان کی جواب دہی کی فکر میں نہ پڑیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

و دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے، اچھے برے انسان کو نجات نہیں

۱۔ تفسیر مظہری: ۳۹۲/۵، النحل: ۱۶۸  
۲۔ معارف القرآن: ۲۵۶/۲، آل عمران: ۱۸۶  
۳۔ آل عمران: ۱۸۱

ماتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کتنا ہی حقیر و ضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچانی دیتا ہے۔ زبانی گالی گلوچ ہی سہی، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی۔ اس لیے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے ان کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے۔

اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا۔

دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔

تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی اور بڑا اور صاحب اقتدار ہو، بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لیے بن جاتا ہے اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے، اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اعمال و افعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیظ و غضب خود بخود کا فور ہو جاتا ہے۔

امام ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں صبر کا ذکر ستر مقامات پر آیا ہے، کسی اور چیز کی فضیلت اتنی کثیر تعداد میں بیان نہیں ہوئی، جتنی اس کی ہوئی ہے، جس سے اس کی شان کا پتہ چتا ہے۔ اور سورۃ العنصر میں اس کے ساتھ حق کی تلقین کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ داعی کے اوصاف میں شامل ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کو حق کی تلقین بھی کرے۔ مذکورہ سورۃ میں صبر سے مراد یہی یہی ہے کہ وہ داعی کو



تجسروں نے صبر کیا ہے۔

لہذا امام کے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ اگر امام، امامت و قیادت کے منصب پر فائز رہنا چاہتا ہے اور دنیا و آخرت میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رحمت عالم سید المرسلین ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مہر سے کام لیں، خواہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا پڑے یا مقتدیوں کی فصول الیغنی اور دل خراش باتوں پر صبر سے کام لینا پڑے۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پرانی امتوں میں ان ہی لوگوں کو امامت و قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا جو صبر اور یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ سورۃ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ إِمَّةً يَتَذَكَّرُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا فَهُمْ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوَفِّقُونَ﴾ ۱۰۹

تَرْجُمَہ: ”ہم نے ان میں بہت سے ائمہ بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب کہ وہ صبر کرتے رہے اور ہر آجوں پر یقین رکھتے تھے۔“

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے: ”بِالصَّبْرِ وَالْيَقِينِ تَنَالُوا الْإِمَامَةَ فِي الدِّينِ“ یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔ ۱۰۹

حضرت عبداللہ بن حکیم رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

۱۰۹ السجۃ: ۲۱

۱۰۹ تفسیر ابن کثیر: ۱۰۹۱، السجۃ: ۲۱

۱۰۹ بشکر یہ محاسن اسلام: ۳۶

بَابُ الثَّمَنِ

”إِنَّهُ لَا حِلْمَ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ حِلْمِ إِمَامٍ وَرَفِيقِهِ، وَلَا جَهْلٌ أَبْغَضَ إِلَى اللَّهِ مِنْ جَهْلِ إِمَامٍ وَخُرْقِهِ“ ۱۰۹

تَرْجُمَہ: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بردباری اور نرمی امام کی بردباری اور نرمی سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی جہالت امام کی جہالت سے زیادہ مہفوز نہیں ہے۔“

### صبر کا فائدہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ ۱۱۰ یاد رکھیے مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا۔ ہاں! اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیات جاودانی اختیار کر لیں گے اور قیامت کے دن اللہ پاک شمار کرنا کر ایک ایک نیکی کا کئی کئی بار بدلہ عطا فرمائیں گے۔

یہ صرف ذہن بنانے کی بات ہے اگر دینی (امام) اپنا ذہن اس طرح بنالے کہ دین کی دعوت دینے میں جو کچھ غم یا تکلیف آئے اللہ کے ذکر کے ساتھ اس وقت کو رسول پاک ﷺ کی سنت کے مطابق گزار دیں تو ان فانی حالات میں سے ایسے باقی ذخائر ہم اللہ کے پاس بھیج دیں گے جو ہمیشہ کے لیے اس کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہو جائیں گے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجیے کہ داعی کو کسی نے گالی دی یا کوئی نقصان پہنچایا تو نہ تو وہ گالی ہمیشہ باقی رہے گی اور نہ نقصان ہمیشہ قائم رہے گا اور گالی تو محض بدزبانی کا اظہار ہے۔ اس سے تو داعی کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ بل کہ ایسی بے بنیاد چیز پر یعنی گالی کے بدلے داعی نے اگر ایک گالی دے دی تو اس کی اور داعی کی دونوں کی بدزبانی کا گنہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور داعی کو قیامت کے دن خسارہ پہنچ جائے گا کیوں

۱۰۹ الزہد لہناد: کتاب الزہد باب العلم والعقو: ۶۰۲/۲، رقم: ۱۲۷۹

۱۰۹ النحل: ۹۶

بَابُ الثَّمَنِ

کہ بجائے دین کی طرف لانے کے دین سے اور دور کر دیا۔ لیکن اگر داعی اس پالی کو برداشت کر گئے اور جواباً اس کو کہہ دیا کہ اللہ تم کو ہدایت دے تو یہ دعائیہ جملہ ہمارے واسطے سرمایہ آخرت اور اس کے واسطے ذریعہ ہدایت بن جائیں گے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے ایک مرتبہ کسی شخص سے عرض کیا کہ حضرت! لوگ آپ کی شان میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، مگر آپ سے ہم نے ان کے بارے میں مذمت کا کوئی لفظ بھی نہیں سنا۔ فرمانے لگے: ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قاسق ہو۔“ یہ سن کر صرف اس قدر بولے: ”تم جھوٹے گواہ ہو، میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا۔“

ایک بار کسی نے ان کو نامناسب کلمات کہے، لوگ بولے کہ آپ کیوں چپ ہیں؟ فرمایا: ”تقویٰ نے منہ میں لگام لگا دی ہے۔“

ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت ان سے کہا کہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے۔ انہوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر کہا، اب بھی روگردانی کی۔ اس نے تیسری بار کہا تو بولے: ”عمر اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔“

ایک بار رات کو مسجد میں گئے، ایک شخص سو رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کو ان کے پاؤں کی ٹھوک لگ گئی تو اس نے جھلا کر کہا: ”کیا تم پاگل ہو؟“ بولے: ”نہیں۔“

چھڑا سی نے اس گستاخی پر اس کو مزا دینی چاہی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے روک دیا اور کہا: ”اس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پاگل

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات: ۷۵

۲۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز: ص ۵۴

۳۔ ایضاً

بیّنۃ العلم نمبر ۱

ہو میں نے جواب دیا کہ نہیں۔“

ایک بار کسی شخص نے ان کو سخت بات کہی، بولے: ”تو چاہتا ہے کہ حکومت کے اس غرور میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا۔“ یہ کہہ کر اس کو معاف کر دیا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب مجددی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے میرے کہنے پر جمعہ کی نماز پڑھائی ”سورۃ النین“ کے آخر میں بجائے ﴿فَلِیْسُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُونٍ﴾ کے ”اَلِیْسُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُونٍ“ پڑھ دیا۔ مقتدیوں میں ایک صاحب بڑے سادہ لوح اور جلد باز تھے، پوری طرح سے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ پکار کر کہا: ”صاحبو! غصہ جاؤ نماز دوبارہ ہوگی۔“ مولانا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ”دوبارہ نماز پڑھاؤ؟“ میں نے کہا: ”آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں یہ بڑے بھولے آدمی ہیں۔“ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: ”مولانا ایسے جلیل القدر عالم اور علم الفقہ کے مصنف تھے، لیکن بے بسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ یہ نہیں فرمایا کہ بھائی! میں بھی کچھ لکھا پڑھا ہوں نماز ہوگئی۔“

شیخ الشیخ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک مرتبہ جمعہ کا وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص اٹھا اور نہایت گستاخی کے انداز میں چیخا کہ: ”مولوی صاحب! آپ نے ڈاڑھی سکھوں کی طرح چھوڑی ہوئی ہے، اسے سنت کے مطابق کریں۔“ تمام مجمع حیرت میں آگیا اور بہت سے حضرات اس شخص پر ہلکنے لگے، مگر حضرت نے فوراً ڈانٹا اور فرمایا: ”خبردار! سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔“

سب خاموشی سے بیٹھ گئے تو حضرت نے بڑی نرمی اور متانت سے اس شخص سے فرمایا: ”بھائی! جمعہ کے بعد تسلی سے مجھے مسئلہ سمجھا دینا یا مسئلہ سمجھ لینا۔“ پھر جمعہ کے

۱۔ ایضاً

۲۔ ایضاً

۳۔ ہوائے چراغ: ۲۲۲/۲

بیّنۃ العلم نمبر ۱

بعد کچھ خاص لوگوں کی موجودگی میں حضرت نے اس شخص سے گفتگو فرمائی اور مسئلہ سمجھا دیا۔

ایک مرتبہ چند اصحاب حضرت مولانا احمد علی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتفاق سے میں بھی اسی مجلس میں شریک تھا کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: ”حضور! اس بچے کے لیے تعویذ بنا دیں کبھی یہ لاہور سے چلے جانے کی دھمکی دیتا ہے اور کبھی خودکشی کی، شاید اسے سایہ ہے۔“

حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”اسے جسمانی مرض ہے، کسی حکیم یا ڈاکٹر کو دکھلائیے“ اور لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”بیٹا! ایسے خیالات دل سے نکال۔“ اس پر وہ شخص بگڑ گیا اور کہنے لگا: ”ہم گیارہ بجے سے منتظر تھے کہ آپ سے تعویذ لیں گے اور آپ نے پرواہ تک نہیں کی۔“ حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اسے غصے میں دیکھ کر مسکرائے و فرمایا: ”اگر کسی کا میرے ہاتھ سے بھلا ہو جائے تو میرا کیا نقصان ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کو جسمانی مرض ہے اور میں ڈاکٹر طیب نہیں ہوں۔“ مگر وہ شخص اور زیادہ بگڑ گیا کہنے لگا: ”ہمیں آپ سے یہ امید تھی۔“ ہم سب حیران تھے کہ حضرت کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔ آخر حضرت نے بڑے تحمل سے فرمایا: ”اچھا! ہمارے پاس تو پھر دعا ہی ہے کہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صحت عطا فرمائے گا۔“ اس کے بعد بھی وہ شخص غصے سے ہی بات کرتا رہا، مگر حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک بار بھی تلخ جواب نہیں دیا۔ آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے ”جو لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے۔“

حضرت اقدس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک روز اتحادِ مسلمین اور اخلاقیات

کے موضوع پر باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اپنی تقاریر میں ہمیشہ مجھے کہتے تھے۔ طعن و طنز، تشبیہ اور دشنام کا نشانہ بناتے تھے۔ میں نے کبھی ان کی باتوں کا جواب نہ دیا، نہ برا مٹایا۔ ایک روز اتفاق سے سربراہ اُن کا اور میرا آئنا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً ایک دوسرے بازار کا رخ کر لیا۔ میں بھی ادھر ہی مڑ گیا۔ وہ ایک مسجد کے استیخانے میں چلے گئے۔ میں مسجد کے باہر انتظار کرتا رہا، جب وہ باہر آئے تو اَلْسَلَامُ عَلَیْکُمْ..... کہہ کر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور کہا: ”مولوی صاحب! آپ مجھے جتنا بھی چاہے برا بھلا کہہ لیا کریں، مجھے گوارا ہے مگر یہ گوارا نہیں کہ باہم سلام دعا تک نہ رہے، ایسا تو بے علم کرتے ہیں، علماء کا یہ کردار عوام پر کیا اثر چھوڑے گا؟ اگر آپ دیانت داری سے میرے عقیدے کو خلافِ شریعت سمجھ کر مجھے برا بھلا کہتے ہیں تو آپ اجر کے مستحق ہیں۔ اگر خدا نہ کرے دانستہ تعصب سے ایسا کرتے ہیں تو خدا گواہ میں نے آپ کو معاف کیا۔“ یہ الفاظ سن کر وہ بہت نادم ہوئے اور کہا: ”مولوی صاحب! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا۔“ بغل گیر ہوئے۔ ہم دونوں اپنی اپنی راہ پر چل پڑے، پھر واقعی انہوں نے کبھی مجھے برا نہ کہا۔

قاری عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب مولانا مفتی محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے تو میں نے ان سے وقت ملاقات طے کیا اور طے شدہ وقت کے مطابق صبح نو بجے ان کی جائے قیام پر پہنچ گیا اور چٹ لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی، لیکن ہوا یہ کہ دوپہر ہوئی، پھر شام ہوئی، پھر رات چھا گئی لیکن بلا وادہ آیا، ادھر میرا غصہ بھی طوفان بن رہا تھا کہ ”دامن خود چاک یا دامن یزدان چاک۔“ آخر میں زبردستی آدمیوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کاغذوں اور فائلوں کے درمیان مصروف ہیں، آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں اور چہرے پر تنہا کوٹ



کے آثار ہیں۔ مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مجھ پر نظر پڑی تو فرمایا: ”آئیے جلالی صاحب کیسے آئے؟“

میں یہ سن کر آتش فشاں بن گیا ”آپ نے مجھے نوبت کے وقت دیا اور رات کا ایک بج رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کیسے آئے؟“ میں نے خوب شور مچایا اور پھر باہر نکل آیا۔ لوگوں نے مجھے گھیر لیا، سرکاری ملازم میری طرف بڑھنے لگے تو اچانک میں نے ایک ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا۔ یہ ہاتھ مولانا مفتی محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا تھا، وہ کہہ رہے تھے کہ صرف سنانا ہی مردانگی نہیں، سنا کر سننا بھی مردانگی ہے۔ وہ مجھے دوبارہ کمرے میں لے گئے۔ معلوم ہوا کہ مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو میری آمد کی اطلاع ہی نہیں دی گئی، جو میں چپ لکھ کر بھیجتا وہ ان تک ہی نہ پہنچتی جس پر مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس ملازم کو بلوا کر ڈانٹ پلائی بل کہ اگلے روز اس کی ڈیوٹی بھی تبدیل کر دی۔

مجھے اچھی طرح مطمئن کرنے کے بعد انہوں نے اپنی بات کہی کہ: ”قاری صاحب! یہ دنیا کیا ہے، کچھ بھی نہیں، لوگ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ جب کوئی مولوی میرے پاس دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے گولی مار دوں، یہ دنیا کی لعنت دنیا والوں کے پاس ہی رہنے دیں تو اچھا ہے، لیکن جب کوئی میرے پاس لوگوں کے مسائل لے کر آتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے علاقے کے مسائل لے کر آئے ہیں تو سناپیے میں سنوں گا۔“ میں نے کہا: ”اب وقت نہیں صبح بات کر لیں گے۔“ لیکن ان کا کہنا تھا: ”قیامت سے ڈرتا ہوں صبح تک زندگی کا کیا پتا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے میری بات سنی اور پھر احکامات جاری کیے۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو دشمنان

اسلام گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے، مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بل کہ فرماتے تھے کہ: ”عقیدت مندوں کی تعریف و توصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی تو وہ بحمد اللہ اس سے صاف ہوگئی۔“

حضرت کو ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ ”مولانا محمد یوسف لدھیانوی باقاعدہ مفتی ہیں؟“ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ”وہ نہ باقاعدہ مفتی ہیں نہ بے قاعدہ۔“ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ”ہاں ابھائی وہ سچ کہتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ۔“

مولانا محمد امین صفدر اکار ڈوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”ایک جمعہ میں نے مرزا بیت کے خلاف تقریری۔ تقریر کے دوران تو کوئی نہ بولا، نماز کے بعد شور مچ گیا، جو نئے مرزائی بنے تھے ان میں ایک ریٹائرڈ فوجی بھی تھا۔ میں نے انہیں سمجھانا چاہا تو فوجی مجھے کہتا ہے: ”میں تیرے جیسوں کو سو جوتے مارتا ہوں اور ایک گشتا ہوں۔“ میں نے اسے کہا: ”تو پہلے سو جوتے مار لے تاکہ تیرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے پھر تو میری بات غور سے سنے گا۔“ میری اس بات کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا، معافی مانگی اور بیٹھ گیا۔ میں نے سمجھایا ان کے شکالات کے جوابات دیے تو تینوں مرزائی مسلمان ہو گئے۔“

حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان سے کوئی کہتا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا تو حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے:

”اللہ کی قسم! میرا غصہ کرنا شیطان کے کاموں میں سے ہے“ پھر فرماتے:  
 ”اَللّٰهُمَّ! اِنْ كَانَ صَادِقًا فَاغْفِرْ لِيْ وَ اِنْ كَانَ كَاذِبًا فَاغْفِرْ  
 لَهٗ۔“

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! اگر وہ (اپنی بات میں) سچا ہے تو میری مغفرت  
 فرما اور اگر وہ (اپنی بات میں) جھوٹا ہے تو اس کی مغفرت فرما۔“  
 اسی طرح ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:  
 ”اَنْتَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ؟“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”نَعَمْ“  
 پھر اس شخص نے کہا: ”اَنْتَ سَارِقُ الْهَرَّةِ“ تم نے مٹی چوری کی ہے۔  
 اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:  
 ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَا اُحْيِيْ هٰذَا۔“  
 تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میری اور میرے اس بھائی کی مغفرت فرما۔“  
 پھر فرمایا:

”هٰكَذَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّسْتَغْفِرَ  
 لِمَنْ ظَلَمْنَا۔“

تَرْجَمَہ: ”اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم  
 اپنے ظالموں کے لیے مغفرت طلب کیا کریں۔“

بنو امیہ میں سے ایک شخص نے کسی فقیر کو کچھ روپے دے کر اس بات پر تیار کیا  
 کہ بھرے مجمع میں جا کر جب زین العابدین رضی اللہ عنہ درس دے کر فارغ ہوں تو ان کو گالیاں  
 دینا۔

چنانچہ اس شخص نے جا کر ان کو بہت بری طرح گالیاں دیں جب وہ چپ

ہوا تو زین العابدین رضی اللہ عنہ تَعَالٰی نے فرمایا:

”يَا اُحْيٰى اِنْ كُنْتَ كَمَا ذَكَرْتَ فَسْأَلُ اللّٰهَ اَنْ يُغْفِرَ لِيْ، وَ اِنْ  
 لَّمْ اَكُنْ كَمَا قُلْتَ فَسْأَلُ اللّٰهَ اَنْ يُغْفِرَ لَكَ۔ فَخَرَّ الرَّجُلُ  
 بَاكِيًا۔“

تَرْجَمَہ: ”اے میرے بھائی! اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تم نے کہا تو پھر  
 میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو معاف فرما  
 دے، اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا تم نے کہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ  
 تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے۔“

جب اس شخص نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے یہ جواب سنا تو  
 روتے روتے زمین پر گر گیا۔

اسی طرح کسی نقصان کے تاثرات تو تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیں گے، لیکن باقی  
 رہنے والی وہ نیکیاں یا برائیاں ہوں گی، جو اس کو پا کر داعی نے اپنے دل اور زبان  
 سے ادا کیا۔

بزرگان دین کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی صدمہ آتا تو صبر کرتے، نوافل پڑھتے  
 اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کے پاس باقی رہنے والی ہے۔

اب اگر ہم کو اس کا یقین ہو جائے کہ گالی سن کر یا نقصان اٹھا کر جو ذرا سی دیر  
 میں ختم ہو جانے والا ہے، ہم صبر کریں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا درجہ ملنے والا ہے  
 تو ہم بڑے سے بڑے نقصان پر بھی اس کا شکر ادا کریں اور صابر ہو جائیں۔

یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ علماء امت کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اپنے  
 جذبات پر قابو پاتے ہیں اور غصہ دلانے والے اور جذبات برا بھانت کرنے والے  
 نادان لوگوں کی حرکتوں اور باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر و تحمل کی عظیم صفات پر  
 کس طرح عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت درست رکھتے ہیں۔

لہذا ہم ائمہ مساجد کو بھی اپنے ان اکابرین کے نقش قدم پر چلنا چاہیے یہ تو بطور نمونہ چند واقعات ذکر کیے گئے ورنہ اس قسم کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں جن کا احاطہ یہاں پر ممکن نہیں ہے۔

وَأُولَئِكَ أَتَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

امام کو بسا اوقات اُن جان مقتدی یا بے ادب کمٹی والوں کی طرف سے کوئی ناگوار بات سامنے آ جائے تو اس پر بھی حضرت فضیل بن عیاض، حضرت زین العابدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر اکابرین کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ان کے لیے دعا کریں اور فتنے کو دبانے کی کوشش کریں، ورنہ چھوٹی سی بات بہت بڑا انگارہ بن جاتی ہے، مثلاً: فتنہ ساز شخص امام تک ایسی بات پہنچا دیتا ہے جس سے امام صاحب کو غصہ آ جائے تو ایسے شخص کی بات بغیر تحقیق کے عمل میں نہ لائیں، کسی کو آگے نقل نہ کریں اور قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر عمل کریں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿۸۱﴾

تَرْجِمَہ: ”اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے لیے پشیمانی اٹھاؤ۔“

یا اس شخص سے کہا جائے کہ مجھے ایسی باتیں نہ پہنچایا کرو، حضور ﷺ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اس طرح بات پہنچانے سے منع فرمایا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

”لَا يُلَاقِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أَجِبُ أَنْ أُخْرِجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّدْرِ“

تَرْجِمَہ: ”میرے صحابہ (ساتھیوں) میں سے کوئی مجھے کسی کی ناپسندیدہ بات نہ پہنچائے، کیوں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تمہاری طرف اس حال میں نکلوں کہ میرا دل (تمہارے بارے میں) صاف ہو۔“

بسا اوقات کسی مقتدی کے منہ سے امام صاحب کے خلاف کوئی بات نکل جاتی ہے یا کسی نے امام صاحب کے کسی کام پر نکتہ چینی کی اور دوسرے آدمی نے اس پر نمک مسالہ لگا کر امام صاحب تک وہ بات پہنچا دی کہ فلاں صاحب آپ کے متعلق یہ کہہ رہے تھے، چنانچہ اس کے اس انداز پر امام صاحب کو غصہ آ جاتا ہے اور پھر بتے کے بیان میں اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ دیتے ہیں، ادھر وہ موصوف امام صاحب کا بیان سن کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نے مجمع کے اجتماع میں میرے متعلق یہ کہہ دیا، اب وہ مقابلے پر آ جاتا ہے یا تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے یا امام صاحب کو نکالنے کی فکر کرتا ہے یا پھر ان کو تنگ کرنے کے لیے دن رات پلاننگ بناتا ہے جس سے امام صاحب کی یک سوئی ختم ہو جاتی ہے، مثلاً: ہمارے ایک ساتھی نے مسجد کے دروازے پر عید الاضحیٰ کے دنوں میں کمٹی کے کسی صاحب کے قربانی کے جانور بندھے ہوئے دیکھے، اس پر انہوں نے سمجھایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، لیکن وہ صاحب نہیں مانے یا انہوں نے غفلت کی تو امام صاحب نے مجمع کے بیان میں منبر پر ڈانٹ دیا کہ یہ کمٹی والے ایسے ہیں ویسے ہیں، مسجد کو اپنی جائیداد سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ، نتیجہ یہ ہوا کہ کمٹی والوں نے طیش میں آ کر چند دنوں بعد ان کو منصب امامت سے معزول کرنے کا لیٹر بھیج دیا۔

اسی طرح محلے کے بچے کھیل رہے تھے اور دوسری طرف کچھ بڑی عمر کے لوگ بیٹوں پر گپ شپ میں مصروف تھے، اتنے میں ایک بچے نے گیند پھینکی جو بیٹوں پر پڑنے ہوئے حضرات کو جا کر لگی تو انہوں نے غصے میں آ کر کہا:

”تم امام صاحب کے پاس پڑھتے ہو، کیا امام صاحب تمہیں یہ تعلیم دیتے



بچوں نے جا کر امام صاحب کو بتایا کہ فلاں حضرات آپ کے متعلق یہ کہہ رہے تھے۔ امام صاحب نے جا کر ان کو ڈانٹا کہ: ”تم لوگ یہاں بیٹوں پر کیوں بیٹھے ہو یہ تو بچوں کے کھیلنے کی جگہ ہے، یہاں بچے نہیں کھیلیں گے؟ تو کہاں کھیلیں گے۔ اگر آئندہ کبھی ان بچوں کو ایسی بات کی تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔“

نتیجہ یہ نکلا کہ پورے محلے میں چھ می گوئیاں شروع ہو گئیں اور غیبتوں کا بازار گرم ہوا، نمازیوں میں دو فرقے ہو گئے، کچھ لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھتے اور کچھ نہ پڑھتے اور جن لوگوں کی امام صاحب سے تلخ کلامی ہوئی تھی انہوں نے اپنے بچے مدرسے سے نکال لیے۔ امام صاحب کی بھی ذہنی یک سوئی اور فرحت و انبساط جو دین کے کام کے لیے انتہائی ضروری تھا وہ ختم ہو گیا، یہ سب کچھ صبر نہ کرنے کی وجہ سے ہوا، اگر دونوں میں سے کوئی ایک صبر سے کام لیتا تو اس قسم کے حالات پیدا نہ ہوتے۔

لہذا امام صاحب کو صبر کرنا چاہیے، اگرچہ حق پر ہو اور کبھی بھی طیش میں نہیں آنا چاہیے اور اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرز عمل اختیار کیا جائے تو ان شاء اللہ کبھی بھی امام اور مقتدیوں کے درمیان لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب وہ خلیفہ المسلمین بنائے گئے تو منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ اعلان فرمایا:

”إِنْ أَحْسَنْتُمْ فَأَعِيبُونِي وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي“

ترجمہ: ”اگر میں اچھا کام کروں تو میری معافیت کرو اور اگر میں برا کام کروں تو میری اصلاح کرو۔“

## وعظ و درس میں حکمت اور شفقت کی رعایت

دین کی تبلیغ تو ہر جگہ حکمت اور دانش مندی چاہتی ہے، اس میں داعی حق کے لیے انتہا درجے کا صبر و تحمل، مخاطب پر شفقت، حکمت و دانائی اور بات کو دل میں اتار دینے کی لگن کی ضرورت ہے۔ آں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث سن لیجئے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آں حضرت رحمۃ اللہ علیہ شبہات کے مریض کا علاج کس طرح فرماتے تھے؟

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی نوجوان آں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے ایک عجیب و غریب فرمائش کی، کہ کہنے لگا:

”یا رسول اللہ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجیے۔“

تصور تو فرمائیے کہ یہ گھناؤنی فرمائش کس سے کی جا رہی ہے؟ اس ذات اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے کہ جس کے تقدس کے آگے فرشتے بھی بیچ ہیں، اور فرمائش بھی کسی چھوٹے موٹے گناہ کی نہیں، زنا کی! وہ گناہ جس کا نام ایک شریف انسان زبان پر لاتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید اس گستاخی کی سزا میں نوجوان کو دھکے دے کر باہر نکلوا دیتا۔

چنانچہ حاضرین مجلس اس نوجوان پر برس پڑے اور اسے ڈانٹنا ڈپٹنا شروع کر دیا۔ لیکن قربان جائے اس رحمت مجسم رحمۃ اللہ علیہ پر، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا کہ یہ شخص ضد اور عناد کا نہیں، شبہات کا مریض ہے اور یہ غصہ اور نفرت کے بجائے شفقت اور ترس کھانے کا مستحق ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ڈانٹنے سے روکا، اور اس سے فرمایا: ”میرے قریب آ جاؤ۔“ جب وہ قریب آ گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

”کیا تم اس عمل کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟“

نو جوان بولا: ”نہیں! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، اللہ کی قسم! نہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس کو پسند نہیں کرتے۔“

پھر فرمایا: ”اچھا تو کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اس عمل کو پسند کرتے ہو؟“

”نہیں یا رسول اللہ! مجھے اللہ آپ پر فدا کرے، اللہ کی قسم نہیں!“ اس نے کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اس عمل کو پسند نہیں کرتے۔“

”اور کیا تم اپنی بہن کے لیے اس عمل کو پسند کرتے ہو؟“

”نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر نثار کرے، اللہ کی قسم نہیں!“ نو جوان نے

کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اس عمل کو پسند نہیں کرتے۔“

”اور کیا تم اپنی چھوٹی بھئی کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟“

”نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، خدا کی قسم نہیں!“ نو جوان

بولا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اسے اپنی چھوٹی بھئیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“

اور کیا تم اسے اپنی خالہ کے لیے پسند کرتے ہو؟“

”نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، واللہ نہیں!“ نو جوان بولا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تو اور لوگ بھی اسے اپنی خالائوں کے لیے پسند نہیں

کرتے۔“

یہ فرما کر آپ ﷺ نے اپنا دست شققت نو جوان پر رکھا اور فرمایا:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ۔“

ترجمہ: ”یا اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما، اس کے قلب کو پاکیزگی

عطا فرما اور عفت عطا فرما۔“

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”قَلَمٌ يَكُنْ بَعْدَ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ“

کہ اس واقعہ کے بعد نو جوان اتنا پاک دامن ہو گیا کہ کسی طرف التفات ہی

نہیں کرتا تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

## دین کا کام حکمت سے کرنا چاہیے

محمد اسدی کے والد ابو بکر کا بیان ہے کہ میں نے جس سال حج کیا، اسی سال

ابو القاسم البغوی اور ابو بکر الادی القاری نے بھی حج کیا۔ جب ہم نے حج کے فرائض

ادا کر لیے تو مدینہ منورہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں ایک دن ابو القاسم البغوی

میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے:

”اے ابو بکر! مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک اندھے آدمی نے اپنی مجلس

جامع کر رکھی ہے اور حاضرین کو من گھڑت قصے اور موضوع احادیث سنارہا ہے۔ کیوں

نہ ہم لوگ اس کی مجلس میں چلیں اور اسے واعظ کرنے سے روکیں؟“

میں نے کہا:

”ابو القاسم! ابھی ہماری حالت اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ حاضرین مجلس

ہماری بات سننے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اندھے کی چٹ پنی باتیں چھوڑ کر ہماری

طرف متوجہ ہو جائیں، نیز اس وقت ہم بغداد میں نہیں ہیں جہاں ہماری اپنی ایک

پہچان ہے اور لوگ ہماری بات سنتے ہیں، یہاں ہم غریب الوطنوں کی بات کون سے گا؟ ہاں الہت اس کے بجائے کوئی دوسری مناسب صورت نکالی جاسکتی ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے ابو بکر الادمی کا ہاتھ پکڑا جو اچھے قاری تھے، اور آگے بڑھا کر کہا: "چلئے، تلاوتِ کلام پاک کیجئے۔"

انہوں نے جوں ہی تلاوتِ کلام پاک شروع کی، آہستہ آہستہ لوگ اندر سے کی مجلس سے اٹھ کر ہماری مجلس میں منتقل ہونے اور ابو بکر کی قراءت سے محظوظ ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اندھے کی مجلس خالی نظر آنے لگی اور اب تمام حانہ یں ہماری مجلس کی ذیبت بنے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر اندھے نے اپنے قائد سے کہا:

"تُخَذُ بِيَدِي، فَهَكَذَا تَزُولُ النِّعَمُ"

ترجمہ: "میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلو، نعمتیں اسی طرح زوال پذیر ہوتی ہیں۔"

اس واقعے سے ہمیں سبق لینا چاہیے کہ بسا اوقات ایک منکر کو بغیر حکمت کے روکا جاتا ہے تو وہ کئی منکرات کے وجود کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ کسی اجتماعی، عمومی منکر کو روکنے کے لیے اکابر علماء سے مشورہ ضرور کر لیا جائے کہ کس حکمت کے ساتھ کام کیا جائے کہ اس منکر کا رد بھی ہو اور امت میں انتشار و اختلاف کا ذریعہ بھی نہ بنے اور لوگ منکرات کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں۔

لہذا ائمہ کرام کو چاہیے کہ دعوتِ دینی میں ایسا مشفقانہ عنوان اختیار فرمائیں کہ سنگِ دل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے، جس شخص کے سامنے مخاطب کی ہدایت مقصود ہو اور انجام اس کے سامنے ہو کہ یہ مخاطب اگر دین پر نہ آیا تو موت کے

ملف ستمبر ص ۳۲۱ بحوالہ کتاب الادبیات لاہن جوزی: ص ۱۳۹

بعد اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

یہ فکر اور یہ انجام اس کو شفقت پر لے آئے گا۔ اور لوگوں کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر اس کا دل جلے گا، اور خیر خواہی سے اس کا دل چاہے گا کہ کسی طرح ان کی حالت سدھ جائے، ٹھیک اسی طرح جس طرح باپ بیٹے کی اصلاح اور رشد و ہدایت کا طالب محض پدرانہ شفقت اور خیر خواہی کی بناء پر ہوتا ہے، اسی طرح مبلغ اور داعی کے اندر بھی یہی جذبہ پیدا ہوگا، دینی خیر خواہی اور مسلمانوں پر رحمت و شفقت کی تاثیر اس کے دل کو بے چین رکھے گی۔ پھر وہ مخاطب کی بری سے بری بات کو سنی ان سنی کر دے گا اور مخاطب کی ہدایت کے لیے بے چین اور بے قرار رہے گا۔ مقتدیوں اور ملے جلنے والوں کی غلطیوں و کوتاہیوں کو سہہ کر وہ طریقہ اور انداز اختیار کرے گا، جس سے یہ لوگ خود بھی ہدایت پر آجائیں اور آگے ہدایت پھیلانے والے بھی بن جائیں۔

### ائمہ کرام لوگوں کو بتائیں کہ گناہ پر تنقید نہ کریں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح کفار کو اسلام میں لانے کی محنت فرمائی، اسی طرح مسلمان گناہ گاروں کو بہترین تدبیر، اور حکمت کے ذریعہ سے ان کو دین دار بنانے کی فکر فرماتے تھے۔

کہتے ہیں کہ انسان محبت کا بھوکا ہے، محبت کا اظہار کر کے، احسان اور دعا کر کے آپ کئی مسلمانوں کو جہنم کے راستہ سے بچا سکتے ہیں۔

نفرت، ڈانٹ ڈپٹ، تنقید، عیوب اور گناہوں پر ذلیل کر کے تو انسان اپنے بیٹے کی بھی اصلاح نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا گزر ایک شمع پر سے ہوا جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ سے مار پیٹ رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔



انہوں نے حقیقت حال دریافت کی۔

”مَا الْخَبْرُ...؟“

”کیا بات ہے؟“

تو لوگوں نے بتایا:

”رَجُلٌ وَقَعَ فِي ذَنْبٍ كَبِيرٍ.“

”ایک آدمی ہے جس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔“ ہم اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔

حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے ان سے پوچھا:

”أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَقَعَ فِي بَشَرٍ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَسْتَخْرِجُونَهُ مِنْهُ؟“

”یہ بتاؤ اگر یہ شخص کسی کنویں میں گر جاتا تو کیا تم اسے وہاں سے نہ نکالتے؟“

سب نے کہا:

”بلی۔“

”کیوں نہیں۔“

حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

”لَا تَسْبُوهُ وَلَا تَضْرِبُوهُ وَإِنَّمَا عِظْوَةٌ وَبَصُرَةٌ، وَاحْمَدُوا اللَّهَ الَّذِي عَافَاكُمْ مِنَ الْوَفُوحِ فِي ذَنْبِهِ.“

”پھر تم اس کو نہ گالی دو، نہ مارو پیٹو بل کہ صرف سمجھانے بھانے اور وعظ و نصیحت کو کافی سمجھو اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو

اس گناہ سے محفوظ رکھا۔“

جمع نے پوچھا:

”أَفَلَا تُبْعِضُهُ؟“

”تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے؟“

حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے جواب دیا:

”إِنَّمَا أُبْعِضُ فَعَلَهُ فَإِذَا تَرَكَهُ فَهُوَ أَخِي.“

”تَرْجَمْتُمْ؟“ میں صرف اس کے گناہ کو ناپسند کرتا ہوں، اگر اس سے باز

آ جائے تو پھر یہ میرا دینی بھائی ہے۔“

حضرت ابودرداء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی یہ بات سنی تو وہ شخص پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ

أَيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

”تَرْجَمْتُمْ؟“ پوچھئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا

ہے؟ (خود) جواب دیجیے کہ اللہ تعالیٰ۔ (سنو) ہم یا تم۔ یا تو یقیناً

ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے

ہیں یہ مشرکین کفار کے ساتھ خطاب ہے۔ دلائل واضحہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق و مالک

ہونا اور قادر و مطلق ہونا واضح کر دیا گیا۔ بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا

مشاہدہ کرا دیا گیا۔ ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے

کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش

کرتے ہو۔

مگر قرآن حکیم نے اس جگہ جو حکیمانہ عنوان اختیار فرمایا، وہ دعوت و تبلیغ مخالفین

اسلام، اور اہل باطل سے بحث و مناظرہ کرنے والوں کے لیے ایک اہم ہدایت نامہ

ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر گمراہ کہنے کی بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضح کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھ دار آدمی کہہ نہیں سکتا کہ توحید و شرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور شرک دونوں حق پرست ہیں۔ بل کہ یقینی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک حق پر دوسرا گمراہی پر ہے۔ اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ ہم حق پر ہیں یا تم۔ مخاطب کو خود کافر گمراہ کہنے سے اس کو اشتعال ہوتا، اس سے گریز کیا گیا، اور ایسا مشفقانہ عنوان اختیار کیا کہ سنگ دل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔

یہ پیغمبرانہ دعوت و موعظت اور محاذ آلہ "بِالْبَيِّنَاتِ هِيَ الْاَحْسَنُ" کا طریقہ جو علماء کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے، اس کے نظر انداز ہونے ہی سے دعوت و تبلیغ اور بحث و مناظرہ بے اثر بل کہ مضر ہو کر رہ جاتا ہے۔ مخالفین ضد پر آ جاتے ہیں ان کی گمراہی اور پختہ ہو جاتی ہے۔

### ایک سوال اور اس کا جواب

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ یعنی لوگوں کو اچھائی کی دعوت دو اور اگر کوئی غلط کام میں مبتلا ہے تو اس کو بتا دو اور اس کو روک دو اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ دوسرے مسلمان کا دل مت توڑو۔ اب دونوں کے درمیان تطبیق کس طرح کی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ جب دوسرے شخص سے کوئی بات کہو تو خیر خواہی سے کہو..... تنہائی میں کہو..... نرمی سے کہو..... محبت سے کہو..... اور اس انداز میں کہو کہ جس سے اس کا دل کم سے کم ٹوٹے۔

مثلاً تنہائی میں اس سے کہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات قابل اصلاح ہے۔

تم اس کی اصلاح کر لو، لیکن طعنہ کے انداز میں کہنا یا لوگوں کے سامنے برسر باز اس کو رسوا کرنا، یہ چیز احسان کے دل میں گھاؤ ڈال دیتی ہے، اس لیے حرام اور گناہ ہے۔

### ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ"

ترجمہ: "ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔"

حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "یعنی جس طرح اگر کوئی شخص اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ لے تو چہرہ میں کوئی عیب یا داغ و شبہ ہوتا ہے وہ نظر آ جاتا ہے اور انسان اس کی اصلاح کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے سامنے آنے کے بعد اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر فلاں بات ہے اس کو درست کر لو، یہی حدیث کا مضمون ہے۔"

یہ حدیث ہم نے بھی پڑھی ہے اور آپ حضرات نے بھی اس کو پڑھا اور سنا ہوگا لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم حقیقی عطا فرماتے ہیں، ان کی نگاہ بہت دور تک پہنچتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ لوگ تو اتنا جانتے ہیں کہ آئینہ کے ساتھ یہ تشبیہ اس وجہ سے دی ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے اور جسم کے عیوب کو بتا دیتا ہے، اسی طرح مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے عیوب بتا دیتا ہے۔

لیکن آئینہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ آئینہ عیب اور برائی صرف اس کو بتاتا ہے، جس کے اندر وہ عیب ہوتا ہے اور جو اس کے سامنے کھڑا ہے؛ لیکن دوسرا شخص جو دور کھڑا ہے، اس کو نہیں بتاتا کہ دیکھو اس کے اندر یہ عیب ہے۔ اسی طرح مومن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کمزوری یا نقص یا عیب ہے، اس کو تو محبت اور پیار سے بتا دے کہ تمہارے اندر یہ نقص اور کمزوری ہے؛ لیکن دوسرے کو بتاتا اور گاتا نہ پھرے کہ فلاں کے اندر فلاں عیب ہے اور فلاں نقص ہے۔ لہذا دوسروں کو ذلیل کرنا..... رسوا کرنا..... اس کی برائیاں بیان کرنا..... مومن کا کام نہیں۔

اسی طرح آئینہ میں جتنا عیب ہے، اس سے زیادہ نہیں بتاتا، یہ نہیں کہ چھوٹے سے عیب کو بڑا بتا دے، بل کہ جتنا ہے صرف اتنا ہی بتاتا ہے، پچھلے عیبوں کو نہیں بتاتا، کل تمہارے اندر یہ عیب تھا، پر سوں یہ تھا۔

ایک آدمی میں یہ عیب ہے تو اس کے بھائی جب آئینہ کے سامنے آئیں اور ان میں عیب نہ ہو تو یہ نہیں کہ ایک کے عیب کی وجہ سے سارے بھائیوں کو عیب دار بنا دے، اسی طرح مومن کسی جماعت کے کسی ایک ساتھی کی کمی کو پوری جماعت، یا کسی زبان بولنے والے میں ایک عیب ہو تو تمام لوگ جو اس زبان کو بولتے ہیں ان پر عیب نہیں لگاتا، کہ اس زبان کے بولنے والے سب ایسے ہوتے ہیں، یا اس جماعت کے سب لوگ ایسے ہوتے ہیں۔

یا آئینہ میں کھڑے ہونے والے شخص کو یہ نہیں بتاتا کہ تم سے پہلے آنے والے میں یہ..... یہ..... عیب تھے، اسی طرح مومن عیوب دیکھ کر غیبت نہیں کرتا۔

لہذا اس ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے دونوں باتیں بیان فرما دیں۔ ایک یہ کہ مومن کا کام یہ بھی ہے کہ اگر وہ دوسرے مومن کے اندر کوئی غلطی دیکھ رہا ہے تو اس کو بتائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا نہ

کرے، اس کا عیب دوسروں کو نہ بتائے۔

آج ہمارے معاشرے میں طعنے دینے کا رواج پڑ گیا ہے۔ اب تو ”طنز“ یا قاعدہ ایک فن بن گیا ہے اور اس کو ایک ہنر سمجھا جاتا ہے کہ کس خوب صورتی کے ساتھ بات لپیٹ کر کہہ دی گئی اور یہ خیال نہیں کہ اس کے ذریعہ دوسرے کا دل ٹوٹا یا دل آزاری ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت لے کر آئے۔ کسی نبی کی زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی نبی نے اپنے خا لف کو یا کسی کافر کو طعن دیا ہو یا طنز کیا ہو۔ بل کہ جو بات وہ دوسروں سے کہتے تھے، وہ محبت اور خیر خواہی سے کہتے تھے۔ تاکہ اس کے ذریعہ دوسرے کی اصلاح ہو۔

جب آدمی کو ادبیت اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے یا تقریر میں آدمی کو دل چسپی پیدا کرنے کا شوق ہوتا ہے تو پھر اس مضمون نگاری میں اور اس تقریر میں طنز اور طعن و تشنیع بھی اس کا ایک لازمی حصہ بن جاتا ہے۔ جس سے ہمیں بہت بچنا چاہیے۔

آج سے تقریباً پینتیس سال پہلے کی بات ہے۔ میں (یعنی حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب) اس وقت دارالعلوم کراچی سے نیا نیا فارغ ہوا تھا۔ اس وقت ایوب خان صاحب مرحوم کے دور میں جو عاقل قوانین نافذ ہوئے تھے، ان کے خلاف میں نے ایک کتاب لکھی۔ جن لوگوں نے ان قوانین کی حمایت کی تھی، ان کا ذکر کرتے ہوئے، دوران کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ طنز کا انداز اختیار کیا تھا۔ اس وقت چوں کہ مضمون نگاری کا شوق تھا۔ اس شوق میں بہت سے طنزیہ جملے اور طعنے فقرے لکھے اور اس پر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ یہ بڑا اچھا جملہ



چست کر دیا۔ جب وہ کتاب مکمل ہو گئی تو میں نے وہ کتاب حضرت والد ماجد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو سنائی، تقریباً دوسو صفحات کی کتاب تھی۔

جب والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی پوری کتاب سن چکے تو فرمایا یہ بٹاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس مقصد کے لیے لکھی ہے؟

اگر اس مقصد سے لکھی ہے کہ جو لوگ پہلے سے تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے اور یہ تعریف کریں کہ مضمون نگاری کے اعتبار سے اور باغت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے، اگر اس کتاب کے لکھنے کا یہ منشاء ہے تو تمہاری یہ کتاب بہترین ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ دیکھ لیں کہ اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہوگی؟

اور اگر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی غلطی پر ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے اس کی اصلاح ہو جائے، تو یاد رکھو تمہاری اس کتاب کے پڑھنے سے ایسے آدمی کی اصلاح نہیں ہوگی۔ بل کہ اس کتاب کو پڑھنے سے اس کے دل میں اور ضد پیدا ہوگی۔ دیکھو! حضرات انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ دنیا میں تشریف لائے۔ انہوں نے دین کی دعوت دی اور کفر اور شرک کا مقابلہ کیا، لیکن ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ملے گا، جس نے طنز کا راستہ اختیار کیا ہو۔ لہذا یہ دیکھ لو کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے واسطے لکھی ہے یا مخلوق کے واسطے لکھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے واسطے لکھی ہے تو پھر اس کتاب سے اس طنز کو نکالنا ہوگا اور اس کا طرز تحریر بدلنا ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر پر پہاڑ توڑ دیا۔ کیوں کہ دوسو ڈھائی سو صفحات کی کتاب لکھنے کے بعد اس کو از سر نو ادھیڑا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا اور اس کتاب میں بڑے مزے دار فقرے

بھی تھے۔ ان فقروں کو نکالتے بھی دل کٹتا تھا، لیکن یہ حضرت والد ماجد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا فیض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے پھر پوری کتاب کو ادھیڑا اور از سر نو اس کو لکھا۔ پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وہ کتاب "ہمارے عالمی قوانین" کے نام سے چھپی۔ لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ داعی حق کے لیے طنز کا طریقہ اور طعنہ دینے کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، یہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کا طریقہ نہیں ہے۔

سخت کلامی اور سب و شتم سنت انبیاء کے خلاف ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ

بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ ۱۷

تَرْجُمہ: "اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات

منہ سے نکالا کریں، کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے، بے شک

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے

ہیں: پہلی آیت میں جو مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ سخت کلامی سے منع کیا گیا ہے

اس کی مراد یہ ہے کہ بے ضرورت سختی نہ کی جاوے اور ضرورت ہو تو قتل تک کرنے کی

اجازت ہے۔

کہ بے حکم شرع آپ خوردن خطاست ۱۸ دگر خون بنتوی بریزی رواست

قتل و قتال کے ذریعے کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جاسکتا ہے،

اس لیے اس کی اجازت ہے۔ گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے نہ

کسی کو ہدایت ہوتی ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک واقعے میں نازل ہوئی جس کی صورت یہ تھی کہ کسی شخص نے حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کو گالی دی، اس کے جواب میں انہوں نے بھی سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس کے نتیجے میں خطرہ پیدا ہو گیا کہ دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور امام قرطبی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی تحقیق یہ ہے کہ:

”أَمَرَ اللَّهُ تَعَالٰی فِیْہِ اَلْاٰیۃُ السُّوْمِیْنِ فِیْمَا بَیْنَهُمْ خَاصَّةً یُحْسِنُ الْاَدَبَ، وَ اِلَآئِۃُ الْقَوْلِ، وَ خَفَضِ الْجَاحِ، وَ اِطْرَاحِ نَزْعَاتِ الشَّیْطَانِ“

اس آیت میں مسلمانوں کو آپس میں خطاب کرنے کے متعلق ہدایت ہے کہ باہم اختلاف کے وقت سخت کلامی نہ کیا کریں کہ اس کے ذریعے شیطان ان کے آپس میں جنگ و فساد پیدا کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاعْلُظْ عَلَیْہِمُ﴾

”لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر۔“

اس آیت میں کفار اور منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن منافقین سے جہاد کا مطلب خود رسول اللہ ﷺ کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت

لے قرطبی: ۲/۵، الجزء العاشر۔ معارف القرآن: ۴/۵، ۴۹۷، ۴۹۶

لے التوبة: ۷۳

سمجھنے کی طرف دعوت دیں، تاکہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں قفلش ہو جائیں۔

﴿وَاعْلُظْ عَلَیْہِمُ﴾ ”غلظ“ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ مخاطب جس طرز عمل کا مستحق ہے اس میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، یہ لفظ رافضی کے مقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی رحمت اور نرم دلی کے ہیں۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے۔ زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں، کیوں کہ وہ سنت انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے خلاف ہے، وہ کسی سے سخت کلامی اور سب و شتم نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اِذَا رَزَتْ اُمَّةٌ اَحَدِکُمْ فَلْيَجْلِذْہَا الْحَدَّ وَلَا یُتَوَبَّ عَلَیْہَا“

”تَرْجَمَہَا“ ”اگر تمہاری کوئی کنیز بنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا حد شرعی اس پر جاری کر دو مگر زبانی ملامت اور طعن و تشنیع نہ کرو۔“

اور رسول اللہ ﷺ کے حال میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ کُنْتَ لَطَافًا عَلِیْبُ الْقَلْبِ لَا نَفَضُوْا مِنْ حَوْلِکَ﴾

”تَرْجَمَہَا“ ”یعنی اگر آپ (ﷺ) سخت کلام سخت دل ہوتے تو لوگ

آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔“

اور آں حضرت ﷺ کے تعامل میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ کفار و منافقین

لے تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۴۔ و۔ تفسیر مظهری: ۴/۶۶، التوبة: ۷۳

لے تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۴، التوبة: ۷۳

لے ترمذی، الحدود، باب ما جاء فی اقامة الحد علی الامان رقم: ۱۴۴۰، ابوداؤد، الحدود،

باب فی الامۃ تزلزل ولم تحصن رقم: ۴۴۷۱

لے آل عمران: ۱۵۹

سے گفتگو اور خطاب میں کبھی غلطی اختیار فرمائی ہو۔

تَبَيَّنَ لِي: حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: افسوس کہ خطاب اور کلام میں غلطی جس کو کفار کے مقابلے میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا، آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔<sup>۱</sup>

**ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے، مجرم کی سزا میں**

**بھی انصاف کی رعایت**

قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾<sup>۲</sup> اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں، بدلہ میں بھی انصاف کی رعایت لازمی ہے، جب تک دلی متقول انصاف کے ساتھ اپنے متقول کا انتقام شرعی قصاص کے ساتھ لینا چاہے تو قانون شریعت اس کے حق میں ہے یہ منصور حق ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے اور اگر اس نے جوش انتقام میں شرعی قصاص سے تجاوز کیا تو اب یہ مظلوم کے بجائے ظالم ہو گیا اور ظالم اس کا مظلوم بن گیا اب معاملہ برعکس ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اور اس کا قانون اب اس کی مدد کرنے کی بجائے دوسرے فریق کی مدد کرے گا کہ اس کو ظلم سے بچائے گا۔

جاہلیت عرب میں یہ بات عام تھی کہ ایک شخص قتل ہوا تو اس کے بدنہ میں قاتل کے خاندان یا ساتھیوں میں جو بھی ہاتھ لگے اس کو قتل کر دیتے تھے۔ بعض جگہ یہ صورت ہوتی کہ جس کو قتل کیا گیا وہ قوم کا کوئی بڑا آدمی ہے تو اس کے بدلہ میں صرف

ایک قتل قصاصاً کرنا کافی نہ سمجھا جاتا تھا، بل کہ ایک خون کے بدلہ دو تین یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی جان لی جاتی تھی، بعض لوگ جوش انتقام میں قاتل کے صرف قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بل کہ اس کی ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلاً کر دیتے تھے یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں، اس لیے آیت ﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾<sup>۱</sup> میں ان کو روکا گیا ہے۔

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا۔ حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص ہے، جس نے ہزاروں صحابہ و تابعین کو ناحق قتل کیا ہے، اس لیے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی، جن بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا انہوں نے الزام لگانے والے سے پوچھا کہ: ”تمہارے پاس اس الزام کی کوئی سند یا شہادت موجود ہے؟“

انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لے گا تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر کوئی ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام سے نہیں چھوڑا جائے گا۔ حجاج کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی لیں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی جنبہ داری (جانب داری، طرف داری) نہیں ہے کہ برے اور گناہ گار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ جو چاہیں الزام و اتہام لگا دیا کریں۔“<sup>۲</sup>

**پیغمبرانہ دعوت کی روح**

مولانا محمد اسلم شیخو پوری صاحب لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور تبلیغ کے لیے اصول یہ بتلایا:



﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ بَتَدَرُّوْا وَبَخْشٰی ۝﴾

ترجمہ: ”پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (بر غبت)

نہیت قبول کر لے یا (عذاب الہی سے) ڈر جائے۔“

بتلائیے اس امت کا کوئی خطیب کوئی عالم دین، کوئی لیڈر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے زیادہ افضل ہے۔ اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اتنی بھی فرعون سے زیادہ برا اور گنہ گار ہے، جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام جیسے پاک باز انسانوں کو حکم یہ ہے کہ فرعون جیسے مردود کو دین کی بات سمجھاؤ تو نرمی اور محبت سے سمجھاؤ۔ اس پر کچھ نہ اچھا لو، اس کا مذاق نہ اڑاؤ۔ تو آج کے کسی بھی خطیب اور واعظ کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ اس امت ہی کے بعض افراد سے انتہائی غلیظ زبان میں مخاطب ہو اور کسی گروہ کے بزرگوں کے لیے بازاری زبان استعمال کرے۔

فرعون نے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہدیمان کرنے کے لیے جب یہ پوچھا کہ پہلے اوگوں یعنی ہمارے آباء اجداد کے بارے میں کیا خیال ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ وہ تو کافر اور مشرک تھے، وہ تو جہنم میں جل رہے ہیں بل کہ حکمت کے ساتھ یوں جواب دیا کہ:

﴿قَالَ عَلِمْتُمْ اَعِنْدَ رَبِّیْ فِیْیَ كِتٰبٍ ۚ لَا یُضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسِی ۝﴾

ترجمہ: ”کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں

(لکھا ہوا) ہے میرا پروردگار نہ چوکتا نہ بھولتا ہے۔“

جب کہ ہمارے ہاں کامیاب خطیب اسے سمجھا جاتا ہے جو مخالف گروہ کے بزرگوں کو اپنی چرب لسانی سے دائرۂ ایمان سے تو کیا دائرۂ انسانیت سے بھی خارج کر دے۔

کاش! ہم محبت سے بات کرنا سیکھ لیں، پھر دیکھنا ہمارے معاشرے سے نفرتیں کیسے پوریا بستر سمیٹتی ہیں اور محبتوں اور خوشیوں کی خوشبو مشام جان کو کیسے معطر کرتی ہے، پھر تو آپ کہہ اٹھیں گے:

۔ یہ کس نے محبت سے ڈالیں لگا ہیں

کہ عالم میں پھر سے بہار آرہی ہے

جو دن آرہا ہے بھلا آرہا ہے

جو رات آرہی ہے خوشی لا رہی ہے

اور اگر ہم نے محبت کرنا نہ سیکھا تو اندیشہ ہے کہ ہم آپس ہی میں لڑکر اپنا نام و

نشان ہی نہ مٹا دیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہماری تبلیغ و دعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ و جدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے کہ آج کل کے اہل زبان اور اہل قلم علماء نے عموماً دعوت و اصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظر انداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور موثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ اور تجربے و مشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطا کار یا گمراہ کی اصلاح کی کبھی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

یہ طریق کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ اور اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے۔ اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں اپنے ہوا خواہوں اور معتقدین کے لیے کچھ دیر کا سامان تفریق ضرور ہو جاتا ہے اور ان کی داغ بیل دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھتے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے۔

لیکن جو لوگ اس مضمون کے مخاطب ہوتے ہیں ان کے دلوں سے پوچھئے کہ اگر کسی وقت ان کو اس بات کے حق ہونے کا یقین بھی ہو جائے تو یہ فقرہ بازی اور تمسخر و استہزاء کا طریق اس کو حق کی طرف آنے سے مانع نہیں بن جاتا؟ اور انہیں ہمیشہ کے لیے اس داعی کا دشمن نہیں بنادیتا؟

لہذا نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے امام اور اہل علم ہوتے ہوئے یہ فیصلہ فرما لیجئے کہ اگر ہم دین کو پھیلائے والے نہ بن سکیں تو اللہ نہ کرے دین کو پھیلائے کے راستے میں مانع نہ بن جائیں یعنی فقرہ بازی، ..... طعنہ زنی، ..... مخاطب کو ذلیل، شرمندہ کرنے سے بچیں گے۔ دعوت میں پیغمبرانہ طریقہ اپنائیں گے۔ نفس اور شیطان کی ہرگز اطاعت نہیں کریں گے۔ اس نفس امارہ کی اطاعت کرتے ہوئے ہمارے کتنے بھائی ہم سے دور ہو گئے۔

اس کے بالقابل اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی دعوت کا طریقہ۔ حقلہ فرمایا جائے تو اس کے الفاظ سادہ مگر نام انسانی ہمدردی سے لبریز اور نرم ہوتے ہیں۔ وہ مخالفین کی سخت ترین بدکاری سن کر بھی جواب سادہ اور نرم دیتے ہیں فقرے نہیں کہتے، دل میں ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ حق بات قبول کرے، اس کے لیے حکمت کے ساتھ تدبیریں کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کی روح قرآن کے ایک لفظ ”نذیر“ سے سمجھی جاسکتی ہے جو ہر پیغمبر کے لیے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں جا بجا ان کو ”بشیر و نذیر“ کہا گیا ہے۔ لفظ ”نذیر“ کا ترجمہ اردو میں ڈرانے والے کا کیا جاتا ہے۔ مگر ڈرانے کا لفظ ”نذیر“ کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس ترجمہ کو اختیار کر لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ڈرانے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ چور، ڈاکو کا بھی ڈرانا ہے۔ دہندہ اور دشمن کا بھی ڈرانا ہے۔ اور ایک شیش باپ بھی اپنے بچہ کو بچھو، سانپ، زہر اور آگ

سے ڈراتا ہے۔ پہلی قسم نری تخویف ہے نذیرات و انذار نہیں۔ چور، ڈاکو یا دشمن اور دہندہ کو ”نذیر“ نہیں کہا جائے گا۔ اور دوسری قسم جو مہربان باپ کی طرف سے ہے وہ ڈرانا شفقت و ہمدردی کی بناء پر مسخر اور تکلیف دہ چیزوں سے ڈرانے والے کو ”نذیر“ کہا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے لیے ”نذیر“ کا لفظ استعمال فرما کر ان کی تبلیغ و تعلیم کی روح کی طرف اشارہ کر دیا گیا، وہ صرف کوئی پیغام ہی نہیں پہنچاتے، بل کہ حکمت اور ہمدردی و خیر خواہی سے اس پیغام کو موثر بنانے اور مخاطب کو ہلاکت سے بچانے کی پوری تدبیر اور کوشش بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دعوت پیغمبرانہ کے جو اصول ایک آیت میں بیان کیے گئے ہیں، وہ گویا اس لفظ ”نذیر“ کی شرح ہیں۔ ارشاد ربّی ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ  
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

اس میں دعوت الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے حکمت کو رکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام و کلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں، بل کہ حکمت و تدبیر سے مناسب وقت مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لیے قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری چیز موعظہ ہے۔ جس کے معنی کسی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ ٹیک کام کی طرف بلانے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لیے ضروری ہے کہ جو کلام کرے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز ”موعظہ“ کے ساتھ ”حسنہ“ کی قید ہے۔ اس میں اشارہ عنوان کو نرم اور دل نشین بنانا ہے۔ کیوں کہ بعض اوقات خالص ہمدردی اور خیر خواہی

سے کسی کو اس کی بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے، مگر عنوان اور لب و لہجہ دل خراش ہوتا ہے تو وہ دعوت بھی مؤثر نہیں ہوتی۔ اس لیے ”مَوْعِظَةٌ“ کے ساتھ ”حَسَنَةٌ“ کی قید لگا دی۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت نے دعوت پیغمبرانہ کے آداب میں تین چیزوں کو ضروری قرار دیا۔

① اول حکمت و تدبر، اس لیے کہ دعوت بے کار نہ ہو جائے مؤثر ہو۔

② دوسرے ہمدردی و خیر خواہی سے نیک کام کی دعوت۔

③ تیسرے اس دعوت کا عنوان اور لب و لہجہ نرم و قابل قبول ہو۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ فَلَيْسَ أَمْرُهُ ذَلِكَ بِمَعْرُوفٍ“<sup>۱</sup>  
”تَرْجَمَہ:“ جو شخص کسی کو بھلائی کا حکم کرے تو اس کو چاہیے کہ اس کے

کہنے کا انداز بھی بھلا (نرمی والا) اختیار کرے۔“

آخر میں ایک چوتھی چیز یہ بتائی کہ اگر دعوت کو ان آداب کے ساتھ پیش کرنے پر بھی قبول نہ کیا جائے اور نوبت مجادلہ ہی کی آجائے تو پھر عامیانہ انداز کا مجادلہ نہ ہونا چاہیے، بل کہ ”بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی اچھے طریقے پر ہونا چاہیے۔ حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

”بِرُفْقٍ وَلَيْسَ وَحُسْنِ خُطَابٍ“<sup>۲</sup>

یعنی مجادلہ بھی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ ”مُجَادَلَةٌ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ یہ ہے کہ اس میں اپنا غصہ اتارنا یا اپنے نفس کی بڑائی اور شیطان کا دوسرے پیش نظر نہ ہو بل کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے ہو۔ اور ”مُجَادَلَةٌ بِالَّتِي هِيَ

۱۔ کنز العمال الثانی، الاخلاق: ۳۶/۳، رقم: ۵۵۲۰

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۷۵۷، النحل: ۱۲۵۔ تفسیر مظہری (عربی): ۵/۳۹۰، النحل: ۱۲۵

أَحْسَنُ“ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بل کہ غیر مسلموں سے مجادلہ کی نوبت آئے تو اس میں بھی انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کو اسی کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾<sup>۱</sup>

یعنی کفار اہل کتاب سے مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بھی ”بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص

حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص ہیں:

### ① امت کی فکر

انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اپنی امت کی اصلاح کی فکر اس قدر شدت کے ساتھ لگ جاتی ہے کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ جب پیغمبر اس فکر میں گھمنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی کا سامان کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾<sup>۲</sup>

”تَرْجَمَہ:“ شاید آپ اس غم میں اپنی جان کو ہلک کرنے والے ہیں کہ یہ لوگ مؤمن کیوں نہیں بنتے۔“

اور سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ صَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾<sup>۳</sup>

۱۔ النحل: ۱۲۵

۲۔ الشعراء: ۳

۳۔ العنکبوت: ۴۶



تَرْجِمَتًا: ”یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے نکلنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔“

یہ جملہ داعیانِ دین کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا ہے، کیوں کہ مذکور الصدر آدابِ دعوت کو استعمال کرنے کے باوجود جب مخاطب حق بات کو قبول نہ کرے تو طبعی طور پر انسان کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔

اور بعض اوقات اس کا یہ اثر بھی ہو سکتا ہے کہ دعوت کا فائدہ نہ دیکھ کر آدمی پر مایوسی طاری ہو جائے اور کام ہی چھوڑ بیٹھے۔ اس لیے اس جملہ میں یہ فرمایا کہ آپ کا کام صرف دعوتِ حق کو اصولِ صحیح کے مطابق ادا کر دینا ہے۔ آگے اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس میں نہ آپ کا کوئی دخل ہے نہ آپ کی ذمہ داری، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، وہی جانتا ہے کہ کون گمراہ رہے گا، اور کون ہدایت پائے گا، آپ اس فکر میں نہ پڑیں، اپنا کام کرتے رہیں اس میں ہمت نہ ہاریں مایوس نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ بھی آدابِ دعوت ہی کا کلمہ ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ”ملفوظات مولانا الیاس“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

حضرت ابو سعید خدری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مشہور حدیث ”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ“ کے آخری جز ”فَبِقَلْبِهِ“ کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالہ منکر کے لیے اصحابِ قلوب اپنی قلبی قوتوں کو استعمال کریں یعنی ہمت و توجہ کو کام میں لائیں۔ پھر اسی ذیل میں فرمایا: حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مقامِ قطیبت حاصل کرنے کی ایک تدبیر لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جہاں جو جو معروفات مئے ہوئے ہیں اور مرہ ہو گئے ہیں ان کا تصور

کرے پھر دل میں ان کے منہ کا ایک در محسوس کرے اور پورے الجاح اور تضرع کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اپنی قلبی قوت کو بھی ان کے احیاء کے لیے استعمال کرے۔

اسی طرح جہاں جہاں جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے اور پھر ان کے فروغ کی وجہ سے اپنے اندر ایک سوزش اور دکھ محسوس کرے، پھر پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کو مٹا دینے کے لیے دعا کرے اور اپنی ہمت و توجہ کو بھی ان کے استیصال کے لیے استعمال کرے۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرتا رہے گا ان شاء اللہ وہ قطبِ عصر ہوگا۔

لہذا داعیِ اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کو اس پیغمبرانہ فکر کا کوئی حصہ نصیب ہو۔ چنانچہ اسلافِ امت میں سے جن جن کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت عطا فرمائی اور اتنے ہی بہتر ثمرات پیدا فرمائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو دعوت و تبلیغ کا ایسا تقاضا ہوتا تھا جیسا بھوک کے وقت کھانے اور پیاس کے وقت پینے کا تقاضا ہوتا ہے۔ جس طرح انسان ان طبعی تقاضوں سے صبر نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ دعوت کے مواقع پر دعوت سے صبر نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت میں تاثیر بھی ایسی فرمائی کہ ان کے ایک ایک وعظ سے سینکڑوں انسان بیک وقت تائب ہوتے تھے۔

## ۱۲ دعوت کی لگن

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا دوسرا اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے پروا ہو کر دعوت میں لگا تار مشغول رہتے ہیں اور حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنی بات متواتر کہے چلے جاتے ہیں۔ جہاں اور جس موقع پر کسی شخص کو اچھی بات پہنچانے کا کوئی موقع مل جائے وہ اسے غنیمت سمجھ کر اپنی بات پہنچائی دیتے ہیں۔

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی اس کی مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ وہ مدت سے عزیز مصر کی قید میں محبوس ہیں۔ گرد و پیش میں کوئی ہم لوانہیں۔ اس حالت میں جیل کے دو ساتھی خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آتے ہیں۔ سوال کا کوئی تعلق دین و مذہب سے نہیں ہے؛ لیکن ان کے جواب میں پہلے تو انہیں مطمئن فرما دیتے ہیں کہ تمہارے خواب کی تعبیر مجھے معلوم ہے اور میں تمہیں بتا بھی دوں گا، مگر پہلے ایک بظاہر قطعی غیر متعلق بات شروع کر دیتے ہیں، اور وہ یہ کہ:

﴿إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ وَأَتَيْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ

ترجمہ: ”بلاشبہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور میں نے اپنے آباء و اجداد میں سے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کی ہے۔“

اور:

﴿بِقَاصِحِي السَّخِيَّةِ أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ

## القہار

ترجمہ: ”اے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق پروردگار (ماننا) بہتر ہیں یا وہ اللہ جو ایک اور قہار ہے۔“

اور اس طرح خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے اپنا پیغام انہیں پہنچایا۔

دعوت کی اس لگن کا حاصل یہ ہے کہ انسان بات پہنچانے کے مواقع کی تلاش میں رہے جب جتنا موقع مل جائے اس سے فائدہ اٹھائے اور دعوت سے کسی مرحلے پر ٹھکنے یا اکتانے کا نام نہ لے؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا داروغہ بن کر ان کے پیچھے نہ پڑے، بل کہ اپنی بات مؤثر سے مؤثر انداز میں کہہ کر فارغ ہو جائے، پھر جب دیکھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا تو موقع دیکھ کر پھر کہہ دے؛ لیکن نہ مسلط ہونے کا طریقہ اختیار کرے اور نہ مایوس ہو کر بیٹھے۔

## ۱۳ مخاطب کی شفقت

پیغمبرانہ دعوت کا تیسرا اہم عنصر ”مخاطب کی شفقت“ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا داعیہ شفقت کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اپنی برتری جتانے یا دوسرے کی تحقیر کا ان کے یہاں شائبہ نہیں، حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم نے بیشتر مواقع پر تبلیغ و دعوت کو لفظ ”انذار“ سے تعبیر فرمایا ہے جس کا لفظی ترجمہ لوگ ”ڈرانا“ کرتے ہیں لیکن درحقیقت عربی میں ”انذار“ اس ڈرانے کو کہتے ہیں جس کا محرک دوسرے پر شفقت ہو، جیسے باپ بیٹے کو آگ سے ڈراتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک ظالم حکمران اپنے کسی مظلوم کو کسی سزا سے ڈرائے تو اس کو ”انذار“ نہیں کہا جائے گا۔ لہذا اس لفظ کے انتخاب سے اسی طرف متوجہ کرنا ہے کہ داعی حق جن کو نصیحت کرتا ہے، ان سے نفرت یا ان کی حقارت اس کے دل میں نہیں

ہوتی بل کہ اس کا محرک شفقت ہی شفقت ہوتا ہے، جس طرح ایک طبیب کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی بیمار سے نفرت کرے اور جو طبیب نفرت کا مرکب ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح داعی کو بھی بدتر سے بدتر کا فریا فاسق و فاجر سے نفرت نہیں ہونی چاہیے، بل کہ اس کے افعال سے نفرت کر کے اس پر رحم کھانا چاہیے اور اس کی دعوت میں اس رحم اور شفقت کی جھلک محسوس ہونی چاہیے۔

### ۴۴ حکمت

تنبیہرانہ دعوت کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے کے لیے ایسا موقع اور ایسا ماحول تلاش کرتے ہیں جس سے ان کی بات زیادہ سے زیادہ موثر ہو سکے۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ اس کی بہت سی مثالیں دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ایک بے تکلف دوست تھے جو آزاد منش واقع ہوئے تھے۔ وضع قطع میں کسی طرح حضرت مولانا رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دوست قرار پانے کے اہل معلوم نہیں ہوتے تھے، اسی زمانے میں ڈاڑھی چڑھانے کا فیشن تھا، وہ اس فیشن پر بہت عمل کرنے کے عادی تھے اور کپڑے بھی علماء و صلحاء کی وضع قطع کے خلاف پہنتے تھے۔ بعض لوگ حضرت نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی پر تعجب بھی کرتے تھے کہ ایسے صاحب کو حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے دوست کیسے بنالیا؟

اور کبھی لوگ پوچھتے بھی تھے کہ آپ ان کو سمجھاتے کیوں نہیں؟ لیکن حضرت نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہمیشہ کی طرح نال جاتے اور ان کے ساتھ اسی طرح دوستانہ بے تکلفی سے پیش آتے، اسی طرح بہت دن گزر گئے۔ ایک روز وہ صاحب آئے ہوئے تھے، حضرت نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان سے فرمایا:

”بھائی! ہمیں بھی اپنے جیسے کپڑے سلوادو۔“ انہوں نے پوچھا: ”کیوں؟“ فرمایا: ”ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ ہی جیسا لباس پہنا کریں، دوستوں کے درمیان لباس کی مغایرت اچھی معلوم نہیں ہوتی، اور یہ میری ڈاڑھی موجود ہے، اس کو اپنی ڈاڑھی کی طرح چڑھا دو۔“

یہ سن کر وہ صاحب پانی پانی ہو گئے، اور عرض کیا کہ ”حضرت! آپ کو اپنی وضع بدلنے کی ضرورت نہیں، آج سے ان شاء اللہ میرا لباس اور تراش خراش آپ کے طرز کے مطابق ہوگی۔“

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس واقعے کو نقل کر کے فرمایا کرتے تھے کہ جب داعی حق کے دل میں جذبہ لگن..... اور لہبیت ہوگی..... تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر حکمت کا القاء فرماتے ہیں، اور اسے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی بات کہنے کے لیے کون سا موقع مناسب ہوگا؟

### ۴۵ موعظہ حسنہ

تنبیہرانہ دعوت کا پانچواں اہم اصول یہ ہے کہ وہ دعوت کے لیے انداز بیان اور اسلوب ایسا اختیار فرماتے ہیں جو نرمی..... ہمدردی..... اور دل سوزی..... کا آئینہ دار ہو۔ حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہرون عَلَیْہِمَا السَّلَام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ:

﴿لَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾

”تم دونوں اس سے نرم بات کہنا۔“

اب کوئی شخص فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا، اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے بڑا مصلح اور داعی نہیں ہو سکتا، جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام جیسے داعی کو فرعون جیسے



گمراہ سے بھی نرم بات کہنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو ہاشما کی کیا حقیقت ہے؟

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا انداز دعوت و تبلیغ حتی الامکان ان ہی اصولوں کے مطابق ہوتا تھا، ایک مرتبہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کسی سفر پر ریل میں جا رہے تھے، ساتھ ایک اطباء ڈان قسم کے افسر بھی سفر کر رہے تھے، شروع میں وہ اجنبیت کی بنا پر کھینچے کھینچے سے رہے، لیکن تھوڑی سی دیر میں مانوس ہو کر گفتگو کرنے لگے، مختلف موضوعات پر بات ہوئی رہی۔

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سفر میں اپنے رفقاء کو راحت پہنچانے کے لیے ایثار و خدمت کے غامدی تھے، چنانچہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمایا، یہاں تک کہ کسی نماز کا وقت آگیا، حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس موقع پر چپکے سے اٹھے اور نماز پڑھ کر آئے۔ اس وقت ان صاحب نے کہا: "مولانا! جب آپ نماز کے لیے اٹھنے والے تھے تو مجھے خیال ہو رہا تھا کہ آپ شاید مجھے بھی نماز کے لیے کہیں گے، لیکن چوں کہ میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا، اس لیے اگر آپ اس بارے میں کچھ فرماتے تو مجھ پر بار بھی ہوتا اور شاید میں عذر بھی کر دیتا، لیکن آپ کے اس طرز عمل نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ اب میں ذہنی طور پر بالکل تیار ہوں اور آئندہ آپ کے ساتھ میں بھی نماز پڑھا کروں گا۔"

## دوسرے فرقوں کی تردید

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے زمانے کے تقریباً تمام فرقوں کی تردید میں کتابیں یا مقالے تحریر فرمائے اور ابتدائی زمانے میں متعدد معرکے کے مناظرے بھی کیے، لیکن اس بارے میں بھی حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مزاق یہ تھا کہ یہ تردید و تنقید قرآن کریم کی اصطلاحات میں "جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ" کی حدود سے تجاوز نہ ہو۔

حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے، لہذا اس میں بھی حکمت، موعظہ و رحمت ..... اور "مُجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ" کے اصولوں پر عمل ضروری ہے، آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع، طنز و تعریض، اور فقرے کہنے ..... کا جو انداز عام ہو گیا ہے، حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس کے سخت مخالف تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد و توسل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

## تردید میں طعن و تشنیع کا انداز

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ میں آغاز شباب میں دوسروں کی تردید کے لیے بڑی شوخ اور چلبلی تحریریں لکھنے کا غامدی تھا اور تحریری مناظروں میں میرا طرز تحریر طنز و تعریض سے بھرپور ہوتا تھا، اور "ختم نبوت" نامی کتاب میں نے اسی زمانے میں لکھی تھی، لیکن اس کے شائع ہونے کے بعد ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے میرے انداز تحریر کا رخ بدل دیا اور وہ یہ کہ میرے پاس ایک قادیانی کا خط آیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ آپ نے اپنی کتاب "ختم نبوت" میں جو دلائل پیش کیے ہیں، نظر انصاف پڑھنے کے بعد وہ مجھے بہت مضبوط معلوم ہوتے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ میں مرزا صاحب کی اتباع سے تابع ہو جاؤں، لیکن آپ نے اس کتاب میں جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ مجھے اس اقدام سے روکتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں وہ دلائل پر اکتفا کرتے ہیں، طعن و تشنیع سے کام نہیں لیتے، اس لیے میں اب تک اپنے مذہب پر قائم ہوں اور آپ کے

طعن و تشنیع نے دل میں کچھ ضد بھی پیدا کر دی ہے۔

حضرت والد صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ یہ تو معلوم نہیں کہ ان صاحب نے یہ بات کہاں تک درست لکھی تھی، لیکن اس واقعے سے مجھے یہ متنب ضرور ہوا کہ طعن و تشنیع کا یہ انداز مفید کم ہے اور مضر زیادہ۔

چنانچہ اس کے بعد میں نے ”ختم نبوت“ پر اس نقطہ نظر سے نظر ثانی کی، اور اس میں ایسے حصے حذف کر دیے جن کا مصرف دل آزاری کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کے بعد کی تحریروں میں دل آزار اسلوب سے مکمل پرہیز شروع کر دیا۔

والد صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ ہمیں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے طریق کار سے سبق لینا چاہیے کہ وہ ہمیشہ گالیوں اور طعنوں کے جواب میں پھول برساتے رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی کی سخت کلامی کا جواب بھی نہیں دیا مثلاً حضرت ہود عَلَیْہِ السَّلَام سے ان کی قوم کہتی ہے کہ:

﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ۱

تَرْجُمہ: ”بلاشبہ ہم آپ کو بے وقوفی میں مبتلا پاتے ہیں اور آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔“

اس فقرے میں انہوں نے بیک وقت جھوٹا ہونے ..... اور بے وقوف ہونے ..... کا طعنہ دیا ہے والد صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ اگر آج کا کوئی مناظر ہوتا تو جواب میں ان کے باپ دادا کی بھی خبر لاتا، لیکن سنئے کہ اللہ کا پیغمبر کیا جواب دیتا ہے؟

﴿يَقُولُ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ۲

تَرْجُمہ: ”اے قوم! میں بے وقوفی میں مبتلا نہیں ہوں، بل کہ میں تو پروردگار عالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔“

دعوت کا کام انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کی وراثت ہے، اس لیے اس میں غصہ نکالنے، طنز کے تیر و نشتر چلانے یا فقرے کس کر پٹخارے لینے کا کوئی موقع نہیں، اس کام میں تو نفسانیت کو چکنا چرتا ہے اور اس کے لیے دوسروں کی گالیاں کھا کر بھی دعائیں دینے کا حوصلہ چاہیے۔

اسی ضمن میں حضرت والد صاحب قدس سرہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید صاحب قدس سرہ وعظ کہنے کے بعد جامع مسجد کی میزبانیوں سے اتر رہے تھے کہ اتنے میں مخالفین میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے مولانا رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے کہا:

”مولانا! میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟“

تصور فرمائیے! یہ بات اس شخص سے کہی جا رہی ہے جو ایک طرف علم و فضل کا دریائے بکراں اور دوسری طرف خاندانی طور پر مسلم شہزادہ اور جس نے دین کی خاطر اپنے سارے ہی شاہی ناٹ باٹ کو تھ کر رکھ دیا، اور پھر یہ بات اس وقت کہی جا رہی ہے جب وہ وعظ کہہ کر اتر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے کچھ نہ کچھ معتقدین یا ہم خیال حضرات بھی ساتھ ہوں گے، آج اگر کسی داعظ سے ایسے ماحول میں یہ بات کہی جائے تو داعظ صاحب برا فروخت ہو کر اس کے حسب و نسب کو معرض بحث میں لے آئیں گے اور ان کے رفقاء یقیناً ایسے شخص کو ملامت نہ جانے دیں گے! لیکن بے نفسی کی ابتداء دیکھئے! حضرت شاہ صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب میں فرمایا:

”جناب! آپ کو کسی نے غلط خبر پہنچائی، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب

تک دہلی میں موجود ہیں۔“

اس طرح حضرت رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے معرض کے اس فقرے کو جو صرف گالی دینے کے لیے بولا گیا تھا، ایک مسئلہ بنا کر سنجیدگی سے جواب دے دیا۔ یہی وہ طریقہ

عمل تھا جس نے سنگ دل سے سنگ دل انسانوں کو موم کیا اور جس کی بناء پر دعوت حق کی فضا ہم وار ہوئی۔

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ اردو زبان میں دو شاعر ایسے ہیں، جنہوں نے اپنی شاعری سے دین کی خدمت کی ہے اور اس سے دینی فکر کی اشاعت کا کام لیا ہے، ایک اکبر الہ آبادی مرحوم ہیں اور دوسرے ڈاکٹر اقبال مرحوم۔

ان دونوں میں سے اکبر الہ آبادی مرحوم کے یہاں فکری سلامتی اقبال مرحوم کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اکبر مرحوم کی فکر ٹھیکہ دینی فکر ہے اور ان کے یہاں حکمت کی بھی فراوانی ہے، اقبال مرحوم کی فکر بھی اگرچہ مجموعی اعتبار سے دینی فکر ہے، مگر اس میں اس درجہ سلامتی نہیں، اس کے باوجود یہ بات واضح طور سے نظر آتی ہے کہ اقبال کی شاعری جتنی مؤثر ہوئی اور اس سے جتنا فائدہ پہنچا، اکبر مرحوم کی شاعری اس درجہ مؤثر نہیں ہوئی۔

میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اکبر مرحوم نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے طنز و تعریض کا طریقہ اختیار کیا اور طنز کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے ہم خیال لوگ لطف تو محسوس کرتے ہیں، لیکن اس سے کوئی مؤثر اصلاحی کام نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات مخالفین میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔

### تصلب اور عناد کا فرق

خلاصہ یہ کہ مثبت دعوت و تبلیغ ہو..... یا کسی باطل نظریے کی تردید..... حضرت والد صاحب قدس سرہ کا مذاق دونوں میں یہ تھا کہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہنے کے باوجود طعن و تشنیع اور دل آزار اسلوب بیان سے مکمل پرہیز کیا جائے اور اس کے بجائے ہمدردی..... دل سوزی..... اور نرمی و شفقت..... سے کام لے کر

دشمنوں کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔

لیکن اس نرمی کا یہ مطلب نہیں کہ حق یا باطل کہنے میں مداہنت سے کام لیا جائے، کیوں کہ فکر کو کثرت و بہت ہی پڑے گا، لیکن مطلب یہ ہے کہ حقیقت کے ضروری اظہار کے بعد محض اپنی انسانییت کی تسکین کے لیے فقرہ بازیوں نہ کی جائیں، حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ داعی حق کی مثال ریشم جیسی ہونی چاہیے کہ اس کو چھو کر دیکھو تو اتنا نرم و ملائم کہ ہاتھوں کو دھلا نصیب ہو، لیکن اگر کوئی اسے توڑنا چاہے تو اتنا سخت کہ تیز و خار بھی اس پر پھسل کر رو جائے۔

چنانچہ مباحثہ تحریری ہو یا زبانی، حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی حق کے معاملے میں اولیٰ نچک کے روا دار نہیں تھے، لیکن بات کہنے کا طریقہ ہمیشہ ایسا ہوتا، جس سے عناد کے بجائے دل سوزی، حق پرستی اور ملہیت مترشح ہوتی تھی۔ چنانچہ جس شخص سے کبھی قلمی مباحثہ ہو رہا ہو، وہ اگر کبھی سامنے آ جائے تو نہ آپ کے انداز گفتگو اور انداز تحریر میں کوئی فرق ہوتا تھا، اور نہ آپ کو کبھی اس بناء پر شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی کہ جس شخص کے بارے میں حد سے گزرے ہوئے الفاظ لکھ چکا ہوں، اس کا سامنا کیسے کروں؟

آپ مخالف نقطہ نظر والوں کو زبانی گفتگو میں بھی حق کے معاملے میں سخت سے سخت بات کہہ دیتے، لیکن وہ کبھی یہ تاثر لے کر نہیں اٹھتا تھا کہ اس سختی کا سبب کوئی عناد ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں مجھے یاد ہیں جن میں آپ نے بڑے بڑے ذی اثر لوگوں کو خوب کھری کھری سنائیں، لیکن ایسا ایک واقعہ یاد نہیں کہ ان کی بناء پر کوئی عناد کا تاثر لے کر گیا ہو۔

### احتیاط و تثبت

دوسرے نظریات کی تردید میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کا ایک اصول یہ



تھا کہ جس شخص یا گروہ پر تنقید کی جارہی ہے، پہلے اس کے نظریات و افکار اور اس کے منشاء و مراد کی اچھی طرح تحقیق کر لی جائے اور اس کی طرف کوئی ایسی بات نہ کی جائے، جو اس نے نہیں کہی یا جو اس کی عبارتوں کے منشاء و مراد کے خلاف ہو۔

آج کل بحث و مباحثہ اور مناظروں کی گرم بازاری میں احتیاط و تمیز کے اس پہلو کی رعایت بہت کم کی جاتی ہے اور دوسرے کی تردید کے جوش میں اس کی غلطی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس طرح بعض ایسی باتیں مخالف کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں، جو اس نے نہیں کہی ہوتیں۔ یہ طرز عمل اول تو انصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس سے تردید کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا اور بس اوقات اس کے نتیجے میں بحث و مباحثہ کا ایک غیر منجانبی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو افراق و انتشار پر منتج ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت والد صاحب قدس سرہ نے احقر کو اس دریں اصول کی تلقین فرمائی تھی کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہیے، لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرے جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود نہ ہو۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی اس نصیحت نے احقر کو جس قدر فائدہ پہنچایا اور اس کے جن بہتر ثمرات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

خود حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کی تحریروں میں احتیاط کا یہ پہلو جس قدر نمایاں ہے اور اس کے پیش نظر آپ کی عبارت میں جو قیود و شرائط ملتی ہیں، ان کی مثالیں دینا چاہوں تو ایک پورا مقالہ اس کے لیے چاہیے؛ لیکن یہاں ایک واضح مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ مشرقی صاحب نے ایک زمانے میں

ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا، ان کے عقائد و نظریات جمہور امت سے بہت سے معاملات میں مختلف تھے، اور بعض نظریات تو ایسے تھے کہ دائرہ اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے ایماء پر حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے ان کے نظریات کی تردید میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو ”مشرقی اور اسلام“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ رسالہ تو مختصر ما ہے؛ لیکن حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس کی ترتیب میں بڑی محنت اٹھائی، اول تو مشرقی صاحب کی تمام معروف تصانیف کا یہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ پھر ان کے جن مقامات پر جمہور امت سے ناقابل برداشت انحراف نظر آیا ان کو قلم بند کیا۔ اور پھر مزید احتیاط یہ کی کہ ان عبارتوں کو جمع کر کے مشرقی صاحب کے پاس بھیجا کہ ان عبارتوں سے آپ کی مراد وہی ہے جو ان سے ظاہر ہوتی ہے یا آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

ان کی طرف سے کوئی واضح جواب نہ آیا تو انہیں دوبارہ خط لکھا۔ اور یہ خط و کتابت کافی عرصے تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ جب اس خط و کتابت کے نتیجے میں یقین ہو گیا کہ مراد وہی ہے جو ان کی عبارتوں سے ظاہر ہے تو پھر اس پر تردید تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ پہلے مستقل شائع ہوا تھا اور اب ”جواہر الفقہ“ میں شامل ہے۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کے بارے میں حضرت والد صاحب قدس سرہ نے ایک زمانے تک کسی واضح اور حتمی تحریر کی اشاعت سے گریز فرمایا، لیکن درحقیقت آپ کے اس طرز عمل کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ آپ کا سوچا سمجھا موقف یہ تھا کہ اس نازک دور میں جب کہ اسلام کی بنیادوں پر کھلے کفر و الحاد کی یورش (سازش) انجام کو پہنچی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو باقاعدہ محاذ جنگ اور معرکہ کارزار بنانا

اسلام کے مقاصد کے لیے معترض ہوگا۔ اس لیے آپ اس دور میں علمی طور پر اپنے مسلک و موقف کی وضاحت اور دوسرے موقف پر تنقید کو بھی ضروری سمجھتے تھے، لیکن اس علمی تنقید کے لیے وہی احتیاط و تثبیت اور تحقیق لازمی تھی۔ حضرت والد صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کو اس ضرورت کا ہمیشہ احساس رہا کہ مولانا مودودی صاحب سے جن مسائل و نظریات میں جس درجے کا اختلاف ہے، اسے یا تو افہام و تفہیم کے ذریعے ختم یا کم کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس اختلاف کی وضاحت کر کے اس پر علمی تنقید و تردید کی جائے، لیکن آپ کی مصروفیات اس قدر گونا گوں تھیں کہ آپ کو مدت تک اس بات کا موقع نہیں مل سکا کہ مولانا مودودی صاحب کی کتابوں کا خود مطالعہ کر سکیں اور سنی سنائی باتوں یا دوسروں کے دیئے ہوئے اقتباسات کی بنیاد پر کچھ لکھنا آپ کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ اس لیے عرصہ دراز تک اس سلسلے میں آپ نے کوئی تحریر شائع نہیں فرمائی اور نئی سوالات کے موقع پر اجمالی جوابات دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وفات سے چند سال پہلے آپ نے مودودی صاحب کی کچھ کتابوں کا خود مطالعہ فرمایا اور اس موقع پر ان کے بارے میں اپنی تہی تیبی رائے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمادی، اور اسے ”جوہر الحقہ“ کا جز بنایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو احتیاط و تثبیت..... عدل و انصاف..... توازن و اعتدال..... اور ہمدردی و دل سوزی..... حضرت والد صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کی تنقیدی یا تردیدی تحریروں میں نظر آتی ہے، اس کا اصل سبب وہ لہجہ تھا..... بے نفسی..... اور خدا ترستی..... ہے جو آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کا لازمی ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ حق پسند طبیعتیں بات کو قبول کرتی ہیں۔

اور اگر کوئی قبول بھی نہ کرے تو اس سے مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا دروازہ نہیں کھلتا۔ چنانچہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کو جتنے مکاتیب فکر سے اختلاف تھا، ان میں سے غالباً ہر ایک کے بارے میں تنقیدی مضامین یا رسالے آپ

نے تحریر فرمائے ہیں۔ شیعہ صاحبان سے لے کر اہل حدیث حضرات تک کوئی بھی مکتب فکر ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں آپ کی کوئی تنقیدی تحریر موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اسی لہجہ کا ثمرہ تھا کہ کسی بھی مکتب فکر سے محاسن کی فضا پیدا نہیں ہوئی؛ بل کہ ملت کے کسی اجتماعی کام میں جب مختلف مکاتیب فکر کی مشترک جدوجہد کی ضرورت پیش آتی تو حضرت والد صاحب رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی ان حضرات میں سے تھے جن کی طرف اس بارے میں سب سے پہلے نگاہیں اٹھتی تھیں اور مخالف فرقے بھی عموماً اس بات کے معترف تھے کہ آپ نے جو کچھ کہا، اور لکھا ہے اس کا منشاء لہجہ کے سوا کچھ نہیں۔

اگر آج مسلمانوں کے تمام گروہ اور جماعتیں اس طریق کار کو اپنائیں تو امت کو افتراق اور انتشار کے اس عذاب سے نجات مل جائے جو اس کی اجتماعی فلاح کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

ائمہ کرام سے نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنے دروس اور جمعہ کے بیانات میں ان باتوں کا خصوصی لحاظ رکھیں کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے مسلمانوں میں افتراق و انتشار بڑھنے کا دروازہ کھلے، اس وقت مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو باقاعدہ محاذ جنگ اور میدان کارزار بنانا اسلام کے مقاصد کے لیے بہت ہی زیادہ معترض ہے۔

ہم ائمہ کو اپنا مقام پہنچانا چاہیے۔ اللہ جل جلالہ نے ہمیں امت کا قائد، رہبر اور امام بنایا ہے ہم ان کے لیے اسودہ اور نمونہ بنیں، ہم اگر اخلاق حسنہ کو زندہ کریں گے تو دنیا میں اچھے اخلاق پھیلیں گے، اور اگر ہم گالیوں اور طعنوں کا جواب گالیوں اور طعنوں سے دیں گے تو یہی چیز معاشرہ میں عام ہوگی، ہمیں چاہیے کہ جب بھی جاہلوں کی طرف سے گالیاں یا طعنے موصول ہوں تو حضرت ہود عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ

جواب پر ہمیں فرمایا:

﴿يَقُولُ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾

ترجمہ: ”اے قوم! میں بے وقوفی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں پروردگار عالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔“

اسی طرح بیانات میں بھی طنز و تعریض کا طریقہ ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے اصلاح کے بجائے مزید نقصان ہوتا ہے، ائمہ کرام کو خوب غور کرنا چاہیے کہ ہمارے اکابر کے کس عمل نے سنگ دل سے سنگ دل انسانوں کو مبوم کیا، اور اسلام کی دعوت پھیلتی رہی، اور بے دین سے بے دین مسلمان پکے دین دار بن گئے، جب بھی کسی مقتدی کی غلطی پر غصہ آئے یا کسی مخالف کی بات سے تکلیف پہنچے تو شاہ اسماعیل شہید رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا قصہ یاد کر لیا جائے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ عام لوگوں کی بعض ایذاؤں پر صبر کرنے میں کافی مدد اور راہنمائی ملے گی۔

### ائمہ کرام مقتدیوں میں دعوت کا جذبہ پیدا کریں

ہر امام کو چاہیے کہ وہ اپنے مقتدیوں میں دعوت الی اللہ کا ایسا جذبہ پیدا کریں کہ ان میں سے ہر ایک داعی بن جائے، آخرت کا غم، درد اور امت کی فکر اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے دل میں پیدا ہو جائے کہ ہم اور دوسرے لوگ جہنم سے کیسے بچ جائیں اور جنت میں کیسے جانے والے بن جائیں۔

لہذا ائمہ کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر مسلمان کو یہ سمجھائیں کہ صرف اپنے اعمال صالحہ نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے، بلکہ سارے انسانوں کی فکر کرنی ہوگی۔ شیطان اکیلا جہنم میں نہیں جاتا، اپنے ساتھ سب کو لے جانے کی فکر و سعی کرتا ہے۔ اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دین کو زندہ کرنے کی محنت کرے،

اس کے لیے فکر کرے، اس کے لیے دعا کرے۔

اپنے ذمہ سمجھے کہ میری ذمہ داری ہے کہ ایسی محنت اور کوشش کروں، جس سے ساری انسانیت جنت میں جانے والی بن جائے، ہر انسان کا تعلق اللہ سے ہو جائے، ہر انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اس کی مان کر زندگی گزارنے والا بن جائے، اور ہر ایک دوسروں کو دین پر لگانے والا بنے، ہر ایک دوسرے کی فکر کرنے والا بنے، ہر ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے والا بنے۔

کتنے مقتدی ہیں، جو فجر کی نماز میں آتے ہیں، جن جن گھروں کے پاس سے گزرتے ہیں، راتوں کو کیا ان کو دعوت دے کر سوتے ہیں کہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنی ہے، صبح ان کو اٹھاتے ہوئے گزرتے ہیں؟ یا ان کے گھروں سے گزرتے ہوئے دعا کر کے گزرتے ہیں کہ اے اللہ! اس گھر کے ہر بالغ فرد کو نمازی بنادے، قضا نماز کے گناہ سے بچادے۔

اگر یہ یقین ہو جائے کہ اس پڑوسی نے یا میرے ہی نوجوان بیٹے یا بیٹی نے فجر کی نماز قضا کی اور میں نے اس کے لیے کوئی کوشش نہ کی تو میں بھی پکڑا جاؤں گا۔ جیسا حضور ﷺ نے یا جوج و ما جوج کے بارے میں اپنی انگلیوں سے، اشارہ کر کے فرمایا کہ آج اتنی جگہ ان کی دیوار میں سے کھول دی گئی تو حضرت زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے پوچھا ”أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟“ کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے، حالانکہ ہمارے اندر نیک اور صلحاء لوگ ہوں گے؟۔

فرمایا ”نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْتُ“ ہاں جب خباثت کی کثرت ہو جائے۔ آج ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ ہم نے ”إِذَا كَثُرَ الْخُبْتُ“ کو کم کرنے کے لیے کیا کوشش کی؟

لہذا ائمہ کو چاہیے کہ سارے مقتدیوں کو اس بات پر تیار کر لیں کہ ہر ایک



گناہوں سے خود بھی بچنے والا بنے اور پیار و محبت اور حکمت و بصیرت سے دوسروں کو بھی بچانے والا بنے، خود بھی دین کو پھیلانے میں محنت و کوشش کرے اور دوسروں کو بھی اس مبارک محنت میں لگائے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی "سورۃ العصر" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وصیتِ حق سے مراد یہ ہے کہ شہادت کو دور کرے، اور وصیتِ صبر سے مراد یہ کہ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اچھے اعمال اختیار کرنے کی ہدایت کرے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وصیت بالحق سے مراد دوسرے مسلمانوں کی عملی اصلاح ہے اور وصیت بالعصر سے مراد عملی اصلاح۔

اس سورت نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ ان کا صرف اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھرپور کوشش کریں ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لیے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے اعمالِ سیئہ سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ خود وہ کیسے ہی اعمالِ صالحہ کا پابند ہو۔

اسی لیے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عام مسلمان مل کہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھتے ہیں، اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت پر عمل کی توفیق عیب فرمادیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

تَرْجُمَہ: "اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے، اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، پہلے ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفْهَمُوا﴾ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا پورے ... اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے ... اسی کی پسندیدہ روش پر چلے ... اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے ... اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو ... جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذاتِ خود اس پر عامل ہو ... خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرماں برداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے ... اس کا طفرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو ... اور ہر قسم کی تنگ نظری ... اور فرقہ وارانہ نسبتوں ... سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ... ہونے کی منادی کرے ... اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے، جس کی دعوت دینے کے لیے سیدنا محمد ﷺ کھڑے ہوئے تھے ... اور صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔

حضرت مولانا علی میاں رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جہاں بھی اور جس ملک میں بھی ہوں وہاں

وہ اولاً اپنے ہم وطنوں کو اللہ کی اس نعمت (دین حق) میں شریک کرنے کی کوشش کریں، جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے اور ان کو اس کی فکر بھی رہے، یہ فکر سب سے زیادہ پیغمبروں کو رہا کرتی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی:

﴿لَعَلَّكَ بَاحِعٌ لِّفَسْكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ ۱

تَرْجُمہ: ”ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں گے۔“

نبی کریم ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

اس کے بعد درجہ بدرجہ جن لوگوں کو ان سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے، ان کے اندر یہ فکر زیادہ ہوتی ہے، تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں بھی رہیں وہاں ہدایت کو عام کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان فرمایا ہے، ان کو جو ہدایت دی ہے، ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے، اس روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں، سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ۲

تَرْجُمہ: ”تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مصرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“

اگر تمہارے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

جس سے تم مشکل میں پڑو دشواری میں پڑو وہ اس کو شاق ہے، وہ اس کو پسند نہیں ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ تمہاری اس کو بڑی فکر ہے، اس کو تمہارا بڑا دھیان۔ ایمان والوں کے ساتھ بہت ہی مہربان بہت ہی شفقت والے ۳

حضرت علامہ عثمانی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے بناتے ہیں۔ آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ اللہ کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں، بل کہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد و مسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت و اعتدال پر رکھنا ہے۔

جب آپ تمام جہاں کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمان داروں کے حال پر خابر ہے کس قدر شفیق و مہربان ہوں گے۔

اگر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجیے ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تجاہد آپ کو کافی ہے جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ زمین و آسمان کی سلطنت، عرش عظیم اور تخت شہنشاہی کا مالک وہی ہے سب نفع و ضرر ہدایت و مضالمت اسی کے ہاتھ میں ہے ۴

”مرشد الدعاة“ نامی کتاب میں شیخ محمد غیر الخطیب ”دَعْوَةُ الْآخِرَاءِ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ“ کا عنوان باندھتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فَالْمُسْلِمُ أَخُ الْمُسْلِمِ، وَلَا تَنفِكُ الْأَخُوَّةُ إِلَّا إِذَا أَحَبَّ كُلُّ

وَاحِدٍ لِأَخِيهِ مَا يَجِبُهُ لِنَفْسِهِ وَكُلُّ مُسْلِمٍ مِرَاةٌ لِأَخِيهِ الْمُسْلِمِ، نَحْوُ الْإِيمَانِ الْكَامِلِ أَنْ لَا يَفْتَضِرَّ الْمُسْلِمُ عَلَى إِصْلَاحِ نَفْسِهِ بَلْ يَنْبَغِي أَنْ يُجْتَهِدَ فِي إِصْلَاحِ غَيْرِهِ<sup>۱</sup>۔  
ترجمہ: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ بھائی چارگی کا مفہوم تب ہی پورا ہوگا، جب ہر بھائی اپنے دوسرے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے، اسی طرح ایمان تب ہی مکمل ہوگا، جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مکمل اصلاح و تربیت میں لگا رہے۔“

آگے شیخ لکھتے ہیں:

”أَمَّا إِذَا فَضَّرَ الْمُسْلِمُ فِي آذَانٍ وَاجِبِهِ مَعَ غَيْرِهِ، فَتَرَكَ النَّصِيحَ، وَلَمْ يَأْمُرْ بِمَعْرُوفٍ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ مُنْكَرٍ، فَمَا ذَلِكَ مِنَ الصَّلَاحِ فِي شَيْءٍ لَا فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَلَا فِي حَقِّ غَيْرِهِ وَ إِنْ صَلَّى وَصَامَ وَفَعَلَ جَمِيعَ الطَّاعَاتِ“  
”اِنْ مَثَلَ الْمُسْلِمِينَ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْجُنُودِ فِي جَبْهَةِ الْقِتَالِ فَإِذَا قَصُرَتْ فَوْقَهُ فِي وَاجِبِهَا، أَوْشَكَ أَنْ يَنْكَسِرَ الْجَيْشُ كُلُّهُ وَأَوْشَكَ أَنْ تَحِلَّ الْهَزِيمَةُ بِهِمْ جَمِيعًا كَذَلِكَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا لَمْ يَقُومُوا بِوَاجِبِ النَّصِيحِ، وَتَرَكُوا وَاجِبَ الدَّعْوَةِ إِلَى اللَّهِ وَوَاجِبَ التَّحْذِيرِ عِقَابَهُ، أَوْشَكَ أَنْ تَحِلَّ بِهِمْ الْهَزِيمَةُ وَأَوْشَكَ أَنْ يُعْطَهُمُ الْعَذَابُ وَالْبَلَاءُ وَالْخَبِيَّةُ، أَنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَيْهِ يَدِهِ، أَوْشَكَ أَنْ يُعْطَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ“

”عَرَفَ الشَّارِعَ الْحَكِيمُ هَذِهِ الرَّابِطَةَ وَهَذِهِ الْعِلَاقَةَ، فَلَمْ يَكْتَفِ مِنَ الْمُسْلِمِ أَنْ يَكُونَ صَالِحًا فِي ذَاتِ نَفْسِهِ غَيْرَ مُهْتَمٍّ بِبَقِيَّةِ الْمُسْلِمِينَ بَلْ أَوْجَبَ عَلَيْهِ لِيَكُونَ صَالِحًا أَنْ يَكُونَ مُصْلِحًا لِغَيْرِهِ مَا أَمَكَّنَهُ ذَلِكَ سَبِيلًا“<sup>۲</sup>۔

ترجمہ: ”مسلمانوں کی کوتاہی دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان نصیحت کرنا، اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دے تو یہ اس کے لیے کسی درجہ میں بھی مصلح اور فائدہ مند نہیں ہے نہ اس کے حق میں اور نہ دوسروں کے حق میں اگرچہ وہ خود نماز پڑھے، روزہ رکھے اور تمام احکامات بجالائے۔“

اس لیے کہ مسلمان کی مثال اس دنیا میں محاذ جنگ کے لشکر کی مانند ہے کہ جب صفِ اول کے مجاہدین سے اس کے حقوق میں کوئی کوتاہی اور غلطی سرزد ہوگی تو قریب ہے کہ پورا لشکر ٹوٹ جائے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ سب کو شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

بالکل اسی طرح مسلمان جب دوسرے کے خیر خواہ بن کر نصیحت نہیں کریں گے اور اللہ کی طرف بلانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کو چھوڑیں گے تو قریب ہے کہ یہ بھی شکست سے دوچار ہو جائیں اور اللہ کا عذاب، مصیبت اور ناکامی سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ لوگوں نے گناہ گار کو دیکھ کر اس کو گناہ سے روکنے کی کوشش نہ کی تو عمومی عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

چنانچہ حضور ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا اور اسی چیز کا درس دیا ہے۔ لہذا کوئی مسلمان اس بات پر اکتفاء نہ کرے کہ خود تو صالح (نیک



اور عبادت گزار) بنے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی فکر نہ کرے، بل کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور دوسروں کو بھی نیکی پر لانے کی کوشش کرے، جتنا اس کے لیے ممکن اور سہل ہو۔

کیا لوگوں کے گناہوں میں ہم شریک نہیں ہیں؟

غور کرنے کی بات ہے کہ آج زمین پر جتنے گناہ ہو رہے ہیں کیا ہم ائمہ مساجد کی جماعت ان گناہوں میں شریک نہیں ہے؟

ان گناہوں پر اگر خدا نخواستہ عذاب الہی نازل ہوا تو کیا وہ ہمیں بھی اپنی گرفت میں لے لے گا، یا ہم اس عذاب سے بچ جائیں گے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَخْلِيهِمُ  
السُّخْتُ ۖ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ۱

تَرْجُمہ: ”کیوں نہیں منع کرتے، ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برے عمل ہیں، جو کر رہے ہیں۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس آیت میں یہود کے مشائخ اور علماء کو اس پر سخت تنبیہ کی گئی کہ وہ ان لوگوں کو برے اعمال سے کیوں نہیں روکتے، قرآن میں اس جگہ دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں، ایک ”رَبَّيُّونَ“ جس کا ترجمہ ہے اللہ والے، یعنی عابد، زاہد، جن کو ہمارے عرف میں درویش یا پیر یا مشائخ کہا جاتا ہے، اور دوسرا لفظ ”أَحْبَارُ“ استعمال فرمایا، یہود کے علماء کو احبار کہا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ اور نَهْيٌ عَنِ

الْمُنْكَرِ کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں پر ہے، ایک مشائخ، دوسرے علماء۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”رَبَّيُّونَ“ سے مراد وہ علماء ہیں جو حکومت کی طرف سے نامور اور بااقتدار ہوں، اور ”أَحْبَارُ“ سے مراد عام علماء ہیں، اس صورت میں جرائم سے روکنے کی ذمہ داری حکام اور علماء دونوں پر عائد ہو جاتی ہے، اور بعض دوسری آیات میں اس کی تصریح بھی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ یعنی ان مشائخ و علماء کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ اور نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ چھوڑ بیٹھے، قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ ان کو نہیں روکتے۔

علماء مفسرین نے فرمایا کہ پہلی آیت جس میں عوام کی غلط کاریوں کا ذکر تھا، اس کے آخر میں تو ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ارشاد فرمایا گیا، اور دوسری آیت جس میں مشائخ و علماء کی غلطی پر تنبیہ کی گئی ہے، اس کے آخر میں ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا، وجہ یہ ہے کہ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ ”فعل“ تو ہر کام کو شامل ہے، خواہ قصد ہو یا بلا قصد، اور لفظ ”عمل“ صرف اس کام کے لیے بولا جاتا ہے جو قصد و ارادہ سے کیا جائے، اور لفظ ”صنع“ اور ”صنعت“ کا ایسے کام کے لیے اطلاق کیا جاتا ہے، جس میں قصد و اختیار بھی ہو اور اس کو بار بار بطور عادت اور مقصد کے درست کرے کیا جائے، اس لیے عوام کی بد عملی کے نتیجے میں تو صرف لفظ ”عمل“ اختیار فرمایا ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ اور خواص مشائخ و علماء کی غلط کاری کے نتیجے میں لفظ ”صنع“ اختیار فرمایا ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ اس میں اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ ان علماء و مشائخ کی یہ غلط روش کہ یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ اگر ہم ان کو منع کریں گے تو یہ ہمارا کہنا سنیں گے اور باز آجائیں گے، پھر بھی ان لوگوں کے نذرانوں کے لالچ یا بد اعتقاد ہو جانے کے خوف سے ان کے

دلوں میں حمایت حق کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا، یہ ان بدکاروں کے اعمال بد سے بھی زیادہ اشد ہے۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ جس قوم کے لوگ جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے اور ان کے مشائخ و علماء کو یہ بھی اندازہ ہو کہ ہم ان کو روکیں گے تو یہ باز آجائیں گے، ایسے حالات میں اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان جرائم اور گناہوں کو نہیں روکتے تو ان کا جرم اصل مجرموں، بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ اشد ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”مشائخ و علماء کے لیے پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کہیں نہیں“

اور امام تفسیر ضحاک نے فرمایا: ”میرے نزدیک مشائخ و علماء کے لیے یہ آیت سب سے زیادہ خوف ناک ہے۔“

وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے ان کا جرم تمام چوروں، ڈاکوؤں اور ہر طرح کے بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے (الْعِبَادُ بِاللّٰهِ) مگر یاد رہے کہ یہ شدت اور وعید اسی صورت میں ہے جب کہ مشائخ و علماء کو اندازہ بھی ہو کہ ان کی بات سنی اور مانی جائے گی اور جس جگہ قرآن یا تجربہ سے یہ گمان غالب ہو کہ کوئی سنے گا نہیں، بل کہ اس کے مقابلہ میں ان کو ایذا میں دی جائیں گی تو وہاں حکم یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری تو ساقط ہو جاتی ہے، لیکن افضل و اعلیٰ پھر بھی یہی رہتا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے یہ حضرات اپنا فرض ادا کریں، اور اس میں کسی کی ملامت یا ایذا کی فکر نہ کریں، جیسا کہ چند آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کے مقبول مجاہدین کی صفات میں گزر چکا ہے ﴿وَلَا يَخَافُونَ لِقَاءَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی یہ لوگ اللہ کے راستہ میں اور حق ظاہر کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کرتے۔

خاصہ یہ ہے کہ جس جگہ بات سننے اور ماننے کا احتمال غالب ہو وہاں مشائخ و علماء بل کہ ہر مسلمان پر جس کو اس کام کا جرم و گناہ ہونا معصوم ہو، فرض ہے کہ گناہ کو روکنے اور منع کرنے میں مقدور پھر کوشش کریں، خواہ ہاتھ سے یا زبان سے، یا کم از کم اپنے دل کی نفرت اور اعراض سے، اور جس جگہ غالب گمان یہ ہو کہ اس کی بات نہ سنی جائے گی، یا یہ کہ اس کے خلاف دشمنی بھڑک اٹھے گی، تو ایسی حالت میں منع کرنا اور روکنا فرض تو نہیں رہتا، مگر افضل و اعلیٰ بہر حال ہے، اَمْرٌ بِالْعَزَافِ اور نہی عَنِ الْمُنْكَرِ کے متعلق یہ تفصیلات صحیح احادیث سے مستفاد ہیں۔

خود نیک عمل اختیار کرنے اور برے اعمال سے بچنے کے ساتھ دوسروں کو بھی نیکی کی طرف ہدایت اور برائی سے روکنے کا فریضہ عام مسلمانوں پر اور بالخصوص علماء و مشائخ پر ڈال کر اسلام نے دنیا میں امن و اطمینان پیدا کرنے کا ایک ایسا زریں اصول بنا دیا ہے کہ اس پر عمل ہونے لگے تو پوری قوم بہت آسانی کے ساتھ تمام برائیوں سے پاک ہو سکتی ہے۔

### اصلاح امت کا طریقہ

اسلام کے قرون اولیٰ میں اور قرون مابعد میں بھی جب تک اس پر عمل ہوتا رہا مسلمانوں کی پوری قوم علم و عمل، اخلاق و کردار..... کے اعتبار سے پوری دنیا میں سر بلند اور ممتاز رہی، اور جب سے مسلمانوں نے اس فریضہ کو نظر انداز کر دیا، اور جرائم کی روک تھام صرف حکومت اور اس کی پولیس کا فرض سمجھ کر خود اس سے علیحدہ ہو بیٹھے تو اس کا نتیجہ وہی ہوا، جو آج ہر جگہ سامنے ہے کہ ماں باپ اور پورا خاندان دین دار و پابند شریعت ہے، مگر اولاد اور متعلقین اس کے برعکس ہیں۔ ان کا نظری اور فکری رخ بھی اور ہے اور عملی طریقہ بھی جدا گانہ ہیں۔

اسی لیے ملت کی اجتماعی اصلاح کے لیے قرآن و حدیث میں اُمیرِ بالمَعْرُوف اور نَهی عَنِ الْمُنْكَر پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کام کو امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو سخت گناہ اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کہ جب کسی قوم میں گناہ کے کام کیے جائیں اور کوئی آدمی اس قوم میں رہتا ہے اور ان کو منع نہیں کرتا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں پر عذاب بھیج دے۔

### گناہوں پر اظہارِ نفرت نہ کرنے پر وعید

حضرت مالک بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو تباہ کر دو۔ فرشتوں نے عرض کیا اس بستی میں تو آپ کا فلاں عبادت گزار بندہ بھی ہے۔ حکم ہوا کہ اس کو بھی عذاب چکھاؤ، کیوں کہ ہماری نافرمانیوں اور گناہوں کو دیکھ کر اس کو کبھی غصہ نہیں آیا۔ اور اس کا چہرہ غصہ سے کبھی خفیر نہیں ہوا۔

حضرت یوشع بن نون عَلَیْہِ السَّلَام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے ایک لاکھ آدمی عذاب سے ہلاک کیے جائیں گے۔ جن میں چالیس ہزار نیک لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار بد عمل۔ حضرت یوشع عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا کہ رب العالمین! بد کرداروں کی ..... ہلاکت کی وجہ تو ظاہر ہے؛ لیکن نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ یہ نیک لوگ بھی ان بد کرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانے پینے، اور ہنسی دل لگی میں شریک رہتے تھے۔ میری نافرمانیاں اور گناہ دیکھ کر کبھی ان کے چہروں پر کوئی ناگواری کا اثر تک نہ آیا۔

۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی: مسند جریر بن عبد اللہ: ۲/۳۲۲، رقم: ۲۳۸۴

۲۔ تفسیر بحر محیط: ۳/۵۳۳، المائدہ: ۶۳

کتاب ”ملوالمہ“ عربی کی ایک بہترین کتاب ہے، جس میں مصنف نے ہر مسلمان کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا ہے خصوصاً علماء کرام و ائمہ عظام کو فکر مند فرمایا ہے، ان کو اپنی تاریخ یاد دلائی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بلند درجہ جو عطا فرمایا ہے، آپ کو یہ شرف بخشا ہے کہ آپ آگے بڑھ کر قیادت کریں اور مسجد کے پورے وفد کی نمائندگی کریں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

### كَبِيرُ الْهَيْمَةِ يَحْمِلُ هَمَّ الْأُمَّةِ

مِنْ أَعْظَمَ مَا يَهْتَمُّ بِهِ الدَّاعِيَةُ هِدَايَةَ قَوْمِهِ. وَ يُلَوِّغُ الْجُهْدَ فِي النَّصْحِ لَهُمْ، كَمَا يَنْضِجُ ذَلِكَ جَلِيلًا لِمَنْ تَدْبِرُ سُورَةُ نُوحٍ عَلَى سَبِيلِ السَّيَالِ، وَ كَذَا قِصَصُ سَائِرِ الرُّسُلِينَ. حَتَّى خَاتِمِهِمْ وَسَيِّدِهِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَ كَذَا اتِّبَاعُهُمْ كَقَوْمِ آلِ فِرْعَوْنَ الَّذِي قَالَ لِقَوْمِهِ: يَقُومُ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهْرَيْنِ فِي الْأَرْضِ: فَمَنْ يَتَّخِذُنَا مِنْ بَنَائِ اللَّهِ إِنْ خَاءَنَا؟ وَ كَحَبِيبِ النَّجَّارِ الَّذِي حَمَلَ هَمَّ دَعْوَةِ قَوْمِهِ فِي الْخِيَابِ، وَ بَلَغَ فِي النَّصْحِ لَهُمْ بَعْدَ الْإِسْتِشْيَادِ: قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ: بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَ جَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ.

إِذَا تَأَمَّلْتَ قَوَائِمَ عِظَمَاءِ رِجَالَاتِ الْإِسْلَامِ مِنَ الرَّعِيلِ الْأَوَّلِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ لَرَأَيْتَ أَنَّ «عُلُوَّ الْهَيْمَةِ» هُوَ الْقَاسِمُ الْمَشْتَرِكُ بَيْنَ كُلِّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ اعْتَزُّوا بِالْإِسْلَامِ، وَ اعْتَزُّ بِهِمُ الْإِسْلَامُ، وَ وَقَفُوا حَيَاتِهِمْ لِحِرَاسَةِ الْمِلَّةِ وَ خِدْمَةِ الْأُمَّةِ، سَوَاءً كَانُوا عُلَمَاءَ أَوْ دُعَاةً أَوْ مُجَاهِدِينَ أَوْ مُجَاهِدِينَ أَوْ مُرَبِّينَ أَوْ عِبَادَ صَالِحِينَ، وَلَوْ لَمْ يَتَّخِذُوا بِعُلُوِّ الْهَيْمَةِ

۱۔ یس: ۲۷، ۲۸

۲۔ المؤمن: ۲۹



لَمَّا كَانَ لَهُمْ مَوْضِعٌ فِي قَوَائِمِ الْعُظَمَاءِ، وَلَمَّا تَرَبُّعُوا فِي قُلُوبِ أَبْنَاءِ  
مِلَّتِهِمْ، وَلَا تَزَيَّيْتُ بِذِكْرِهِمْ صَحَائِفَ التَّارِيخِ، وَلَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُمْ  
لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ.

وَأَسْوَأُهُمْ فِي خَفْلِ هَمِّ الْأَمَّةِ - بَلْ فِي كُلِّ بَابٍ مِنَ أَبْوَابِ  
الْخَيْرِ - هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي شَارَكَ  
الْمُسْلِمِينَ الْأَمَّةُ، وَكَانَ فِي حَاجَتِهِمْ حَتَّى حَطَمَهُ النَّاسُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

فَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهَا: "هَلْ كَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي وَهُوَ قَاعِدٌ؟"  
قَالَتْ: "نَعَمْ بَعْدَ مَا حَطَمَهُ النَّاسُ".<sup>١</sup>

وَكَذَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُؤْمِنَاتِ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً".<sup>٢</sup>

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَصْفِ أَهْلِ الْجَنَّةِ: "وَرَجُلٌ  
رَحِيمٌ رَفِيقٌ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ".<sup>٣</sup>

قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَلَا أَنْ يَمْشِيَ أَحَدُكُمْ مَعَ أَخِيهِ فِي  
قَضَاءِ حَاجَتِهِ - وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ - أَفْضَلَ مِنْ أَنْ يَتَكَبَّرَ فِي مَسْجِدِي  
- أَيْ مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ - هَذَا شَهْرَيْنِ".<sup>٤</sup>

١- يُقَالُ: حَطَمَ فُلَانًا أَهْلَهُ، إِذَا كَبُرَ بَيْنَهُمْ كَاتِبُهُمْ بِمَا خَفَلُوا مِنْ أَثْقَالِهِمْ صَبْرُهُ شَيْخًا  
مُحْطَرًّا، (صحيح مسلم، صلوة المسافرين وقصرها، باب جوار النافلة قالها وقاعداً: ٢٥٢/١)

٢- مجمع الزوائد، النبوة، باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات: ٢٥٥/١٠، الرقم: ١٧٥٩٨  
٣- صحيح مسلم، الجنة وسعة نعيمها وأهلها، باب صفات التي يعرف بها في الدنيا أهل  
الجنة والنار: ٣٨٥/٢

٤- المستدرك للحاكم، الأدب: ٤/١٠٤، الرقم: ٧٧٨٧

وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ  
كُرْبِ الدُّنْيَا، نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ".<sup>١</sup>

وَعَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ: لِأَنْ أُرَدُّ رَجُلًا عَنْ رَأْيِ سَيِّئٍ  
أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ إِعْثَاكِ شَهْرٍ.

وَتَصِفُ فَاطِمَةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمَلِكِ زَوْجَهَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنَ  
عَبْدِ الْعَزِيزِ فَيَقُولُ: كَانَ قَدْ فَرَّغَ لِلْمُسْلِمِينَ نَفْسَهُ، وَلَا مَوْرِهِمْ ذِمَّتَهُ،  
فَكَانَ إِذَا أَمْسَى مَسَاءً لَمْ يَفْرُغْ فِيهِ مِنْ حَوَائِجِ يَوْمِهِ، وَصَلَ يَوْمَهُ  
بِلَيْلَتِهِ.

وَقَالَ أَبُو عُثْمَانَ شَيْخُ الْبَخَارِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى:  
مَا سَأَلَنِي أَحَدٌ حَاجَةً إِلَّا قُمْتُ لَهُ بِنَفْسِي، فَإِنْ تَمَّ، وَإِلَّا قُمْتُ لَهُ  
بِمَالِي، فَإِنْ تَمَّ، وَإِلَّا اسْتَعْنْتُ لَهُ بِالْإِخْوَانِ، فَإِنْ تَمَّ، وَإِلَّا اسْتَعْنْتُ  
بِالسُّلْطَانِ.

وَكَانَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: يَجْلِسُ لِلْمَسَائِلِ،  
يَفْشَأُ النَّاسُ فَيَسْأَلُونَهُ، وَيَجْلِسُ لِحَوَائِجِ النَّاسِ لَا يَسْأَلُهُ أَحَدٌ مِنَ  
النَّاسِ فَيُرَدُّهُ، كَبُرَتْ حَاجَتُهُ أَوْ صَغُرَتْ.

وَاعْتَادَتْ أُمُّ الشَّيْخِ مُحَمَّدَ رَشِيدَ رَضَا - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنْ تَرَاهُ  
مُهْتَمًّا لِأَحْوَالِ الْمُسْلِمِينَ إِذَا أَلَمَتْ بِهِمْ أَوْ بِأَحَدِهِمْ نَائِبَةً، وَرَأَتْهُ  
ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى هَذِهِ الْحَالِ، فَقَالَتْ لَهُ: "مَالِكُ؟" هَلْ مَاتَ مُسْلِمٌ  
بِالْبَصِينِ؟<sup>٢</sup>

وَهَذَا شَاعِرُ الدَّعْوَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ الْمُعَاصِرَةِ عُمَرُ بَهَاءُ الدِّينِ  
الْأَمِيرِيُّ، وَهُوَ فِي جَنَاحِ طَبِّ الْقَلْبِ، مَوْصُولُ الصَّدْرِ إِلَى جِهَازِ

١- صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع: ٢٤٥/٢

المراقبة الإلكترونية بأسلاك تفل من حركته، يُحقن في البطن كل يوم مرات يابر لإماعة الدم، وقد جاء الطبيب، يسأل القائم على التمريض عن استراحة شاعرنا، فيرد عليه باستغراب، وبهمهم يخلف عن فهمه، فيقول:

هـ كلاً زوئيك يا طبيب  
وقد سألت: أما استراح؟  
هل يستريح الحر يوقد  
صدره الغب الرزاح؟

### حركة الداعية

إن الحركة ولود، والسكون عقيم، والحركة في قاموس الدعاة هي الحياة، والسكون هو الموت.

قال الجيلاني: "الحركة بدائية، والسكون نهائية"، والحركة هي الحد الفاصل بين عهد الرخاوة، وبين عهد حمل الأمانة بوزم وحزم ووفاء، وبالحركة ينتشر المسلمون الأوابل مثل شعاع الشمس في أقطار الأرض يفتحون البلاد ويفتحون قلوب العباد، ويدعون إلى التوحيد، ويحطمون الطواغيت، ويقودون الناس إلى الجنة، وبالحركة صاروا في ظلمات الحياة سراجاً وهاجاً، فإذا الباطل رماد بعد النهاب، وخمود بعد حركة.

إنما التوحيد إيجاب وسلب \* فهما في النفس عزم ومضاء  
"لا" و "إلا" قوة قاهرة \* لها في النفس فعل الكهرباء  
وهذا الإمام الشافعي رحمه الله يصور عشقه الحركة، وبغضه

الجمود والكسل، ويميل السكون بالماء الذي يتوقف عن الجريان فيفسد، ويجزم بأن الأسد قد تعرض للهلاك لو لم تتحرك باحثة عن فريستها، وكذلك السهام لو لا تحركها من الكنانة إلى القسي، ومن القسي إلى الهدف ما أصابت:

إني رأيت وقوف الماء بفسده \* إن ساح طاب، وإن لم يجر لم يظلب  
والأسد لو لا فرائق الأرض ما فترت \* والسهم لو لا فرائق القوس لم يصب  
والشمس لو وقفت في القلب ذائمة \* لعلها الناس من عجم ومن عرب  
وهذا الشاعر الإسلامي وليد الأعظمي يهيب بالداعية أن يتحرك، ويحرك الآخرين، مبدياً بعشيرة الأفرين:

كن مشغلاً في جنح ليل خالك \* يهدي الأنام إلى الهدى ويبين  
وانشط ليدريك لا تكن متكاسلاً \* واعمل على تحريك ما هو ساكن  
وابدأ بأهلك إن دعوت فإنهم \* أولى الزرى بالضح منك وأقنع  
والله يأمر بالعشيرة أولاً \* والأمر من بعد العشيرة حين  
وهذا القرضاوي يجادل الخاملين، ويحاج الخاملين، ويوبخ الهامدين.

قالوا: السعادة في السكون \* وفي الخمول وفي الخمود  
في العيش بين الأهل لا \* عيش المهاجر والطريد  
في المشي خلف الركب في \* دعة وفي خطو ويد  
في أن تقول كما يقال \* فلا اغتراص ولا ردود  
في أن تسير مع القطيع \* وأن تقاد ولا تقود  
في أن تصيح لكل وال \* عاش عهدكم التجيد  
قلت: الحياة هي التحرك \* لا السكون ولا الهمود

وَمِنَ الْجَهَادِ وَهَلْ يُجَا ۖ هَذَا مَن تَعَلَّقَ بِالْقُرْآنِ ۖ  
وَمِنَ التَّلَذُّذِ بِالْمَتَاعِ ۖ لَا التَّلَذُّذُ بِالرُّقُودِ  
مَنْ أَنْ تَذُودَ عَنِ الْحِيَاضِ ۖ وَأَيُّ حَرْفٍ لَا يَذُودُ ۖ  
مَنْ أَنْ تَحْسُ بِأَنْ كَأَنَّ ۖ الدَّلِيلُ مِنْ مَبَاهِ صَدِيدِ  
مَنْ أَنْ تَعِيشَ خَلِيفَةً ۖ فِي الْأَرْضِ شَأْنُكَ أَنْ تَسُودَ  
وَتَقُولَ لَا، وَلَنْعَمَ إِذَا مَا ۖ شِئْتَ فِي بَصَرٍ خَدِيدِ

### الْحَرَكَةُ قِيَامَةٌ وَبَعَثَ لِلرُّوحِ

قَالَ تَعَالَى: (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ) ١ وَقَالَ تَعَالَى: (قُلْ إِنَّمَا  
أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ٢ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِغْفَرًا ذِي نُورٍ تَتَفَكَّرُوا، تَب) ٣  
وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ فِي شَأْنِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ: (وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ  
قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) ٤ فَهَذِهِ الْقِيَامَةُ الرُّوحِيَّةُ،  
وَالْبِقْطَةُ الْقَلْبِيَّةُ مِنْ أَوَائِلِ مَنَازِلِ الطَّرِيقِ، الَّتِي تَسْتَدْعِي الْحَرَكَةَ فِي  
سَبِيلِ الدَّعْوَةِ: قَالَ تَعَالَى: (قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ فَ عَلَى  
بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي) ٥ قَالَ الْكَلْبِيُّ: "حَقٌّ عَلَى كُلِّ مَنْ اتَّبَعَهُ أَنْ  
يَدْعُو إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ"، وَتَلَا الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ قَوْلَهُ تَعَالَى: (وَمَنْ  
أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ  
الْمُسْلِمِينَ) ٦ ثُمَّ قَالَ: "هُوَ الْمُؤْمِنُ أَجَابَ اللَّهُ فِي دَعْوَتِهِ، وَدَعَا  
النَّاسَ إِلَى مَا أَجَابَ اللَّهُ فِيهِ مِنْ دَعْوَتِهِ، وَعَمِلَ صَالِحًا فِي إِجَابَتِهِ،  
فَهَذَا حَيِّبُ اللَّهِ، هَذَا وَلِيُّ اللَّهِ".

١ له المدثر: ١١ ٢ له سبأ: ٤٦ ٣ له الكهف: ٦٨ ٤ له يوسف: ١٠٨ ٥ له المائدة: ١٠٨ ٦ له المائدة: ١٠٨

وَقَالَ الْوَزِيرُ ابْنُ هُبَيْرَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى:  
وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى ١ ..... وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ:  
وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى ٢  
"تَأَمَّلْتُ ذِكْرَ أَقْصَى الْمَدِينَةِ، فَإِذَا الرَّجُلَانِ جَاءَا مِنْ بُعْدِ فِي  
الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَمْ يَتَقَاعَدَا لِبُعْدِ الطَّرِيقِ".  
لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ الْعَايِرُ الْقَلْبِ إِلَّا مُتَحَرِّكًا مُحَرِّكًا، أَمَّا  
الْمُتَبَاطِئُ: الَّذِي يَغْدُ بِالْإِلْحَاقِ بَعْدَ مَا تَظْهَرُ بَوَاجِرُ النَّجَاحِ، فَإِنَّمَا  
يَغْدُ وَعَدَ الضَّعَافِ.

صَاحَ مَا الْخُرُوفُ مِنْ يَمِينِ الْقَلَمِ ۖ وَقَدْ تَارَتْ لَحْفَهَا الْأَقْرَامُ  
إِنَّمَا الْخُرُوفُ مِنْ يَمِينِ إِلَى الْقَلَمِ ۖ فَيَضِيهِ ۖ وَالْأَقْرَامُ يَنَامُ  
فَلَا تُوجَلُ الْإِنْصَوَاءُ تَحْتَ لَوَاهِ الْحَقِّ، وَإِلَّا عَضَضْتُ أَسِنَّةَ  
النَّدَمِ.

دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا الْجَوْشَنِ الضَّبَابِي إِلَى  
الْإِسْلَامِ بَعْدَ بَذْرِ فَقَالَ لَهُ: "هَلْ لَكَ إِلَيَّ أَنْ تَكُونَ مِنْ أَوَائِلِ هَذَا  
الْأَمْرِ؟" قَالَ: "لَا" قَالَ: "فَمَا يَمْنَعُكَ مِنْهُ؟" قَالَ: "رَأَيْتُ قَوْمَكَ  
كَذَّبُوكَ، وَأَخْرَجُوكَ، وَقَتَلُوكَ، فَانْظُرْ فَإِنْ ظَهَرْتَ عَلَيْهِمْ آمَنْتُ بِكَ  
وَاتَّبَعْتُكَ، وَإِنْ ظَهَرُوا عَلَيْكَ لَمْ أَتَّبِعَكَ"، فَكَانَ ذَا الْجَوْشَنِ يَتَوَجَّعُ  
عَلَى تَرْكِهِ الْإِسْلَامَ حِينَ دَعَاهُ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ. ٣

فَكُنْ رَافِدًا، وَأَجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ، بِلَا تَلْكَؤُا، وَلَا تَلْغَمُ، وَلَا تَرُدُّ،  
فَهَذَا هُوَ شَأْنُ الْمُؤْمِنِينَ

١ له المائدة: ١٠٨ ٢ له المائدة: ١٠٨ ٣ له المائدة: ١٠٨



قَالَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "يَا إِسْمَاعِيلُ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ، قَالَ: "فَأَصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ"، قَالَ: "وَتَعْبِيْنِي؟" قَالَ: "وَأَعِيْنِكَ" <sup>هـ</sup> وَقَدْ كَانَ الصَّادِقُ الْمُصْطَوْفُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي فِي مَوْسَمِ الْحَجِّ: "مَنْ يَحْمِلْنِي حَتَّى أَلْبِغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟" وَهَذَا هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِيكَ: "بَلِّغُوا عَنِّي، وَلَوْ آيَةً"، وَيَدْعُو لِمَنْ يُبَلِّغُ عَنْهُ: "نُصِّرَ اللَّهُ أَمْرًا أَسْمَعَ مِنَّا شَيْئًا، فَلَبَّغْهُ كَمَا سَمِعَهُ، قُرْبَ مَبْلَغِ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ" وَرَوَى أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دُعَائِهِ: "اللَّهُمَّ زَيِّنَا بِرِيْزَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هَذِهِ مُهْتَدِينَ" <sup>هـ</sup> وَقَدْ أَتَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عِبَادِ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ كَانَ مِنْ دُعَائِهِمْ إِيَّاهُ: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ <sup>هـ</sup> أَي: نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلُنَا، وَيَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا سُئِلَ وَهَبُ بْنُ مُنَبِّهٍ عَنْ صِفَةِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ: "يَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَهُ وَهُوَ إِمَامٌ لِمَنْ بَعْدَهُ".

وَوَاجِبٌ أَنْ يَكُونَ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ وَمَنْحَلَةٍ مِنَ الْبَلَدِ فَقِيهٌ يَعْلَمُ النَّاسَ دِينَهُمْ، وَكَذَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ، وَوَاجِبٌ عَلَى كُلِّ قَبِيْهٍ - فَرَعٌ مِنْ فُرُضٍ عَلَيْهِ وَتَفَرُّعٌ لِفُرُضِ الْكِفَايَةِ - أَنْ يَخْرُجَ إِلَى مَا يُجَاوِرُ بَلَدَهُ مِنْ أَهْلِ السَّوَادِ وَمِنَ الْعَرَبِ وَالْأَكْرَادِ وَغَيْرِهِمْ، وَيُعَلِّمَهُمْ دِينَهُمْ وَفَرَائِضَ شَرْعِهِمْ <sup>هـ</sup>.

<sup>هـ</sup> بخاري، الأنبياء، باب "يرفون" (الصفات: ٩٤) الإسلا في المشي، رقم: ٣٣٩٤

<sup>هـ</sup> بخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم: ٣٤٦١

<sup>هـ</sup> ترمذي، العلم، باب ما جاء في الحديث على تبليغ السماع، رقم: ٢٦٥٧

<sup>هـ</sup> نسائي، السهو، باب: ٦٢ نوع آخر، رقم: ١٣٠٦

<sup>هـ</sup> الفرقان: ٧٤

<sup>هـ</sup> إحياء علوم الدين، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، المنكرات العامة: ٢/٥٧

وَهَذَا شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ تَيْمِيَّةٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يُفَسِّرُ قَوْلَهُ تَعَالَى: (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ) <sup>هـ</sup> قُمْ فَأَنْذِرْ) فَيَقُولُ:

وَهَذَا تَلْمِيْذُهُ الْإِمَامُ الْمُحَقِّقُ ابْنُ قِيَمٍ الْجَوَازِيَّةُ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: "وَيُبَلِّغُ شَيْئَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْأُمَّةِ أَفْضَلُ مِنْ تَبْلِيغِ السِّهَامِ إِلَى نُحُورِ الْعَدُوِّ، لِأَنَّ تَبْلِيغَ السِّهَامِ يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، وَأَمَّا تَبْلِيغُ الشَّيْءِ فَلَا يَقُومُ بِهِ إِلَّا وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَخُلَفَائِهِمْ فِي أُمَمِهِمْ، جَعَلَنَا اللَّهُ تَعَالَى مِنْهُمْ بَيِّنَةً وَكَرِيْمَةً" <sup>هـ</sup>.

إِنَّ سَنَةَ الْهِجْرَةِ فِي نَشْأَةِ الْكَمَالِ الْمُمَكِّنِ، وَمَنْ أَرَادَ الْمَنْزِلَةَ الْعُلْيَا الْقُصْوَى مِنَ الْجَنَّةِ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَكُونَ فِي الْمَنْزِلَةِ الْقُصْوَى فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، وَاحِدَةً بِوَاحِدَةٍ، وَلِكُلِّ سِلْعَةٍ ثَمَنٌ <sup>هـ</sup> <sup>هـ</sup> إِذَا مَا عَلَا الْمَرْءُ رَأَمَ الْعَلَا وَيَقْنَعُ بِالذُّوْنِ مَنْ كَانَ دُونًا

وَلَيْسَتْ هَذِهِ الْمَنْزِلَةُ الْعُلْيَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا مَنْزِلَةُ الدَّعْوَةِ إِلَى اللَّهِ، وَوِرَاثَةِ وَطَائِفِ النَّبُوَّةِ الَّتِي لَيْسَ أَشْرَفُ مِنْهَا إِلَّا مَنْزِلَةُ النَّبُوَّةِ نَفْسُهَا.

<sup>هـ</sup> المدثر: ٢٠ <sup>هـ</sup> التوبة: ١٢٢

<sup>هـ</sup> الاحقاف: ٢٩، مجموع الفتاوى: ١٦/٣٢٧

<sup>هـ</sup> التفسير القيم: ٤٣١ <sup>هـ</sup> المطلق: ١٧١

وَهَذَا الْإِمَامُ أَبُو الْفَرَجِ بْنُ الْجَوَارِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يُنَادِيكَ:

"أَلَسْتُ تَبْغِي الْقُرْبَ مِنْهُ؟ فَاسْتَعْمِلْ بِدَلَالَةِ عِبَادِهِ عَلَيْهِ، فَهِيَ  
حَالَاتُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُمْ أَنْتَرُوا تَعْلِيمَ  
الْخَلْقِ عَلَى خُلُوتِ التَّعَبُّدِ لِعِلْمِهِمْ أَنَّ ذَلِكَ أَنْتَرَهُ عِنْدَ حَبِيبِهِمْ" (وُ  
هَلْ كَانَ شُغْلُ الْأَنْبِيَاءِ إِلَّا مَعَانَاةُ الْخَلْقِ، وَجَنَّتْهُمْ عَلَى الْخَيْرِ، وَنَهَيْتْهُمْ  
عَنِ الشَّرِّ) ١٥. وَهَذَا هُوَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُقَارِنُ بَيْنَ الشُّجْعَانِ الَّذِينَ يُخَالِطُونَ  
النَّاسَ لِدَعْوَتِهِمْ، وَيَصْبِرُونَ عَلَى أَذْيَابِهِمْ، وَبَيْنَ الْمُتَخَذِلِينَ الْمُعْتَزِلِينَ  
الْقَاعِيدِينَ عَنِ الدَّعْوَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، فَيَقُولُ:

"الزُّهَادُ فِي مَقَامِ الْخَفَائِشِ، قَدْ دَفَنُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْعَزَلَةِ عَنْ نَفْعِ  
النَّاسِ، وَهِيَ حَالَةٌ حَسَنَةٌ إِذَا لَمْ تَنْفَعْ مِنْ خَيْرٍ، مِنْ جَمَاعَةٍ وَاتِّبَاعِ  
جَنَازَةٍ وَعِبَادَةِ مَرِيضٍ."

أَلَا إِنَّهَا حَالَةُ الْجُبْنَاءِ. فَأَمَّا الشُّجْعَانُ فَهُمْ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ.  
وَهَذِهِ مَقَامَاتُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.

وَهَذَا الشَّيْخُ الدَّاعِيَةُ الْقُدْوَةُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْكِبْلَانِيُّ الَّذِي تَكَلَّمَ  
كَثِيرًا، وَصَاحَ بِأَهْلِ الْعِرَاقِ صَبِيحَاتٍ بَلِيغَةٍ رَفِيعَةِ الْمَعْنَى وَالْمَبْنَى،  
وَيَنْتَشِلُ لَنَا أَحَدُ تَلَامِيذِهِ مِنْ تِلْكَ الصَّبِيحَاتِ كَلِمَاتٍ يَدُونُهَا سَرِيعًا  
وَالْإِمَامُ يُخَطِّبُ خُطْبَةَ الْأُسْبُوعِيَّةِ سَنَةَ ٥٤٥هـ، وَيُودِعُهَا كِتَابًا سَمَّاهُ  
الْفَتْحُ الرَّبَّانِي وَالْفَيْضُ الرَّحْمَانِيُّ قَدْ تَجَدَّدَ فِيهِ مَا يَجِبُ رَدُّهُ، لَكِنَّهُ  
مَمْلُوءٌ بِصَبِيحَاتِ الْحَقِّ، وَالْإِلْفَاقَاتِ الْقِيَمَةِ، وَالنَّشِيدِ عَلَى وَجُوبِ  
الدَّعْوَةِ وَالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ.

فَأَسْمَعُ مِنْ صَبِيحَاتِ الْحَقِّ هَذِهِ قَوْلُ عَبْدِ الْقَادِرِ رَحِمَهُ اللَّهُ:  
"الْمُتَزَهِّدُ الْمُتَبَدِّي فِي زُهْدِهِ يَهْرُبُ مِنَ الْخَلْقِ، وَالزَّاهِدُ الْكَامِلُ فِي

زُهْدِهِ لَا يَبَالِي مِنْهُمْ، لَا يَهْرُبُ مِنْهُمْ، بَلْ يَطْلُبُهُمْ، لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَارِدًا  
لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَمَنْ عَرَفَ اللَّهَ لَا يَهْرُبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ مِنْ  
شَيْءٍ سِوَاهُ. الْمُتَبَدِّي يَهْرُبُ مِنَ الْفُسَاقِ وَالْعُصَاةِ، وَالْمُتَزَهِّدُ يَطْلُبُهُمْ  
كَيْفَ لَا يَطْلُبُهُمْ وَكُلُّ دَوَائِبِهِمْ عِنْدَهُ؟

وَلِهَذَا قَالَ بَعْضُهُمْ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ: "لَا يَضْحَكُ فِي وَجْهِ  
الْقَاسِيِ إِلَّا الْعَارِفُ".

مَنْ كَمَلَتْ مَعْرِفَتُهُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ صَارَ دَالًّا عَلَيْهِ، يَصِيرُ شَبَكَةً  
يُضْطَادُّ بِهَا الْخَلْقَ مِنْ بَحْرِ الدُّنْيَا، يُعْطَى الْقُوَّةَ حَتَّى يَهْرَمَ إِلَيْهِمْ  
وَجُنْدُهُ، يَأْخُذُ الْخَلْقَ مِنْ أَيْدِيهِمْ.

يَا مَنْ اعْتَزَلَ بِزُهْدِهِ مَعَ جَهْلِهِ، تَقَدَّمَ وَاسْتَعَمَّ مَا أَقُولُ، يَا زُهَادَ  
الْأَرْضِ تَقَدَّمُوا.

خَرَبُوا صَوَامِعَكُمْ وَاقْرَبُوا مِنِّي، قَدْ قَعَدْتُمْ فِي خُلُوتِكُمْ مِنْ  
غَيْرِ أَصْلٍ، مَا وَقَعْتُمْ بِشَيْءٍ تَقَدَّمُوا.....

قَالَ هَذَا رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ فِي الشَّيْخُوحَةِ.

وَكَذَلِكَ فَهْمُ الْعَالِمِ الْعَامِلِ، وَ إِنَّ كَلِمَاتِهِ لَيَهْتَرُ لَهَا الْقَلْبُ  
إِهْتِرَازًا. تَأَمَّلْ قَوْلَهُ: "يَا زُهَادَ الْأَرْضِ تَقَدَّمُوا، خَرَبُوا صَوَامِعَكُمْ"  
خَرَبَ صَوَامِعَكَ أَيُّهَا الْهَارِبُ الَّذِي تَرْزُخُ تَحْتَ بِنْرِ الْأَفْكَارِ  
الْأَرْضِيَّةِ، وَآرَاءِ طَوَاغِيَتِ الْقُرْنِ الْعِشْرِينَ. خُذْ مَكَانَكَ فِي صُفُوفِ  
دَعْوَةِ الْإِسْلَامِ ١٥.

وَيَسْتَمْتِرُ الدَّاعِيَةُ الْعَبِيدُ الرَّاشِدُ مُحَمَّدٌ أَحْمَدُ الرَّاشِدُ حَفِظَهُ  
اللَّهُ قَائِلًا: "وَلَا يَتَّبِعِي لِلدَّاعِيَةِ أَنْ يَتَّيَسَّسَ إِنْ لَمْ يَجِدْ فَضْلًا وَقَبْ

لِقِيَامِ اللَّيْلِ يَوْمِيًّا، وَالْإِكْتَارِ مِنْ خَتَمَاتِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّ مَا هُوَ فِيهِ مِنَ الدَّعْوَةِ وَتَعْلِيمِ النَّاسِ وَتَرْبِيَةِ الشَّبَابِ خَيْرٌ وَأَجْزَلُ أَجْرًا، وَقُدْرَتُهُ فِي ذَلِكَ وَرَائِدُهُ أَئِمَّةُ الدَّعَاةِ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ الَّذِينَ كَانُوا يَسْبَحُونَ لِنَشْرِ الدَّعْوَةِ وَتَبْلِيغِهَا، وَيُثَابِتُونَ النَّاسَ بِالْكَلَامِ، وَيَحْتَكُونَ بِهِمْ إِحْتِكَامًا هَادِفًا، وَلَا يَنْتَظِرُونَ مَجِيءَ النَّاسِ لَهُمْ لِيَسْأَلُوهُمْ“ ب

وَيَزُودُ لَنَا النَّابِغِيُّ الْكُوفِيُّ، الْفَقِيهُ النَّبِيلُ عَامِرُ الشَّعْبِيِّ: “أَنَّ رَجُلًا خَرَجُوا مِنَ الْكُوفَةِ، وَنَزَلُوا قَرِيبًا يَتَعَبَّدُونَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، فَأَتَاهُمْ، فَفَرَحُوا بِمَجِيئِهِ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ لَهُمْ: “مَا حَمَلَكُمْ عَلَى مَا صَنَعْتُمْ؟“ قَالُوا: “أَحْبَبْنَا أَنْ نَخْرُجَ مِنْ غَمَارِ النَّاسِ نَتَعَبَّدُ“ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: “لَوْ أَنَّ النَّاسَ فَعَلُوا مِثْلَ مَا فَعَلْتُمْ فَمَنْ كَانَ يُقَاتِلُ الْعَدُوَّ؟ وَمَا أَنَا بِبَارِحٍ حَتَّى تَرْجِعُوا“ ب

”كَانَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ إِذَا بَلَغَهُ عَنْ شَخْصٍ صَلَاحٌ أَوْ زُهْدٌ، أَوْ قِيَامٌ بِحَقٍّ، أَوْ اتِّبَاعٌ لِلْأَمْرِ: سَأَلَ عَنْهُ، وَأَحَبَّ أَنْ يُجَرِّى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ مَعْرِفَةً، وَأَحَبَّ أَنْ يَعْرِفَ أَحْوَالَهُ“ ب

لَمْ يَكُنْ بِالْمُنْعَرِلِ الْمُتَوَارِي الْهَارِبِ مِنَ النَّاسِ، فَالذَّاعِيَةُ يُفْتَشُّ عَنْ النَّاسِ، وَيَبْحَثُ عَنْهُمْ، وَيَسْأَلُ عَنْ أَخْبَارِهِمْ، وَيَرْحَلُ لِلِقَائِهِمْ، وَيَزُودُهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ وَمُنْتَدِيَاتِهِمْ، وَمَنْ يَنْتَظِرُ مَجِيءَ النَّاسِ إِلَيْهِ فِي مَسْجِدِهِ أَوْ بَيْتِهِ، فَإِنَّ الْأَيَّامَ تَبْقِيهِ وَحَيْدًا، وَيَتَعَلَّمُ مِنَ النَّاسِ“ ب

قَالُوا فِي التَّعْرِيفِ بِمُوسَى بْنِ جَرَامٍ شَيْخِ الْبُخَارِيِّ وَالْيَزِيدِيِّ:

”إِنَّهُ كَانَ ثِقَةً صَالِحًا لَكِنَّهُ كَانَ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ يَتَجَلَّلُ الْإِرْجَاءَ، ثُمَّ أَغَانَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، فَانْتَحَلَ السُّنَّةَ، وَذَبَّ عَنْهَا، وَقَمَعَ مَنْ خَالَفَهَا، مَعَ لُزُومِ الدِّينِ، حَتَّى مَاتَ“ ب

نَمَازُجٌ مِنْ حَرَكَةِ السَّلَفِ فِي الدَّعْوَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَحِرْصِهِمْ عَلَى هِدَايَةِ الْخَلْقِ

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ: “سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ دِينَارٍ يَقُولُ: لَوْ اسْتَطَعْتُ أَنْ لَا أُنَامَ، لَمْ أَلَمْ مَخَافَةَ أَنْ يَنْزِلَ الْعَذَابُ وَأَنَا نَائِمٌ، وَلَوْ وَجَدْتُ أَغْوَانًا، لِفَرَقْتِهِمْ يَنَادُونَ فِي سَائِرِ الدُّنْيَا كُلِّهَا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: النَّارُ النَّارُ“

وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْأَشْعَثِ قَالَ: “كُنَّا إِذَا خَرَجْنَا مَعَ الْفَضِيلِ فِي جَنَازَةٍ لَا يَزَالُ يَعْطُ، وَيَذْكُرُ وَيَنْكِى حَتَّى لَكَأَنَّهُ يُودِعُ أَصْحَابَهُ ذَاهِبًا إِلَى الْآخِرَةِ، حَتَّى يَبْلُغَ الْمَقَابِرَ، فَيَجْلِسُ فَكَأَنَّهُ بَيْنَ الْمَوْتَى، جَلَسَ مِنَ الْحُزَنِ وَالْبُكَاءِ حَتَّى يَقُومَ، وَلَكَأَنَّهُ رَجَعَ مِنَ الْآخِرَةِ يُخْبِرُ عَنْهَا“

وَعَنْ شُجَاعِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ: “كُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، فَمَا يَكَادُ لِسَانُهُ يَفْخَرُ عَنِ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ ذَاهِبًا وَرَاجِعًا“

وَالْإِمَامُ الزُّهْرِيُّ لَمْ يَكْتَفِ بِتَرْبِيَةِ أَجْيَالٍ وَتَخْرِيجِ أئِمَّةٍ فِي الْحَدِيثِ، بَلْ كَانَ يَنْزِلُ إِلَى الْأَعْرَابِ، يُعَلِّمُهُمْ

وَكَانَ الْفَقِيهُ الْوَاعِظُ أَحْمَدُ الْغَزَالِيُّ، شَقِيقُ أَبِي حَامِدٍ الْغَزَالِيِّ



رَجِمَهُمَا اللَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْقُرَى وَالضِّيَاعَ، وَيَعِظُ لِأَهْلِ الْبَوَادِي،  
تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ ۝۱۰

أَمَّا الشَّيْخُ أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ، فَقَدْ كَانَ رَجُلٌ  
عَامَّةً، وَهُوَ الَّذِي أَدَّبَ أَهْلَ الثُّغُورِ الْإِسْلَامِيَّةِ الَّتِي فِي أَعَالِي بِلَادِ  
الشَّامِ وَالْجَزِيرَةِ تَجَاهُ الرُّومِ، وَعَلَّمَهُمْ سُنَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، وَكَانَ يَأْمُرُ وَيَنْهَى، وَإِذَا دَخَلَ الثُّغُرَ رَجُلٌ مُبْتَدِعٌ أَخْرَجَهُ.

وَأَمَّا الشَّيْخُ الرَّاهِدِيُّ الْفَقِيهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الدَّبَاهِيُّ:  
فَقَدْ لَازَمَ الْعِبَادَةَ، وَالْعَمَلَ الدَّائِبَ وَالْجِدَّةَ، وَاسْتَفَرَّقَ أَوْقَاتَهُ فِي  
الْخَيْرِ، صَلَبَ فِي الدِّينِ، وَنَبَضَ الْإِخْوَانَ، وَإِذَا رَأَهُ إِنْسَانٌ، عَرَفَ  
الْجِدَّةَ فِي وَجْهِهِ.

وَعَلَى الْقَتَنِ لِبَطَائِعِهِ سِمَةٌ تَلُوحُ عَلَى جَبِيهِ  
وَأَمَّا الْإِمَامُ الْجَبِيلُ الْخَوْفِيُّ صَاحِبُ (الْمُخْتَصَرِ) فَقَدْ قَالَ  
الْإِمَامُ ابْنُ قُدَامَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: "وَسَمِعْتُ مَنْ يَذْكُرُ أَنَّ سَبَبَ مَوْتِهِ، أَنَّهُ  
أَنْكَرَ مُنْكَرًا بِدَمَشَقَ، فَضُرِبَ، فَكَانَ مَوْتُهُ بِذَلِكَ".

وَمِنْ نَمَازِجِ حَرَصِهِمْ عَلَى تَعْلِيمِ النَّاسِ الْعِلْمُ

الشَّرِيفُ

مَا رَوَاهُ جَعْفَرُ بْنُ بَرْقَانَ قَالَ: كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ،  
وَقَالَ فِي كِتَابِهِ: "وَمُرْ أَهْلَ الْفِقْهِ مِنْ جُنْدِكَ، فَلْيُشَرُّوا مَا عَلَّمَهُمُ اللَّهُ  
فِي مَسَاجِدِهِمْ وَمَجَالِسِهِمْ، وَالسَّلَامُ".

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "إِنْ أَوْثَقَ عَمَلِي فِي نَفْسِي  
نَشْرِي الْعِلْمَ" وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَجَاحٍ مُفْتِي مَكَّةَ هُوَ الْقَائِلُ: "لِأَن أَرَى

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَبِيٌّ

فِي نَبِيِّ سَيْطَانًا، خَيْرٌ مِّنْ أَنْ أَرَى فِيهِ وَسَادَةً، لِأَنَّهُا تَدْعُو إِلَى النَّوْمِ،  
وَقَالَ الْإِمَامُ رَبِيعَةُ الرَّائِي رَحِمَهُ اللَّهُ: "لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ  
شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ" ۝

## طریق نبوت اور ہم

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُمُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام انبیاء یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں  
جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیر خواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے  
ہیں۔ ان کی رفتار و رفتار میں کسی مخالفت پر طعن و تشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا۔ وہ مخالف  
کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو  
اختیار نہیں کرتے، اسی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے  
سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے۔ آج انہوں نے یہ  
ہے کہ ہم اسوۂ انبیاء سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے کلام و تحریر میں ان کی کسی بات کا  
رنگ نہ رہا!

آج کل کے مبلغ و مصلح کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح کے  
الزام لگا کر اس کو رسوا کرے اور فقرے ایسے چست کرے کہ سننے والوں کو پکڑ کر رہ  
جائے۔ اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور رواجِ ادب ہے۔ "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا  
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" ۝

ہمارے علماء اور مصلحین و مبلغین کے لیے کیے روا ہو گیا کہ جس سے ان کا کسی  
رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی پٹری اچھالیں، اور ناگ کھینچنے کی فکر میں لگ  
جائیں، اور استہزاء و تمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں، اور پھر دل میں خوش

۱۔ ماخوذ من "علو الہمة"، ۲۵۵ تا ۲۷۱

بَيِّنَاتُ الْعِلْمِ نَبِيٌّ

ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور لوگوں سے اس کے متوقع رہیں کہ ہماری خدمات کو سراہیں اور قبول کریں۔

پہری نظر میں (یعنی حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی گویا ہیں) اس وقت یہ تین اسباب ہیں جو مسلمانوں کا شیرازہ بندھے نہیں دیتے۔ ہر اجتماع کے نتیجے میں افتراق..... اور ہر تنظیم کے نتیجے میں تفریق..... ہر اصلاح کے نتیجے میں فساد..... اور ہر دعوت کے نتیجے میں نفرت..... ہمارے سامنے آتی ہے۔ کاش ہم مل کر سوچیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں! کیوں کہ اصل مرض یہی ہے کہ حب مال و جاہ، حسد و بغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں۔ ہمیں (یعنی علماء و ائمہ کی جماعت) اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری..... رشوت..... سود..... شراب..... رقص و سرود..... اور سینما سے پرہیز کرتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں۔

لیکن خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہماری یہ نماز روزہ کی پابندی اور سود، شراب، رقص و سرود سے پرہیز کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری کے پیشے کی خاطر ہو کیوں کہ اس پیشے میں ان چیزوں کی کچیت نہیں، ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خاص خوف خدا کی بنا پر بھی بچے ہوئے تو حب مال و جاہ، حسد و بغض اور کبر و ریاء سے بچے ہوتے۔ کیوں کہ ان کی نجاست کچھ سود و شراب سے کم نہیں۔ مگر یہ باطنی گناہ ہمارے بچے اور علمائے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کی پروا نہیں ہوتی اور یہی وہ چیزیں ہیں جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب آفتوں (ظاہری اور باطنی گناہوں) سے بچنے کی توفیق کامل عطا فرمائے، تاکہ ایک دل ہو کے دعوت و اصلاح کا کام پیغمبرانہ جذبے اور پیغمبرانہ آداب کے ساتھ لے کر کھڑے ہو جائیں۔

## دین کی بات پہنچانے میں حکمت سے کام لینا

### سنتِ انبیاء ہے

حضراتِ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ لوگوں کو صرف دین کی دعوت نہیں دیتے تھے، بل کہ اس دعوت میں مناسب حکمت اور تدبیر بھی اختیار کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی دعوت کی حکمت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي﴾

یعنی ایک رات میں جب تاریکی چھا گئی اور ایک کوکب یعنی ستارہ پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو (ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے) یہ سا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات و عقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا۔

چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا، تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ آیا، اور فرمایا ﴿لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾ "آفِلین" سے بنائے جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا، جس کو خدا یا معبود بنایا جائے، ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت و عظمت کا مستحق ہوتا چاہیے، مولانا رومی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے ایک شعر میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔

خلیل آساور ملک یقین زن

نوائے لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ زن

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کرو وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ (تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا رب ہے،

گمراہ کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ جب چاند غروب ہو گیا تو فرمایا:

اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا رب اور معبود سمجھ بیٹھتا، لیکن اس کے طلوع و غروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میرا رب کوئی دوسری شے ہے جس کی طرف سے مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقے پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے۔ گمراہ بڑے کی حقیقت و حیثیت بھی عن قریب تمہارے سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہو گیا، تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت کو واضح طور پر بیان فرما دیا کہ ﴿لَقَوْمٍ آتَنِي بِوَيْءٍ مِمَّا تُشِيرُ نَحْوَهُ﴾ یعنی اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بے زار ہوں، کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔

اس کے بعد اس حقیقت کو بتلایا کہ میرا اور تمہارا رب (پالنے والا) ان تمام مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہو سکتا، جو خود اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہیں، اور ہر وقت ہر آن عروج و نزول اور طلوع و غروب کے تغیرات میں گھری ہوئی ہیں۔ بل کہ ہم سب کا رب وہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس لیے میں نے اپنا رخ تمہارے سب خود تراشیدہ بتوں اور تغیرات و تاثرات میں گھرے ہوئے ستاروں سے پھیر کر صرف ایک خدا کے وحدہ لا شریک لہ کی طرف کر لیا ہے، اور میں تمہاری طرح مشرکین میں سے

نہیں ہوں۔

اس واقعہ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشیرانہ حکمت و موعظت سے کام لے کر ایک بارگی ان کی نجوم پرستی کو غلط یا گمراہی نہیں فرمایا، بل کہ ایک ایسا انداز قائم کیا، جس سے ہر ذی عقل انسان کا قلب و دماغ خود متاثر ہو کر حقیقت کو پہچان لے۔

ہاں بت پرستی کے خلاف بات کرنے میں اول ہی سے شدت اختیار فرمائی، اور اپنے باپ اور پوری قوم کا گمراہی پر ہونا صاف طور پر بیان کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ بت پرستی کا نام معقول گمراہی ہونا بالکل واضح اور کھلا ہوا تھا، بخلاف نجوم پرستی کے کہ اس کی گمراہی اتنی واضح اور جلی نہیں تھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے سامنے جو استدلال بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز تغیر پذیر ہو، اور اس کے حالات اول بدل ہوتے رہتے ہوں، اور وہ اپنی حرکات میں کسی دوسری طاقت کے تابع ہو وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو اپنا رب قرار دیں۔ اس استدلال میں سیاروں کے طلوع و غروب اور درمیانی تمام حالات سے استدلال کیا جا سکتا تھا، کہ وہ اپنی حرکات میں خود مختار نہیں کسی کے حکم کے تابع ایک خاص روش پر چل رہے ہیں۔

لیکن حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان تمام حالات و کیفیات میں استدلال کے لیے ان سیاروں کے غروب کو پیش کیا، کیوں کہ ان کا غروب عوام کی نظروں میں ایک طرح سے ان کا زوال سمجھا جاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا عام طرز استدلال وہ ہوتا ہے جو عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو، وہ فلسفیانہ حقائق کے پیچھے زیادہ نہیں پڑتے، بل کہ عام ذہنوں کے مطابق خطاب فرماتے ہیں۔ اس لیے ان سیاروں کی بے بسی اور بے اثری ثابت کرنے کے لیے ان کے غروب کو پیش کیا۔ ورنہ ان کے



بے بس اور بے قدرت ہونے پر تو طلوع سے بھی استدلال ہو سکتا تھا، اور اس کے بعد غروب سے پہلے تک جتنے تغیرات پیش آتے ہیں ان سے بھی اس پر دلیل پکڑی جاسکتی تھی۔

### ائمہ کرام کے لیے چند ہدایات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرز منظرہ سے علماء و مبلغین کے لیے چند اہم ہدایات حاصل ہوئیں۔

اول یہ کہ قوموں کی تبلیغ و اصلاح میں ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بل کہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے۔ چنانچہ بہت پرستی کے معاملے میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ کیوں کہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے، اور نجوم پرستی کے معاملے میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے، بل کہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا۔ کیوں کہ سیاروں اور ستاروں کا پیش بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ (امام) کو چاہیے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

ان کو مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کرے۔

دوسری ہدایت اس میں یہ ہے کہ اظہار حق و حقیقت کے لیے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو یوں خطاب نہیں کیا کہ تم ایسا کرو، بل کہ اپنا حال بتا دیا کہ میں تو ان طلوع و غروب کے چکر میں رہنے والی چیزوں کو معبود قرار نہیں دے سکتا۔ اس لیے میں نے اپنا رخ ایک ایسی ہستی کی طرف کر لیا ہے جو ان سب چیزوں

کو پیدا کرنے والی اور پالنے والی ہے۔ مقصد تو یہی تھا کہ تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر حکیمانہ انداز میں صریح خطاب سے پرہیز فرمایا، تاکہ وہ ضد پر نہ آجائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور امام کا صرف یہ کام نہیں کہ حق بات کو جس طرح چاہے کہہ ڈالے، بل کہ اس پر لازم ہے کہ ایسے انداز سے کہے جو لوگوں کے لیے موثر ہو۔

چنانچہ شیخ محمد احمد اسماعیل صاحب اپنی کتاب ”علو الہمہ“ میں اسی بات کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

”فَيَنْبَغِي لِلدَّاعِيَةِ أَنْ يَكُونَ كَالطَّبِيبِ الْحَاقِقِ الْحَكِيمِ الَّذِي يُشَخَّصُ الْمَرَضَ، وَيَعْرِفُ الدَّاءَ وَيُحَدِّدُهُ، ثُمَّ يُعْطِي الدَّوَاءَ الْمُنَاسِبَ عَلَى حَسَبِ حَالِ الْمَرِيضِ وَمَرَضِهِ، مُرَاعِيًا فِي ذَلِكَ قُوَّةَ الْمَرِيضِ وَضَعْفِهِ، وَتَحْمِلِهِ لِلْعِلَاجِ، وَقَدْ يَحْتَاجُ الْمَرِيضُ إِلَى عَمَلِيَّةٍ جَرَّاحِيَّةٍ لِيَشْفَى بَطْنُهُ، أَوْ يَقَطَّعُ شَيْئًا مِنْ أَعْضَائِهِ مِنْ أَجْلِ اسْتِئْصَالِ الْمَرَضِ طَلَبًا لِصِحَّةِ الْمَرِيضِ.“

ترجمہ: ”داعی کا کردار ایک طبیب حاذق کی مانند ہونا چاہیے کہ جس طرح ایک طبیب مرض کی تشخیص کرتا ہے اس کے لیے مناسب دوا تجویز کر کے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مریض کی پوزیشن کے مطابق اسے دوا دیتا ہے اس کی برداشت و کمزوری کی رعایت کرتے ہوئے۔ کبھی مریض کی صحت کا لحاظ کر کے اس کا آپریشن بھی کرنا پڑتا ہے، چاہے اس کا پیٹ چاک کرنا پڑے یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ کر الگ کرنا پڑے، تاکہ مریض صحت یاب ہو۔“

ہم سب کے سوچنے کی بات ہے کہ سورہ یٰسین کو قلب القرآن کس وجہ سے کہا

گیا ہے، اس میں دعوت الی اللہ اور اخلاقی حسنہ کی اہمیت کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے۔  
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ملک شام کی طرف  
جو تین رسول بھیجے گئے، انہوں نے مشرکین و کفار سے جس طرح خطاب کیا اور ان کی  
سخت و تلخ باتوں اور دھمکیوں کا جس طرح جواب دیا اسی طرح ان کی دعوت سے  
مسلمان ہونے والے حبیب نجار نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا ان سب  
چیزوں کو ذرا کررہ دیکھئے تو ان میں تبلیغ دین اور اصلاح خلق کی خدمت انجام دینے  
والوں کے لیے بڑے سبق ہیں۔

ان رسولوں کی تصانح تبلیغ و تلقین کے جواب میں مشرکین نے تین باتیں کہیں:

۱ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟

۲ اللہ رخصن نے کسی پر کوئی پیغام اور کتاب نہیں اتاری۔

۳ تم خالص جھوٹ بولتے ہو۔

آپ غور کیجئے کہ بے غرض تصانح کلام کے جواب میں یہ اشتعال انگیز گفتگو کیا  
جواب چاہتی تھی؟

مگر ان رسولوں نے کیا جواب دیا؟

صرف یہ کہ ﴿رَبَّنَا عَلَّمْنَا إِنْآ إِلٰہِکُمْ لَمُرْسَلُونَ﴾ یعنی ہمارا رب جانتا  
ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں، اور ﴿مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْمُبَلَّغُ  
الْمُبِیْنُ﴾ یعنی ہمارا جو کام تھا وہ کر چکے کہ تمہیں اللہ کا پیغام واضح کر کے پہنچا دیا،  
آگے تمہیں اختیار ہے، مانو یا نہ مانو۔ دیکھئے ان کے کسی لفظ میں کیا ان کی اشتعال  
انگیزی کا کوئی تاثر ہے؟

کیسا مشفقانہ جواب دیا۔

پھر ان لوگوں نے اور آگے بڑھ کر یہ کہا کہ تم لوگ منحوس ہو، تمہاری وجہ سے ہم

مصیبت میں پڑ گئے۔ اس کا متعین جواب یہ تھا کہ منحوس تم خود ہو، تمہارے اعمال کی  
شامت تمہارے گلے میں آ رہی ہے۔ مگر ان رسولوں نے اس بات کو ایسے مجمل الفاظ  
میں ادا کیا، جس میں ان کو کسی منحوس ہونے کی تصریح نہیں فرمائی، بل کہ یہ فرمایا:  
﴿طَلَّابُكُمْ مَّعَكُمْ﴾ یعنی تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے۔

اور پھر وہی مشفقانہ خطاب کیا، ﴿اِنَّ دُجْرُكُمْ﴾ یعنی تم یہ تو سوچو کہ ہم نے  
تمہارا کیا باگڑا ہے؟

ہم نے تو صرف تمہیں خیر خواہانہ نصیحت کی ہے بس سب سے بھاری جملہ جو بولا  
تو یہ کہ ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ﴾ یعنی تم لوگ حدود سے تجاوز کرنے والے  
ہو، بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہو۔

یہ تو ان رسولوں کا مکالمہ تھا۔ اب وہ مکالمہ دیکھئے جو ان رسولوں کی دعوت پر  
ایمان لانے والے نو مسلم حبیب نجار نے کیا۔ اس نے پہلے تو اپنی قوم کو دو باتیں بتا کر  
رسولوں کی بات ماننے کی دعوت دی:

اول یہ کہ ذرا یہ تو سوچو کہ یہ لوگ دور سے چل کر تمہیں نصیحت کرنے آئے  
ہیں، سفر کی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم سے کچھ مانگتے نہیں، یہ بات خود انسان کو غور کی  
دعوت دیتی ہے کہ بے غرض لوگ ہیں ان کی بات میں غور تو کر لیں۔

دوسرے یہ کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں وہ سراسر عقل و انصاف اور ہدایت کی  
بات ہے۔ اس کے بعد تو ان کی غلطی اور گمراہی پر متنبہ کرنا تھا کہ اپنے پیدا کرنے  
والے قادر مطلق کو چھوڑ کر تم لوگ خود تراشیدہ بتوں کو اپنا حاجت روا سمجھ بیٹھے ہو،  
جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ نہ وہ خود تمہارا کوئی کام بنا سکتے ہیں اور نہ اللہ کے یہاں  
ان کا کوئی مقام اور درجہ ہے کہ اس سے سفارش کر کے تمہارا کام کرا دیں۔

مگر حبیب نجار نے یہ ساری باتیں ان کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنی

طرف منسوب کرنے کا عنوان اختیار کیا کہ میں ایسا کروں تو بڑی گمراہی کی بات ہوگی، ﴿وَمَا لِي لَا أُعْبِدُ الَّذِي فَطَرَنِي﴾<sup>۱</sup> یہ سب اس لیے کہ مخالف کو اشتعال نہ ہو، بات میں ٹھنڈے دل سے غور کرے۔

پھر جب اس کی قوم نے اس شفقت و رحمت کا بھی کچھ اثر نہ لیا، اور ان کو قتل کرنے کے لیے ان کے درپے ہوئے تو اس وقت بھی ان کی زبان پر کوئی بددعا کا کلمہ نہ آیا، بل کہ یہی کہتے ہوئے جان دے دی کہ ”زَبِّ اِهْدِ قَوْمِي“ یعنی میرے پروردگار! میری قوم کو ہدایت فرما دے۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ قوم کے اس ظلم و ستم سے شہید ہونے والے کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و اکرام اور جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہوا تو اس وقت بھی اپنی یہی ظالم قوم یاد آئی اور اس کی خیر خواہی و ہمدردی سے یہ تمنا کی کہ کاش! میری قوم میرے حالات انعام و اکرام سے واقف ہو جاتی تو شاید وہ بھی اپنی گمراہی سے باز آکر ان نعمتوں کی شریک بن جاتی۔

سبحان اللہ! خلق اللہ کی خیر خواہی ان کے مظالم کے باوجود کس طرح ان حضرات کی رگ و پے میں پیوست ہوتی ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے قوموں کی کایا پٹی ہے، کفر و مظلالت سے نکال کر وہ مقام بخشا ہے کہ فرشتے بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔

آج کل کے (بعض) مبلغین اور دعوت و اصلاح کی خدمت انجام دینے والوں نے عموماً اس پیغمبرانہ اسوہ کو چھوڑ دیا ہے، اسی لیے ان کی دعوت و تبلیغ بے اثر ہو کر رہ گئی ہے۔ تقریر و خطاب میں غصہ کا اظہار.....، مخالف پر فقرے چست کرنا..... بڑا اکمال سمجھا جاتا ہے، جو مخالف کو اور زیادہ ضد و عناد کی طرف دھکیل دیتا ہے۔  
”اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مُتَّبِعِينَ لِسُنِّ أَنْبِيَائِكَ وَوَقَفْنَا لِمَا نَحِبُّ وَتَرْضَاهُ“<sup>۲</sup>

## پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سورہ یوسف کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دو قیدی جو یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ جیل میں گئے تھے، ایک روز انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں نیک صالح بزرگ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے آپ سے ہم اپنے خواب کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

بہر حال ان میں سے ایک یعنی شاہی ساتی نے تو یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں انگوڑے شراب نکال رہا ہوں۔ اور دوسرے یعنی ہاورچی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں کا کوئی ٹوکرا ہے، اس میں سے جانور نوج نوج کر کھارہے ہیں، اور درخواست کی کہ ہمیں ان دونوں خوابوں کی تعبیر بتلائیے۔

حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے خوابوں کی تعبیر دریافت کی جاتی ہے، مگر وہ پیغمبرانہ انداز پر اس سوال کے جواب سے پہلے تبلیغ و دعوت ایمان کا کام شروع فرماتے ہیں، اور اصول دعوت کے ماتحت حکمت و دانش مندی سے کام لے کر سب سے پہلے ان لوگوں کے قلوب میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لیے اپنے اس معجزے کا ذکر کیا کہ تمہارے لیے جو کھانا تمہارے گھروں سے یا کسی دوسری جگہ سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں بتا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کیسا اور کتنا اور کس وقت آئے گا۔ اور وہ ٹھیک اسی طرح لکھتا ہے ﴿ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّی﴾<sup>۱</sup> اور یہ کوئی رمل، جفر کافن یا کہانت وغیرہ کا شعبہ نہیں، بل کہ میرا رب بذریعہ وحی مجھے بتا دیتا ہے، میں اس کی اطلاع دیتا ہوں۔ اور یہ ایک کھلا معجزہ تھا جو دلیل نبوت اور اعتماد کا بہت بڑا سبب ہے۔

اس کے بعد اول کفر کی برائی اور ملت کفر سے اپنی بے زاری بیان کی، اور پھر یہ



بھی جنگ دیا کہ میں خاندان نبوت ہی کا ایک فرد اور ان ہی کی ملت حق کا پابند ہوں۔ میرے آباء و اجداد ابراہیم و ائحق و یعقوب (علیہم السلام) ہیں، یہ خاندانی شرافت بھی عادتاً انسان کا اعتماد پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی خدائی صفات میں شریک سمجھیں۔ پھر فرمایا کہ یہ دین حق کی توفیق ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ اس نے سلامت فہم عطا فرما کر قبول حق ہمارے لیے آسان کر دیا۔ مگر بہت سے لوگ اس نعمت کی قدر اور شکر نہیں کرتے۔

پھر ان ہی قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ انسان بہت سے پروردگاروں کا پرستار ہو یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ بنے، جس کا قہر و قوت سب پر غالب ہے؟

پھر بہت پرستی کی برائی ایک دوسرے طریقے سے یہ بتلائی کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے کچھ بتوں کو اپنا پروردگار سمجھا ہوا ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام کے ہیں جو تم نے گھڑ لیے ہیں۔ نہ ان میں ذاتی صفات اس قابل ہیں کہ ان کو کسی ادنیٰ قوت و طاقت کا مالک سمجھا جائے؛ کیوں کہ وہ سب بے حس و حرکت ہیں، یہ بات تو آنکھوں سے مشاہدہ کی ہے۔

دوسرا راستہ ان کے معبود حق ہونے کا یہ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پرستش کے لیے احکام نازل فرمائے تو اگرچہ مشاہدہ اور ظاہر عقل ان کی خدائی کو تسلیم نہ کرتے، مگر حکم خداوندی کی وجہ سے ہم اپنے مشاہدہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے، مگر یہاں وہ بھی نہیں؛ کیوں کہ حق تعالیٰ نے ان کی عبادت کے لیے کوئی حجت و دلیل نازل نہیں فرمائی؛ بل کہ اس نے یہی بتلایا کہ حکم اور حکومت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا حق نہیں اور حکم یہ دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی وہ دین قیم ہے جو میرے آباء و اجداد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا، مگر اکثر

لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی تبلیغ و دعوت کے بعد ان لوگوں کے خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے ایک تو رہا ہو جائے گا اور پھر اپنی ملازمت پر بھی برقرار رہ کر بادشاہ کو شراب پلائے گا۔ اور دوسرے پر جرم ثابت ہو کر اس کو سولی دی جائے گی اور جانور اس کا گوشت نوح نوح کر کھائیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگرچہ ان دونوں کے خواب الگ الگ تھے اور ہر ایک کی تعبیر متعین تھی اور یہ بھی متعین تھا کہ شاہی ساتی بری ہو کر اپنی ملازمت پر پھر فائز ہوگا، اور باورچی کو سولی دی جائے گی؛ مگر یہ غیرانہ شفقت و رأفت کی وجہ سے متعین کر کے نہیں بتلایا کہ تم میں سے فلاں کو سولی دی جائے گی تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے؛ بل کہ اجمالی طور پر یوں فرمایا کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا، اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ میں نے تمہارے خوابوں کی تعبیر جو دی ہے محض انکل اور تخمینہ سے نہیں؛ بل کہ یہ خدائی فیصلہ ہے جو مل نہیں سکتا۔ جن حضرات مفسرین نے ان لوگوں کے خوابوں کو غلط اور بناوٹی کہا ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بتلائی تو یہ دونوں بول اٹھے کہ ہم نے تو کوئی خواب دیکھا نہیں محض بات بنائی تھی۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿فَقُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيْنَ﴾ چاہے تم نے یہ خواب دیکھا یا نہیں دیکھا اب واقعہ یوں ہی ہوگا، جو بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جھوٹا خواب بنانے کے گناہ کا جو ارتکاب تم نے کیا تھا اب اس کی سزا یہی ہے جو تعبیر خواب میں بیان ہوئی۔

## احکام و مسائل

آیات مذکورہ سے بہت سے احکام و مسائل اور فوائد و ہدایات حاصل ہوتے

ہیں، ان میں غور کیجیے:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں بھیجے گئے جو مجرموں اور بد معاشرہ کی بستی ہوتی ہے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق، حسن معاشرت کا وہ معاملہ کیا، جس سے یہ سب گرویدہ ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مصلحین (ائمہ کرام) کے لیے لازم ہے کہ مجرموں خطا کاروں سے شفقت و ہمدردی کا معاملہ کر کے ان کو اپنے سے مانوس و مربوط کریں۔ کسی قدم پر منافرت کا اظہار نہ ہونے دیں۔ (ہم جس مسجد کے امام ہیں، اُس کے آس پاس رہنے والے لوگوں میں ایسے لوگ ہوں جو دین سے دور ہوں، برے کاموں میں مبتلا ہوں تو ان پر بھی شفقت و ہمدردی کرتے ہوئے ان کو دین دار بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ راقم)

دوسرا مسئلہ: آیت کے جملے ﴿إِنَّا نَوَازِلُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ سے یہ معلوم ہوا کہ تعبیر خواب ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہیے جن کے نیک، صالح اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

تیسرا مسئلہ: یہ معلوم ہوا کہ حق کی دعوت دینے والوں اور اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ پہلے اپنے حسن اخلاق اور علمی و عملی کمالات کے ذریعہ خلق اللہ پر اپنا اعتماد قائم کریں۔ خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار بھی کرنا پڑے۔ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنا خاندان نبوت کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا۔ یہ اظہار کمال اگر اصلاح خلق کی

نیت سے ہوا اپنی ذاتی بڑائی ثابت کرنے کے لیے نہ ہو تو یہ وہ ترکیہ نفس نہیں جس کی ممانعت قرآن کریم میں آئی ہے، ”فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ“ یعنی اپنی پاک نفسی کا اظہار نہ کرو۔

چوتھا مسئلہ: تبلیغ و ارشاد کا ایک اہم اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اپنے وظیفہ دعوت و تبلیغ کو سب کاموں سے مقدم رکھے۔ کوئی اس کے پاس کسی کام کے لیے آئے وہ اپنے اصلی کام کو نہ بھولے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس یہ قیدی تعبیر خواب دریافت کرنے کے لیے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر خواب کے جواب سے پہلے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ان کو رشد و ہدایت کا تحفہ عطا فرمایا۔ یہ نہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کسی جلسہ، کسی منبر، یا اسٹیج ہی پر ہوا کرتی ہے۔ شخصی ملاقاتوں..... اور نجی مذاکروں کے..... ذریعہ یہ کام اس سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

قَالَ لَا: اس سے معلوم ہوا کہ ہم ائمہ کرام کے پاس جو شخص ملنے آئے، چاہے وہ شخص کسی مقصد کے لیے بھی ہو، یا ہماری مسجد میں رنگ کرنے والے لوگ آتے ہیں تعمیراتی کام کرنے والے لوگ آتے ہیں، ان سب کو بھی دین دار پانچ وقت کا نمازی بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، مثلاً ان تعمیراتی کام کرنے والوں کو چائے پر بلا لیا، آچھ چائے وغیرہ بھی پلائی اور نماز پڑھنا بھی سکھا دیا، اور یہ عزم کروالیا کہ اب سے نماز نہیں چھوڑیں گے۔

در اصل یہ مزدور طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ نماز پڑھنا بہت مشکل ہے، کہتے ہیں ہم ناپاک ہیں ہمارے کپڑے ناپاک ہیں، ان کو سمجھا دیا جائے کہ نماز تو بہت آسان ہے، نماز پڑھنے میں یہ یہ فوائد حاصل ہوں گے، وغیرہ وغیرہ... تو آپ یقین رکھیے کتنے بے دین لوگ دین دار بن جائیں۔

محلے میں کسی کا انتقال ہوا، اب لوگ امام صاحب کے پاس مسائل پوچھنے یا مسجد میں قرآن مجید کے پارے لینے آتے ہیں، ان کو بھی بٹھا کر کچھ اکرام کر کے ان کو دین دار بنانے کی فکر کی جائے، راقم۔

یا نچواں مسئلہ: بھی اسی ارشاد و اصلاح سے متعلق ہے کہ حکمت کے ساتھ وہ بات کہی جائے جو مخاطب کے دل نشین ہو سکے۔ جیسا حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام نے ان کو یہ دکھایا کہ مجھے جو کوئی کمال حاصل ہوا، وہ اس کا نتیجہ ہے کہ میں نے ملت کفر کو چھوڑ کر ملت اسلام کو اختیار کیا، اور پھر کفر و شرک کی خرابیاں دل نشین انداز میں بیان فرمائیں۔

چھٹا مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو معاملہ مخاطب کے لیے تکلیف دہ اور ناگوار ہو اور اس کا اظہار ضروری ہو تو مخاطب کے سامنے جہاں تک ممکن ہو ایسے انداز سے ذکر کیا جائے کہ اس کو تکلیف کم سے کم پہنچے۔ جیسے تعبیر خواب میں ایک شخص کی ہلاکت متعین تھی، مگر حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام نے اس کو مبسم رکھ دیا۔ یہ متعین کر کے نہیں کہا کہ تم سولی چڑھائے جاؤ گے۔

ساتواں مسئلہ: یہ ہے کہ حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام نے جیل سے رہائی کے لیے اس قیدی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا، کہ وہ بے تصور جیل میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لیے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔

آٹھواں مسئلہ: یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں۔ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے۔ شاید اسی لیے یہ قیدی حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں

رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یہ ہے پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال، ہم وارثین انبیاء کو چاہیے کہ ہم بھی اس رحمت و شفقت کو اپنائیں۔

تاکہ حضرت یحییٰ بن معاذ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے اس قول کا مصداق ہم بھی ہو جائیں، چنانچہ ان کا ارشاد ہے:

”الْعُلَمَاءُ أَرْحَمُ بِأَمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأُمَّهَاتِهِمْ، قِيلَ لَهُ: وَكَيْفَ ذَلِكَ؟“

قَالَ: لِأَنَّ آبَاءَهُمْ وَأُمَّهَاتِهِمْ يَحْفَظُونَ نَفْسَهُمْ مِنْ نَارِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْفَظُونَ نَفْسَهُمْ مِنْ نَارِ الْآخِرَةِ۔“

تَرْجُمَہ: ”علماء رسول اللہ ﷺ کی امت پر ان کے باپوں اور ماؤں سے بھی زیادہ شفقت کرنے والے ہیں“ ان سے پوچھا گیا کہ ”وہ

کیسے؟“ فرمایا: ”اس لیے کہ ان کے باپ اور ماؤں تو ان کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور علماء ان کو آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَام کا اصل کام شفقت و رحمت اور ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے سے انسانوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔

حضرت اہل بن عمرو نہایت پر جوش خطیب تھے، حالت کفر میں وہ اسلام کی مخالفت میں تقریر کیا کرتے تھے، ایک بار حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ”إِنِّي رَغِبْتُ فِيهِ السِّفْلَيْنِ حَتَّى يَذْلَعَ لِسَانُهُ فَلَا يَقُومُ عَلَيْكَ خَطِيبًا أَبَدًا“ کہ ”ان کے نیچے کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے کہ تقریر کرنے

میں زبان نہ چلنے پائے۔“ آپ نے فرمایا میں ”مثلاً کرنا نہیں چاہتا، ممکن ہے کہ ان کی



تقریر سے کبھی اسلام کو فائدہ پہنچے۔<sup>۱</sup>

انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے وارثین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دلوں میں انسانوں کے لیے شفقت پیدا کریں۔ ہر انسان کی ہمدردی ان کے دل میں ہو۔

مسلمان کو دیکھتے ہی اس کو اسلام میں ترقی اور سچا پکا مسلمان بننے اور اسلام پھیلانے کی محنت کرنے والا بن جانے کی تمنا کرے، اور دعا کرے اور اس کے لیے کوشش کرے، کافر کو دیکھتے ہی سچے دل سے اس کو اسلام میں داخل کروانے کی محنت اور دعا کرے، یہی جذبہ ہمیں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے، اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

تَرْجُمہ: ”تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہیں گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ پھر اگر روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔“

حضرت محمد شفیع صاحب رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ سورہ توبہ کی آخری آیتیں ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کا پوری خلق خدا پر خصوصاً مسلمانوں پر بے حد مہربان اور شفیق و ہمدرد ہونا بیان فرمایا ہے اور آخری

آیت میں آپ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی ساری کوششوں کے باوجود اگر پھر بھی کچھ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔

سورہ توبہ کے آخر میں یہ مضمون اس لیے لانا مناسب ہوا کہ اس پوری سورت میں کفار سے براءت قطع تعلق، قتال و جہاد کا ذکر تھا جو دعوت الی اللہ کی آخری صورت ہے، جب کہ زبانی دعوت و تبلیغ سے اصلاح کی توقع نہ رہے۔

لیکن اصل کام انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کا یہی ہے کہ شفقت و رحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے خلق خدا کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دے دیں، اور ان کی طرف سے اعتراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اس پر توکل کریں کیوں کہ وہ رب العرش العظیم ہے۔ یہاں عرش عظیم کا رب کہہ کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ کل کائنات عالم پر محیط ہے۔

آخری دو آیتیں حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قول کے مطابق قرآن کی آخری آیتیں ہیں، ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آں حضرت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی وفات ہو گئی۔ یہی قول حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے۔<sup>۲</sup>

یہ قرآن کریم کی دو آیتیں ہیں، جو پیغام دے رہی ہیں، اسی پر ہمیں خوب اچھی طرح غور کرنا چاہیے، آیت مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ نائب رسول... وارث الانبیاء... کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کرنے کی کوشش کرے، نائب رسول جب ہی کہلائے گا اور اصل کی صفات میں سے بھی ہر ہر صفت سے حصہ لے گا۔

ایک صفت ذکر فرمائی ”حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ“ لغت کے اندر جب کوئی شے اپنی حد سے نکل جائے تو اس کا نام بدل جاتا ہے، کسی چیز کی دل میں خواہش ہو تو اسے طلب کہا جائے گا، اگر طلب شدت اختیار کر جائے تو طمع اور طمع بھی شدت اختیار کر

جائے تو حرص کہا جائے گا۔

نبی کے بارے میں فرمایا ”حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ“ وہ تمہاری ہدایت کے لیے حریص ہیں، ایک جگہ فرمایا ﴿إِنْ تَخَرَّصْ عَلَى هَذَا هُمْ﴾ ایک جگہ فرمایا ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾

اسی طرح نائب نبی کو بھی چاہیے کہ اپنے دل میں لوگوں کی ہدایت کی حرص پیدا کرے، اور جس چیز کی دل میں حرص ہو آدمی اس کے لیے محنت کرتا ہے تو لوگوں کی ہدایت کے لیے محنت بھی کرے، ایک ایک مقتدی کو سمجھائیں اور ایک ایک مقتدی کو ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔

بے دینی دیکھ کر روئیں، فکر کریں کہ اگر اس شخص کی اسی حالت میں موت آگئی تو اس کا کیا ہوگا؟

حضرت ابو عمران جوئی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک راہب کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ وہاں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے راہب کو پکار کر کہا: یہ امیر المؤمنین ہیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا تو اس پر کالیف اٹھانے اور مجاہدہ کرنے اور ترک دنیا کے آثار نمایاں تھے۔ (یعنی مجاہدوں کی کثرت کی وجہ سے بہت خستہ حال اور کمزور ہو رہا تھا) اسے دیکھ کر حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ رو دیئے تو ان سے کسی نے کہا (آپ مت روئیں) یہ تو نصرانی ہے۔ (مسلمان نہیں ہے) تو حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا یہ مجھے معلوم ہے! لیکن مجھے اس پر ترس آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آ رہا ہے:

﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلِي نَارًا خَامِئَةً﴾

تَرْجَمَہ: ”(بہت سے لوگ) محنت کرنے والے تھکے ہوئے، گزریں

گئے رکتی ہوئی آگ میں۔“

یعنی کافر لوگ جو دنیا میں بڑی بڑی ریاضت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے دنیا کی مشقتیں اٹھانے کے باوجود دوزخ میں جائیں گے۔ مجھے اس بات پر ترس آیا کہ دنیا میں تھکا دینے والی محنت کر رہا ہے اور اتنے مجاہدے برداشت کر رہا ہے، لیکن مگر پھر بھی دوزخ میں جائے گا۔

## ائمہ کرام خود دین کی دعوت دینے کا اہتمام فرمائیں

امام خود بھی داعی ہو اور اپنے مقتدیوں کو بھی داعی بنائے، اور دعوت کے لیے گھر کو چھوڑ کر باہر گاؤں، دیہاتوں میں جانا پڑے تو ضرور جائے، گھر میں بیٹھے رہنے کی عادت سفر سے مانع نہ بن جائے۔

حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں خود حاضر ہوں، بل کہ آپ ﷺ اور آپ کے داعی صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے، اور کلمہ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یاسیل رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا۔ حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے، اور ان کے ترش و تند جوابوں کی پروا نہ فرماتے تھے، آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

امت کو دین پر لانے کا غم..... اور جہنم سے بچانے کی فکر..... نے ان کو لوگوں کے گھروں پر اور ٹھکانوں پر جانے کے لیے مجبور کیا۔ اسی طرح مالی اعتبار سے کمزور طبقے کو بھی انہوں نے دین پر لانے کی فکر فرمائی۔ تاریخ کے صفحات اس سے بھرے

ہوئے ہیں کہ کس طرح انہوں نے سردیوں میں اور گرمیوں میں راحت و آرام کا خیال کیے بغیر لوگوں کے گھروں میں جا کر دین پہنچایا۔

بعض مساجد ایسی جگہ واقع ہوتی ہیں، جہاں کوئی ہسپتال..... اسکول..... کالج..... سفارت خانہ..... حکومت کا کوئی اہم دفتر..... واقع ہوتا ہے۔

ایسی مساجد کے ائمہ کرام کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کمانے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ ائمہ کرام ان سے تعلق پیدا کر کے ان کو دین پر لانے کی فکر فرمائیں تو کئی گھرانوں میں دینی ماحول پیدا ہو سکتا ہے اور بہت جلد معاشرے میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صرف جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں، ان کے دفاتر میں جا کر اگر ان سے مل سیا جائے، ان سے تعلق پیدا کیا جائے، ان کو دین پر لانے کی کوشش کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکامات زندہ ہو جائیں۔ اور گناہوں والی زندگی سے لوگ بچ جائیں۔

ہم ائمہ کی جماعت کو اس ذمہ داری کا احساس ہو جائے، اور ہم سنجیدگی سے اس معاملہ پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ بے دینی کا ماحول مغلوب ہوتا جائے گا اور دین داری غالب آتی جائے گی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اعداء اسلام اپنے اپنے مراکز سے دن رات بے دینی پھیلانے کی محنت کرنے میں مصروف و مشغول ہوں۔ اور ہمارے مراکز یعنی مساجد صرف نمازوں کے وقت کھلیں، اور ان مراکز کے ذمہ دار حضرات ائمہ، علماء کرام اور قراء ان مراکز کو ۲۴ گھنٹے آباد کرنے کی فکر فرمائیں۔

اسی کو عرب کے ایک جید عالم شیخ صالح بن غانم السد لان اپنی کتاب "المسجد ودوره فی التربية والتوجيه وعلاقته بالمؤسسات الدعوية فی المجتمع" میں لکھتے ہیں۔

امام یہ بے قراری و بے چینی پیدا کرے کہ کم و بیش ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل

میرے محلے کی آبادی ہے اور نمازی صرف ڈھائی سو ہیں، اتنے بے نمازیوں کو نمازی کس طرح بتائیں، رات کو رو کر اللہ تعالیٰ سے مانگے دن کو لوگوں کے پیر پکڑ پکڑ کر ان کو مسجد میں لانے کی فکر کریں۔

حدیث کے امیر المؤمنین امام سفیان ثوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"وَاللّٰہُ اَلْوَلَمَ یَأْتُوْنِیْ لَأَقْبِلَنَّہُمْ فِیْ یَوْمِہُمْ" ۱

تَرْجُمہ: "اللہ کی قسم! (یہ میرے مقتدی شاگرد) اگر میرے پاس حدیث سیکھنے نہ آتے تو میں (حدیث سکھانے کے واسطے) ان کے گھروں میں جاتا۔"

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنے شاگرد ربیع کو فرماتے تھے:

"(یا ربیع!) لَوْ قَدَّرْتُ اَنْ اَطْعَمَكَ الْعِلْمَ لَا طَعَمْتُكَ" ۲

تَرْجُمہ: "اے ربیع! اگر میں اس بات کی طاقت رکھتا کہ علم کو کھانا بنا کر تمہیں کھلا دوں تو اس علم کو (خلو و بنا کر) تمہیں کھلا دیتا۔"

ایسی طلب جب امام کے اندر ہوگی تو مقتدیوں کو ضرور فائدہ ہوگا، امام اپنے اندر اب غم اور فکر پیدا کرے کہ اس کے آس پاس رہنے والے سب گھروں کے اندر دین داری پیدا ہو جائے، ہر مقتدی دین سیکھنے اور سکھانے والا ہو، لیکن یہ جب ہوگا جب ہم ائمہ مساجد خود ان میں سے ایک ایک کے پاس جا کر دین سکھائیں، اور یہی انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کا مبارک طریقہ ہے، اسی کے بارے میں شیخ صالح بن غانم السد لان اپنی کتاب "المسجد ودوره فی التربية والتوجيه وعلاقته بالمؤسسات الدعوية فی المجتمع" میں تحریر فرماتے ہیں:

یَجِبُ اَنْ یُعَلِّمَ الدُّعَاةُ اِلٰی اللّٰہِ اَنَّ النَّاسَ لَا یَأْتُوْنَ اِلَیْہِمْ بَلْ اَنْ



مَنْهَجَ رَسُولِ اللَّهِ جَمِيعًا صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ فِي إِبْلَاحِ الدَّعْوَةِ هُوَ الدِّهَانُ إِلَى مَنْ يُرِيدُونَ هِدَايَتَهُمْ إِلَى الْحَقِّ يَذُقُونَ أَثْوَابَهُمْ وَيُوقِظُونَهُمْ مِنْ سُبَاتِهِمْ.

وَلَنَا فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقَدْ لَبَّيْ عَشْرَ سِنِينَ يَتَّبِعُ حُجَّاجٌ فِي مَنَازِلِهِمْ فِي الْمَوَاسِمِ وَيَغْتَبِرُ قَدَمَيْهِ الشَّرِيفَتَيْنِ فِي التَّرَدُّدِ عَلَى أَسْوَاقِ الْعَرَبِ الْمُوسِمِيَّةِ وَأَمَاكِينِ تَجْمَعَانِهِمْ فِي سَبِيلِ إِيصَالِ كَلِمَةِ الْحَقِّ وَإِبْلَاحِ دَعْوَةِ اللَّهِ تَعَالَى.

وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ الْكَرَامُ فِي جَمِيعِ الْأَزْمِنَةِ وَالْأَمَكْنَةِ يُبْلِغُونَ الدَّعْوَةَ إِلَى النَّاسِ بِالْحُرُوكَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ وَالتَّشْمِيرِ الدَّائِمِ وَلَيْسَ بِالْجُلُوسِ فِي الْبُيُوتِ أَوْ فِي الْمَسَاجِدِ وَالزَّوَايَا وَبِهَذَا اِنْتَشَرَتِ الدَّعْوَةُ الْإِسْلَامِيَّةُ فِي أَرْجَاءِ الدُّنْيَا بِالتَّحْرُكِ الْمُتَوَاصِلِ حَتَّى رَوَيْتِ الْأَرْضَ بِقَطْرَاتِ عَرَقِ جَبِينِهِمْ وَرَوَيْتِ الْقُلُوبَ الْمُتَعَطِّشَةَ بِدَعْوَتِهِمُ الْمُبَارَكَةِ.

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ مِثَالًا يَحْتَدِي فِي إِيصَالِ كَلِمَةِ الْحَقِّ وَبَذْلِ الْجُهْدِ قَدْرَ الْمُسْتَطَاعِ دُونَ تَوْفِيرِ وَقْتٍ أَوْ خَوْفٍ عَلَى مَنَاقِبِ الدُّنْيَا وَزُخْرُفِهَا.

فَعَلَى الدَّعَاةِ غَايَةُ بِأَيِّمَةِ الْمَسَاجِدِ (مِنْ الْحُجَّاجِ) أَنْ يَتَحَرَّكُوا بِسُرْعَةٍ وَيُوسِعُوا دَائِرَةَ تَحْرُكِهِمْ شَيْئًا فَشَيْئًا وَاضْمِغِينَ فِي إِعْتِبَارِهِمْ أَسَاسًا هَامًا وَرَكِيزَةً رَكِيزَةً هِيَ التَّعَدُّدُ وَالتَّنَوُّعُ وَالْإِمْتِدَادُ وَالتَّوَسُّعُ فَلَا تُقْصِرُ الدَّعْوَةُ عَلَى الْمَسَاجِدِ وَالتَّجْمَعَاتِ الْإِسْلَامِيَّةِ بَلْ يَنْبَغِي أَنْ تُنْطَلَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَى الْأَنْدِيَةِ الرِّيَاضِيَّةِ وَالنَّفَاقِيَّةِ وَالْمُعَسَّكَاتِ وَالْمُخِيْمَاتِ وَأَمَاكِينِ الْعَمَلِ وَالسَّوَاقِ وَالزَّوَارِعِ

وغيرها من الأماكن التي تعود الناس الاجتماع. وهناك حقيقة هامة في هذا المجال هي: أن القاعدة العريضة من أفراد الشعوب في العالم الإسلامي عمال وأصحاب حِرَفَ وَهُمْ مِنَ الْكثَرَةِ بِمَكَانٍ فَإِذَا أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ الْعُمَالُ حَقُّهُمْ مِنَ الْعِنَايَةِ وَالرِّعَايَةِ وَالتَّوْجِيهِ الْإِسْلَامِيِّ فَإِنَّهُمْ مَكْتَسِبٌ كَثِيرٌ لِلْإِسْلَامِ وَرَصِيدٌ هَائِلٌ لِلْعَامِلِ الْإِسْلَامِيِّ لَا يَنْبَغِي لِلدَّعَاةِ أَنْ يُفَرِّطُوا فِيهِ بِحَالٍ.

إِنَّ إِمَامَ الْمَسْجِدِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَغْشَى هَذِهِ الْأَمَاكِينِ وَأَنْ يَقُومَ بِجُهُودٍ طَيِّبَةٍ مَعَ الْعُمَالِ فَيُحْيِيَهُمْ فِي الدِّينِ وَالتَّوْبَةِ وَيُفَقِّهَهُمْ وَيُرْشِدُهُمْ إِلَى قِيَمِ الْإِسْلَامِ وَأَخْلَاقِهِ وَأَذَابِهِ عَنْ طَرِيقِ الْمُحَاضَرَاتِ وَالنِّدَاوَاتِ وَغَيْرِهَا وَيَعْرِفَهُمْ بِحَقُوقِهِمْ وَوَاجِبَاتِهِمْ مِنْ جِهَةِ نَظَرِ إِسْلَامِيَّةٍ وَيُبَيِّنُ لَهُمْ يَوْجِبَاتِهِمْ نَحْوَ أَوْ طَائِفَةٍ مِنَ الْعَالَمِ الْإِسْلَامِيِّ كُلِّهِ وَيَحْفَظُهُمْ عَلَى إِتْقَانِ الْعَمَلِ وَوَفَرَةِ الْإِنْتِاجِ لِتَحْقِيقِ الْإِكْتِفَاءِ الدَّائِمِ مِنَ الْإِنْتِاجِ وَتَحْقِيقِ الْقُدْرَةِ عَلَى وُجُودِ فَائِضٍ لِلتَّصَدِيقِ وَالْمُنَافَسَةِ وَتَنْمِيَةِ الْإِقْتِصَادِ الْإِسْلَامِيِّ وَفَقًا لِشَرِيعَةِ الْإِسْلَامِ وَمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ ..... الخ.

اگر ہم چاہتے ہیں دین دنیا بھر میں زندہ ہو جائے، ہر شعبہ اور ہر ملک کے رہنے والے دین دار بن جائیں، سارے مردوں و عورتوں، جاہلوں، پڑھے لکھوں، شہروں اور دیہاتوں میں دین عام ہو جائے تو ہمیں خود بھی داعی بننا ہوگا، اور ہر مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت ان کو بھی داعی بنانا ہوگا۔

لہذا ائمہ حضرات دین کی دعوت دینے کا اہتمام فرمائیں نماز پڑھا کر گھر میں بیٹھ جانا اور لوگوں کے ساتھ نمازوں کی حد تک تعلق رکھنا، یہ صرف نامناسب ہی نہیں

بل کہ منصب نبوت کے بھی خلاف ہے اور طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو عیب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ طبقات بن سعد میں روایت ہے:

وَلِذَلِكَ كَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يُكْرَهُونَ أَشَدَّ الْإِنْكَارِ عَلَى مُؤْمِنٍ يَتَوَارَى فِي بَيْتِهِ وَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّ أَقْلَ الْعَيْبِ عَلَى الْمَرْءِ أَنْ يَجْلِسَ فِي دَارِهِ ۱

يَقُولُ الْغَزَالِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ: "إِعْلَمْ أَنَّ كُلَّ قَاعِدٍ فِي بَيْتِهِ أَيْمًا كَانَ فَلَيْسَ خَالِيًا فِي هَذَا الزَّمَانِ عَنْ مُنْكَرٍ مِنْ حَيْثُ التَّقَاعِدِ عَنْ إِرْشَادِ النَّاسِ وَتَعْلِيمِهِمْ وَحَمْلِهِمْ عَلَى الْمَعْرُوفِ فَأَكْثَرُ النَّاسِ جَاهِلُونَ بِالشَّرْعِ فِي شُرُوطِ الصَّلَاةِ فِي الْبِلَادِ، فَكَيْفَ فِي الْقُرَى وَالْبَوَادِي وَمِنْهُمْ الْأَعْرَابُ وَالْأَكْرَادُ وَالشُّرَكَائِيَُّّةُ وَسَائِرُ أَصْنَافِ الْخَلْقِ" ۲

الدَّاعِيَةُ رَحَالَةً كَانَ الدُّعَاةُ إِلَى اللَّهِ يَسْمَحُونَ لِنَشْرِ الدَّعْوَةِ وَتَبْلِيغِهَا، وَيَأْذِنُونَ النَّاسَ بِالْكَلَامِ وَتَحْتَكُونَ بِهِمْ إِحْتِكَامًا هَادِفًا، وَلَا يَنْتَظِرُونَ مَجِيءَ النَّاسِ لَهُمْ لِيَسْأَلُوهُمْ هَلْ كَذَا كَانَ شَأْنُ الدُّعَاةِ دَوْمًا.

أَلَا تَرَى أَنَّ الْأَعْرَابِيَّ يَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا مُحَمَّدُ أَتَانَا رَسُولُكَ فَرَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزَعِمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ" ۳ أَتَاهُمْ رَسُولُهُ دَاعِيًا وَكَذَلِكَ النَّاسُ تُرَوِّى وَمَنْ أَنْتَظَرَ أَنْ يَأْتِيَهُ النَّاسُ فَلَيْسَ بِدَاعِيَةٍ.

لَا بُدَّ مِنْ تَحَرُّكِ وَمَبَادَاةٍ وَعُدُوٍّ وَرَوَاجٍ وَتَكَلُّمٍ وَزَعِيمٍ، لَيْسَ

۱ طبقات ابن سعد، طبقات البدرين من المهاجرين: ۲/۸۹۸، رقم: ۴۷

۲ علو الهمة: ۲۶۱، مسلم، الأيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، رقم: ۱۲

الْقُعُودُ وَالتَّمَنَّى مِنَ الطَّرِيقِ الْمُؤَصِّلَةِ فَافْقَهُ سِيرَةَ سَلَفِكَ وَقَلِّدْهُمْ تَصِلْ، وَالْإِلَّا فَرَاوِجْ فِي مَكَانِكَ فَإِنَّكَ لَنْ تَبْرَحَهُ ۱

نَحْنُ فِي ذِي الْحَيَاةِ رَكِبْتُ سَفَارًا ۲ يَصِلُ الْأَجِيقِينَ بِالْمَاضِيَا قَبْلَهُدَانَا السَّيْلَ مَنْ سَبَقُونَا ۳ وَعَلَيْنَا هِدَايَةُ الْآيِنَا نَعْمَ تَبَعُوا رَحِمَهُمُ اللَّهُ حَتَّى أَوْصَلُوا عَقِيدَةَ التَّوْحِيدِ لَنَا، وَرَبُّونَا، وَهَدُّونَا وَانْتَشَلُونَا، مِنْ مُخَاطِرِ مُتَلَفَةٍ وَعَلَيْنَا أَنْ نَكُونَ أَوْفَى لَهُمْ نَفَقْدَ عَهْدِنَا جَبِينِ أَخَذُوا عَلَيْنَا وَمِثْلُ الَّذِي عَمَلُوا ۴

تَرْجَمَتَا: "اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے مؤمن کو بڑی سختی سے منع کرتے تھے، جو اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھتا تھا، اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ میں کم سے کم عیب یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں جا کر بیٹھ جائے (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے، اس کو ہم عیب شمار کرتے ہیں)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جان لو! کہ اس زمانے میں آدمی کا گھر میں بیٹھ جانا، چاہے کوئی بھی ہو گناہ سے خالی نہیں ہے، جب کہ اس کا بیٹھنا لوگوں کو دین نہ سکھانے، راست روی کی طرف راہنمائی نہ کرنے اور ان کو بھلائی پر آمادہ نہ کرنے کی وجہ سے ہو، حالاں کہ شہروں میں اکثر لوگوں کا دین سے ناواقفیت کا یہ حال ہے کہ ان کو نماز کی شرائط تک کا علم نہیں تو پھر گاؤں اور دیہات کے لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جن میں کچھ تو بدوی ہیں، بعض کردی (عراق و ایران میں بسنے والی قوم) اور بعض ترکمانی (ترکی قوم) اور تمام قسم کے لوگ ہیں۔

(لہذا ہر حال میں دین کی دعوت دینی چاہیے) اور اللہ کی طرف دعوت دینے

۱ علو الهمة: ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۶۹، ۲۶۹، علو الهمة: ۲۶۴

۲ صلاح الأئمة: ۲/۸۶

والے تو کثیر الاسفار ہوا کرتے ہیں جو اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ ہی کے لیے سیاحت اور سفر کرتے ہیں، لوگوں سے گفتگو کرنے میں پہل کرتے ہیں اور ان کی طرف چھوٹے اور تیز قدموں سے چلتے ہیں، چنانچہ وہ اس بات کا انتظار نہیں کرتے کہ لوگ خود ان کے پاس (دین سیکھنے اور مسائل) پوچھنے آئیں اور داعیین کا ہمیشہ یہی طریقہ کار رہا ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”اے محمد (ﷺ) ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا تھا، جو ہمیں یہ باور کرا رہا تھا کہ آپ (ﷺ) کا یہ خیال ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے“ (یعنی آپ اللہ کے رسول ہیں)۔

تو اسی طرح دین کی دعوت دینے کے لیے لوگ دوسروں کے پاس جایا کرتے تھے جس طرح یہ قاصد بدوی کے پاس گیا، اور جس نے لوگوں کے آنے کا انتظار کیا کہ لوگ خود چل کر اس کے پاس دین سیکھنے آئیں تو وہ داعی کامل نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ کے دین پھیلانے کے لیے نقل و حرکت، آمد و رفت اور اس بارے میں لوگوں سے میل جول اور بات چیت ہو چنانچہ صرف تہائی میں جا کر بیٹھنا اور یہ آرزو کرنا کہ ہر جگہ دین پھیل جائے، کامیابی تک پہنچانے والا راستہ نہیں ہے، سوائے بزرگوں کے طریقہ کار کو سمجھ لو اور ان کی پیروی کر لو تو صحیح راستے تک پہنچ جاؤ گے۔

(ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے) کہ ”ہم اس دنیا کی زندگی میں سوار مسافر ہیں اور ملنے والے ہمارے گزشتہ لوگوں سے ملتے ہیں، ہمارے اگلوں نے ہماری سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی اور ہم پر اپنے پچھلوں کی راہنمائی لازم ہے“

جی ہاں ان حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے حرکت کی یہاں تک کہ ہمیں توحید کا عقیدہ پہنچایا، ہماری تربیت کی، ہمیں تہذیب سکھائی اور ہمیں لپٹے ہوئے خیالات و

تصورات سے بڑی عجلت کے ساتھ نکال باہر کیا، اب ہم پر بھی لازم ہے کہ اس عہد کو پورا کریں جو انہوں نے ہم سے لیا تھا کہ ہم بھی ان کی طرح عمل کریں گے۔“

### امام لوگوں میں سیکھنے کا جذبہ پیدا کرے

امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں دین سیکھنے کا جذبہ اور حرص پیدا کرے اور ایسا جذبہ اور حرص پیدا کرے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں ہوتا تھا۔

چنانچہ اسی بارے میں صاحب صلاح الامر فرماتے ہیں:

وَكَانَ مِنْ شِدَّةِ حِرْصِهِمْ عَلَى تَلْقَى الْعِلْمِ أَنَّهُ إِذَا تَفَيَّبَ أَحَدُهُمْ لِيُظَرِّفَ عَنْ دَرَسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ صَاحِبَهُ عَنْ بَحْرٍ ذَلِكَ الْمَجْلِسِ كَمَا كَانَ يَفْعَلُهُ عُمَرُ مَعَ جَارِهِ الْأَنْصَارِيِّ. وَلَقَدْ شَمَلَتْ هِمَّةُ طَلَبِ الْعِلْمِ وَتَحْصِيلُهُ جَمِيعَ أَفْرَادِ الْمُجْتَمِعِ تَقْرِيبًا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ "كَانَتْ الْوُفُودُ تَأْتِي مِنْ أَقْصَى الْجَزِيرَةِ الْعَرَبِيَّةِ لِيَتَأَخَذَ الْعِلْمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَدَّثَ لَوْفِدُ عَبْدِ الْقَيْسِ وَغَيْرِهِمْ."

وَلَمْ يَتَقَصَّرِ الْأَمْرُ عَلَى الرِّجَالِ بَلِ النِّسَاءُ اهْتَمَمْنَ بِالْعِلْمِ غَايَةً الْإِهْتِمَامِ فَعَلَى الرَّغْمِ مِنْ حُضُورِهِنَّ مَجَالِسَ الْعِلْمِ. كَمَا ذَكَرْنَا سَابِقًا. وَتَخْصِيصُ الرَّسُولِ لَهُنَّ وَقْتُاً فَقَدْ كَانَ بَعْضُ النِّسَاءِ يَذْهَبْنَ إِلَى نَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلْنَهُ وَيَسْأَلْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا حَتَّى قَالَتْ: "نَعَمْ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْنَهُنَّ الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ."

تَرْجُمہ: ”حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم و دین حاصل کرنے میں



استے حریص ہوا کرتے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی ضروری کام کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے درس سے غیر حاضر ہوتا تو وہ بعد میں اپنے ساتھی سے اس درس کے متعلق پوچھتا (کہ رسول اللہ ﷺ نے کل کیا ارشاد فرمایا تھا) جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے انصاری پڑوسی سے پوچھ لیا کرتے تھے۔

اور اس علم دین کی طلب کرنے اور حاصل کرنے میں سارے لوگ شامل تھے جیسا احادیث میں آتا ہے کہ عرب کے دور دراز جزیروں سے علم دین حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفود آیا کرتے تھے اور آپ ﷺ سے دین سیکھتے تھے۔ چنانچہ یہ علم دین حاصل کرنا صرف مرد حضرات تک منحصر نہیں تھا، بل کہ عورتیں بھی علم دین حاصل کرنے کا انتہائی اہتمام کیا کرتی تھیں، باوجود اس کے کہ وہ علمی مجالس میں حاضر نہیں ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک وقت متعین فرمایا تھا، جس میں وہ خواتین دین سیکھتی تھیں اور بعض صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ایسی بھی تھیں کہ وہ حضور ﷺ کے گھر جاتی تھیں، آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دین کے متعلق پوچھا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ: ”کیا ہی نیک ہیں انصار کی عورتیں کہ ان کو دین سمجھنے میں حیا مانع نہیں ہوتی۔“

لہذا ائمہ کرام کو چاہیے کہ اسی طرح لوگوں میں دین سیکھنے کا جذبہ پیدا کریں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں دین سیکھنے کا جذبہ تھا۔

ائمہ کرام ہر آنے والے کو دین کی دعوت دیں

ہر آنے والے مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔ آپ کے پاس جو بھی مہمان

آئے اس کا ظاہری اکرام بھی کیجیے جو کچھ ہو سکے جتنا کچھ ہو سکے اس کی خاطر مدارت کیجیے۔ عربی کا ایک جملہ ہے:

”مَنْ زَارَ أَحَدًا وَلَمْ يَذُقْ عِنْدَهُ شَيْئًا فَكَأَنَّمَا زَارَ مَيِّتًا“

”جو شخص کسی سے ملاقات کے لیے گیا اور اس کے پاس کچھ

کھایا یا پیانہیں تو گویا ایسا ہے کہ کسی میت کی زیارت کے لیے گیا۔“

لہذا کم از کم ٹھنڈے پانی سے، مسکراتے ہوئے چہرے سے یا نکیہ پیش کرنے سے اس کے دل میں سرور پیدا کیجیے اور اس کا اکرام کیجیے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس مہمان کا جو بڑا حق بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو دین کی دعوت دیجیے۔ نماز کا وقت ہو جائے تو اپنے ساتھ مسجد لے جائیں، باجماعت نماز پڑھنے کے فضائل سنائیں اور بغیر کسی عذر و شرعی کے نماز نہ پڑھنے پر یا گھر میں پڑھنے پر وعیدیں سنائیں بغیر اس سے کسی دنیاوی نفع لینے کے، محض اس نیت سے کہ اس کی آخرت بن جائے اس کے گھر والوں اور خاندان کی آخرت بن جائے اور اس کے ذریعے سے ہزاروں لوگوں کی آخرت بن جائے۔ اس جذبے سے جب دعوت دی جائے گی تو ضرور اس کا اثر ہوگا اور پھر اس دعوت کے بعد جس کو دعوت دی گئی ہے اس کے لیے دعا بھی ہوگی تو ان شاء اللہ العزیز ضرور بالضرور آپ کے نامہ اعمال میں ہزاروں لوگوں کے اعمال درج ہوں گے اور ہماری موت کے بعد کئی لوگ ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوں گے۔ موقع مناسبت دیکھتے ہوئے مثبت انداز میں دعا مانگ کر ضرور دعوت دیں۔

ہمارا تو مقصد ہی یہ ہونا چاہیے کہ جس قدر ہمیں دنیا میں لحات و مساعات ملے ہیں وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے صرف ہو جائیں، اسی کو شیخ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”يَكُونُ الْفَرَصُ مِنَ الْوَحِيدِ مِنَ الْمُتَخَرِّجِينَ فِي الْمَدَارِسِ“

النَّاجِحِينَ فِي عُلُومِهَا أَنْ يَكُونُوا صَالِحِينَ فِي أَنْفُسِهِمْ  
وَأَخْلَاقِهِمْ وَأَذَانِهِمْ، مُصْلِحِينَ لِنَفْسِهِمْ، رَاشِدِينَ  
مُرْشِدِينَ، مُهْتَمِينَ بِتَرْبِيَةِ الْأُمَّةِ۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”حالمین قرآن و حدیث کی ایک ہی غرض ہونی چاہیے وہ یہ کہ  
خود بھی نیک ہوں اور اپنے اچھے اخلاق و آداب کے ذریعے سے  
دوسرے لوگوں کی بھی اصلاح کرتے والے ہوں اور امت کو دینی  
تربیت اور دین کی طرف لانے میں راہنمائی کرنے والے ہوں۔“

دعوت دیتے ہوئے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس بھائی کی ہدایت  
کے لیے اور اس کے ذریعے سے لوگوں کے دین پر آنے کے لیے دعا کرتا رہے۔  
ہمارے اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح دعوت کی لگن اور امت کی فکر تھی، اس کا یہ نتیجہ  
ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے ہزاروں لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائی۔  
حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔

”حضرت والد صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی عملی زندگی کے بیشتر شعبے دین کی  
دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت ہی سے متعلق تھے، جن میں عوام و خواص دونوں کو تبلیغ  
حق کے کام شامل تھے اور تبلیغ و دعوت کے اصولوں کے بارے میں آپ کا ایک سوچا  
سمجھا نظریہ تھا جسے آپ اکثر اہل علم کی مجلسوں میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تذکیر کی خاصیت یہ رکھی  
ہے کہ اس سے فائدہ ضرور پہنچتا ہے، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَذِكْرُ لَكُمْ أَنْ تَقْبَلُوا النَّفْسَ الْفَاسِقَةَ﴾<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”اور آپ نصیحت کیجیے، اس لیے کہ نصیحت مسلمانوں کو فائدہ  
پہنچاتی ہے۔“

لیکن اگر ہم لوگوں کو اپنی دعوت و تبلیغ کا کوئی کام بے اثر یا غیر مفید معلوم ہوتا  
ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم نے دعوت کے پیغمبرانہ اسلوب کو چھوڑ دیا ہے۔  
دعوت در حقیقت انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کا کام ہے اور جب تک اسے ان ہی طریقوں کے  
مطابق انجام نہیں دیا جائے گا جس طرح انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام نے انجام دیا، اس وقت  
تک مؤثر نہیں ہو سکتا۔<sup>۱</sup>

### گھر والوں کو نماز پڑھوانے کی فکر

ائمہ کرام اپنے رشتہ دار، بیوی بچے، بہن، بھائی پر وی اور دیگر متعلقین کو نماز کا  
عادی بنانے کی فکر کریں، کوشش کریں، اس کے متعلق بات کریں اور ترغیب دیں۔  
اسلام نے پوری امت کی ذمہ داری حضور ﷺ کے بعد، علماء کرام اور پھر ہر امتی  
پر ڈالی ہے۔ خود آں حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾<sup>۲</sup>

ترجمہ: ”اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجیے اور خود اس پر جبر سے۔“

اسی طرح ارشاد فرمائی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾<sup>۳</sup>

ترجمہ: ”اے ایمان والو! خود کو اور اپنے متعلقین کو جہنم کی آگ سے  
بچاؤ۔“

اس لیے ائمہ کرام ہر مسلمان کو اس ذمہ داری کا احساس دلائیں کہ جب آپ فجر  
کی نماز کے لیے اٹھتے ہیں یا کسی دوسری نماز کے لیے مسجد کی طرف چلتے ہیں تو گھر  
میں ضرور اپنی بیوی، بہن اور والدہ کو فجر کی نماز کے لیے اٹھا کر چلیں اور بھائیوں اور  
بیٹوں کو تو اپنے ساتھ لے جائیں کیوں کہ آپ کا ذمہ صرف خود نماز پڑھنے سے فارغ

نہیں ہوگا بل کہ روزِ محشر آپ سے اپنی رعیت اور ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”تم میں ہر ایک نگہبان (اور محافظ ہے) اور ہر ایک سے اس

کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ پوری امت کو خاص طور سے ہم کو اس ذمہ داری کے احساس کی توفیق

عطا فرمائے آمین۔

اس زمانے میں دعوت و اصلاح کا کام پوری طرح مؤثر نہ ہونے کے دو سبب

ہیں۔

ایک تو یہ کہ فسادِ زمانہ اور حرام چیزوں کی کثرت کے سبب عام طور پر لوگوں کے

قلوب سخت اور آخرت سے غافل ہو گئے ہیں اور قبولِ حق کی توفیق کم ہو گئی ہے اور

بعض تو اس قہر میں مبتلا ہیں جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی کہ آخر زمانے

میں بہت سے لوگوں کے قلوب اوندھے ہو جائیں گے، بھلے برے کی پہچان اور جائز و

ناجائز کا امتیاز ان کے دل سے اٹھ جائے گا۔

اور دوسرا سبب یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوتِ حق

کے فرائض سے غفلت عام ہو گئی ہے، عوام کا تو کیا ذکر خواص علماء و مسلمان میں اس

ضرورت کا احساس بہت کم ہے، یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اپنے اعمال درست کر لیے جائیں

تو یہ کافی ہے خواہ ان کی اولاد..... بیوی..... بھائی..... دوست..... احباب..... کیسے

ہی گناہوں میں مبتلا رہیں ان کی اصلاح کی فکر گویا ان کے ذمہ ہی نہیں، حالاں کہ

قرآن و حدیث کی نصوص صریح ہر شخص کے ذمہ اپنے اہل و عیال اور متعلقین کی

۱۔ بخاری، الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ: ۱۰۵۷/۲

اصلاح کو فرض قرار دے رہی ہیں ﴿قُلُوا أَنْفُسُكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾<sup>۲</sup>

اور پھر اگر کچھ لوگ دعوت و اصلاح کے فریضہ کی طرف توجہ دیتے بھی ہیں تو وہ

قرآنی تعلیمات اور دعوتِ پیغمبرانہ کے اصول و آداب سے نا آشنا ہیں، بے سوچے

سمجھے جس کو جس وقت جو چاہا کہہ ڈالا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا

ہے، حالاں کہ یہ طرزِ عمل سنتِ انبیاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دین اور

احکامِ دین پر عمل کرنے سے اور زیادہ دور پھینک دیتا ہے۔

خصوصاً جہاں کسی دوسرے پر تنقید کی نوبت آئے تو تنقید کا نام لے کر تنقیص

اور استہزاء و تمسخر تک پہنچ جاتے ہیں۔

آج کل تو ایک دوسرے کے عیوب کو اخباروں، اشتہاروں کے ذریعے منظر

عام پر لانے کو دین کی خدمت سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین اور اس

کی دعوت کی صحیح ہدایت اور آداب کے مطابق اس کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین)۔<sup>۳</sup>





## مکتب کی ضرورت

پس منظر:

برصغیر پاک و ہند مل کہ پوری دنیا میں مسلمان جہاں گئے وہاں اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے مکاتب کا نظام مرتب کیا۔ مکتب کی ضرورت ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس سے کوئی مسلمان بچہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ مستقبل میں دینی تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ کرے یا اسکول و کالج کی طرف متوجہ ہو۔ کیوں کہ والدین کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو بہترین دینی طرز کی تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام کریں۔

مکتب گویا کہ ہر مسلمان بچے کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے اور اسے ایک باعمل مسلمان بنانے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جس بچے کا تعلق مکتب سے رہا ہوگا وہ چاہے کسی بھی شعبہ میں چلا جائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے دین کے دشمنوں کا آکرہ نہیں بنے گا۔ اس کی دین اور اہل دین سے محبت باقی رہے گی۔ قرآن کریم سے تعلق اور بنیادی ضروری دینی مسائل سے واقفیت رہے گی جو کہ دین و دنیا میں کامیابی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرمایا کرتے تھے:

”إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مکتب میں پڑھنے والا بچہ کبھی بے دین نہیں ہوگا۔“

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تحریر فرماتے ہیں:

”بچوں کا ذہن صاف ستھرا ہوتا ہے اس لیے ان کی جیسی ذہنی تربیت کی جائے گی اس کے مطابق بچوں کے ذہن میں وہ باتیں جمتی جائیں گی۔ اگر اسلامی انداز پر

تربیت کی گئی تو اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وہ بڑا ہو کر بھی اسی انداز پر رہے گا۔“  
حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تحریر فرماتے ہیں:

”ماں باپ پر اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے خوب اچھے طریقے سے واقف کریں۔۔۔۔۔ یہ ان کا ماں باپ پر بہت بڑا حق ہے، جسے پورا کرنا اور اس پر پوری توجہ دینا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنے فریضے سے سبک دوش نہیں ہو سکتے۔“

## مکاتب کا نظام:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ساری دنیا میں مکاتب کا نظام چل رہا ہے خصوصاً جنوبی افریقہ، انگلستان، ملاوی، موزمبیق، متحدہ عرب امارات، اور پاکستان کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں بھی علمائے کرام اور ائمہ مساجد نے ایسی محنت فرمائی ہے کہ تقریباً ہر مسجد میں ایک مکتب قائم کیا ہے اور مقامی عام مسلمانوں پر ایسی محنت فرمائی ہے کہ کوئی بھی بچہ اپنی ابتدائی عمر میں مکتب میں جانے سے نہ رہے۔ لہذا آپ کو کوئی ایسا مسلمان مشکل سے ملے گا جو دینی علوم سے واقفیت اور دین سے محبت نہ رکھتا ہو۔

## فوائد:

بھم اللہ ان مکاتب میں اساتذہ کرام ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ اچھی تجوید بھی پڑھاتے ہیں اور ان بچوں اور بچیوں میں دینی رجحان، عملی اور اخلاقی رنگ اور تقویٰ و پرہیزگاری۔۔۔۔۔ طہارت و پاکیزگی۔۔۔۔۔ نماز و تلاوت کا اہتمام، صدق و سچائی۔۔۔۔۔ توکل۔۔۔۔۔ قناعت شعاری۔۔۔۔۔ صبر و شکر۔۔۔۔۔ معاملات میں درستگی اور خیر خواہی جیسی

قیمتی صفات کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

ان تعلیمات کی برکت سے غیر محسوس طور پر بچوں میں اخوت و بھائی چارگی ..... ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ..... اسلامی تعلیمات کی محبت پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ آج کے بچے کل کے معمار امت ہیں اور چوں کہ ان کے معصوم دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوتے ہیں ابھی تک یہ حقیقت بالکل صاف ہے لہذا پہلا نقش جو بھی دیکھیں گے ہم تن توجہ اور دھیان سے اِنْ شَاءَ اللہ اس طرف راغب ہوں گے اور جو کچھ سیکھیں گے وہ پتھر کی لکیر بن جائے گی۔

### مکتب کا تعارف:

مساجد اور مکاتب قرآنیہ کے اساتذہ کرام اور ائمہ مساجد اگر دو ڈھائی گھنٹوں میں سے روزانہ آدھا یا پونا گھنٹہ بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے دیں اور اس آدھا پونا گھنٹہ میں ایک ایسا تعلیمی اور تربیتی نصاب پڑھائیں جس میں ایمانیات ..... عبادات ..... تجوید ..... احادیث مبارکہ ..... اخلاق و آداب ..... روزمرہ کی مسنون دعاؤں اور سیرت النبی ﷺ کا تذکرہ موجود ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ ان بچوں میں مندرجہ ذیل اعلیٰ ایمانی صفات پیدا ہوں گی۔

① دین پر چلنے کا شوق

② نمازوں کا اہتمام

③ والدین اور اساتذہ کا ادب

④ پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی

⑤ روزمرہ کی دعا گیں

⑥ عملی زندگی کے آداب

⑦ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت و اتباع

⑧ دین پھیلانے کا جذبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کراچی کی بعض مساجد و مدارس میں کچھ علماء کرام نے مختلف ناموں سے ”تعلیم القرآن“ کے چھوٹے بڑے مکاتب کا کام شروع فرمایا ہے جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو رہے ہیں۔ اسی جذبہ خدمت کے تحت ایک کتاب ”ترہیتی نصاب“ کے نام سے شائع کی گئی ہے جو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مندرجہ بالا خوبیوں پر مشتمل ہے۔

### گزارش:

ائمہ کرام سے انتہائی ادب سے گزارش کی جاتی ہے کہ اگر وہ بھی اپنی اپنی مساجد میں بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے ”مکاتب قرآنیہ“ میں تربیت کا اہتمام فرمائیں تو اِنْ شَاءَ اللہ وہ وقت دور نہیں کہ مسلمان قوم کا بچہ اپنے دین کا صحیح سمجھنے والا اور داعی اسلام بنے گا اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنے گا۔ نیز یہ کہ مکاتب قرآنیہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری اخروی مشکلات کو بھی آسان فرمادے گا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

”شرح احياء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔“ لے

قرآن کریم کی خدمت تعلیم و تعلم اور نشر و اشاعت کے بہت سارے فضائل ہیں۔ علماء حضرات نے ان فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی بتلائی ہے کہ قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے والے کو اور اس کام کو اپنا مقصد زندگی بنانے والے کو اللہ تبارک و تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ سے خاص الخاص نسبت بھی عطا فرمائیں



گے۔

چنانچہ مولانا منظور احمد نعمانی صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے:

”یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کے ذریعے قرآن مجید کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے لینا، اس کی حکمت کو سمجھنا اور دوسروں تک اس کو پہنچانا اور اس کو سکھانا تھا۔ اس لیے اب قیامت تک جو بندہ قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے کو اپنا شغل اور وظیفہ بنائے گا وہ گویا رسول اللہ ﷺ کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہوگا اور اس کو اس حضرت ﷺ سے خاص الخاص نسبت حاصل ہوگی۔“

مکاتب قرآنیہ کا قیام قوم کے سربراہ، ذمہ دار افراد اور علمائے کرام کی ذمہ داریوں میں سے ہے نیز یہ کہ مکاتب قرآنیہ کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر ہمارے اکابر ہر دور میں اس کی ترغیب دیتے چلے آئے ہیں۔

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”ایسی ابتدائی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے عوام المسلمین کے تمام بچے مستفید ہو سکیں اور ضروریات دین کا علم ہر مسلم گھرانے میں پہنچ جائے۔“

اس مسئلے کا حل ابتدائی مکاتب ہیں جو ہر محلہ کی مسجدوں میں قائم ہوں اور ان کا تعلق محلوں ہی میں ہوں بل کہ دیہات میں بھی جا بجا قائم ہونے ضروری ہیں۔ باحیثیت مسلمان اپنے اثرات سے دیہات کی تمام مساجد میں ایسے مکاتب قائم کروں۔“

حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی مکاتب قرآنیہ کے قیام کی اپیل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”قوم کے سربراہ اور قائدین پر لازم ہے کہ جگہ جگہ اپنے علاقوں، اپنی بستی،

اپنے محلوں میں بھی مدارس اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ قائم کریں اور مسلمانوں کے بچوں اور بچیوں کے لیے دینی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کریں۔“

انہی میں ایک مرتبہ پھر آئمہ کرام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اکابر کے مندرجہ بالا ارشادات کو پڑھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش فرمائیں اور اپنے زیر اثر علاقے میں مکاتب قرآنیہ کا قیام عمل میں لائیں۔

تَمَّتْ

بِعَوْنِ اللَّهِ تَعَالٰی وَتَصَرُّفِهِ وَفَضْلِهِ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ وَصَلَّى  
اللَّهُ تَعَالٰی عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

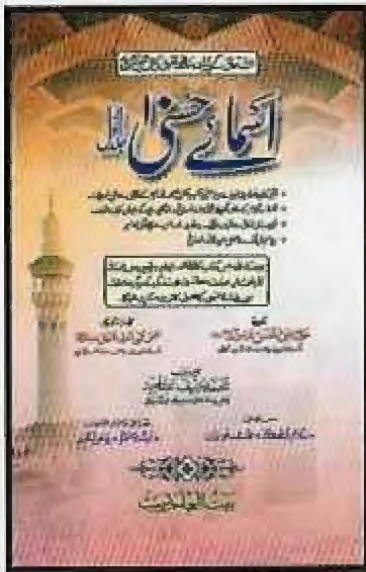




## مراجع و مصادر

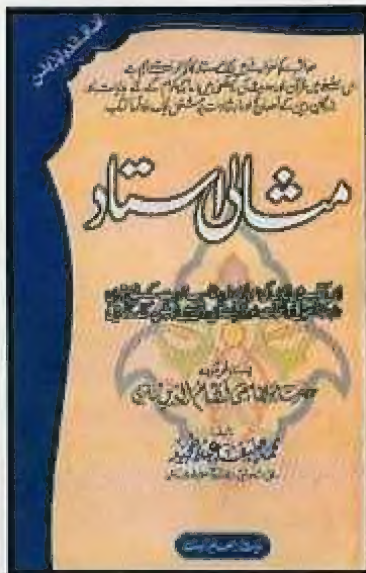
کتابوں کے نام	مصنفین کے نام	مطبع
ابوداؤد.....	(حافظ سلیمان بن الأشعث).....	(ایچ. ایم. سعید کمپنی کراچی)
ابن ماجہ.....	(حافظ ابو عبد اللہ محمد ابن ماجہ).....	(مکتبہ رشیدیہ دہلی ہند)
ابن حبان.....	ترتیب امیر علاء الدین.....	مکتبہ التجاریہ، مکہ المکرمہ
الترغیب والترہیب.....	(حافظ زکی الدین بن عبد العظیم).....	(دارالکتب العلمیہ بیروت)
المعجم الكبير.....	(حافظ ابو القاسم سلیمان الطبرانی)....	(ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)
احکام القرآن.....	(ابوبکر جصاص).....	(سہیل اکیڈمی لاہور)
اسماء الحسنی.....	(شیخ قشیری).....	(ریاض، سعودی)
البدایہ والنہایہ.....	(حافظ ابن کثیر).....	(مکتبہ التحقیق)
الاعلام.....	(خیر الدین زرکلی).....	(دارالعلم للعلماء بیروت)
البلاغ.....	(ترجمان دارالعلوم کراچی).....	(مکتبہ البلاغ دارالعلوم کراچی)
اتحاف السادة المتقين.....	(شیخ زبیدی).....	(تصویر بیروت)
التاج المکمل.....	(نواب صدیق حسن خان).....	(لبنان بیروت)
الافاضات الیومیہ.....	(مولانا اشرف علی تھانوی).....	(ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)
اخلاق العلماء.....	(شیخ آجری).....	(لبنان بیروت)
احیاء علوم الدین.....	امام غزالی.....	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
ابن حبان.....	(حافظ محمد بن حبان ابو حاتم).....	(دارالکتب العلمیہ، بیروت)
اصلاحی خطبات.....	(مفتی محمد تقی عثمانی).....	(میعن اسلامک پبلشرز کراچی)
احسن الفتاوی.....	(مفتی رشید احمد لدھیانوی).....	(ایچ. ایم. سعید کمپنی کراچی)
العبر فی خبر من غیر.....	(حافظ ذہبی).....	(کویت)
الجرح والتعديل.....	(ابن ابی حاتم رازی).....	(دارالفکر بیروت)
الاصابه.....	(حافظ ابن حجر عسقلانی).....	(دارالکتب العلمیہ بیروت)
الفقیہ والمتفقہ.....	(خطیب بغدادی).....	(مطابع القصیم بالرياض)
المبسوط.....	(امام ابوبکر محمد بن احمد سرخسی).....	(دارالکتب العلمیہ بیروت)
اصلاح دل.....	(مولانا حاجی محمد شریف).....	(ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)
اصلاح انقلاب امت.....	(مولانا اشرف علی تھانوی).....	(مکتبہ سید احمد شہید لاہور)



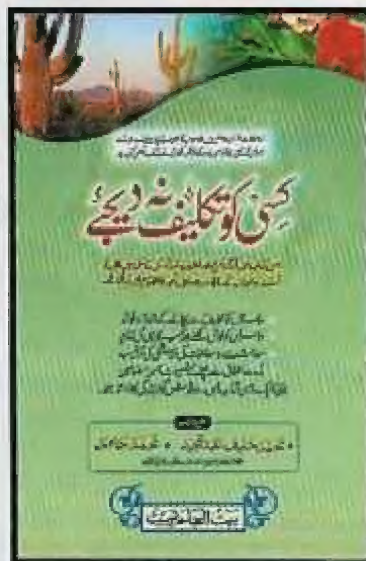


دُعائیہ کلمات  
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب  
رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

ائمہ حضرات کے لئے علمائے شعبہ تصنیف بیت العلم ٹرسٹ  
نے بزرگوں کی ہدایت ”تحفۃ الائمہ“ کے نام سے تیار کی ہے۔  
اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ائمہ کرام کے لئے مشعلِ راہ  
بنائے۔ آمین



الحمد للہ مکتبہ بیت العلم کی شائع کردہ کتابیں اچھے اور نیک  
دوست کا کردار ادا کرتی ہیں، یہ کتابیں ایک خاندان کے ہر فرد  
کی اصلاح و تربیت میں بہترین معاون و مددگار ہیں۔ ان  
کتابوں کا موضوع اصلاح ذات اور شخصیت کی تعمیر و ترقی ہے  
جن کی ذریعہ معاشرے میں رہنے کا طریقہ سکھانے اور حقوق  
اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان  
کتابوں میں قرآن کریم کی تفسیر..... حدیث کی تشریح کی  
روشنی میں..... معاشرتی مسائل..... اصلاح کی  
دعوت..... نیک اعمال کا ذوق اور گناہوں سے دل میں  
نفرت بٹھانے والے مضامین..... بیان کئے گئے ہیں۔



ان کتابوں کو ہدیہ وغیرہ میں تقسیم کر کے آپ بھی علم پھیلانے  
میں اپنا حصہ شامل کر سکتے ہیں۔